وید اور قرآن

لکھشمن

شکایتیں چھوڑو - اپنا فرض پورا کرو -

مجھ سے کہا جاتا ہے کچھ ہی ہو مسلمان ماننے کے نہیں۔ میں کہتا ہوں یہ شکایت محض اس شیطان کی ایجاد ہے جس کا عکس ایکدوسرے کے اندر نظر آکر ہمیں جدا رکھتا آرہا ہے ورنہ ؎

دل را بہ دل رہیست دریں گنبد سپہر — از سوئے کینہ کینہ۔ واز سوئے مہر مہر

کے مطابق میرے سامنے نظارہ ہی اور ہے۔ وید اور قرآن کی باہمی مطابقت کا یقین ہونے کے بعد سے میں اپنی تحریر اور تقریر کے متعلق مسلمان بھائیوں سے بے تعصبانہ ریمارک ہی سنتا آرہا ہوں۔ میرے کان میں آوازیں آتی ہیں۔

(۱) اگر یہی پوزیشن ٹھیک ثابت ہو۔ تو ہمیں تعصب ہی کیا ہو سکتا ہے۔ باہم مل جاویں گے۔

(۲) اس قسم کی تحقیقات کی قدر کرنا ہمارا فرض ہے (چھاتی پر ہاتھ رکھ کر) ہم اس میں تعاون کیلئے حاضر ہیں۔

(۳) ایک آریہ بھائی مسلمان کہہ رہے ہیں لیکچر سننے کے بعد ہمیں رات بھر نیند نہیں آئی۔ اوہ! ہم وید کو کیا سمجھ رہے تھے۔ یہی معلوم ہوتا ہے تیرہ صدی کے بعد آج قرآن کی اصل صورت ہمارے سامنے آئی ہے۔

(۴) ایک مسلمان بزرگ اگر آپ یہاں زیادہ نہیں ٹھہر سکتے تو میری عرض ہے یہ کام کرتے جایئے اور اس باہمی جھگڑے کو نپٹایئے۔ انسانوں کو نہ دیکھو۔ خدا کو دیکھو وہی آپ کو اس کا اجر دے گا۔

(۵) (ایک عمر رسیدہ مسلمان عالم) پبلک گفتگو کے دوران میں اپنے کسی بھی آیت کے پیش کردہ ترجمے کی غلطی کی وجوہات سنکر بلاتامل سر ہلا کر غلطی کو قبول کرتے ہیں۔ اور مقابلے پر میرے ترجمہ پر اعتراض کرکے جواب سنتے ہیں تو پھر سر ہلا کر فرماتے ہیں بیشک اس طرح تو یہی ترجمہ صحیح ہے۔

(۶) (ایک معترض مسلمان) دوران لیکچر میں سماج کے منتری سے وقت مانگتا ہے۔ اور لیکچر کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔ منتری و پردھان سے یہ ذکر سنکر جلسے کے بعد میں رکتا اور اس بھائی کو بلواتا ہوں مگر منتری ہمودے آکر سناتے ہیں کہ وہ کہتا ہے میں نے اعتراض کیلئے وقت نہ مانگا تھا۔ بلکہ شکریہ ادا کرنے کیلئے واقعی ماسٹر صاحب کا ترجمہ ٹھیک ہے ہمارے ترجموں میں نقص ہیں مگر افسوس یہ امر بہت دیر بعد معلوم ہوا۔ جب حالات بگڑ چکے ہیں۔ کاش کہ آریہ سماج پہلے اس طرح تحقیقات کرتا وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی آوازیں یقین دلاتی ہیں کہ کوئی بھی قرآن مجید اور حضرت محمد صاحب کا سچا بھگت مسلمان ترجموں کے متعلق تعصب و طرفداری سے کام نہیں لے سکتا۔

کتاب کی اشاعت کے متعلق دیری کی شکایت صحیح نہیں ہوگی۔ میں اپنی جی جان کی بازی لگائے اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہوں۔ محض جلد دوم کی اشاعت کے اپائے میں لگا رہنے سے ہر ہرج اور خرچ کو گوارا کیے ہیں آٹھ ماہ سے باہر تک نہیں گیا جنگ وجدل کا زمانہ۔ پبلک میں دھرم یا مذہب کے متعلق دلچسپی کی کمی۔ کاغذ کی غیر معمولی گرانی پیشگی گراہکوں کی تعداد کی کمی بقایا بھیجنے میں گراہکوں کی تساہلی۔ سب کے ہوتے ہوئے ہر ممکن جدوجہد کام کی تکمیل کیلئے ہو رہی ہے۔ اگر اتحاد اور حق پسند معاونین ذرا بھی خاص توجہ فرمائیں اور اپنا فرض پورا کریں تو ہمت مرداں مدد خدا کے مطابق اتنا بڑا کام چند ماہ میں ہی تکمیل پا سکتا ہے۔

(العاقل تکفیہ الاشارہ)

لکھشمن

ان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل
معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه

اوم

وید اور قرآن

جلد دوم

حصہ اول مطابقت تعلیم وید قرآن کے ۱۰ سے ۴۴ اباب تک

حصہ دوم ویدک تفسیر قرآن مجید کے پارہ سیقول و تلک الرسل

مصنفہ

لکھشمن آریوپدیشک

ملنے کا پتہ

ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائینس دہلی

قیمت تین روپے

ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا. فانما
يسرناه بلسانك لتبشر به المتقين وتنذر به قوما لدا

حم تنزيل من الرحمن الرحيم كتاب فصلت آياته
قرآنا عربيا لقوم يعلمون

وما كان هذا القرآن ان يفترى من دون الله ولكن تصديق
الذي بين يديه وتفصيل الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين

مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ اول جلد دوم

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ دوم - جلد دوم

دسواں باب - ورن ویوستھا

۱- وید بودکت ورن

وید میں چار ورنوں کا دھان ہے۔ اول برہمن جس کا کام دہرم اور ودیا کی اشاعت کرنا ہے۔ دوسرے کھشتری جن کے ذمہ حفاظت وغیرہ کا کام ہے۔ تیسرے ویش یعنی تجارت اور کھیتی والے اور چوتھے شودر جو خدمتگار ہیں۔ یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۱ میں برہمن کو مکھ سے کھشتری کو بھجا سے۔ ویش کو ارو سے اور شودر کو پاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (۱) اور اس استعارے سے ان چاروں ورنوں کی صفات اور افعال نہایت عالمانہ طور پر واضح کردیئے ہیں۔ اور بھی انیک منتروں میں اس تقسیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور منو وغیرہ میں ورنوں کی صفات وغیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور گو اس اصول کی لطافت کا احساس آج کل بہت کم علما کو ہے۔ تاہم غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل ملکوں اور قوموں میں عملی طور پر اس کی صداقت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ پادری۔ واعظ۔ بھکشو۔ مبلغ وغیرہ نام برہمن ورن کا کام کرنے والے کے ہیں۔ بادشاہ۔ راجا ملٹری۔ فوجی وغیرہ الفاظ کھشاتر دہرم کے نمائندہ ہیں۔ تجار۔ کاشتکار۔ ٹریڈر۔ ایگری کلچرل وغیرہ ویش ورن کا پتہ دیتے ہیں۔ اور مینیل۔ کمین۔ غلام۔ خدمتگار وغیرہ شودروں کے نام ہیں۔

۲- قرآن کی تقسیم

قرآن میں اس تقسیم کو خدا کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۶۸ تا ۱۶۹ میں ہے

ہم نے ان کو دنیا میں الگ الگ گروہوں (ورنوں) میں تقسیم کیا۔ ان میں صالح (برہمن) ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور ورن (غیر برہمن) ہم نے سکھ دکھ دونوں طرح سے ان کو آزمایا۔ کہ یہ دہرم یا پہلی حالت کی طرف رجوع رہیں۔ مگر ان کے ایسے ناخلف جانشین ہوئے۔ کہ کتاب الہی کے مالک ہی بن بیٹھے۔ اور لگے دنیوی مال بٹورنے اور یہ کہنے کہ ہمیں سب کچھ معاف ہے۔ لہذا کچھ بھی دنیوی شے ملی ہضم۔ کیا ان کو کتاب الہی والے عہد کا خیال نہیں۔ کہ ہم حق بات کے سوائے خدا سے کوئی بات منسوب نہ کریں گے۔ اور الہامی کتاب کے علم پڑھتے پڑھاتے رہیں گے اور کیا یہ اتنی بھی عقل نہیں رکھتے۔ کہ متقی لوگوں کے لئے پرلوک یا دارالآخرت ہی بہتر ہے۔ ۲۔

۱-

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद् बाहू राजन्यः कृतः।

ऊरू तदस्य यद्वैश्यः पद्भ्यां शूद्रो अजायत ॥ ११ ॥

۲- وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

ان آیتوں سے حسب ذیل امور عیاں ہیں۔

اول۔ خدا کا حکم ہے۔ کہ انسانی جماعت میں ورن یا قابلیت کے مطابق کام کی تقسیم ہو

دوم۔ اس تقسیم میں ایک ورن کو صالح یا برہمن کہتے ہیں۔ اور دیگر ورن بھی ہیں۔ جو غیر یا نان برہمن حصے میں شامل ہیں۔

سوم۔ خدا کی طرف سے نیکی کے بدلے میں جو سکھ ملتا ہے۔ اس سے انسانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اور وہ زیادہ مستعدی سے دھرم کے راہ پر چلتے ہیں۔ اور بدی کرنے میں جو دکھ ملتا ہے۔ اس سے برائی سے بچ کر بھلائی کی طرف آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ سو دونوں طرح کا مدعا یہی ہے۔ کہ دھرم کی طرف رجحان رہے۔ اور صالح لوگوں پر بھی دونوں طریقوں کا استعمال ہوتا رہا اور ہوتا ہے۔

چہارم۔ باوجود اس کے صالح یا برہمن لوگ گرتے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی اولاد ایسی ناخلف ہوئی۔ کہ روحانیت یا علمی کمالات سے غافل ہو کر بالکل اور محض دنیوی اغراض کی دلدادہ ہو گئی۔ اور جس بھی طرح سے ہو سکا۔ من گھڑت باتوں سے لوگوں سے ٹکے بٹورنے لگی

پنجم۔ اگر ان کو کوئی خیال بھی دلاتا۔ کہ ایسے عمل کیوں کرتے ہیں تو وہ کہتے ہم برہمن ہیں۔ ہمارے لئے سب کچھ معاف ہے۔ بہ قول سامرتھ کو نہیں دوش گوسائیں۔ اس طرح کی باتوں سے یہ خوب مال مارتے رہے۔

ششم۔ دھرم کے مطابق برہمنوں کا فرض یہ ہے۔ کہ وہ کتاب الٰہی یعنی وید والے اس عہد کو پورا کریں۔ کہ سوائے سچائی کے جو ایشور کی طرف سے ہے۔ اس کے نام سے کبھی کوئی بات نہ سنائیں۔ اور اسے پڑھتے پڑھاتے رہیں۔

ہفتم۔ ان کے اس اعلےٰ کام کا معاوضہ کیا ہو۔ اس کے لئے یہ واضح کیا ہے۔ کہ وہ دنیوی فواید کو ہیچ سمجھیں۔ بے غرض ونشکام خدمت کریں۔ تو ان کو پرلوک یا عاقبت کی کامیابی نصیب ہو گی۔ مگر

ہشتم۔ انہوں نے اوروں کے کتاب الٰہی کے پڑھنے کا حق ہی غصب کر لیا۔ اگر ان آیات پر غور کیا جاوے۔ تو صاف واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ سوامی دیانند۔ اور آریہ سماج کی پوزیشن تھی۔ وہی پوزیشن آنحضرت کی تھی۔ اور جو کچھ آریہ سماج نے تجربہ حاصل یا محسوس کیا۔ وہی کچھ آنحضرت نے محسوس کیا۔ اور جو کچھ ہم نے بھارت ورش میں سمجھایا۔ وہی آنحضرت اور ان کے پیروؤں نے عرب والوں کو سمجھایا۔

۳۔ برہمن ورن کی مہان

سورہ آل عمران آیت ۹۵ و ۹۶۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ

تحقیق انسانوں کے لئے سب سے مقدم جو حصہ یا درجہ وضع ہوا۔ وہ اس کی طرح ہے۔ جو گردن میں دکھ والا حصہ ہے بڑی فضیلت والا جہانوں کے لئے موجب ہدایت۔ ۹۵۔ اس میں علمی آیتیں یعنی ابراہیم والا مقام ہے۔ جو اس میں داخل ہوا۔ شانتی یا امن پا گیا۔ اور حتے الوسع اس درجہ تک پہنچنے کا قصد کرنا اللہ واسطے کا فرض ہے۔ ۹۶۔

ان آیات میں وید کے دو واکیوں کی ویاکھیا ہے۔ ایک تو اس واکیہ کی کہ

ब्रह्मा देवानो प्रथमो बभूव

عالموں میں سب سے اوّل برہما ہے۔ باب سوم میں ہم واضح کر آئے ہیں۔ کہ ابراہیم لفظ کا اصل مقصود برہما ہے۔ اور ویدک دھرمی لوگ چاروں ویدوں کے عالم کو برہما کہتے ہیں۔ اور یہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ جو انسان کو مل سکتا ہے۔ سو سب سے

مقدم درجہ کو ہی بابرکت موجب بذریعہ ہدایت اور علمی آیات کی وجہ سے مقام ابراہیم کہا ہے۔ اور کل انسانوں کو ترغیب وتحریص دی گئی ہے۔ کہ استطاعت حاصل کرو۔ کہ اس پدوی تک پہنچو۔

دوسرا واکیہ جس کی ان آیتوں میں دیا کھیا کی ہے۔ یہ ہے

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीत

یعنی برہمن وراٹ پرش میں مکھ ہے۔ یا یہ کہ جیسے انسانی جسم میں سر والا حصہ سب سے اوپر اور خوبیوں کا مجسمہ ہے۔ ویسا ہی کل انسانی جماعت یا کائنات میں برہمن قابل اور قابل تعظیم ہے۔

الغرض ہوبہو وید والی جہاں ہی برہما اور برہمن کی قرآن میں مذکور ہے۔

۴۔ رفع اختلاف

آیات محولہ بالا کا ترجمہ دیگر مفسر صاحبان نے اور ہی طرح کیا ہے۔ مثلاً ایک ترجمہ یہ ہے "یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ مکان ہے۔ جو کہ مکہ میں ہے۔ جس کی حالت یہ ہے۔ کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔ اور جو شخص اس میں داخل ہووے۔ امن والا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔ دوسرا نمونہ یہ ہے۔ لوگوں کے واسطے جو پہلا گھر بنایا گیا۔ وہ مکہ میں ہے۔ مبارک ہے۔ اور جہانوں کے واسطے موجب ہدایت ہے۔ اس میں آیات بینات ہیں مقام ابراہیم ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوا امن میں آگیا۔ اور اللہ کے واسطے ان لوگوں پر جو اس گھر تک جانے آنے تک کی طاقت رکھتے ہوں۔ حج فرض ہے۔ وغیرہ۔ مفسرین کے باہم کم و بیش فرق اردو الفاظ اور نیز اصل مفہوم کے متعلق تو عام طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے جو ترجمہ کیا ہے۔ وہ سب سے مختلف ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ یہی صحیح اور واحد اصل مفہوم ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل وجوہات ہیں۔

اوّل۔ اوّل بَیْت سے مراد یہاں اینٹ مٹی وغیرہ کا بنا ہوا مکان مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مکہ والا خانہ کعبہ انسانوں کے لئے سب سے پہلا گھر بنا ہو۔ یہ کوئی شخص دعوے یا قبول نہیں کر سکتا۔ خانہ کعبہ تو کہاں مکہ شہر سب سے پہلا شہر نہیں۔ اور عرب پہلا ملک نہیں۔ اور خود مکہ شہر اور عرب کا ملک خانہ کعبہ سے پہلے تھا۔ اور اس میں انسانوں کے لئے گھر بھی تھے۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ بیت سے مراد عبادت گاہ ہے تو بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ مسلمہ طور پر پیدائش سب سے اول تبت میں ہوئی۔ اس کے ساتھ سطح سمندر پر بھارت ورش کا ظہور رہا۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ دیگر ممالک پانی یا سمندر میں سے ظاہر اور آباد ہوتے رہے عرب کا بہت بعد کا نمبر تھا۔ اور خود قرآن کی شہادت ہے۔ کہ شروع سے ہی نبی یا رشی لوگ ہوتے اور راہ ہدایت دکھلاتے آرہے ہیں۔ اور عبادت گاہوں کا بھی انسانوں کو الہامی علم ملنے کے بعد عبادت کے لئے ہر ملک میں ہونا مسلمہ ہے۔ اور یہ امر محال بلکہ ناممکن ہے۔ کہ قرآن جیسی راست بیان کتاب مکان یا عبادت گاہ کے لحاظ سے ایسی خلاف واقعہ بات کہے۔ کہ مکہ والا گھر سب سے پہلے وضع ہوا۔

دوم۔ آیت میں مکہ کا لفظ بھی نہیں۔ اور قرآن کہیں نہیں بتاتا۔ کہ بکہ دراصل مکہ کا پہلا نام تھا۔ نہ کسی اور طرح بکہ سے مکہ مقصود ثابت ہوتا ہے۔ اور دینی یا عالمگیر تعلیم کی حامی کتاب کو تاریخ یا جغرافیہ کی شہادت سے واضح کرنا بھی اس کی توہین کرنا ہے۔ اور جب بیت کے معنے یہاں گھر نہیں۔ تو بکہ سے مراد کسی شہر کی کس طرح ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی آل عمران آیت ۹ میں بتایا ہے کہ

محکم آیات قرآن ام الکتاب کی ہیں۔ چونکہ اس میں للناس کے لفظ سے کل انسانی جماعت کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے تعلق والی آیت لازمی طور پر ام الکتاب کی ہونی چاہئے۔ اور ام الکتاب سے مخصوص مقام یا زمان کا بیان مقصود نہیں ہو سکتا اس لئے بکہ لفظ کا اصل مفہوم سمجھنا ہوگا۔ اس کے لئے لغات کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ شہادت ملتی ہے۔

بکّ۔ بکۃ۔ باز داشتن و مزاحم شدن (روکنا و مزاحمت کرنا) و بک عنقہ (گردن) (صراح جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

جن لوگوں نے بکہ کو مکہ کے قائمقام جانا۔ وہ بھی مصدری معنے کے لحاظ سے ہی وجہ بتاتے ہیں۔ کہ لغات میں بکہ اس کو کہتے ہیں۔ جو مخالف کی گردن توڑے۔ چونکہ تمام مخالف مکہ کے مقابلے میں ذلیل ہوتے رہے۔ اور آج تک کوئی اس پر متسلط نہیں ہو سکا۔ اس لئے مکہ کا نام بکہ ہے۔ لیکن اگر ایسا مانا جاوے۔ تو یہ نام تاریخی واقعات کا نتیجہ ہوگا۔ اور قدیم نام مکہ ہی ہوگا۔ پھر تاریخی ثبوت بھی اس کا کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ لغوی معنے مخالف کی گردن توڑنا بھی صحیح نہیں۔ محض روکنا و مزاحمت کرنا ہیں۔ اور بِبَکَّۃَ میں ب حرف جار ہے۔ اور مجرور بکہ ہے۔ یہ اسم ہے۔ اور اس کے معنے عنق یا گردن کے نہیں ہو سکتے۔ بکہ کاف مشددہ والا ہی اسکا بکت بتکیت سے اشتقاق ماننا صحیح نہیں۔ لیکن مانا جاوے تو اس بکت کے معنے بھی درستی یا تنبیہ کرنا ہے۔ اور اگر غلبہ پانا اس کے معنے ہیں۔ تو وہ حجت یا بحث میں غلبہ پانا ہے۔ جس سے درستی یا اصلاح مقصود ہے۔ گردن توڑنا نہیں۔ چنانچہ آیت میں یہی ہدایت ہی اس سے منسوب ہے۔ اور وہ وید میں برہمن سے منسوب ہے مکان ہدایت نہیں دیتے۔ پس سوائے اس کے کہ بیت کے معنے درجہ یا حصہ اور بکہ کے معنے گردن کیا جائے۔ اور ام الکتاب وید سے اس محکم آیت کی اصل تلاش کی جاوے۔ اور کوئی بات معقول نہیں ہو سکتی۔ اور وہ تعلق ہم نے جو پہلے ہی وید کے دو وا کیہ دے دیئے ہیں۔ ان سے صاف طور پر واضح اور ظاہر ہو رہا ہے۔

رہا یہ سوال کہ بیت کے لغوی معنے گھر کے ہیں۔ حصہ یا درجہ نہیں۔ سو اس اعتراض کی وجہ محض یہ ہے۔ کہ قرآن کے خاص لطیف اور علمی طرز بیان پر غور نہیں کیا گیا۔ ورنہ سورۃ النور کی آیت ۳۸ میں صاف طور پر بیوت لفظ انسانوں کے مفہوم میں بیان ہوا ہے۔ آیت ۳۷ میں اللہ کا نور ہی ارض و سما میں بتا کر کہا ہے۔ کہ یہ ان گھروں میں روشن ہوتا ہے۔ جن کے متعلق اللہ کا حکم ہے۔ کہ ان کی فضیلت قائم رکھی جاوے۔ اور ان میں اللہ کے نام کی یاد ہو۔ اور صبح اور شام اس کی تسبیح و تقدیس ہو۔ یہ کہکر ۳۹ آیت میں واضح کیا ہے۔ کہ یہاں وہ انسان بیوت سے مراد ہیں۔ جن کو دنیا کا کوئی لین دین وغیرہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا۔ وہ عبادت کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور موت کے وقت سے ڈرتے ہیں۔ آیات کے الفاظ یہ ہیں

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ....

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن بیوت کا آیت ۳۸ میں ذکر ہے۔ وہ ہیں محض وہ انسان جو کسی بھی دنیوی غرض سے یاد الٰہی یا دینی کام وغیرہ کو نہیں چھوڑتے وہی انسانی قالب کی عظمت یا اس کے اشرف ہونے کی اصلیت کو جانتے ہیں پس بیت کے لئے انسانی جسم یا جماعت کا کوئی حصہ یا درجہ مراد لینا عین منشائے قرآن کے مطابق ہے۔ اور یہ وید کے کلام کو صحیح طور پر سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ قرآن میں مصباح (چراغ) طارق (ستارہ) نیز حبل یا سبیل کے لفظ سے کئی جگہ رسول یا علم الٰہی مراد لیا ہے۔ جبل سے بڑے بڑے عالم اور طاقتور لوگ مراد لئے ہیں۔ بقر سے وید کے گو شبد کی تقلید میں من وغیرہ کی مراد لی ہے۔ تب اس امر میں کسی طرح بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ آنحضرت جسم کے حصوں کی مشابہت سے ورنوں کی تقسیم کو سمجھ کر آیت زیر بحث میں برن سے بیوپا

یا برہمن کے اعلےٰ درجہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور اس کو وید کی طرح مکھ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

آیت کے دوسرے الفاظ بھی اسی مفہوم پر موزونیت سے چسپاں ہوتے ہیں۔ برکت یا فضیلت والا بھی برہما یا ابراہیم یا برہمن ہے۔ کل جہانوں میں ہدایت دینے والا بھی برہمن ہے۔ اور اس سے تشبیہ پانے والے گردن والے حصے میں ہی آیات بینات ہیں بعض کہہ دیتے ہیں۔ کہ مقام ابراہیم اس میں ہے۔ لیکن اول تو آیات کا لفظ اور مقام ابراہیم کا لفظ یہاں مفہوم کے لحاظ سے یکجان ہیں۔ آیات کو ہی ابراہیم کا مقام کہا گیا ہے۔ لیکن آیات جمع ہے۔ اور مقام واحد پس جب تک مقام ابراہیم خاص صفات کا مجسمہ نہ ہو۔ تب تک یہ مطابقت ہو نہیں سکتی۔ پھر آیات وہ ہیں۔ جو کچھ باریک رمز سمجھاویں یا سبق دیں۔ لیکن وہ چھوٹی سی جگہ جسے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ نہ ہدایت دے سکتی ہے۔ نہ کوئی علمی رمز بہم پہنچاتی ہے۔ یہ کام رسول یا نبی یا مبلغ کا ہے۔ آنحضرت جیسا موحد شخص اور قرآن جیسی توحید کی ترجمان کتاب مکان یا نشان کی وکالت نہیں کرتی۔ جب قرآن عبادت کے لئے سمت کی قید کو اڑاتا ہے۔ اور ماسوائے خدا کے کسی مخلوق ہستی حتےٰ کہ مسیح وغیرہ تک کو اہمیت نہیں دیتا۔ تو خاص جگہ کو اتنی اہمیت دے دینا ممکن ہے۔ ہاں علمیت کے لحاظ سے ابراہیم کا درجہ ہر کہیں قرآن نے بہ طریق احسن سب سے افضل واضح کیا ہے۔ اور اس کو حسن گردن سے تشبیہ دی ہے۔ اس میں آیات بینات صریحاً موجود ہیں۔ ویدک دھرمی رشیوں نے نہایت قابلیت اور کمالیت سے ان علمی رموز کا بیان کیا ہے۔ جو برہمن کو مکھ کہنے سے مترشح ہوتی ہیں۔

پہلی نشانی مکھ والے حصہ میں یہ ہے۔ کہ اس میں آنکھ۔ ناک۔ کان اور زبان اور چمڑے کی سب گیان اندریاں ہیں۔ جو اس ہدایت پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ برہمن میں خصوصیت کے ساتھ گیان ہونا چاہیئے۔

دوسری نشانی یہ ہے۔ کہ مکھ والے حصے میں کرم اندری محض زبان ہے۔ اور اس سے یہ سبق ملتا ہے۔ کہ برہمن کا کام زبان سے اپدیش دینا ہے۔ جیسے گورو نانک جی کا کہنا ہے۔ کہ چھوں درناں کو دے اپدیش۔ نانک تس پنڈت کو سدا آدیش۔

تیسری نشانی یہ ہے۔ کہ مکھ والا حصہ ظاہری شان کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ برہمن میں دنیوی نمود شان وشوکت یا دولت کا تعلق نہیں۔ اس لحاظ سے اس میں ویراگ کی صفت ہو گی۔

چوتھی نشانی یہ ہے۔ کہ یہ حصہ سب سے اوپر ہے۔ اسی طرح برہمن انسانی جماعت میں سب سے اعلےٰ اور قابل تعظیم ہے

پانچویں نشانی یہ ہے۔ کہ گیان اندریوں میں سے جس طرح آنکھ سب سے اوپر ہے۔ اور دور سے دیکھتی ہے۔ کوئی اور طاقت اتنی دور تک مار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح برہمنوں میں بھی وہ اعلےٰ ہیں۔ جو آنکھ کی طرح راستہ دکھاتے اور ٹھوکروں سے بچاتے ہیں

چھٹی نشانی یہ ہے۔ کہ تعظیم دینے کے لئے سر کو ہی جھکایا جاتا ہے۔ اسی طرح سچی تعظیم اور اس کے استحقاق کا صحیح احساس برہمن کو ہی ہو سکتا ہے۔

ساتویں نشانی یہ ہے۔ کہ انسانی زندگی کے لئے سر کی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ گردن کٹی نہیں۔ کہ اس کا خاتمہ ہوا نہیں۔ اسی طرح انسانی سوسائٹی کے لئے دھرم اور علم والے طبقہ کی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ اگر برہمن اور سنیاسی گر جاویں۔ تو سوسائٹی کی تباہی ہی تباہی ہوتی ہے۔

آٹھویں نشانی یہ ہے۔ کہ خوراک جس سے تمام جسمانی اعضاء نشوونما پاتے اور طاقتیں قائم رہتی ہیں۔ منہ کے اندر پہلے ڈالی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام اشیاء کے استعمال کا صحیح علم برہمنوں کو ہو ان سے اسی طرح دوسروں کو ملے جس طرح منہ کے ذریعہ خوراک تمام اعضا تک پہنچتی۔ اور جدا جدا قوتیں دیتی ہے۔ ساتھ ہی برہمن کے لئے یہ امر اختیاری نہیں۔ بلکہ فطرتی ہے۔

جس طرح منہ میں پہنچی ہوئی غذا منہ میں رہ نہیں سکتی۔ اسی طرح برہمنوں کی فطرت ہی یہ ہوگی۔ کہ ان کا علم بغیر دوسروں کو فائدہ پہنچائے انہیں دم نہیں لینے دیگا۔

نویں نشانی دماغ کی ہے۔ جو سر والے حصے میں ہے۔ نظام جسم کا انحصار اسی پر ہے۔ دماغ میں خلل آنا انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ اور اس کی سلامتی سے تمام اعضا کا باہمی ربط ضبط قائم رہتا ہے۔ اسی طرح انسانی سوسائٹی کا نظم ونسق برہمن اور سنیاسی وغیرہ کی حالت پر منحصر ہے حتےٰ کہ راجہ وغیرہ کا کام بھی درحقیقت انہی کی قابلیت سے کامیاب ہوسکتا ہے۔

دسویں نشانی یہ ہے۔ کہ کان بھی اتنی ہی بلندی پر ہے۔ جتنی پر آنکھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جتنا اعلےٰ سے اعلےٰ علم انسان روحانی آنکھ سے مراقبہ میں پا سکتا ہے۔ اتنا ہی اعلےٰ علم شرتی کے اندر پاتا ہے۔ یعنی شرتی کے شبدوں کے ہی ارتھ کا انکشاف سمادھی میں ہوتا ہے۔

گیارھویں نشانی یہ ہے۔ کہ زبان ایک ہے۔ اور کان ناک آنکھ کے سوراخ دو دو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اپدیش دینے سے ہی زیادہ خیال برہمنوں کو شرتی کو سننے اس پر منن کرکے سچ جھوٹھ کی تمیز کرنے اور حقیقت کا علم بالمشافہ پانے کا رکھنا چاہیئے

بارھویں نشانی یہ ہے۔ کہ آنکھ اور کان چہاں سامنے ہیں وہاں بلندی دونوں کی یکساں ہے۔ وہاں آنکھ فرنٹ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ برہمن کا نصب العین سننے اور دیکھنے میں علم بالمشافہ تک پہنچنے کا ہی ہوگا۔

تیرھویں نشانی یہ ہے۔ کہ آنکھ اور کان کی بلندی سے کم بلندی پر ناک ہے۔ جو خوشبو اور بدبو کی تمیز کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ شرتی اور علم بالمشافہ کے ماتحت ہی سچ اور جھوٹ کی تمیز ہوگی۔

چودھویں نشانی یہ ہے۔ کہ زبان جو ان سب سے نیچے ہے۔ یہ سبق دیتی ہے۔ کہ علم بالمشافہ۔ شرتی اور حق و باطل کی تمیز کے ماتحت ہی اپدیش دینا ہی برہمن کا کام ہے۔

پندرھویں نشانی یہ ہے۔ کہ چمڑا یا چھونے والی اندری جس طرح محض سر والے حصے میں ہی نہیں۔ سارے جسم میں ہے اسی طرح برہمن کا علمی تعلق تمام انسانوں سے ہوگا۔ کھشتری۔ ویش اور شودر تک سے یہ تعلق رہنا لازمی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے غور کرنے والے جتنی ہدائیتیں چاہیں اس گردن والے حصے سے اخذ کرسکتے ہیں۔ یہی مقام ابراہیم یا برہما کا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ہدایت مجسّم ہے۔

اس کے علاوہ آیات کا لفظ منتر کے لئے ہے۔ اور بینات کا لفظ صریح اور مسلمہ صداقتوں یا ساری نیچر میں ظہور پذیر قوانین کے لئے ہے۔ جو ہر شخص کو ظاہرا طور پر نظر آسکتے ہیں۔ اور سچا علم دیتے ہیں۔ پس آیات بینات کے معنے علمی آئتیں ہیں اور چونکہ علم یا گیان حقیقت میں محض وید لفظ کا ارتھ ہے۔ اس لئے آیات بید کا صحیح ترجمہ وید منتر ہے۔ اور برہما یا ابراہیم کا درجہ : وید منتروں پر عبور حاصل کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس معنے کا تعلق بھی ویدک تعلیم سے ہی ہے۔ خود قرآن کا فرمان ہے۔ کہ خدا نے ابراہیم کا اپنی کلاموں میں امتحان لیا۔ وہ اس میں پورا اترا۔ تب خدا نے فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ اور اگر آیات بینات کا ترجمہ گیان اندریاں کیا جاوے۔ تو براہ راست وہ گردن والے حصہ میں ہیں ہی غرضیکہ ہر لحاظ سے آیات بینات اور مقام ابراہیم بالکل ہم مطلب ہیں۔

۶۔ عقل کا تقاضا!

آیت کے اگلے الفاظ پر اگر عقلمندی سے غور کیا جاوے۔ تو دلایل سے بھی مذکورہ بالا مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ جو اس میں داخل ہوا۔

امن پا گیا۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں اس چھوٹی سی جگہ کا بیان نہیں۔ جسے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ امن کا تعلق اگر جسم تک محدود رکھیں۔ تو اس مقام میں داخل ہونے سے کسی کی بیماری یا اشانتی دور نہیں ہو سکتی۔ نہ دشمن سے پناہ ملنے کے لئے اس میں کوئی داخل ہوتا ہے۔ پس یہ امن اطمینان قلبی ہے یا روحانی شانتی اور اس کا تعلق سچے علم سے ہے۔ جو برہما یا برہمن یا ابراہیم کا خاصہ ہے۔ اگر جسمانی تعلق مقصود ہوتا۔ تو تمام بیماروں اور کمزوروں کو اس میں پناہ دینے کو کافی جگہ اور انتظام ہونا چاہئے۔ اور یہ کیا جاتا۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ مکہ کے علاقے میں بدامنی کرنے والے نہیں پہنچ سکتے۔ یا اسے مغلوب نہیں کیا جا سکا۔ تو اول تو تاریخ کے رو سے یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ نشانی مقام ابراہیم کے متعلق نہ رہیگی۔ بلکہ اس علاقے سے منسوب ہوگی۔

ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں۔ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ۔ یہاں یہ مطلب نہیں۔ کہ اس بیت سے خانہ کعبہ مراد لیا جاوے۔ کیونکہ النّاس کا لفظ تمام انسانوں سے منسوب ہو سکتا ہے۔ اور جو قرآن سچی توحید کا علمبردار ہے۔ وہ کل انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے خاص جگہ کا حج لازمی نہیں کر سکتا۔ سچے عالم اور عامل رسولوں اور نبیوں کے فیضان صحبت کی تحریک کی بات جدا ہے۔ مخصوص مقام کی زیارت کی ہدایت خاص اغراض کے لئے انسان دے سکتے ہیں۔ خدا تو اطمینان قلب کے لئے ہر جگہ کی تحریک کریگا۔ جہاں سے فیضان علم و عمل حاصل ہو۔ پھر حِجُّ الْبَیْتِ کے معنے ہیں۔ اس مقام کا قصد کرنا۔ اگر حج کسی مقام کا ہوتا۔ تو کہا جاتا۔ کہ سب انسان پہنچیں۔ یہ نہ کہا جاتا۔ کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یعنی جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ کون انسان ہے۔ جو کسی خاص جگہ تک پہنچ نہیں سکتا۔ دولتمند سواری سے پہنچ سکتے ہیں۔ تو غریب پیدل بھی جا سکتے ہیں۔ حتےٰ کہ بیمار اور نادار بھی اوروں کی مدد سے پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر یہی مطلب ہوتا۔ کہ مقام ابراہیم میں داخل ہونے سے امن نصیب ہوتا ہے۔ تو اولو العزم مسلمان اپنا سب کچھ خرچ کر کے بھی سارے انسانوں کو امن نصیب کرا چکے ہوتے۔ پس حقیقت یہ ہے۔ کہ ہدایت اور ترغیب دی جا رہی ہے۔ کہ اس اعلےٰ علمی درجہ کو جو حاصل کر سکے اس کا قصد کرے۔ یہ خدا واسطے کا فرض ہے۔ اور بغیر علمی و روحانی استطاعت کے حاصل کئے اس کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

۷۔ موقعہ و محل کا تقاضا!

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے۔ کہ آیت زیر بحث کا کس مضمون یا موقعہ و محل سے تعلق ہے۔ سو کئی رکوع پہلے سے الہامی اور انسانی مذاہب کی بحث چھڑ رہی ہے۔ آنحضرت محض اللہ اور اس کے سچے الہام کو مانتے ہیں۔ اور اس کا سب سے پہلا وکیل حضرت ابراہیم کو قرار دیتے ہیں۔ مسیح یا کسی اور نبی یا توریت اور انجیل کو ملت ابراہیم پر ترجیح دینا تو کہاں اس کے مطابق ہونے سے ہی ماننے کے لائق سمجھتے ہیں۔ اور ایک طرف تو صاف کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم پہلے ہوئے۔ توریت اور انجیل سب ان کے بعد کی ہے۔ اور دوسری طرف مسیح کو ماننے کی عقلی دلائل سے تردید کرتے۔ اور سب نبیوں کو ایک ہی سچے سدھانتوں کا معتقد بتاتے ہیں۔ اور اہل مذہب پر الزام لگاتے ہیں۔ کہ یہ لوگ غلط اعتقاد پھیلاتے۔ حتےٰ کہ کتاب میں کچھ ہوتا ہے۔ سناتے کچھ ہیں۔ نام خدا کا لیتے ہیں۔ مگر وہ بات خدا کی نہیں ہوتی۔ آخر میں اصل کفر کو لازمی طور پر سزا ملنے کا بیان کر کے اس سورۃ میں پہلے یہ کہا۔ کہ دھرم یا نیکی کمانے کے لئے اپنی پیاری چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اور خدا جانتا ہے۔ کس نے کیا خرچ یا قربان کیا ہے۔ یہ کہکر اس امر کا اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل پر کل غذائیں حلال تھیں۔ باستثنائے اس کے جو یعقوب نے اپنی ذات کے لئے حرام کر لی تھیں۔ اس کہنے سے ایک تو وہ غذا کے متعلق قانون الہی کی اپنی خلاف ورزی پر پردہ ڈالتے تھے۔ دوسرے اس سے گذشتہ نبیوں کا باہمی اختلاف یا دھرم میں ترمیم تنسیخ کا نقص عاید ہوتا تھا۔ اس

لئے آنحضرت نے چیلنج دے کر انہیں توریت کی رو سے جھوٹا کیا۔ اور کہا اب بھی کوئی خدا کے نام سے ایسی غلط بیانی کریگا۔ تو بڑا گناہگار ہوگا۔ اس کے بعد کہا گیا۔ کہ بس سچ یہی ہے۔ جو خدا سے ہے۔ وہی ملتہ ابراہیم ہے۔ پس اسی کی پیروی کرو۔ ابراہیم ہی سچا موحد تھا۔ اور مشرک نہ تھا۔ یہ کہنے کے بعد آپ نے ابراہیم کی فضیلت کا ثبوت دیا۔ اور آیت زیر بحث سنا کر قدیم الہامی کتاب وید میں جو برہما کو سب سے اول اور مقدم ورو کیا گیا تھا۔ اور برہمن کو مکھ سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس کی طرف توجہ دلا کر اپنے دعوے کی صداقت ثابت کی ہے۔ خانہ کعبہ یا کسی جگہ کا مضمون سے تعلق ہی نہیں۔

۸۔ آیات مابعد کا مفہوم

نہ صرف سلسلہ مضمون ماقبل آیات مابعد سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے لوگو! خدا کی آیتوں کا انکار نہ کرو۔ نہ جان بوجھ کر باتیں بنا بنا کر راہ خدا پر چلنے والوں کے مزاحم بنو۔ اور اے حق کو قبول کرنے والو! تم اہل کتاب کے اس فریق کی بات نہ مانو۔ جو تمہیں پھر کفر کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اور تم بھلا کفر کی طرف جا ہی کیسے سکتے ہو۔ تمہیں تو خدا والی آئینیں سنائی جا رہی ہیں۔ رسول تمہارے درمیان ہے۔ اور راہ راست یا دھرم پر ہوتا ہی وہی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ پر ہی مضبوط اعتقاد رکھتا ہے۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ خدا کا ایسا تقویٰ رکھو۔ جو تقویٰ کا حق ہے۔ اور مرتے دم تک اسی کے فرمانبردار رہو۔ تمام کے تمام اللہ تعالےٰ کی رسّی یعنی دھرم کو مضبوط پکڑو۔ فرقہ بندی نہ کرو۔ خدا کی الہامی علم والی نعمت کی ہی اشاعت کرو۔ دیکھو تم حق کو قبول کرنے والے سب دلوں میں باہم عداوت رکھتے تھے۔ مگر اب تم میں اس نے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اس کی اس علمی نعمت کی بدولت تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے ہو۔ مانو تم دکھ یا نار جہنم کے گڑھے میں گرنے والے تھے۔ کہ اس نے اپنی عنایت سے تمہیں اس سے بچا لیا۔ یہ ہے خدا کا اپنی شان دکھانا۔ جس سے تم سبق لے سکتے ہو۔

پس آیات مابعد میں بھی مکان کا تعلق نہیں۔ دین الٰہی یا ملت ابراہیم کا ہی تعلق ہے۔ اور اس سے آگے تو اور بھی صاف طور پر برہمن ورن کے اوصاف اور اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ دیکھئے۔

۹۔ برہمن ورن کی ضرورت

آل عمران آیت ۹۷ میں اشارہ کیا ہے۔ کہ حالانکہ عملوں کی سزا جزا دینے والا خدا سب کے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔ پھر بھی جہالت سے لوگ آیات الٰہی سے انکار کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ آیت ۹۸ میں یہ اشارہ ہے۔ کہ جہاں لوگ آیات الٰہی سے بوجہ اپنی جہالت کے منحرف ہو رہے ہیں۔ وہاں خود غرض عالم یا برہمن لوگ بھی جان بوجھ کر ان کو حق پر چلنے سے روکتے ہیں۔ ان کی ایسی حالت کا ہی تقاضا ہے۔ کہ رسول لوگوں کو خبردار کرتے ہیں۔ کہ اے حق پرستو! ایسے لوگوں کی بہکاوٹ سے کفر کی طرف مت جاؤ۔ بالخصوص اب کہ میں تمہیں صاف طور پر احکام الٰہی سنا رہا ہوں۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ محض خدا سے ڈرو۔ اور مرتے دم تک سچے دین پر قائم رہو۔ حق کو قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کا عہد اللہ والی وہ مضبوط رسی ہے۔ جو ٹوٹنے والی نہیں۔ باقی سب مت متانتر پھوٹ اور فرقہ بندی سے تباہ کرنے والے ہیں۔ خدا کا الہامی علم جو اعلےٰ ترین نعمت ہے۔ اسی کا دنیا میں پرچار ہونے سے یہ تفریق در تفریق کی خرابی دور ہو سکتی ہے۔ دیکھو! تم اے مسلمانو! تم پہلے کس طرح ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ مگر اب سچی کتاب کی ہدایت کو سن کر تم سب کے دل مل گئے ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہو۔ اس طرح کی وعظ سے آنحضرت واضح کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو گمراہی اور خود غرض

غالموں سے بچانے کے لئے سچے واعظوں کی یا برہمن ورن کی اشد ضرورت ہے (۱)

۱۰۔ برہمن ورن کا عملی قیام

چنانچہ آٹھ ۔ ۹ آیات میں عملی سکیم پیش کرتے ہیں (آیت ۱۰۳) تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف راغب کرے۔ مشروع کاموں کے کرنے کی ہدایت دے۔ اور غیر مشروع سے منع کرے۔ اور یہی ہیں (جو ہر م ارتھ کام موکش نامی) پھل پانے والے ہیں۔ (۲) (۱۰۴) تم ان لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ جو باہم فرقہ بندی پیدا کر کے یا علمی روشنی پا کر اختلاف پھیلاتے ہیں (۳) اس کے آگے آیت ۱۱۰ میں کہا ہے۔ لوگوں کے لئے جو امتیں یا ورن بنائے گئے ہیں۔ ان میں تم لوگ بہترین ورن والے ہو۔ جو مشروع باتوں کی ہدایت دیتے اور غیر مشروع سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر توکل رکھتے ہو۔ (۴)

ان حوالجات میں برہمن ورن کا اعلیٰ فرض بھی واضح کیا گیا ہے۔ اور جیسے وید برہمن کو مکھیہ یا سب سے اونچا مانتا ہے۔ ویسے ہی یہاں بہترین امت انہیں کہا گیا ہے۔

سورۃ الانعام رکوع ۹ میں مشرک اور موحد نام دو فریق کا ذکر کر کے اخیر میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ بتاؤ ان دونوں میں سے امن کا مستحق کون ہے۔ جواب غیر مشرک کے حق میں دے کر رکوع ۱۰ کی پہلی آیت میں کہا ہے۔ کہ ایسی حجت کی بناء پر ابراہیم کا درجہ خدائے حکیم و علیم نے اس کی قوم پر اونچا کیا تھا۔ اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب دیئے جن میں سے ہر ایک نے ہماری ہدایت پائی تھی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی تھی۔ اور اسی کے سلسلہ میں داؤد سلیمان ایوب یوسف موسیٰ ہارون جیسے نیک عملوں کو نیز زکریا یحیٰ۔ جیسے اور الیاس کو ہدایت ملی۔ یہ سب صالح تھے۔ ساتھ ہی اسمٰعیل نے یسع۔ یونس۔ لوط میں سے ہر ایک کو اہل جہان پر فضیلت دی وغیرہ یہ کہہ کر آیت ۷ میں کہا ہے۔ "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کے واسطے ایک قوم (دوسرا) کا ذمہ لگا

۱۔ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ فَرِيقًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ كَٰفِرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُۥ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ۚ وَٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

۲۔ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝

۳۔ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُوا۟ وَٱخْتَلَفُوا۟ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

۴۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ۗ وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ۝

رکھا ہے۔ جو اس کام سے انکار کرنے والی نہیں (۱)

یہاں تمام گذشتہ نبیوں کا ایک ہی الہامی کتاب سے تعلق بتایا گیا ہے۔ اگر وید کے علاوہ کا کتاب لفظ سے تعلق ہوتا۔ تو محض توریت اور انجیل کے متعلقہ دو نبیوں کا ذکر ہوتا۔ اس کے علاوہ کتاب اور حکمت اور نبوت کا ملنا ان تمام ہادیوں۔ رہنماؤں یا واعظین حق سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عملی طور پر لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے میدان میں آتے ہیں۔ اور یہ برہمن ورن سے ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں من الصّٰلحین کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی (۹۰) آیت میں کہا ہے۔ یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔ پس تو بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرا دینا وے۔ کہہ میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ تو تمام جہان کے لئے بھلائی اور نصیحت کا کام ہے (۲)

اس آیت سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ آنحضرت نے بھی انہی گذشتہ ہادیوں کے سلسلے میں اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ دوم یہ کہ سچے واعظوں کا کام بے غرضانہ سپرٹ سے ہوتا ہے۔ رسول صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تمام جہان کی بہتری اور بہبود کے کام یعنی تبلیغ حق کے لئے معاوضہ طلب کرنا اس کام کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے تمام بھادسے اس تپ کو جاری رکھا۔ سوم یہ کہ جو بھی سچے برہمن کے فرض کو پورا کرتا ہے۔ وہ صالح ہے۔

اسی امر کو آل عمران رکوع ۷ آیت ۵ میں اس طرح واضح کیا ہے۔

تحقیق ابراہیم کے قریبی لوگ وہ ہیں۔ جو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ نبی ہیں۔ اور اہل ایمان اور اللہ اہل ایمان کا ولی ہے (۳)

گویا ابراہیم کی اولاد سچے دھرم کے عالم اور سچے واعظ یا نبی لوگ ہی ہیں۔ بوجہ علمی اور عملی شاگردی کے۔ انہی لوگوں کے متعلق اعراف ۱۸۱ میں کہا ہے۔

"ہماری مخلوقات میں ایک گروہ ایسا ہے۔ جو حق بات کی ہدایت کرتا۔ اور حق سے ہی انصاف کرتا ہے (۴)

سورۃ التوبہ۔ ۱۲۲ میں ہدایت ہے۔ کہ

مومنوں کو یہ مناسب نہیں۔ کہ سب کے سب نکل پڑیں۔ کیوں نہ ایسا کیا جاوے۔ کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ (چیدہ) آدمی دین میں غور و فکر کرنے کو نکلیں۔ اور جب اپنے لوگوں کی طرف لوٹیں۔ انہیں (گناہ سے) ڈرائیں۔ تاکہ وہ محتاط ہوں (۵)

یہ سکیم سچے اپدیشکوں کے تیار کرنے کے لئے محض بان پرست آشرم کی عظمت کا مظہر ہے۔ گھروں سے کہ محض دینی تعلیمات

۱- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝

۲- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۝

۳- إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۴- وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝

۵ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

کو جا سمجھنا اور غور و فکر کرنا اور اس امر میں مہارت حاصل کر کے اپنے لوگوں میں آنا اور انہیں تبلیغ حق سے مستفیض کرنا۔ ہو بہو ویدک
آشرم مریادا ہے۔ اور کم سے کم اس امر کو تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہو گا کہ آنحضرت کا یہ مدعا نہ تھا۔ کہ ایرا غیرا نتھو خیرا سب
مذہبی پلیٹ فارم کے گلے کا ہار بن جاویں۔ بلکہ آپ محض قابلیت حاصل کرنے کے بعد واعظ ہونے کا مشورہ دیتے تھے۔ ساتھ ہی
یہ امر بھی ظاہر ہے۔ کہ جہاں بھی انفرو لفظ سے حفاظت دین کے لئے نکلنے کی ترغیب قرآن میں دی ہے۔ اس کا تعلق اشاعت حق کے
لئے جنگ سیف کرنے سے نہیں۔ بلکہ علمی جنگ سے ہے۔

۱۱۔ سچّے اور جھوٹے برہمن

دفعہ ۱۰ میں اس امر کا بھی بیان موجود ہے۔ کہ سچے اور جھوٹے برہمن میں کیا فرق ہے۔ تاہم اس کے متعلق جدا اور مخصوص اشارہ دینا ہی ضروری ہے۔ آل عمران رکوع ۸ میں مختلف قسم کے مخالفین حق کا بیان ہے۔ ازانجملہ آیت ۷۸ میں ایسے خود غرضوں کا بیان ہے۔ کہ وہ اپنی زبان سے کتاب کا تعلق جوڑتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ سمجھو وہ کتاب الٰہی کی ہی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ان کی بات کتاب میں ہوتی نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ یہ بات خدا کی طرف سے ہے۔ حالانکہ نہ خدا کی طرف سے ہوتی نہیں۔ اس طرح وہ دیدہ دانستہ خدا کے متعلق کذب بیانی کرتے ہیں۔ رکوع ۱۱ میں ایسے لوگوں کو تفرقہ انداز اور سچے اصولوں کا علم ملنے پر بھی اختلاف پھیلانے اور عذاب عظیم پانے والے کہا ہے۔ اور ان کو سیاہ رو کہا ہے۔ اور سچے براہمنوں اور واعظوں کو ہر کہیں سرخرو اور جنت کا مستحق بتایا ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق کہا ہے (انعام ۸۹) کہ لوگ مانیں نہ مانیں تبلیغی کام کے لئے ہم نے جس درن کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہ اس کام سے انکار نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ تبلیغ حق سچے برہمن کا فطرتی خاصہ بن جاتا ہے۔ اعراف ۱۶۴ میں ان لوگوں کی عظمت اس طرح بیان کی ہے۔

سبت (ہفتہ) کے متعلقہ گناہ کرنے والوں کو سمجھانے کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرنے لگے۔ کہ جنہیں خدا سے عذاب ہی ملنا ہے۔ انہیں نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب یہ ملا۔ کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں نہ کریں۔ تو ہم پر خدا سے الزام آئے۔ اور یہ بھی خیال ہے۔ کہ ممکن ہے یہی سدھر جائیں (۱)

اگلی آیت میں یہ ذکر ہے۔ کہ برہمن جو نصیحت کرتا ہے۔ اسے لوگ بھول جاتے ہیں تو خدا انہیں عذاب دیتا ہے۔ مگر نصیحت کرنے والے کو دکھ سے نجات دیتا ہے (۲)۔

سچے برہمنوں کی فضیلت بتانے کے لئے جھوٹے برہمنوں کو آل عمران رکوع ۸ کی آیت ۸۰ و ۸۱ میں یوں سمجھایا ہے۔ کہ کسی انسان کو موزوں نہیں۔ کہ خدا اسے حکمت اور نبوت دے۔ تو وہ لوگوں کو یہ کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا کو چھوڑ دو۔ بلکہ یہی کہے کہ ربانی (اللہ والے) بن جاؤ۔ اس لئے کہ تم کتاب الٰہی ہی پڑھاتے ہو اور اس لئے کہ اسے پڑھتے ہو۔ (۳)

۱۔ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ
۲۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ
۳۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ

واقعی جو علم انسان کو ملا۔ کتاب الہٰی کے ذریعے ملا۔ کوئی بھی پڑھے۔ اور کوئی بھی پڑھاوے۔ سچّا علم کتاب الہٰی والا ہی ہے۔ اور اس کتاب اور اس کی بدولت دانائی اور پھر نبوت یعنی وعظ و تلقین حق کی ذمہ داری کا غرور خود غرضی احسان فراموشی اور حماقت ہے۔ اس لئے ہر عالم کو اپنی ذات کو وعظ حق میں بے تعلق جتا کر ہدایت یہی دینی چاہئے۔ کہ ربّانی یعنی خدا کے بندے بن جاؤ۔

اس سے اگلی آیت میں اس امر کو اور بھی واضح کیا ہے۔

اور نہ ہی وہ یہ کہیگا۔ کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب مان لو۔ کیا وہ تمہارے اسلام قبول کرنے کے بعد تم کو کفر کی بات کہیگا[1]!

۱۱۔ کھشتری ورن کی ضرورت

آل عمران کے بارھویں رکوع میں آٹھویں آیت تک برہمن ورن کا بیان کر کے آیت ۹ میں کہا ہے۔ کہ اہل ایمان کو چاہئے۔ کہ سوائے ایماندار لوگوں کے کسی کو اپنا اندرونی جزو قبول نہ کریں۔ کیونکہ غیر مومن یا انار یہ لوگ ہمیشہ نقصان پہنچاتے اور ایذا دہ باتیں دیتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ہی یہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں تو نہ جانے کیا برُے منصوبے کام کر رہے ہیں۔ آیت ۱۰ میں افسوس کے ساتھ اپنے اس احساس کا اظہار کیا ہے۔ کہ کہاں مومنوں کے دل میں ان کی محبّت اور ان کے سدھار کی خواہش اور کہاں ان کی سرد مہری۔ کہاں ان کا محض کتاب الہٰی کے جزوی تعلیم پر اعتقاد اور کہاں مومنوں کا کل کتاب الہٰی پر ایمان۔ یہ ملنے پر اگر یہ بھی کہدیں۔ کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ تو بھی صحیح نہیں۔ خلوت میں یہ دانت پیس پیس کر مومنوں کی ذلت کے مشورہ کرتے ہیں۔ مومنوں کے سکھ سے ان کو دکھ ہوتا ہے۔ اور ان کے دکھ سے یہ خوش ہوتے ہیں۔ اب سوال ہے۔ ان کا تدارک کیسے کیا جاوے۔ اس کا جواب آیت ۱۱ میں یہ دیا ہے۔ کہ ان کے مقابلے میں صبر اور بردباری سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ ہزار منصوبے کریں۔ مومنوں کا جو اہل تقوی ہیں۔ کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ خدا ان کے عملوں کو جاننا اور ان کو سزا دینے والا ہے[2]۔ لیکن سب انسان ایسے صابر اور بردبار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے خدا کی طرف سے برہمن ورن ان کی زندگی میں پلٹا دینے کی کوشش کرتے کو ہے۔ لیکن ہر حالت میں وقت پر برہمن والا اپائے ہونا بھی ممکن نہیں۔ ظالموں کی روک تھام کے لئے جسمانی مقابلہ کے بغیر بچاؤ ہونا محال ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت کے لئے رکوع ۱۳ میں کھشتری ورن کی ضرورت ہے۔ وید کا فرمان راکھش اراتی اور دسیو لوگوں کی بیخ کنی کرنے کا ہے۔ اور وہ یا تو علمی طاقت سے ہو تا یا جسمانی سے۔ منو کہتا ہے۔ جاتی دلیش اور شکتی سے پاپیوں اور راکھشوں کو الگ کرو۔ اور راجہ کا فرض ہے۔ کہ ان دشٹوں کو فوج اور پولیس کے ذریعے ڈنڈ دے کر ان کا قلع قمع کرے۔ اور جیسے صبح سب سے پہلے برہم یگیہ یعنی عبادت الہٰی اور مطالعہ کتاب مقدس فرض ہے۔ ویسے ہی سچے رسول

۱- وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ع

۲- يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۗ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓأَنْتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَإِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ع

یا مبلغ کا فرض ہے۔ کہ جسمانی سزا یا جنگ سیف کی اشد ضرورت کا احساس ہو۔ تو مومن یا آریہ لوگوں کو ویسے ہی سویرے بذریعہ ہدایت واضح کر دے۔ کہ کس کس موقع پر جنگ سیف ضروری ہو سکتا ہے۔ بوّیٔ المؤمنین مقاعد للقتال کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جنگ کی ضرورت کے موقعوں کی خبر دی جانی چاہئے۔ اور اس ہدایت کا مدعا یہ ہے۔ کہ یہ موقع کھشتری ورن کے جوہر دکھانے کا ہے۔

۱۲۔ اس انتظام کا اصل مدعا

رکوع ۱۳ کی دوسری آیت میں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کھشتری ورن کی ضرورت کا احساس دو گروہوں کا یہ مطالبہ کراتا ہے۔ کہ امن جاری رہے۔ مفسرین قرآن نے اس کا ترجمہ یہ کر دیا ہے۔ کہ دو گروہوں نے ارادہ کیا۔ کہ ہمت ہار دیں۔ اور دو گروہ کون سے ہیں۔ اور ہمت ہارنے کا یہاں مفہوم کیا ہے۔ اور کیا وجہ ہوئی کہ ان کو ایسا خیال ہوا۔ ان امور کے متعلق مختلف قسم کے بیان دیئے جا رہے ہیں۔ الفاظ قرآن سے نہ کسی ایسے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے نہ کوئی کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ ساری تاویلات بالکل غیر متعلق ہیں۔ اور ہم ان کے لئے تفسیر آیت کا موقع ہی موزوں سمجھ کر یہاں یہ واضح کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ طائفتٰن کے معنے جو دو گروہ ہیں۔ وہ برہمن اور ویش ہیں۔ کہ سوہومہ بنو عادٌ ربنو مسلمہ یا اور لوگ یہ مضمون چل رہا ہے۔ ورن دیوستھا کا۔ اور وہ بھی کھشتری ورن کا۔ اور اس کا انتظام اس غرض سے کیا گیا ہے۔ کہ برہمن اور ویش لوگ بلا کھٹکے اپنے اپنے کام جاری رکھ سکیں۔ برے آدمیوں سے سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہونے کی صورت میں برہمن اطمینان اور امن سے علمی تجسس و اشاعت کا کام نہیں کر سکتے۔ اور ویش بھی ہر وقت لٹ جانے کے خطرے کی وجہ سے اطمینان سے تجارت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان دونوں ورنوں کا آئندہ کسی ممکن بدانتظامی کے دفعیہ کے لئے خیال ہونا ضروری ہے۔ ھَمَّتْ ھَمّ سے ہے۔ جو اس غم یا فکر کے لئے ہے۔ جو آئندہ کی کسی تکلیف کے خیال سے ہو۔ اور تفشلا کے لغوی معنے ہیں۔ "رواں شدن آب" پانی کا جاری ہونا اور اس کا بامحاورہ مفہوم اس کا قائم رہنا ہے۔ پس قرآن بجا طور پر فرماتا ہے۔ کہ برہمنوں اور ویشوں کا مطالبۂ قیام امن کو پورا کرنا ہی کھشتری ورن کا مدعا ہے۔

۱۳۔ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتے

باب اول میں جہاد کے مضمون پر بحث کرتے ہوئے ہم نے کہا تھا۔ کہ جنگ بدر کا سورۃ الانفال کی آیات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ عملاً بدر کے مقام پر جنگ ہوا۔ سورۃ الانفال کی کسی آیت میں اشارہ یا کنایہ سے بھی بدر کے مقام کا ذکر ہے۔ لیکن سورۃ آل عمران رکوع ۱۳ آیت ۲ میں کہا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ۔ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی۔ اور اس مضمون کو بھی مفسرین نے عملی جنگ پر لگایا ہے۔ لیکن یہاں بدر کا لفظ ہونا اس بات کو کسی طرح ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ سورۃ انفال میں بھی جنگ بدر کا ذکر ہے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ وہاں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ جنہیں وہاں مُردفین یعنی رہنما کہا ہے۔ اور یہاں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے جنہیں مُنزلین اور مُسوّمین کہا ہے۔ پس انفال والا بیان قطعاً جدا ہے۔ اور مفسرین کا اس سے جنگ بدر کا مفہوم لینا اس آیت والے بدر لفظ کے مدعا کے خلاف ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس آیت میں جو بدر کا مقام مذکور ہے۔ وہاں تو جنگ ہوا ہی ہوگا۔ سو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ بیان یہ ہے۔ کہ اللہ برہمن اور ویش کا نگہبان ہے۔ اور

ان مومنوں کا اللہ پر ہی توکل ہے۔ لہذا جب ان لوگوں کو ناموافق حالات کے علم سے اندیشہ ہوا تو رسول نے لوگوں کو آگاہ کردیا۔ کہ ہر موقعہ پر برہمن کا اپدیش ہی محفوظ نہیں کرتا۔ کھشتریوں کو جنگ سے بھی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ آپ کے اپدیش پر تین ہزار والنٹیر احفاظت کے لئے مستعد ہوگئے۔ اور رسول نے مومنوں کو کہا کہ خدا کا شکر بجالاؤ۔ کہ تین ہزار سدھے ہوئے والنٹیروں سے اس نے تمہاری مدد کی ہے۔ اور اگر صبر اور استقلال سے کام ہو تو پانچ ہزار سچے سجائے بہادر تیار پاؤ گے۔ اس میں بھی عملی لڑائی کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ آیت ۶ میں صاف کہہ دیا ہے۔ کہ

یہ محض خدا نے تمہارے لئے خوشخبری کا سامان بنایا ہے۔ اور محض اس لئے۔ کہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ملے (۱) مطلب یہ کہ کھشتری ورن کے حفاظتی مشن کے لئے بدر کے مقام کی مثال دی ہے۔ کہ حالات ناموافق اور نازک ہونے پر جب کھشاتر دہرم کے عملی ظہور کا انتظام ہوا۔ تو مومنوں کو اس سے خوشی اور اطمینان نصیب ہوا۔ اور رسول چونکہ خدا کے متعلق انتہائی خلوص عقیدت رکھتا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ یہ مدد صرف اللہ کی ہی طرف سے ہے۔ جو غالب کل اور صاحب حکمت ہے (۲)

پھر آیت ۷ میں اور بھی واضح کردیا ہے۔ کہ اس انتظام کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ کچھ کافر مر جاویں یا ذلیل و خوار ہو کر مٹ جاویں۔ اگر یہ بیان ہوتا۔ کہ اتنے کافر مرے یا محض یہ بیان ہوتا۔ کہ کافر ناکام لوٹ گئے۔ تو عملی جنگ کا یہ نتیجہ سمجھا جاتا۔ لیکن یہاں تو انتظام کی غرض بتائی ہے۔ اور نتیجہ دو قسم کا ممکن بتایا ہے۔ اور پھر ۹ ویں آیت میں ہی بتایا ہے۔ کہ اے نبی یا انسان کچھ بھی نتیجہ ہو۔ تیرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ یہ محض خدا کا کام اور اسی کی شان ہے۔ خواہ وہ ان کے سدھر جانے سے ان پر توجہ کرے۔ خواہ ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دے (۳)

۱۴۔ ویدک راج دھرم

ویدک ورن ویوستھا میں گو برہمن اور کھشتری کے دو جدا جدا ورن ہیں۔ لیکن اندرونی غرض دونوں کی ایک ہے۔ اور صفات میں بھی برہمن اور کھشتری کی مطابقت ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ برہمن من بدھی وغیرہ اندرونی اوزاروں کو صحیح و سالم رکھنے یا مضبوط کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور کھشتری جسمانی اور مالی حفاظت کے انتظام اور سوسائٹی کے بیرونی نقائص کے تدارک یا بدامنی وغیرہ کی روک تھام کا ذمہ دار ہے۔ برہمن بھی پورا نیک چلن عالم وید ہونا چاہئے۔ اور کھشتری کے لئے بھی وید وغیرہ سچے شاستروں کا عالم ہونا ضروری ہے۔ دونوں ہی ضبط نفس کے پابند ہیں۔ اور برہمن کے کام میں کھشتری معاون ہے۔ اگر راجا امن قائم نہ رکھے۔ تو برہمن کا پرچار یعنی تبلیغ حق و اشاعت علم کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں گویا اپنے اپنے مخصوص طریق پر بذریعہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ کہ بنی انسان کی سڑک کے کانٹے دور کر کے روح کو نجات کی منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ رگوید ۵۔ ۶۶۔ ۶ میں ہدایت دی ہے کہ "اے باہم محبت رکھنے والے لوگو! علم پر اپنے قول و فعل کا مدار رکھنے والے عالم بن کر آؤ۔ ہم آپ بنزاپ کے

۱۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ

۲۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

۳۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

بند ہو جن سب مل کر ہنسوں سے رکشا کرنے کے قابل (چکرورتی) سوراجیہ کے لئے کوشاں رہیں (۱)

اس میں صاف ہدایت ہے۔ کہ سوراجیہ کے لئے کوشش کرنے کے حق دار وہ لوگ ہیں۔ جو باہم متحد یعنی متفق ہوں۔ سچے علم کی صفت سے موصوف ہوں۔ اور ساتھ ہی ان کے دل ان کی زبان اور ان کے افعال اس علم کے مطابق ایک ہوں ایسے ہی لوگ اپنی متحدہ کوشش سے چکرورتی راجیہ پا سکتے ہیں۔

گویا ہر انسان اپنے آپ کو ضبط میں رکھ کر اپنی ذات پر سوراجیہ حاصل کرے۔ تب وہ اپنے جیسے دوسروں سے مل کر وسیع سلطنت پر راجیہ کرنے کا حقدار ہوتا ہے۔

منوادھیائے ۷ شلوک ۲ میں ہے۔ کہ کھشتری بھی فاضل برہمن کی مانند عالم اور تربیت یافتہ ہو۔ اپنی تمام سلطنت کی حفاظت ٹھیک طور پر کرے۔ (۲)

منو ۷۔ ۴۳ میں کہا ہے۔ کہ کھشتری لوگ چاروں ویدوں کی تعلیمات سے واقف اور حکومت کے متعلق تین علوم یعنی علم تعزیر۔ انصاف و اخلاق نیز عوام الناس سے گفتگو کرنے کے طریق کے ماہر ہو کر راج سبھا کے ممبر یا سبھا پتی بن سکتے ہیں۔ (۳)

اس سے اگلے شلوک میں کہا ہے۔ کہ راج سبھا کے ممبر اور سبھا پتی اپنے حواس کو مغلوب کر کے اپنے قابو میں رکھیں۔ اور ہمیشہ دھرم پر عمل کریں۔ ادھرم سے بچیں۔ مقررہ وقت پر یوگ کی بھی مشق کریں۔ کیونکہ اپنے اندرونی حواس پر قابو پائے بغیر کوئی شخص باہر کی سلطنت پر اپنا صحیح معنوں میں تسلّط جما نہیں سکتا۔ اس طرح کے سینکڑوں حوالہ جات سے ویدوکت راج ودیا کے اصل اصولوں کا علم ہو سکتا ہے۔

۱۵۔ قرآن کی راج ودّیا

سورۃ البقر رکوع ۳۲ میں قرآن میں بھی ویدک تعلیم کے مطابق ہی راج ودّیا کا بیان ہے۔ جس طرح برہمن اور کھشتری دونوں کا فرض ہے۔ کہ اپنی زندگی اور اپنی علمی و جسمانی طاقت کو اوروں کی خدمت کے لئے وقف رکھیں۔ سچا برہمن اپنی جان تک لینے والے ظالم انسان کو بھی دکھ یا سزا دینے کی خواہش نہیں رکھتا۔ محض اس کی بد مستی کو ہٹا دینے کا خواہاں ہے۔ اور سچا کھشتری اپنے راجیہ کے ادنے اسے ادنے انسان کی حفاظت کے لئے بھی اپنی جان تک گنوا سکتا ہے۔ اسی اصول کے زیر اثر قرآن اس رکوع کی پہلی آیت میں تعلیم دیتا ہے کہ برہمن اور کھشتری کو موت کا ڈر چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہا ہے۔ کہ ہزاروں لوگ موت کے ڈر سے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ لیکن خدا کا حکم

۱۔ आपद्वामीय चक्षसा मित्र वयं च सूर्य्यः ॥
व्यचिष्टे बहुपार्य्ये यते महि स्वराज्ये ॥

ब्राह्मं प्राप्तेन संस्कारं क्षत्रियेण यथा विधि।
सर्वस्यास्य यथान्यायं कर्त्तव्यं परिरक्षणम् ॥ २॥

त्रैविद्येभ्यस्त्रयीं विद्यांदण्डनीतिं च शाश्वताम् ।
आन्वीक्षिकीं चात्म विद्यां वार्त्तारम्भांश्च लोकतः ॥ ४३॥

جو موت کا تھا۔ وہ دوسری جگہ بھی پورا ہو کر رہا۔ پس موت کا ڈر فضول ہے۔ بالخصوص جب خدا نے پھر زندگی دے دی ہے تو موت کی چنتا کیوں۔ بلکہ ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرنا انسان کا کام ہے (۱)

یہ کہکر دوسری آیت میں کہا۔ کہ راہِ حق میں جنگ کرتے رہو۔ مت سمجھو۔ کہ اس میں نہیں نقصان ہوگا۔ خدا سنتا اور جانتا ہے (۲)

یہ یقین رکھو۔ تمہاری جد وجہد کا معاوضہ تمہیں پورا پورا ملیگا۔ اس معاوضہ کے اصول کو تیسری آیت میں یوں بیان کیا ہے۔ کہ راہِ حق کی جد وجہد کیا ہے۔ گویا خدا پر قرضِ حسنہ ہے۔ وہ اپنی شان کے مطابق نیکی کا بہت گنا معاوضہ دیتا ہے۔ جیسے ایک دانہ کا بیج سینکڑوں دانوں کا پھل لاتا ہے۔ اے انسان! دنیا میں جو کہیں تنگی ہے۔ اور کہیں فراخی ہے۔ اسے انسان سے نہیں خدا سے مان۔ اور اسی نرانکو ہی تو اپنا مرجع جان (۳)

مطلب یہ کہ برہمن اور کھشتری وغیرہ اپنے فرض کی تکمیل میں جی جان کی بازی لگاتے رہیں

چوتھی آیت میں اس جد وجہد کی کامیابی کا گر بتایا ہے۔ ویدک تعلیم کے مطابق برہمن وِدوان کا کام تو آغاز عالم کے رشیوں پر وید نازل ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ بعد میں جب انسانوں میں کچھ گراوٹ آئی۔ جسمانی حفاظت کے لئے بھی انتظام کرنے کو راج سبھا بنی اس سبھا میں سچے برہمن پروہتوں کی رائے و تجربہ سے فایدہ اُٹھا کر راجا کا چناؤ ہوا۔ چنانچہ راج تلک پروہت ہی دیتے آئے۔ جیسے وششٹ جی نے رام چندر جی کو راج تلک دیا۔ اسی کے مطابق اس چوتھی آیت میں ایک بحث لکھی ہے کہ بنی اسرائیل (آریہ جاتی) کی جماعت نے موسیٰ کے بعد ایک نبی کو کہا۔ کہ ہمارے لئے راجا منتخب کیجئے (اسے راج تلک دیجئے) تاکہ ہم راہِ حق میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا ایسا تو نہ ہوگا۔ کہ تم پر جنگ کا جو فرض لگے۔ تو تم جنگ نہ کرو۔ انہوں نے کہا۔ کیا ہماری عقل ماری ہے۔ راہِ حق میں جنگ نہ کریں۔ جبکہ اپنے شہروں اور اپنی اولاد تک کو چھوڑ آئے ہیں۔ مگر جب ان کے لئے جنگ کا حکم ہوا۔ تو بہ استثنائے قلیل تعداد کے سب پھر گئے (۴)

اصول یہاں یہ بتایا ہے۔ کہ دہرم کا پرچار ہو یا علم کا یا جنگ۔ سب کے عملی طور پر ہونے کے لئے سبھاپتی یا راجا کا ہونا لازمی ہے۔ اسی انتظام سے مجموعی طاقت مطلوبہ جد وجہد میں کام کر سکتی ہے۔ اس کے بعد پانچویں آیت میں ذکر ہے کہ

طالوت بعد بحث کے راجا چُنا گیا

نبی کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اعتراض ہوا طالوت ہم پر کیسے حکمران ہو سکتا ہے

۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ٥

۲۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥

۳۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥

۴۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ٥

اس سے زیادہ تو ہم مستحق ہیں۔ اسے کچھ مال و دولت تک بھی میسّر نہیں۔ نبی نے جواب دیا۔ خدا نے تم پر اسے بڑی فضیلت دی ہے۔ اور اسے راجا چُنا ہے۔ اس لئے کہ اس میں علم اور جسمانی صحت ڈیل ڈول کے لحاظ سے سب پر فوقیت دی ہے۔ سو جسے خدا موزوں سمجھتا ہے۔ اپنا ملک دیتا ہے۔ کیونکہ وہی تمام وسعت والا اور علم کل ہے۔ (۱) اس بحث کا مطلب یہ ہے۔ کہ راجا کے انتخاب میں مادی دولت کی صفت کو نہ دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ علمی صفت دیکھنی چاہیئے اور جسمانی حالت۔ موجودہ زمانہ کے حکمرانوں کی نسبت وید اور قرآن کے مطابق آدرش راجا ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ جو بکرماجیت کی طرح خزانہ کا استعمال محض بہبود عام کے لئے کریں۔ اور خود اپنے کمرے کے لئے چٹائی اور پانی کی ٹھلیا کو کافی سمجھیں۔ بغیر اس آدرش کے صحیح معنوں میں پرجا محفوظ نہیں رہ سکتی۔ چونکہ طالوت ان صفات میں فوقیت رکھتا تھا۔ لہذا مالی غربت کے ہوتے ہوئے بھی وہ بادشاہ بنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے۔ کہ یہ راج وغیرہ انسان کے لوبھ لالچ کرنے اور جھگڑے وغیرہ سے نہیں ملتے۔ بلکہ انصاف ایزدی سے جسے ان کا ملنا موزوں ہوتا ہے۔ انہیں ہی خدا سے ملتے ہیں۔ بہ قول سعدی یہ خدا کا عطیہ ہے۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چھٹی آیت میں طالوت کے علمی صفت کے کمال کا بیان کیا گیا ہے۔ کہا ہے کہ اس کے بادشاہ ہونے کی خاص الخاص علامت یہ ہے۔ کہ وہ تابوت تمہارے پیش کرتا ہے۔ جس میں تمہارے رب والی تسکین اور آل موسیٰ و ہارون والے ترکہ کا بقیہ ہے۔ اور جسے فرشتے یعنی رشی اور عالم لوگ اُٹھاتے ہیں۔ بلاشبہ سچے مومنوں کے لئے یہ سب سے بڑھ کر آیت یا کشش کی چیز ہے۔ (۲)

اس رکوع میں عموماً اور اس آیت میں خصوصاً کئی لفظ معانی کے لحاظ سے بحث طلب ہیں۔ مگر ان کو بیان کرنا محض طوالت کا موجب ہوگا۔ آیات کی تفسیر میں ہم نے ایک ایک لفظ پر واضح اور فیصلہ کن بحث کر دی ہے۔ یہاں محض یہ بتانا کافی ہے۔ کہ اس آیت میں تابوت سے مراد لکڑی کے صندوق کی نہیں۔ بلکہ طالوت کے من کی ہے۔ جس میں رب والی تسکین یعنی آتما کو شانتی دینے والا وید گیان ہے۔ وید کے منتر میں آتا ہے۔ جس طرح رتھ کے پہیئے کے دھرے میں آرے پروئے جاتے ہیں۔ اسی طرح رگ یجو سام اور اتھرو نام وید شیو سنکلپ من میں جڑے ہوتے ہیں۔ اور موسیٰ اور ہارون کی اولاد کے ترکہ کا بقیہ یعنی توریت وغیرہ یا سمرتی گرنتھوں کا علم بھی اس میں ہے۔ گویا طالوت شرتی سمرتی کا ماہر عالم اور جسمانی طاقت میں بھی لاثانی تھا۔

بائیبل میں طالوت کا قصہ جس طرز پر بیان ہوا ہے۔ وہ بھی اصل کلام کو نہ سمجھنے والے مترجموں کی بدولت نہایت

۱۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

۲۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

گمراہ کن ہے۔ حضرت محمد صاحب نے اس بیان کی ہرگز ہرگز تقلید نہیں کی۔ تاہم مفسرین قرآن نے بائیبل کے الفاظ کا سہارا لیا ہے اور اس لئے اس آیت کی تاویل بطور ایک پیشگوئی کے کردی ہے۔ کہ اس کے پادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ صندوق جس میں تمہارے پروردگار کی بھیجی ہوئی تسلی (توریت) ہے۔ اور نیز موسیٰ اور ہارون جو (یادگار) چھوڑ مرے ہیں۔ ان میں کی بچی کھچی چیزیں (بھی) اس میں ہیں۔ وہ (بے لڑے) تمہارے پاس آجائیگا۔ اور فرشتے اس کو اٹھا لائیں گے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تمہارے لئے کافی نشانی ہے"۔

لیکن قرآن ایسی پیشگوئی کا سخت مخالف ہے۔ نہ یہ معقول مفہوم ہے۔ کہ پادشاہ اب بنا ہیں۔ اور علامت بعد میں پوری ہو۔ پھر آنحضرت توریت کو تسکین بھی نہیں مانتے وہ توریت اور انجیل سے پہلے کی ملت ابراہیم کو تسکین مانتے ہیں۔ اور اگر موسیٰ اور ہارون کی اولاد کی یادگار کی بچی کھچی چیزیں صندوق میں رکھی مانیں۔ تو اول تو وہ صدہا شمار ہو سکتی ہیں۔ اور کسی بھی صندوق میں ان کی سمائی محال ہو۔ لیکن اگر ایک دو معمولی چیزیں مانیں تو ان کا صاف بیان آیت میں بہ آسانی ہو سکتا تھا۔ پھر فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یہ بھی مہمل ہے۔ کہاں سے اٹھا کر لائیں گے۔ کتنے فرشتے ہوں گے۔ اور عام بے علم بوجھ اٹھانے والوں کو چھوڑ کر فرشتے اسے اٹھائیں۔ یہ کیوں اور عملاً فرشتوں کا اٹھا کر لانا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ بیان یہ ہے۔ کہ جالوت والوں نے اس صندوق کو چھکڑے پر لاد کر طالوت کے لشکر کی طرف ہانک دیا۔ کہ یہی مادہ فساد ہے۔ لیکن بائیبل میں یہ ذکر ہے۔ کہ گائے کو رتھ میں جوڑ کر صندوق کو پہنچایا گیا۔ پھر جالوت اگر اتنا غالب آیا۔ کہ وہ اسی صندوق کو چھین لے گیا۔ تو وہ اس کو خود بخود واپس کرے۔ ایسی حالت میں کہ جنگ بند بھی نہیں ہوئی۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑھ کر یہ امر قابل غور ہے۔ کہ اب اس صندوق کا نہ کہیں وجود ہے۔ نہ اس کے ضائع ہونے کی تاریخ کا کہیں بھی علم ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ صندوق واپس ملنے کے بعد یروشلم لایا گیا۔ اور حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالانکہ بعد کا زمانہ قریب کا ہے۔ پس لکڑی کا صندوق دراصل مقصود ہی نہیں۔ فرشتے یعنی رشی اور عالم لوگ جس تابوت کو اٹھاتے ہیں۔ وہ ان کا شیو سنکلپ من ہے۔ جس میں علم جمع رہتا ہے۔ کیا شرتی کا اور کیا سمرتی کا اور نبی نے طالوت کے بجا طور پر خدا سے پادشاہ بنایا جانے کو۔ اس قوم کے دلوں پر نقش کیا۔ یہی یہاں صحیح مفہوم ہے۔ اور وید کے مطابق راجا بنانے کے لئے جو صفات دیکھنی چاہئیں۔ وہ بھی یہی ہیں۔ اتھروید کانڈ ۶ انوواک ۱۰ ورگ ۹۸ منترا میں کہا ہے۔

اے انسانو! جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ شان و شوکت والا ہو۔ جو دشمن کو جیت سکے۔ اور آپ ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جو بادشاہوں میں سب پر حاوی اور غالب ہو۔ سبھا کا اعلےٰ افسر ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہو۔ قابل تعریف اوصاف و افعال و عادات والا ہو۔ لائق تعظیم ہو۔ اس لائق ہو کہ لوگ اس کے پاس جائیں۔ اور پناہ لیں۔ جس کی سب آرزو کریں۔ اس کو میر مجلس اور پادشاہ بنانا چاہئے۔ (۱)

یجروید ادھیائے ۸ منتر ۹ میں اس مدعا کو اس طرح بیان کیا ہے

۱- इन्द्रो जयाति न परा जयाता अधिराजो राजसु राजयातै।
चर्कृत्य ईड्यो वन्द्यश्चोपसद्यो नमस्यो भवेह ॥ १॥

اے ذی علم مدبران سلطنت اہل رعایا تم لوگ تمام روئے زمین کی ایک سلطنت ہونے کی غرض سے سب سے اعلےٰ مرتبہ پانے کے منشا سے ایسی حکومت کے مدعا سے جس میں بڑے بڑے عالم و فاضل شامل ہوں۔ نیز غایت درجہ کی جاہ و حشمت رکھنے والی سلطنت اور دولت کی ترقی کے لئے بالاتفاق ایسے عہدیدار سبھا یعنی راجہ کو جو ہر موقعہ پر رو رعایت سے بری پورا عالم و بااخلاق ہو۔ سب کا دوست ہو۔ حاکم اعلےٰ تسلیم کرکے روئے زمین کو دشمنوں سے خالی کرو۔

اس قسم کے تمام حوالہ جات سے پایا جاتا ہے۔ کہ جسم و دل کی اعلیٰ صفات اور وید وغیرہ ستیہ شاستروں کا علم اور نیک چلنی کی اعلیٰ صفات ہی راجا کو رعیت کے طبقے سے تمیز کراتی ہیں۔ اور نیز یہ کہ قرآن میں وید کے آدرش راج دہرم کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے

۱۶۔ کھشتری کا ضبط

راجا کے اوصاف بتا کر تمام کھشتریوں کا مشترکہ وصف ضبط یا غالب الحواسی کا رکوع ۳۳ میں بتایا ہے۔ جس کی پہلی آیت میں بتایا ہے کہ طالوت نے بادشاہ ہو کر جنگ کے لئے فوج کشی کی۔ تو فوجیوں کو بتایا۔ کہ خدا نہر سے تمہارا امتحان لیتا ہے۔ دیکھو جو اس سے پی لیگا۔ وہ ہمارا ساتھی نہ ہوگا۔ اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے گا۔ وہ ہمارے ساتھیوں میں ہوگا۔ ہاں جو اپنے ہاتھ سے محض چلو بھر لے مستثنیٰ ہے۔ مگر بہ استثنائے قلیل تعداد کے سب نے پی لیا۔ اور جب طالوت اور اس کے ساتھی نہر سے گذر گئے۔ کہنے لگے۔ اس وقت ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ مگر جن لوگوں کو خدا کے وصل کا خیال تھا کہنے لگے اکثر ایسا ہوا۔ کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں خدا کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آتی ہیں۔ نیز یہ کہ خدا صابر یا مستقل مزاج لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۔

اگلی آیت میں کہا ہے کہ یہ لوگ جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آگئے۔ دعا مانگنے لگے۔ اے ہمارے خدا ہمیں استقلال عطا فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے پر ہمیں مدد دے۔ (۲)

ان آیتوں میں ویدک تعلیمات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ اس دنیا کا نام سنسکرت ساہتیہ میں بھوساگر آتا ہے۔ اس دنیا کے سامانوں کو بھوگنے کی خواہشوں کو ترشنا کہا جاتا ہے۔ اور عموماً اس ترشنا روپی ندی میں پاپی انسان بہتے و غوطے کھاتے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور اسی ندی سے طالوت کھشتری فوجیوں کو آزمایا جانے کا اپدیش دیتا ہے۔ وید ہدایت دیتا ہے۔ کہ دنیا میں تیاگ بھاؤ سے اپنے سامانوں کو بھوگو۔ ان میں آسکت نہ ہو جاؤ۔ کرم یا نیک کام کرتے چلے جاؤ۔ پھل کا خیال یا لالچ نہ کرو۔ یہ تو ایشوری انصاف سے سب کو خود بخود پورے انصاف سے ملیگا۔ کئی جگہ دنیا کو سرور یا تالاب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور اس میں کنول کے پتوں سے جو پانی کے اوپر نکلے رہتے ہیں۔ اور پانی جن پر قابو نہیں پاسکتا۔ ان کی مثال سے انسانوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔ کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے مت ہو۔ بلکہ پریشور کے ہو۔ دنیا کے سامانوں کو محض جسم کے قیام کے

۱۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

۲۔ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

دیئے استعمال میں لاؤ۔ کھاؤ تو محض اتنا جتنا صحت کے لئے ضروری ہو۔ استری کا بھوگ ہو تو محض اس قدر کہ صحیح معنے میں گربھادھان ہو۔ غرضیکہ محض ایشور کے احکام کی تعمیل کو نصب العین بناؤ۔ اس سے زیادہ مادی دنیا سے تعلق نہ رکھو۔ مہابھارت کے یکھش یدھشٹر سمواد میں آتا ہے۔ کہ جلاوطن ہوئے نکل۔ سہدیو۔ بھیم۔ ارجن چاروں باری باری پیاس بجھانے و پانی لانے کو ایک سرو ور پر پہنچے۔ تو وہ سب مرتے گئے۔ اس لئے کہ اس سرو ور کے راجا کا قانون تھا۔ کہ جو شخص اس کے سوالوں کا جواب دیئے بغیر سرو ور کا پانی پیئے گا۔ وہ مرجائے گا۔ چونکہ یہ چاروں بھائی پیاس سے بے تاب ہو کر یکھش کے سوالوں کے جواب کی بجائے پانی پینے پر مصر ہوتے۔ اور پی لیتے رہے۔ اس لئے وہ مرتے گئے۔ لیکن جب یدھشٹر آئے۔ اور یکھش نے اسے اپنا قانون بتا دیا۔ تو انہوں نے پانی پینے کو ملتوی کر کے جواب دینے کو مقدم فرض سمجھا۔ اور جب وہ جواب دے چکے۔ تو انہوں نے پانی بھی پیا۔ اور زندہ بھی رہے۔ اور پھر مزید عقلمندانہ گفتگو سے خوش ہو کر یکھش نے اس کے چاروں بھائی بھی زندہ کر دیئے۔

اس طول طویل کتھا میں دنیا کو تالاب کہا ہے۔ یکھش پرمیشور کو جو اس دنیا کا سچا راجا ہے۔ اور اس کا قانون یہ ہے۔ کہ پہلے علم کو حاصل کرو۔ دنیا کا کیا کیا سامان کس کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے استعمال کا صحیح طریق کیا ہے۔ سب کچھ برہمچریہ اوستھا میں سیکھ کر پیچھے شادی وغیرہ کرو۔ اگر سچے علمی سوالات کو حل کئے بغیر دنیا میں کوئی شخص بھوگ کریگا۔ تو وہ اس میں غرق ہو کر اپنے تئیں تباہ کرے گا۔ اور ان سامانوں کو بھی بے قیمت کریگا۔ چنانچہ موجودہ دنیا میں ایشوری گیان کو نظر انداز کر کے کل انسانی جماعت دکھ اور ذلت کا ہی شکار ہو رہی ہے۔ اور وہ سامان جو ہماری صحت اور آرام کا موجب تھے۔ دکھدائی بن رہے ہیں۔ اور ہم روحانی موت مر چکے ہیں۔ جب کبھی دیانند وغیرہ جیسے گیانی اصل سوالوں کو علمی قابلیت بڑھا کر حل کرتے ہیں۔ انسانی جماعت میں جیون آجاتا ہے۔

غرضیکہ تالاب یا ندی یا سمندر کی مثال سے دنیوی خواہشات کے پانی پینے کو ویدک لٹریچر میں دہرم سے گمراہ یا گنہگار ہونے کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہی کچھ قرآن اس رکوع کی پہلی آیت میں کہتا ہے۔ کہ نہر کے پانی سے امتحان ہوگا۔ جو اس دنیا کے جل کو نہ پیئے یا پیئے تو محض حاجت روائی کے لئے وہ تو سچا کھشتری ہے۔ اور جو اس پانی کو پی لے۔ یعنی وشیوں کا شیدائی بن جاوے۔ وہ راجہ کے کام کا نہیں۔ شہوت پرست بنکر جو ویریہ آدی کا ناش کرے۔ وہ جنگ کے قابل نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ ذکر کر کے کہ باستثنائے چند کے سب نے پانی پی لیا تھا۔ کہ جب میدان میں سامنے ہونے کا وقت آیا۔ تو اس سے پہلے ہی یہ لوگ جواب دے بیٹھے۔ کہ ہمارا نہ حوصلہ نہیں پڑتا نہ ہم میں طاقت ہے۔ برخلاف اس کے جن تھوڑے سے فوجیوں نے خدا کے فضل کی خواہش سے اس ندی کا جل نہ پیا۔ وہ بہادری کا مجسمہ بن کر کہنے لگے۔ مضائقہ نہیں ہم تھوڑے ہیں۔ بارہا تھوڑے سے لوگ ایشور کی عنایت سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آتے ہیں۔ سو انہوں نے سچے کھشتریوں کی طرح لڑنے کا مصمم ارادہ کیا۔ اور خدا سے دعا مانگی۔ کہ ہمیں صبر۔ استقلال اور کافروں کے مقابلے پر مدد عطا فرمایئے۔ غرض یہ کہ خود ضبط مجسم ہو کر پورا شار کھڑ کرنا اور خدا سے دعا مانگنا ہی کھشتری کا وصف ہے۔ اور ایسا کھشتری ہی فتح کا مستحق ہے۔ چنانچہ تیسری آیت میں ہے۔ کہ اس (طالوت) نے خدا کے حکم سے اس (جالوت) کو شکست دی۔ اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا۔ غرضیکہ سچی فتح کے لئے کھشتری کے آدرش دہرموں کا ہی قرآن میں بھی بیان ہے۔ اور جس طرح ویدک دہرم میں دنیوی بھوگوں میں مستغرق ہونے سے یہ کہکر روکا جاتا ہے۔ کہ ان میں سکھ نہیں۔ یہ تو محض مرگ ترشنا جل ہیں۔ یعنی جیسے دور سے ریت کو دیکھ کر ہرن پانی سمجھتا اور دوڑتا ہوا وہاں پہنچتا پر وہاں پانی نہ پا کر نراش ہوتا اور تڑپ تڑپ کر مرتا ہے۔ اسی

طرح نفسانی خواہشات سے سکھ کی تلاش کرتے ہوئے انسان جہالت میں اپنی قیمتی زندگی اور اعلےٰ ترین انسانی قالب کو برباد کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق قرآن سورۃ النور رکوع ۵ آیت ۵ میں کہتا ہے کہ

کافروں کے اعمال ایسے ہیں۔ جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت۔ جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ مگر جب وہاں پہنچتا ہے۔ تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ ۱- ان تمام بیانات سے ظاہر ہے۔ کہ جس طرح تمام انسانوں اور کھشتریوں کو بالخصوص ایک ضبط اور غالب الحواسی کی وید تعلیم دیتا ہے۔ قرآن اس کی پوری تقلید کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت جو اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا۔ وہ دوسرے لاکھوں کروڑوں پر کس طرح حکومت کر سکتا ہے۔

۱۷- جنگ کی غرض

کھشاتر دھرم کا جنگ سے تعلق ہونے سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ خدا نے جنگ سے کیا مصلحت سمجھی ہے۔ لڑائی کرانا تو بعید از اخلاق ہے قرآن اس کا جواب اسی تیسری آیت کے آخری حصے میں دیتا ہے۔ کہ اگر خدا اس طرح نہ کرے۔ کہ برے فریق کو اچھے فریق کے ذریعے ناش کرتا رہے۔ تو دنیا میں فساد ہی فساد بکھر جائے (۲) دوسری جگہ قرآن کہتا ہے۔ امن وبہبود کے قیام سے پہلے جنگ ہوتا ہی ہے۔ واقعی اگر راجہ قاتلوں کو پھانسی اور چوروں کو سزا نہ دے۔ تو ظالم لوگ اس درجہ دلیر ہو جاویں۔ کہ اہل سوسائٹی کو امن سے جینا بھی دشوار ہو جائے۔

۱۸- ویش ورن

ویدک دھرم میں برہمنوں اور کھشتریوں کے علاوہ ویش بھی دوجنما کہلاتے ہیں۔ اور وہ بھی علم اور عمل کے لحاظ سے برہمنوں اور کھشتریوں کی سی ہی ذمہ واری رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ برہمن کے کام کا تعلق جہاں روح وغیرہ سے ہے۔ کھشتری کا تعلق جسمانی ومالی حفاظت سے ہے۔ وہاں ویش کا تعلق تمام ضروریات کی بہم رسانی سے ہے۔ اگر ضروریات زندگی کو کھیتی تجارت وغیرہ سے ویش پورا نہ کریں۔ تو نہ برہمن اپنے کام میں ماہر ہو سکتے ہیں۔ نہ کھشتری۔ ہر کام میں ہر شخص کا تعلق ہو۔ تو یہی ضرب المثل صادق آئے گی۔ کہ

Jack of all tredes but master of none.

ساتھ ہی ویش خود غرضی سے اپنی کمائی کے پیچھے پڑ جاویں۔ تو وہ اپنا معاوضہ بڑھا کر دوسروں کے لئے بوجھ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے دوسرے ورنوں کی خدمت کے خیال کے زیر اثر انہیں اپنی کمائی میں خود غرضی کو داخل نہ کرنا چاہیے۔ وید کہتا ہے جس طرح سر۔ بھجا اور ران والے سارے حصے ایک جسم کو بناتے ہیں۔ اسی طرح برہمن کھشتری اور ویش انسانی سوسائٹی روپی جسم کے انگ ہیں۔ اور سب کا دکھ سکھ نفع نقصان سانجھا ہے۔ اسی آدرش کو قرآن سورۃ آل عمران رکوع ۱۴ میں بیان کرتا ہے۔

اے اہل ایمان وہ ربا نہ کماؤ کہ دگنے چوگنے ہوتے چلے جائیں۔ اللہ سے ڈرو۔ جس سے تمہارا بھلا ہو۔ ۱- نیز اس

۱- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ و
۲- فَهَزَمُوْھُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ڐ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

آگ سے ڈرو۔ جو کافروں کے لئے مقدر ہے۔ ۲
اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ تاکہ رحمت الٰہی تمہارے شامل حال ہو۔ ۳
اور تیز قدمی سے اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف چلو۔ جو دیو اور پرتھوی لوک پر پھیل رہا ہے۔ اور متقی لوگوں کے لئے مقدر ہے۔ ۴
۔ یعنی ان لوگوں کے لئے جو فراخی تنگی ہر حال میں راہِ حق میں خرچ کرتے۔ غصّے کو دباتے اور لوگوں پر کھشما (درگذر) کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ایسے نیک عمل والوں سے پیار کرتا ہے۔ ۵
۔ نیز ان لوگوں کے لئے جو برا کام یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ اور دیدہ دانستہ اپنے بیجا عمل پر اصرار نہیں کرتے۔ ۶
۔ یہی لوگ ہیں۔ جنہیں اپنے رب کی طرف سے مغفرت کی شکل میں بدلہ ملتا ہے۔ یعنی وہ جنت جس کے تحت میں نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ واقعی نیک کام کرنے والوں کے لئے بڑا اچھا اجر ہے۔ ۷
۔ تم سے پہلے بھی بڑے بڑے صاحب ثروت گذر چکے ہیں۔ پس ذرا تاریخ دنیا کا مطالعہ کرو۔ اور دیکھو کہ مکذبوں کا انجام کیسا ہوتا رہا ہے۔ ۸۔ (۱)

ان آیات میں حسب ذیل امور کا ویش ورن کے متعلق بیان ہے۔

اول۔ ربا سے بچیں۔ مفسرین ربا کے معنے سود کے لیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس کے معنے بڑھوتری کے ہیں۔ اور یہ اس ناجائز سود پر بھی عاید ہوتا ہے۔ جو حرام کی کمائی میں داخل ہے۔ اس رقم پر بھی جو اشد ضرورت کا موقعہ دیکھ کر مجبور مقروض سے سو کے ڈیڑھ دو سو لکھوا لئے جاتے ہیں۔ اور اس منافع پر بھی جو دُگنے چوگنے کرتا ہے۔ خواہ زمین یا مکان کی خرید و فروخت ہو۔ خواہ پیداوار ارضی کی اس ظلم کی کمائی سے بچنے کے لئے خدا کا خوف دلایا گیا ہے۔ جس کے ماتحت میں انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ اور دکھوں کی جلانیوالی آگ سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ دوم۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں۔ یہ حکم جو دوسری آیت میں ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے۔ کہ ویش لوگ خدا کے حکموں کو کبھی نہ بھولیں۔ اس کے سچے گیان کی رہنمائی میں ہی اپنے فرض کا احساس کرتے ہوئے کمائی کریں۔ اور رسول جو خدا کے حکموں کو پورے غور و فکر سے سوچتا ہوا لوگوں کو دھرم پر مائل رکھتا ہے۔ اس کا کہا ماننا بھی ان کا فرض ہے۔ کم سے کم ان سے صحیح رہنمائی انہیں مل سکتی ہے۔ اور بھارت ورش میں تو ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ کہ ویش لوگ عموماً برہمنوں یا گیانیوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا فلاں کام میں پاپ تو نہ ہوگا۔ جہالت میں کئی صورتوں میں یہ پوچھ تاچھ بری شکل اختیار کر رہی ہے۔ جیسے برہمنوں یا جوتشیوں سے پوچھنا کہ کس مہورت میں کیا سودا کریں۔ کہ ایک دم کھرے ہو جائیں تاہم

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۚ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۭ

اصل مدعا ویشیوں کے اس پوچھنے کا یہی ہے۔ کہ کہیں حرام کی کمائی ان کے یہاں آنہ جاوے۔
سوم۔ چوتھی آیت میں ہدایت ہے۔ کہ وہ محض ایسے فعل کریں جس سے خدا کی خوشنودی ہو کر برائیاں دور رہیں۔ اور سورگ یا سکھ ملے۔ وہ سکھ کیا دیولوک اور کیا پرتھوی لوک، ہر کہیں موجود ہے۔ اور میسّر ہوتا ہے۔ مگر شرط محض یہ ہے۔ کہ متقی بنا جاوے یعنی نیک اور پرہیز گار۔

چہارم۔ ان متقی لوگوں کے اوصاف کو پانچویں اور چھٹی آیت میں واضح کیا گیا ہے۔
۱۔ فراخی تنگی ہر حال میں مستقل مزاج رہنا۔ دھرم میں دھن صرف کرنا۔ کیونکہ تنگی میں بھی جب اصل سرمایہ سے اپنی ساری ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ تو دھرم یا نیکی میں خیرات کو بند کیوں کیا جاوے۔ ایسا ہونے سے تو تنگی اور دکھ کے بڑھنے کے ہی سامان ہوں گے۔

۲۔ غصے کو دبانا۔ ۳۔ انسانوں پر درگذر کرنا۔ اور خدا کا پیارا بننا۔
۴۔ بُرا کام ہو جائے۔ تو خدا سے اس کی دوری کے لئے دعا مانگنا۔ ۵۔ اپنے بیجا عمل اور جھوٹ پر ضد نہ کرنا۔ بلکہ نیک عمل اور سچائی پر قائم رہنا۔
۶۔ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کر کے غرور سے بچنا۔ یہ جان کر ہماری ہستی ہی کیا ہے۔ ہم سے بہت زیادہ ثروت رکھنے والے بے شمار لوگ گذر چکے۔ تو کیا ہم یا ہمارا مال ودولت ہمیشہ رہنے والا ہے۔
۷۔ ساتھ ہی یہ بھی نصیحت تاریخ سے پکڑو کہ جو جھوٹ پر چلے یا سچائی کی تکذیب کرتے رہے۔ وہ عذاب الٰہی سے بدانجام یا تباہ ہو گئے۔ اگر غور کیا جاوے تو اس رکوع میں منوسمرتی کے دھرم کے لکھشنوں پر چلنے کی بھی صاف ہدایت ہے۔ غرضیکہ کھیتی یا تجارت وغیرہ سے حق حلال کی کمائی کرنا دوسروں کی ضرورت بہم پہنچانا ہے۔ دھرم میں دھن کو لگانا بری کمائی اور بُرے خرچ سے بچنا۔ اور خدا کے قانون اور نیک عالم لوگوں کی رہنمائی میں چلنا اور دھرم کے سارے لکھشنوں کو مدِ نظر رکھنا ویش کے فرائض میں داخل ہے۔

سورۃ البقر میں ہدایت ہے۔ کہ

رکوع ۔ ۳۷۔ اے اہلِ ایمان! اس کمائی میں سے (راہ حق میں) خرچ کرو۔ جو تم نے کمائی ہے۔ یا جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے۔ اور مضر صحت یا بے ایمانی پر مبنی ملاوٹوں سے بچنے کے علاوہ اس میں سے ایسی گندی یا رذیل چیزیں نہ دو جو تم لیتے نہیں۔ سوائے اس کے کہ چشم پوشی کرو۔ اور جان لو۔ کہ خدا غنی اور قابل تعریف ہے۔ (۱)

اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ویش لوگ تجارت سے حلال کمائی کریں۔ اس میں دوسروں پر مہنگائی سے ظلم نہ ڈھائیں۔ اور ساتھ ہی اس کے ایشور کی عنایت سے بذریعہ کھیتی جو ان اناج انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس میں سے راہِ حق پر خرچ کریں۔ اس کے بعد کی آیتوں میں دان کے متعلق ہوبہو وہی ہدایتیں ہیں۔ جو وید منو آدی دھرم شاستروں میں ہیں۔ یعنی دان کپاتر کو نہ دو۔ ان کو دو جو مستحق ہیں۔ اس میں دانائی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ظاہر کر کے دو۔ پوشیدہ طور پر دو۔ دو

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

ضرور۔ پر اس دان کا پھل یہ نہ ہو۔ کہ اس سے تم تبدیل مذہب وغیرہ کی اغراض پوری کرو۔ بلکہ اس کا پھل الشوری نیم کے مطابق تمہیں ملیگا دان دوسروں کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنے لئے سمجھو۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لئے پھر دان بالخصوص ان کو دو۔ جو اشاعت حق میں دکھ اٹھا رہے ہیں وغیرہ۔ اس طرح سوچ سمجھ کر جو لوگ رات دن اپنی دولت وغیرہ کو فیض عام میں لگاتے ہیں۔ بڑا پھل پاتے ہیں۔ اور ان کے دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ یہ کہکر رکوع ۳۸ میں کہا ہے۔

جو لوگ ربا خوار ہیں۔ وہ اس پوزیشن میں ہیں۔ کہ گویا شیطان نے انہیں چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہے۔ یہ ان کے اس کہنے کا نتیجہ ہے۔ کہ ربا تو بس بیع کی ہی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور ربا کو حرام۔ پس جس کے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پہنچی۔ اور وہ باز آ گیا۔ تو جو پہلے لے چکا۔ وہ اس کا یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی ربا لیں۔ تو سمجھ لو۔ وہ دوزخی ہیں۔ وہ تو بس وہیں کے ہو چکے۔ خدا ربا کو مٹاتا۔ اور صدقات کو بابرکت کرتا ہے۔ وہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔ (۱)

یہاں پھر ربا لفظ قابل غور ہے۔ ربا۔ ربو کے لغوی معنے ہیں۔ فزونی و فزوں شدن۔ و بر آمدن بر بلندی و تا لہ بر افتادن (صراح) یہ صحیح ہے۔ کہ غیر معمولی شرح خود بھی بڑھ ہوتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جائز سود بھی حرام ہے۔ ایسا ہو۔ تو قرآن تجارتی ترقی کو روکنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ بنک کو قرضہ دینے والا سود نہ لے۔ اور بنک اس روپیہ سے تجارتی کام جاری کرے۔ منافع لیتا رہے۔ یہ شرط انصاف نہیں۔ ایک شخص قرضہ لے کر عالی شان مکان بنوا لے۔ اور اسے دوگنے تگنے داموں پر کسی مالدار کے ہاتھ بیچ دے۔ مگر قرض دینے والے کو کچھ نہ دے۔ یہ بھی معقول نہیں ہو سکتا۔ پس ربا کا اطلاق محض اس بڑھوتری پر ہوگا۔ جو مقروض پر ظلم ہے۔ غریب غرضمند کا کوئی انتظام نہ ہو سکے تو اسے سو روپیہ دے کر ڈیڑھ دو سو لکھوا لینا۔ اور میعاد کے اندر ادا نہ ہونے پر راس المال میں اور زیادتی کر دالینا یا سود کو سالانہ شامل کر کے سود در سود چارج کرنے لگنا۔ یعنی شریف و غریب کی مصیبت کو زیادہ سے زیادہ شکنجے میں کھینچ کا موجب بنانا ربا کا صحیح مفہوم ہے۔ سود کے معنے تو ہے منافع اور جب لین دین میں جائز منافع حلال ہے۔ تو روپیہ کے لین دین میں نفع کس طرح نظر انداز ہو سکتا ہے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ قرآن میں ایک جگہ تو ربا بیع لفظ کی ضد ہے۔ اور اس رکوع کی دوسری آیت میں صدقات کی ضد ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ ربا نہ تو جائز تجارت ہے۔ نہ حلال کمائی۔ خدا اسے مٹاتا ہے۔ اور صدقات میں برکت دیتا ہے۔ اس کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ظلم کی کمائی سے کمایا ہوا الاتباہ ہوتا ہے۔ اور صادق کمائی یا خیرات سے کمائی میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حرام کمائی کی مثال آیت ۲۶۳ میں یوں دی ہے۔ کہ باپ بوڑھا ہو گیا ہے۔ بیٹا معصوم ہے۔ اس نے اپنی کمائی سے بڑا باغ بنایا ہے۔ جو پھل پھول اور لہلہا رہا ہے۔ اور بوڑھا سمجھتا ہے۔ بیٹا میرے بعد بھی اس سے گذارہ کر کے میرا نام روشن کرتا رہیگا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ایک دم وہ باغ آگ کی نظر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات کیا ہوگی۔ پس نصیحت دی گئی ہے۔ کہ جس اولاد کی

۱۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۵

خاطر ظلم کرتے ہو حرام کی کمائی سے تم انہیں کامیاب نہیں کر سکتے۔ پاپ کا بھانڈا ابھر کر پھوٹتا ہے۔ آگ لگنے سے ساری کمائی اس وقت برباد ہو سکتی ہے۔ جب کہ خود انسان بوڑھا ہو کر کمائی نہ کر سکے۔ اور بیٹا بھی بالکل انجان اور ناتواں ہے۔ اب نہ کچھ ہاتھ پلے نہ کوئی کچھ کما سکے۔ اس مصیبت کا بھی بھلا کچھ ٹھکانا ہے۔ یہ تو ہے مثال خراب کمائی کی۔ اسی طرح پاپ میں خرچ کرنے کی مثال دی ہے۔ کہ چٹان پر مٹی پڑی ہے۔ اس میں بیج بویا گیا ہے۔ تو جب مینہ برستا ہے۔ نہ مٹی رہتی ہے۔ نہ بیج دونوں بہ جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے پر حق حلال کی کمائی اور دان کو اس بلندی پر پہنچے کا ذریعہ کہا ہے جس پر لگا یا ہوا باغ تیز سے تیز بارش سے بھی ضروری فائدہ پاتا ہے۔ اور ہلکی سے ہلکی بارش کو بھی جذب کر سکتا ہے۔ اور ایک ایک دانے کے سو سو دانے ملتے اور ہر طرح کی برکت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔ پس ربا ظلم کی یا غیر مشروع بڑھوتری ہے اور قرآن اس کی پر زور مذمت کرتا ہے۔ مفصل توضیح اس کی تفسیر میں موقعہ مناسب پر کی گئی ہے۔ یہاں محض اتنا کہنا کافی ہے کہ ربا کے متعلق اسلام میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ اور ربا کی تفسیر ہم سے نہیں فرمائی۔ اسی سے اختلاف ہوا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جاوے۔ تو اختلاف کو قرآن بالکل مٹا دیتا ہے۔ مذہبی اور اخلاقی ترقی میں لین دین کے متعلق جو بڑھوتری مانع ہو سکتی ہے۔ وہ ربا ہے۔ بالخصوص ان آیات میں قرآن سود یا منافع کو تو لازمی سمجھتا ہے۔ بغیر اس کے تجارت کے لئے روپیہ کا لینا دینا کیسے ہوگا۔ ہاں ربا کو تجارتی ترقی کے منافی ہونے سے حرام قرار دیتا ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ اگر سوسائٹی کی حالت اس قدر اعلےٰ ہو جاوے۔ کہ لوگ اپنی دولت کو دوسروں کی مشکلات دور کرنے کے لئے بلا معاوضہ دیں۔ تو اس سے زیادہ کچھ بہتر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس صورت میں تمام ان اناج مکان مویشی کے دام بھی دوسروں سے چارج کرنیکا کوئی حق دار نہ ہوگا۔ غرضیکہ ربا کی ممانعت اور حلال کمائی اور دان کی ہدایت ویش ورن کے لئے کامیابی کی کلید ہے۔ ساتھ ہی آیت ۲۶۲ سورۃ البقر میں یہ بھی ہدایت ہے۔ کہ خیرات کر کے احسان نہ جتاؤ۔ (نیکی کر دریا میں ڈال) نہ دان لینے والے کو ایذا پہنچا نا اپنا حق سمجھ بیٹھو۔ بلکہ اس سے بامروت اور شیریں زبانی سے بولو۔ اور دکھاوے کے لئے بھی دان نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۹- شودر ورن

ویدک دہرم میں بے علم طبقہ محض جسمانی خدمت کے قابل ہونے سے برہمن۔ کھشتری اور ویش کی خدمت کرنے کے لئے ہے۔ اور اسے شودر کہتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی ہدایت دینا اور ان کی اولاد کو علم وغیرہ کے حصول سے دوج بننے کا موقعہ دینا سوسائٹی کے مکھیا لوگوں کا کام ہے۔ عرب میں آنحضرت کے سامنے غلام طبقہ شودروں کی جگہ میں تھا۔ اور وہ اس کو کار ثواب بتاتے تھے۔ کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں کسی مذہبی قانون کو توڑنے پر پرائشچت کا ذکر آتا ہے۔ وہاں یتیموں یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے ساتھ ایک دو غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی بیان ہے۔ بہ الفاظ دیگر غلاموں کو آزاد کرنا گناہ اور گراوٹ سے بچانے کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ اور جیسے ویدک دہرم میں شودروں کے برہمن وغیرہ بننے کا اصول اور مثالیں بھی موجود ہیں۔ ویسے ہی دین اسلام میں غلاموں کے بادشاہ تک بننے کی بھی مثالیں موجود ہیں۔

گیارھواں باب۔ برہمچریہ

۱۔ وید مریادا

ویدک دہرم میں برہمچریہ برت کے پالن کرنیکی ہدایت سب سے مقدم ہے انسانی زندگی کی جو چار اہم منزلیں ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلی منزل برہمچریہ آشرم کہلاتی ہے۔ اس میں تمام دنیاوی کاروبار اور رشتہ داروں سے الگ رہ کر محض تحصیل علم میں لگنا ہوتا ہے۔ اس آشرم کے پورا ہونے کے بعد شادی کرکے خانہ داری (گرہست آشرم) میں داخل ہوتے ہیں۔ اور محض سنتان اتپتی کے لئے خاص قواعد کی پابندی کے ساتھ استری پرش کا میل ہونے کے علاوہ کل دوران خانہ داری میں غالب الحواس رہنا ہوتا ہے۔ تیسرا آشرم بان پرستھ اور چوتھا سنیاس آشرم کہلاتا ہے۔ ان دونوں میں بھی کامل برہمچریہ رکھنا ہی انسان کا فرض ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وید قریباً ساری عمر میں ایک دہرم یا فرض کو مسلسل پالنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ فرض ہے برہمچریہ برت۔ اور یہ ہے بھی معقول اس لئے کہ انسانی جسم میں جو خون ہڈی مجا ماس وغیرہ کی سات دھاتو ہیں۔ ان میں سے سب سے افضل ویریہ یا منی ہے۔ اور اس ویریہ سے جسم کے ہر عضو میں طاقت پہنچتی ہے۔ جسے اگر دماغی طاقت پاکر انسانی عقل لطیف سے لطیف مضامین کو سمجھتی اور روح کو سچا علم اور سچی راحت پانے کے قابل بناتی ہے۔ جو لوگ اس لائن پر ویریہ کا استعمال نہیں کرتے۔ وہ ویریہ کو لذت نفسانی کے شیدائی ہوکر فضول گنواتے ہیں۔ یا اس کو اولاد پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ انسان کے لئے اصل ہستی روح کی طاقت اور ترقی ہی سب سے زیادہ مفید اور مقصود ہے۔ اس لئے اسی طرف ویریہ کی گتی لے جانے کے لئے ایشور نے ساری آیو بھر کے لئے مقدم فرض ویریہ کی رکھشا کرکے اوردہ ریتا برہمچاری بننے کو بنایا۔ اور مرد و عورت کے باہم ملنے کے موقعوں کو نہایت تنگ دائرے میں قید کیا ہے۔ ساتویں باب میں کتنے ہی وید منتروں کے حوالے دے کر ہم نے سورگ کی جہاں تنہائی ہے اور ثابت کیا ہے۔ کہ خانہ داری میں بھی ضبط مجسم رہنے سے ہی سکھ ملتا ہے۔ اور برہمچریہ کے تپ سے آخر نجات نصیب ہوتی ہے۔ وید کا فرمان ہے۔ برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم یا دیوتا لوگ موت پر فتح پاتے ہیں۔ برہمچریہ کے تپ سے ہی آتما اور اندریوں میں بل آتا ہے۔ اور برہمچریہ کے تپ سے ہی راجا راشٹر کی رکھشا کر سکتا ہے۔ (۱)

منو ادھیائے ۲ شلوک ۲ میں کہا ہے۔ کہ اوِپلت یعنی اکھنڈ یا ناشکست برہمچریہ کی شرط پوری کرنے والے ہی وید

ब्रह्मचर्येण तपसा राजा राष्ट्रं वि रक्षति । अथर्व ११।५-१७,१९-१

आचार्यो ब्रह्मचर्येण ब्रह्मचारिणमिच्छते ॥१७॥

ब्रह्मचर्येण तपसा देवा मृत्युमुपाघ्नत ।

इन्द्रो ह ब्रह्मचर्येण देवेभ्यः स्वराभरत् ॥१९॥

ودیا کو حاصل کر کے شادی کرنے کے حقدار ہوتے ہیں

رگ ۔ ۳ ۔ ۵۵ ۔ ۱۶ میں لڑکی کو अप्रदुग्धा धेनवा یعنی کسی سے نہ دوہی گئی گائے کی مانند کہکر شادی کے قابل بتایا ہے ۔ (۲)

رگ ۱ ۔ ۱۷۹ ۔ ۱ میں لڑکے کے لئے پورن برہمچاری ہونے کی شرط کا پورا ہونا ہی اسے شادی کا مستحق ٹھہراتا ہے (۳)

اتھرو ۱۱ ۔ ۲۴ ۔ ۳ ۔ ۱۸ میں حکم ہے ۔ کہ کنیا برہمچارنی رہ کر جوان پتی سے بیاہ کرے (۴)

اس قسم کے بے شمار حوالہ جات سے پایا جاتا ہے ۔ کہ ویدک مریادا کے مطابق دنیاداری میں داخل ہونے کی بنیاد اور دنیا میں کامیابی پانے کا اصل ذریعہ برہمچریہ ہی ہے ۔ اسی سے صحت طاقت ۔ عمر اور راحت ملتی ہے ۔ اور اسی فرض میں غفلت کرنے سے کمزوری بیماری دکھ اور موت نصیب ہوتی ہے ۔

مہرشی دیانند بالکل بجا فرماتے ہیں ۔ کہ جس ملک میں برہمچریہ ۔ علم اور ویدک دہرم کا پرچار جیسا کہ چاہیئے رہتا ہے ۔ وہی ملک خوش نصیب ہے ۔

۲ ۔ قرآن میں برہمچریہ مریادا

سورۃ النور آیت ۳۰ میں ہدایت ہے ۔ مسلمانوں (مردوں اور لڑکوں) کو کہدو ۔ کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں ۔ اور اپنے اندام نہانی (شرمگاہ) یا برہمچریہ کی رکھشا کریں ۔ یہی مومنوں کا سداچار ہے (۵)

اس کے آگے آیت ۳۱ میں ہے ۔ مسلمان ۔ عورتوں اور لڑکیوں کو کہدو ۔ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں ۔ اور اپنی شرمگاہ یا برہمچریہ کی حفاظت کریں (۶)

گویا وید کی طرح دونوں فریقوں کو بالمقابل صاف الفاظ میں وید والی مریادا کو پلنے کا ہی حکم دیا گیا ہے ۔ اور اس میں کامیابی ہونے کے لئے ویدک لٹریچر سے جو ہدایات ملتی ہیں ۔ ان میں سب سے اہم ہدایت جس پر ہر کہیں ہر شخص بغیر کسی خرچ کے عمل کر سکتا ہے ۔ نگاہ کو نیچا رکھنا ہے ۔ ویر لکشمن کے متعلق رامائن کا مشہور ترین واقعہ کس بھارت باسی کو معلوم

---

۱ ۔ वेदान धीत्यवेदौ वा वेदं वापि यथाक्रमम् ।
अविप्लुतब्रह्मचर्यो गृहस्थाश्रममाविशेत ॥ २ ॥

۲ ۔ आधेनवो धुनयन्ता मशिश्वीः सबर्दुघाःशशाया अप्रदुग्धाः ।
नव्यानव्या युवतयो भवन्तीर्महद्दे वानामसुरत्व मेकम् ॥ २ ॥

۳ ۔ पूर्वीरहं शरदः शश्रमाणा दोषावस्तोरुषसो जरयन्तीः ।
मिनाति श्रियं जरिमा तनु नामप्सु नू पत्नी वृषणो जगम्युः ॥

۴ ۔ ब्रह्मचर्येण कन्या ३ युवानं विन्दते पतिम् ॥

۵ ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

۶ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَ

نہ ہوگا۔ رام کو چودہ برس کا بن باس ملتا ہے۔ پتی ورتا سیتا راج محلوں کو لات مار کر اپنے پتی کا ساتھ دیتی ہے۔ لکھشمن بھی اپنے بڑے بھائی کی خدمت کو افضل سمجھتا ہوا بھائی اور بھاوج کے پیچھے چلتا ہے۔ لیکن بن باس کا ایک ہی سال رہتا ہے کہ راون سیتا کو چرا لیجاتا ہے۔ سیتا اس مصیبت میں بھی اپنے اوسان نہیں کھوتی۔ زیور اتار کر پھینک جاتی ہے۔ رام کو سیتا کی تلاش کرتے کرتے جب زیور ملتے ہیں۔ تو لکھشمن سے سوال کرتے ہیں۔ کہ بھیا تو تو کیا یہ زیور سیتا کے ہیں۔ لکھشمن ایک ایک زیور کو دیکھ کر اپنے آپ کو صحیح پہچان کے ناقابل بتاتا ہے۔ لیکن جب پازیب دکھائی جاتی ہے۔ تو کہتا ہے بے شک یہ سیتا ماتا کی ہے۔ میں روز ماتا کے چرنوں کو بندنا کرتا ہوا انہیں دیکھتا رہا ہوں۔(۱)

آہ! کیا غضب کا واقعہ ہے۔ راج محلوں میں دیور اور بھاوج رہتے رہے۔ جنگلوں میں برسوں اکٹھے رہتے گذرے مگر کیا مجال کہ دیور بھاوج کے منہ کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ رامائن ویدک تعلیم کا عملی پہلو اس سبق آموز واقعہ کی صورت میں پیش کر رہی ہے۔ سدا چار کی اس بلندی تک رسائی یقیناً برہمچریہ کی عظمت کے پورے پورے احساس کا نتیجہ تھی۔ اور اس احساس کو عمل میں مضبوط طور پر قائم کرنے کا ذریعہ نگاہ کو نیچا رکھنا تھا یہی وہ عمل ہے۔ جو آریہ جاتی کو موجودہ دنیا کے سامنے بھی سربلند اور سرفراز کر رہا ہے۔ اور وہی نیچی نگاہ والی تعلیم قرآن دے رہا ہے۔

سورۃ الرحمن میں بہشتی باغوں میں ایسی نیچی نگاہ والیوں کا ذکر ہے جن کو اپنے پتی سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہو نہ جن نے (۲)

آیت ۷۰ میں دوسری قسم کے باغوں میں بھی خَیْرٰت حِسان یعنی خوبصورت عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور آیت ۷۲ میں انہیں حُورٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ یعنی خیموں میں باعزت رہنے والی خوبصورت عورتیں کہا ہے۔ اور آیت ۷۴ میں ان کے متعلق بھی یہی ذکر ہے۔ کہ انہیں اپنے پتی سے پہلے کسی جن یا انسان نے چھوا تک نہیں۔ یہ ہو بہو وہی مفہوم ہے۔ جو ویدک ساہتیہ میں کسی سے ہندو ہی گئی گنگا کی مانند کہنے کا ہے۔ یعنی یہ کہ برہمچریہ اکھنڈ ہے۔ اس قانون کے عمل میں لغزش یا شکست نہیں ہوئی۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی ان کے لئے قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ کا لفظ آیا ہے۔ اور نیچی نگاہوں کی صفت کو کَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ کہکر آہنی خود میں محفوظ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عام طور پر بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ کا ترجمہ محفوظ انڈے کیا جاتا ہے۔ لیکن قطع نظر صرفی غلطی کے قرآن کے عظمت اور عفت کے جذبہ کو ظاہر کرنے کے لئے "بیض" لفظ کو آہنی خود کے معنے میں لینا ہی موزوں ہے۔ جیسے محصن اور محصنہ لفظ میں برہمچاری اور برہمچارنی کے چلن کو حصن یعنی قلعے کی طرح محفوظ کہا جاتا ہے۔ ویسے ہی بیض مکنون میں آہنی خود ہی مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ انڈوں کے معنوں میں لینے سے آنکھ کی شکل کی تشبیہ کا ہی مفہوم آسکتا ہے۔ عفت کی حفاظت کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن خود سے جس طرح تمام حملوں کی روک تھام ہوتی ہے۔ اسی طرح شرم و حیا کا جذبہ نیچی نگاہ کے ذریعے عفت کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح سورۃ البقر آیت ۲۵ میں بہشت کو ازواج مطہرہ یعنی نیک پاک بیویاں ملنے کا ذکر ہے کہ ان کے

(۱) नाहं जानामि केयूरे ना हं जानामि कुण्डले,
नूपुरे त्वेव जानामि, नित्यं पादाभिवन्दनात्।

(۲) فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اس قسم کے تمام حوالجات کا صاف مطلب ہے کہ آنحضرت کا اصول یہ ہے۔ کہ نیک پاک۔ باعصمت اور باعفت اور نیچی نگاہ والی بیویوں کا ملنا واقعی جنت یا بہشت ہے۔ وہ بہشت کو کسی الگ اور اونچے مقام پر معلق یا آویزاں نہیں مانتے۔ سورۃ الحدید آیت ۲۱ میں وہ بہشت کی وہی وسعت بتاتے ہیں۔ جو ارض وسما کی ہے۔

جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا

مطلب یہ کہ کل وسیع عالم ایمان والوں سے یا نیک عمل والوں سے جنت بنتا ہے۔ اور بدعمل والوں سے جہنم۔ جیسا سعدی نے کہا ہے۔

زنِ بد در سرائے مردِ نکو۔ ہم دریں عالم است دوزخِ او

۳۔ رحموں کے متعلق پرہیزگاری

اتھروویدہ کانڈ ۴ سوکت ۳۴ منتر ۱ میں کہا ہے۔ کہ انسانی نسل کی ترقی کے نیک عمل کو سمجھنے اور صحیح طریق پہ کرنے سے اس جنت عالم میں کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اس لئے استری پرش ضبط مجسّم رہیں۔ اور گرہست بان کے علاوہ وقتوں میں عالموں کی صحبت میں رہیں۔ اور ویدوں کے اعلےٰ نیک خصلت عالموں کے اپدیش سے خوش وخورم رہیں۔ (۱)

مطلب یہ کہ خانہ داروں کو بھی برہمچریہ اور ضبط الحواسی کے خواص کا پورا احساس ہونا لازمی ہے۔

قرآن سورۃ النسا کی پہلی آیت میں مرد اور عورت کی مساوات کا اشارہ دیکر فرماتا ہے۔

"اللہ سے ڈرو۔ جس کے آگے تم جواب دہ ہو۔ اور رحموں (گربھ آشے) کے متعلق پرہیزگار رہو۔ قرآن مرد کو محصن اور عورت کو محصنہ کہتا ہے۔ اور ان لفظوں کے معنے بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورت کے ہیں۔ جو پرہیزگار ہوں۔

پس وید کے ضبط مجسّم ہونے کی تعلیم دینے والے یم لفظ کی جگہ ہی قرآن میں محصن اور محصنہ کے الفاظ ہیں۔ اور جنسی تعلقات میں رحموں کے متعلق خدا کا خوف اور پرہیزگاری رکھنے کا مفہوم یہی ہے۔ کہ شادی شدہ جوڑا بھی برہمچریہ کا پورا پورا احساس رکھے۔

۴۔ محصن اور محصنہ

سورۃ المائدہ آیت ۵ میں کہا ہے۔ کہ مومنوں کی محصنہ لڑکیاں نیز تم سے پہلے کتاب الہی والوں (ویدک دھرمیوں) کی برہمچارنی لڑکیاں تم پر حلال ہیں۔ اس شرط پر کہ تم ان کا بدلہ خود محصن بن کر ویبھچار (شہوت پرستی) نہ کرتے ہوئے دو۔ اور انہیں بطور عشق بازی قبول نہ کرو۔ (۲)

اس آیت میں جہاں مونث فریق کے لئے محصنت کا لفظ ہے۔ وہاں مذکر فریق کے لئے محصنین کا لفظ ہے۔ صیغہ جمع ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح وید دونوں فریق سے کامل برہمچریہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی کرتا ہے۔ لغوی

विष्टारिणमोदनं ये पचन्ति नैनानवर्तिः सच्यते कदा चन।

आस्तेयम उप याति देवान्त्सं गन्धर्वैर्मदते सोम्येभिः॥ ३॥

۲- وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ

معنے محصن کے ہے۔ روکنا۔ منع کرنا یا محفوظ رکھنا اور حصن قلعے کو کہتے ہیں جو دشمن کے حملے کو روکتا اور اپنے پناہ گزینوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ مرد اور عورت محصن اور محصنہ ہیں۔ جو برہمچاری رہ کر اپنے نیک چلن یا عصمت اور عفت کو محفوظ رکھتے ہیں۔ بیاہا ہوا پرہیزگار شخص بھی ازروئے لغت محصن کہلاتا ہے۔ اس سے بھی گرہستیوں کے لئے گربھادھان کے علاوہ عورت اور مردوں کو برہمچریہ کی عظمت کو قائم رکھنے کی ہدایت ہے۔

سورۃ النسا آیت ۲۴ میں ہدایت ہے۔ کہ محصنہ لڑکیاں یا عورتیں بہ استثنائے ان کے جو قول و قرار سے تمہاری بیوی بنیں۔ تم پر حرام ہیں۔ اور ان کے علاوہ جنہیں تم اپنے مالوں سے محصن (ضابطۂ الحواس) رہتے ہوئے ویبھچار سے بچتے ہوئے پاؤ۔ حلال ہیں۔ (۱)

اس کے آگے آیت ۲۵ میں ہدایت ہے۔ کہ اگر کوئی مومن محصنہ عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ (بوجہ مالی تنگی کے) تو وہ اس مومنہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ جو قول و قرار سے اس کی تنیخ بنے۔ اللہ تمہارے ایک دوسرے کے ایمان سے واقف ہے۔ سو ان سے ان کے لوگوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور حسب طریق شرع قدیم انہیں ان کا اجر دو۔ وہ محصنہ رہیں ویبھچاری نہ ہوں۔ اور جذبۂ عشق کے ماتحت قبول نہ کی جائیں (۲)

اس قسم کے تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن ایک تو مومن لفظ ایمان یا دھرم والے یا قدیم آریہ لفظ کی جگہ استعمال کرتا ہے اور قدیم ویدک دھرم والوں سے ہی مومنوں کا رشتہ ناطہ جائز ٹھہراتا ہے۔ دوسرا برہمچریہ کا ہر حالت میں پابند رکھتا ہے۔ خواہ کسی خاندانی لڑکی سے نکاح ہو۔ خواہ کسی لونڈی سے۔ تیسرے ویدک ریتی سے قول و قرار ہوتے پر ہی نکاح کو جائز ٹھہراتا ہے۔ چوتھے مالی کمزوری کی صورت میں بڑے خاندانوں سے رشتہ داری کو معیوب بتاتا ہے۔ پانچویں قول و قرار سے نکاح میں آئی عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں کو حرام ٹھہراتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بیاہتا بیوی کے علاوہ سب عورتیں مثل اپنی ماں بہن کے سمجھی جاویں۔ چھٹے شادی شدہ جوڑے میں سے ہر ایک فریق کے حقوق مساوی ہیں۔ جو ہدایت مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے ہے۔ اور یہ تمام باتیں ویدک مریادا کی ہیں۔ اسی لئے حکم دیا ہے۔ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی ودھی یا حکم الٰہی کے مطابق ان کا معاوضہ دو۔ قرآن میں معروف اور منکر کے دو الفاظ ویدک دھرمیوں کے ودھی اور نشیدھ کی جگہ ہیں۔ جو بات وید کی ہدایت کے مطابق ہے۔ اسے ودھی مانا جاتا ہے۔ اور خلاف وید کو نشیدھ کہا جاتا ہے۔ قرآن قدیم دھرم کو مانتا ہے۔ وید کو ایشور وکت کہتا ہے۔ برہمنوں کا فرض بتاتا ہے۔ کہ لوگوں کو معروف یعنی ودھی کا حکم دیں۔ اور منکر سے روکیں۔ اس سے عورت اور مرد کے میل میں بھی معروف کا لفظ طریق وید یا حکم الٰہی کے لئے ہی ہے۔ اور اس کے علاوہ یہاں آپ کا کوئی اور مطلب نہیں۔ اس کا ثبوت اس سے اگلی ۲۶ آیت میں ہی موجود ہے جس میں صاف کہا ہے۔ کہ خدا کو یہی منظور ہوا کہ تمہیں تمہارے گذشتہ لوگوں کی سنت (شریعت) کا علم اور اسی کی ہدایت دے۔ اور

حوالہ صفحہ ۲۱۹

۱۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۵

۲۔ क्षेत्रभूता स्मृतानारी बीजभूतः स्मृतः पुमान ।
क्षेत्रबीजसमायोगात्सम्भवः सर्वदेहिनाम् ॥३३॥

تم پر توجہ فرمائے۔ کیونکہ وہ صاحب علم و حکمت ہے۔(۱)

یہی نہیں۔ سورۃ البقر رکوع ۲۸ کی پہلی آیت میں حیض کو ناپاکیزگی اور حائضہ عورت سے صحبت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور حیض سے پاک ہونے کے بعد ان سے گربھادہان کا عمل کرنے کی ہدایت ہے یہی کچھ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش اور سنسکار ودھی میں لکھا ہے۔ جس دن لڑکی رجسلا (حیض والی) ہو کر جب نہا دھولے۔ تب ویدی اور منڈپ بنا کر خوشبودار چیزیں اور گھی وغیرہ کا ہوم نیز اپنے (واقف کار) فاضل مرد و عورتوں کی مناسب عزت کریں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ جس دن رتودان دینا مناسب سمجھیں۔ اسی دن سنسکار ودھی کتاب میں لکھے طریق کے مطابق پانی گرہن اور پھر وقت مقررہ پر خلوت میں جا کر گربھادہان کریں۔ جس کی ودھی بھی صاف لکھی ہے۔ سارا بیان بالکل ایک ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ کا ترجمہ صحیح طور پر سمجھا نہیں جا رہا۔ قرآن کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طریق سے گربھادہان کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے ان کے ساتھ عمل کرو۔ گویا جہاں اور جگہوں میں بالمعروف کا لفظ لکھا۔ یہاں اس کی جگہ اللہ کا حکم لکھ دیا ہے۔ اب اگر یہ فیصلہ کرنا ہو۔ کہ خدا کے حکم کی تشریح یہاں کیا ہو۔ تو سوائے قدیم طریق گربھادھان سنسکار کے اس کی کوئی حقیقت معلوم نہ ہوگی۔ اور یہ امر کہ اس آیت میں گربھادھان ہی زیر غور ہے۔ اس رکوع کی دوسری آیت سے ثابت ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتیوں سے اس طریق پر تعلق کرو۔ جو تمہیں شایاں یا مناسب ہے۔ (۲)

جس طرح کھیتی میں کاشتکاری کے صحیح پروگرام کے مطابق بیج ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح گربھادہان کے طریق میں استری کو ویریہ دان دیا جاتا ہے۔ سوامی جی نے بھی کھیتی کی مثال سے ہی ویریہ کے جائز استعمال اور پیدائش اولاد اور مناسب طریق پر زور دیا ہے۔ منو دھرم شاستر میں بھی یہی کہا ہے کہ

استری کھیت کی جگہ ہے۔ اور پرش کو بیج کی جگہ سمجھو۔ کھیت اور بیج کے میل سے ہی سب جسموں کی پیدائش ہوتی ہے(۳)

سو قرآن نے بھی اسی ہدایت اور حکم الٰہی والی قدیم ودھی کا اشارہ کیا۔ اور نہایت سنجیدگی سے اس مضمون میں اولاد اور اپنی صحت کا خیال دلایا ہے۔ اور جیسے اس پہلے سنسکار میں ویدک ریتی میں ایشور سے پرارتھنا اور اس کے حکموں کی تشریح کی گئی ہے۔ ویسے ہی قرآن پاکیزگی پرہیزگاری دعا وغیرہ کے خیال کو پوری اہمیت دیتا ہے۔

پس معروف اور منکر یا حکم اللہ محض ویدک دھرم سوتروں کے ودھی یا نشیدھ اور مطابق ویدیا خلاف وید کے لئے ہی ہے۔

۵- غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ

سفح کے معنے ہے۔ ریختن آب و خون و جز آں و رواں شدن اشک و رواں کردن آں (منتخب اللغات) قرآن شریف کے مدعا اور موقعہ و محل کے مطابق پانی یا خون یا آنسو بہانا کی بجائے ویریہ یا منی کا گرانا ہی اصل مقصود ہے۔ چنانچہ لغت میں بھی سفاح کے معنے

حوالہ ۲۴۸

۱- وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

۲- وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ

(۲۵۹)

۱- يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

زنا کرنا ہے۔ اور غیر مسافحین کے لفظ سے ہر دو فریق کو ہدایت ہے۔ کہ وہ اس حرکت کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔ شادی شدہ جوڑا بھی صحیح طریق گربھادہان کے خلاف چلیگا۔ تو گناہگار ہوگا۔ جان کون ایم۔ ڈی مصنّف سائینس آف ینو لائف نے ان لوگوں کی بجا طور پر مذمت کی ہے۔ جو شادی کو شہوت پرستی کی لائسنس کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ شادی کا یہ مفہوم لینے والے محدود العلم و محدود العقل سوسائٹی کی زد میں آویں نہ آویں۔ نیچر شادی شدہ مرد عورت کو بھی شہوت پرستی کے ارتکاب پر وہی سزا دیتی ہے۔ جو رنڈی بازی کے مرتکبوں کو دیتی ہے۔ پس قرآن کی ہدایت بھی یہی ہے۔ کہ ویریہ اور رج کو غیر عورت یا مرد سے ویبھچار میں ضائع نہ کیا جاوے۔ اور سوامی دیانند بھی ذیل کے الفاظ میں اسی مدعا کو ظاہر کرتے ہیں۔

"اب اس پر عورت اور مرد کو دھیان رکھنا چاہئے۔ کہ ویریہ اور رج کو بیش بہا سمجھیں۔ جو کوئی اس بیش قیمت چیز کو بیگانی عورت رنڈی یا برے مردوں کی صحبت میں کھوتے ہیں۔ وہ بڑے بے عقل ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسان یا مالی جاہل ہو کر بھی اپنے کھیت یا باغیچے کے سوائے اور کہیں بیج نہیں بوتے۔ جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے۔ تو جو شخص سب سے اعلےٰ انسانی جسم کے درخت کے بیج کو برے کھیت میں کھوتا ہے۔ وہ بڑا ہی بیوقوف کہاتا ہے۔ کیونکہ اس کا پھل اس کو نہیں ملتا۔ اس کے آگے لکھتے ہیں۔

جس سے ایسے ایسے نیک نہاد اور بلند خیال انسانوں کے جسم پیدا ہوتے ہیں۔ اس کو رنڈی وغیرہ برے کھیت میں بونا یا خراب بیج اچھے کھیت میں ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

المختصر قرآن مرد کے لئے غیر مسافحین اور عورت کے لئے غیر مسافحت کا لفظ لکھ کر پیدائش اولاد کے علاوہ ناجائز طریق پر ویریہ اور رج جیسی بے نظیر چیز کو ضائع کرنے سے روکتا ہے۔

۶۔ لا متخذی اَخدانِ

اَخدان جمع ہے۔ خدن کی بمعنے دوست و معشوق اور مخادنۃ کے معنے ہے۔ دوستی کرنا۔ پس لا متخذی اخدان کے معنے یہ ہیں۔ کہ بطور معشوق یا بغرض عشق بازی عورت کو قبول یا گرہن نہ کیا جاوے۔ یہ وید کے اس قول کے مطابق ہے۔ کہ اموہمسمی (अमो हमस्मि) یعنی میں موہ یا جذبۂ عشق و محبت سے پاک ہوں وید میں حکم ہے۔ کہ شادی صفات و اعمال و عادات کی مطابقت سے ہو۔ لیکن جذبۂ شہوت کے غلام اس شرط کو پورا نہیں کر سکتے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی مغلوب الحواس ہو جاتے اور رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور شادی ہونے پر بھی انتظام خانہ داری اور پیدائش و تربیت اولاد پر مائل نہیں رہتے۔

مغربی ممالک میں کورٹ شپ کا رواج ہوا۔ تو اس کی اصلیت محض یہ تھی۔ کہ لڑکا اور لڑکی خوب دیکھ بھال اور سوچ سمجھ کر اپنے عمر کے ساتھی کا انتخاب کریں۔ جیسا کہ ویدک سوئمبر کا مدعا تھا۔ لیکن جب برہمچریہ کا احساس کم ہوا۔ تو لڑکے لڑکی مغلوب الحواس ہو گئے۔ کورٹ شپ کا موقعہ پا کر وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے ہی فریفتہ ہونے لگے۔ اور اسی فریفتگی میں نکاح ہونے لگے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہنی مون (Honey moon.) یعنی نکاح کے بعد کے پہلے دو ہفتوں میں ان کے جذبات بدل گئے۔ نفسانی سکھوں کو ویدک لٹریچر میں کھشن بھنگر یعنی لمحہ بھر میں دور ہونے والا کہا ہے۔ پس جب اپنے عمل اصل راحت کے خلاف ثابت ہوئے ظاہری کشش مفقود ہوئی۔ اور محبت کی جگہ

نفرت نے لی۔ جنتے اکہہنی مون کے بعد ہی طلاق کی درخواست کے ساتھ دولہا صاحب عدالت میں جا پہنچے۔ اس لئے وید کا حکم ہے۔ کہ عمر بھر کا تعلق نبھنے کے لئے موہ سے الگ ہو کر ایک دوسرے کی اعلےٰ صفات کے آدھار پر قبولیت دو۔ اور اسی نکتہ نگاہ سے قرآن لا متخذی اخدان کا لفظ لکھ کر گرہست کی اصل ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور علم اور عقل کی طاقت سے ساری ذمہ داریوں کو پورا کرنے والی باہمی مطابقت کے لئے جگہ نکالتا ہے۔

۷۔ زنا اور اس کی سزا

سورہ بنی اسرائیل رکوع ۴ آیت ۲ میں حکم ہے۔ کہ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ بلاشبہ یہ بڑی فحش بات اور برا راستہ ہے۔ سورۃ المومنون میں مومنوں کے لکشن بتاتے ہوئے آیت ۵ تا ۷ میں کہا ہے۔ کہ وہ اپنی گپت اندریوں پر قابو رکھتے ہیں۔ ہاں اپنی قول و قرار سے بنی ہوئی بیویوں سے مباشرت ہو تو یہ ملامت نہیں ہو سکتی۔ پس اس کے علاوہ کے طلبگار لوگ شرع کو توڑنے والے ہیں (۱)

سورۃ النور میں سب سے پہلے اس سورت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ کیونکہ اس میں علمی آیتوں کے نزول اور برہمچریہ کے متعلقہ خاص فرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسری آیت میں زانی مرد یا عورت کو سو کوڑے یا بینتوں کی سخت سزا کا حکم ہے۔ اور صاف کہا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سچے دین کے نکتہ نگاہ سے کسی کو زانی مرد یا عورت پر سزا میں ذرا رحم نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ایک طرح سے سوگند دی گئی ہے۔ کہ اگر اللہ اور عاقبت پر تمہارا اعتقاد ہے۔ تو اس جرم کی سزا میں ہرگز ہرگز رحم کو دخل نہ دینا۔ بلکہ ان کی انتہائی ذلت اور بدنامی اور دوسرے مومنوں کی عبرت نیز جرم زنا کی روک تھام کے لئے ایسا انتظام ہونا چاہئے۔ کہ مسلمانوں کی بھاری تعداد ان کے اس انجام کو دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ (۲)

نہ صرف یہ تیسری آیت میں ہدایت ہے۔ کہ کوئی مومن نوجوان کسی زانی یا مشرک لڑکی سے شادی نہ کرے۔ نہ کوئی مومنہ لڑکی زانی یا مشرک مرد سے نکاح کرے۔ مومنوں پر ایسا نکاح حرام ہے۔ (۳)

یہ ہو بہو وید اور منوسمرتی کا ہی فرمان ہے۔ دھرم اور نیک چلنی کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے والا کسی اچھی جگہ بیاہا نہیں جا سکتا۔ ہاں رذیل آدمی رذیل عورت سے ہی میل کر سکتا ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۷ میں کہا ہے۔ کہ خواہ کوئی خاندان کتنا ہی صاحب مال و دولت ہو تو بھی وہ ان دس خاندانوں میں سے ایک ہو۔ تو اس میں شادی نہ ہو۔ گویا شخصی عیبوں کا ہی روکنا مقصود نہیں۔ خاندانوں میں برائی کے داخل ہونے کے امکانات کی روک تھام ضروری ہے۔ چنانچہ نیک عملوں سے گرا ہوا۔ نیک انسانوں سے خالی۔ تعلیم وید کے خلاف (مشرک وغیرہ) اور خاص بیماریوں والے خاندان شادی کے لئے ممنوع ہیں۔

۱۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

۲۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۳۔ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

۸- تحقیقات اور اصلاح

لیکن زنا کے خلاف اتنا زبردست جذبہ ہونے پر بھی سزا میں شرطِ عقل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا گیا پہلی و دوسری رکوع سورۃ النور میں دونوں کے متعلق تحقیقات کرنے شہادت لینے اور اس کے معتبر و غیر معتبر ہونے کے امکانات و اغلبات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور جو چھپائیں اور اپنا سدھار کرلیں۔ ان سے نفرت دور کرنے کی بھی ہدایت ہے۔ دوسرے لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ تم اسے خدا کا فضل سمجھ کر اس کا شکریہ بجا لاؤ۔ کہ تم کو نیک اور اعلیٰ اخلاق کا مالک بنایا اور ایسی ذلّت سے بچایا ہے۔ اگر تم سے ایسی حرکت ہو تو تم ضرور اصلاح کا موقعہ چاہو گے۔ پس دوسروں کے متعلق بھی اصلاح کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔

اس کے علاوہ بدچلنی کے خیالات کی اشاعت کی روک تھام اور جھوٹی افواہوں سے کسی کو بدنام و ذلیل کرنے کی مذمت کا بھی اس صورت میں انتظام موجود ہے۔ افواہ کو بغیر تحقیق کے صحیح مان لینا اور اسے مزید اشاعت دینا بھی جرم مانا گیا ہے۔ مومنوں سے عام حسنِ ظن کا جذبہ بھی کسی مخالفانہ چرچے کو صحیح ماننے کے خلاف ہے۔ لہٰذا ایسی افواہوں کو وہیں دبا دینا اور تحقیقات کرکے انصاف سے کام لینا ہی شرطِ عقل ہے۔ اس کے علاوہ بدنام شدہ فریق کو سمجھایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی افواہ اڑانے والے کے ساتھ عداوت کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ ہونے دے۔ بلکہ انہیں اپنے میں سے ہی سمجھے۔ اور اگر وہ صادق ہے۔ تو یقین رکھے۔ کہ جنہوں نے اس کے خلاف جتنا بڑا یا شرارت کا کام کیا ہے۔ بعد تحقیقات اتنا ہی خمیازہ اُٹھائیں گے۔ اور تمہاری سرخروئی ہو کر پوزیشن صاف ہو جائے گی۔ (۱)

۹- آدابِ خانہ داری

ایام خانہ داری میں خاص آداب و حسنِ اخلاق کا خیال رکھنے سے ہر ہر برتاؤ کے متعلق انسان کے اندر اچھا احساس قائم رہتا ہے۔ اس لئے قرآن میں ایسے اخلاقی فرائض کے بھی اشارات دیئے گئے ہیں

رکوع ۳ کی پہلی آیت میں ہدایت ہے۔ کہ اے ایمان والو! اپنے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر میں بغیر اجازت کے اور گھر والوں کو سلام کہے بغیر داخل نہ ہو۔ (۲)

دوسری آیت میں کہا ہے۔ کہ اگر اجازت دینے والا آدمی جاتے ہی نہ پاؤ۔ تو ٹھہرو۔ جتنے کہ اجازت مل جا دے۔ اور اگر لوٹ جانے کو کہا جائے۔ لوٹ جاؤ۔

چوتھی آیت میں کہا ہے۔ کہ مرد اور عورتیں نیچی نگاہیں رکھیں اور اپنے اندامِ نہانی کی حفاظت کریں۔ مزید برین یہ بھی حکم ہے۔ کہ عورتیں سوائے ہاتھ وغیرہ کے کھلے رہنے والے حصوں کے اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ اور اپنے سینوں پر چادریں ڈالے رہا کریں۔ اور شوہر یا باپ یا بیٹے یا معصوم بچوں اور لونڈیوں وغیرہ کے سوائے کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور مومنوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اللہ کا ہی دھیان رکھیں۔ جس سے ان کا بھلا ہو۔

اس حکم سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن برقعہ وغیرہ قسم کے پردہ کی ہدایت نہیں دیتا۔ جس سے عورتوں کو سانس لینے

۱- إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

۲- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

کے لئے کھلی اور صاف ہوا کا ملنا بھی دشوار ہو کر ان کی صحت کے لئے خطرات مہیا ہو رہے ہیں - بلکہ ہر لحاظ سے اس قسم کی ہدایت دیتا ہے جس سے بے حیائی اور برائی کی ترغیب دلوں میں پیدا نہ ہو سکے - اس کے علاوہ سوامی دیانند نے جو لکھا ہے - کہ پتی برتا استری سوائے اپنے پتی کے کسی کو اپنی خوبصورتی یا زینت نہیں دکھاتی - ویسے ہی قرآن بھی شوہر سے ہی اس امر کو منسوب کرتا ہے - ہاں گھر کے کام کاج اور ضروری نقل و حرکت میں باپ وغیرہ قریبیوں سے سخت اور معیوب پردے کا الزام عاید نہ ہو - اس کے لئے اتنی ترمیم ضرور کر دی ہے - کہ وہ خاص قریبی ہستیاں جن کے دلوں میں کسی استری کی زینت دیکھ کر قابل اعتراض خیال آنا قریباً ناممکن ہے - وہ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہو سکتی ہیں -

چھٹی آیت میں حکم ہے - کہ غریب بے نکاح لوگوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرا دیا کرو - ساتویں آیت میں لونڈیوں کے متعلق ہدایت ہے - کہ ان کو ویبھچار کے لئے مجبور ہونے کے موقعے مہیا نہ ہوں - اس حکم میں بعض خود غرض اور بدنیت مالکوں کو بھی ایک قسم کی تنبیہ کی گئی ہے -

آٹھویں آیت میں ہدایت ہے - کہ جو علمی رموز - گذشتہ لوگوں کے نظایر - اور متقی لوگوں کے لئے نصیحتیں اس پہلو میں قرآن وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں - ان سب کو زیر غور رکھو -

اس کے بعد پانچویں رکوع میں اللہ کے نور یا علم حق کی فضیلت بتا کر کہا ہے - کہ اس کا سچا علم ہی انسان کو لوگوں کے سامنے اچھے نمونے کے طور پر پیش کرتا ہے - اور یہ ان انسانوں میں چمکتا ہے - جو انسانی قالب کی عظمت کو سمجھتے - صبح و شام عبادت اور نام خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے اور کوئی بھی تجارتی کام یا لین دین کریں - دل سے خدا کی طرف رغبت رکھتے اور نماز و زکوٰۃ کے مستقل طور پر پابند رہتے ہیں - ان کے دل میں (پُنرجنم کے) اس وقت کا خوف رہتا ہے - جس میں دل اور آنکھیں بدل جائیں گی - اور جہاں نیک عمل والوں کو بے حساب رزق ملیگا - وہاں کافروں کے عمل مثل سراب ہوں گے - اور وہ تاریک سے تاریک یا جہالت مجسم قالبوں میں جائیں گے - یہاں ایک تو یہ ہدایت ہے کہ سچے علم والے لوگ ہمیشہ دست با کار و دل با یار کی کہاوت پر کاربند رہتے ہیں - اور دوسرے یہ بتایا ہے - کہ جس دل یا آنکھ وغیرہ سے تم بڑی حرکتیں کرتے ہو - یہ بھی ہمیشہ تمہارے نہیں ہوں گے - بلکہ موت ہونے پر یہ سنسکاروں کے ذریعے تمہارے خلاف شہادت دیں گے - اور دوسرے جنم میں یہ بدل جائیں گے - مطلب یہ کہ مادی دل اور آنکھ کی بجائے نئے جنم میں نئے دل اور نئی آنکھیں وغیرہ ملتی ہیں - وید نے पुन: चक्षु: , पुन मैन: آدی کے الفاظ سے اسی حقیقت کا سب سے پہلے اپنے منتروں میں اعلان کیا تھا -

گھروں میں اجازت لے کر جانے کے متعلق جو کہا گیا - اس میں خاوند اور نابالغ بچوں کا ذکر نہ تھا - گویا انہیں ایک طرح سے میل جول کی کھلی اجازت ہے - لیکن اس صورت کے آٹھویں رکوع میں ان پر بھی یہ پابندی تجویز کی گئی ہے - کہ تین وقتوں میں وہ بھی اجازت لیں - اوّل صبح کی نماز (پراتہ کال کی سندھیا) سے پہلے دوسرے دوپہر کے وقت جب گھروں میں کپڑے اتار کر بھی لیٹنے و بیٹھنے کا رواج ہوتا یا ہو سکتا ہے - اور تیسرے بعد نماز عشا (سایتکال کی سندھیا کے) اس سے یہ اشارہ ملتا ہے - کہ نابالغ لڑکوں کے متعلق بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے - اور یہ بھی حکم ہے - کہ جب وہ بچے بالغ ہو جاویں - تب تو مثل دیگر بڑے آدمیوں کے ہر وقت اجازت لینے کا ہی قانون ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے - کہ بچہ کیا اور بڑا کیا سب پر ہر حرکت کا خاص اثر پڑتا ہے - بچوں کی تربیت دراصل

گربھادھان یا استقرار حمل سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس لئے وید میں گربھادھان کا خاص سنسکار رکھ کر والدین کو ان کی ذمہ داری کا احساس کرایا گیا ہے۔ اور پھر حمل کے نو ماہ میں بھی اور سنسکار ہیں۔ اور بچہ پیدا ہوتے ہی جو سنسکار ہوتا ہے۔ اس میں سونے یا چاندی کی سلائی سے شہد کے ساتھ بچے کی زبان پر اوم لکھا جاتا ہے۔ اور اس کے کان میں وید وسی کا شبد سنایا جاتا ہے۔ بظاہر موٹی عقل کے آدمی اس پر تعجب کرسکتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ تعلیم کی بنیاد ہیں۔ والدین اور رشتہ دار وغیرہ جو بچوں کو چومنے چاٹنے اور چھاتی سے لگانے وغیرہ میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں بچہ بالکل معصوم ہے۔ وہ یاد رکھیں۔ کہ بڑے ہو کر اپنی بیوی یا اولاد کے متعلق فضول حرکات کی خواہش ان میں اسی چومنے چاٹنے وغیرہ کے نظاروں نے مضبوط کی ہے۔ ورنہ نہ یہ کوئی حقیقی محبت ہے نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ اسلام میں پردہ سخت مضر صورت اختیار کرگیا ہے۔ تاہم اس کی تہ میں جو خیالات کام کرتے تھے۔ وہ حق بجانب تھے۔ بعض مسلمان غیروں کے دو تین برس کے معصوم بچوں سے بھی اپنے گھروں کی آمدورفت میں پرہیز روا رکھتے ہیں۔ تو دوسرے ان پر مخول اڑاتے ہیں۔ لیکن علمی اصول کے لحاظ سے اندرونی تاثرات کے لئے ہر عمر میں احتیاط لازمی ہے۔ ایک مشہور مسلمان مصنّف نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ

"رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کان کا سبق آنکھ کے سبق سے مقدم ہے چنانچہ حضور کے سامنے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا، تو اس کے دائیں کان میں اذان کہتے تھے۔ اور بائیں میں تکبیر" اسی سے بھی ظاہر ہے۔ کہ ہر حالت میں ہر حرکت اپنا اثر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نیک چلنی اور پرہیزگاری کے متعلق بار بار خوف خدا دلا کر مناسب عمل یا حرکت کرنے کی ہی ہدایت دیتا ہے۔

بوڑھی عورتوں کے متعلق عام طور پر سر سے یا چھاتی سے چادر یا دوپٹہ اترا ہوتے میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔ اور قرآن بھی عام حالتوں سے اس میں فرق سمجھتا ہے۔ تاہم ان کو بھی ہدایت یہی دیتا ہے۔ کہ وہ زینت دکھانے سے اجتناب کریں۔ اور حتے الوسع محتاط رہیں۔

سورۃ الفرقان کے چھٹے رکوع کی چودھویں آیت میں نیک لوگوں کو جو سورگ یا بہشت کے خواہاں ہیں۔ یہ دعا مانگنے کی ہدایت ہے۔ کہ

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما (۱)

یعنی ایسی عنایت کر کہ وہ نیک چلن اور صحت ور رہیں۔

سورۃ الاحزاب میں اس لحاظ سے بہت سے نکتوں کو حل کیا گیا ہے۔ رسول کا مومنوں پر ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ حق بتایا ہے۔ اور رسول کی بیویوں کو مومنوں کی ماں کہا گیا ہے۔ لیکن حقیقت کے لحاظ سے ایسے الفاظ کو محض ایک نمائشی تہذیب کے مفہوم کے لئے بھی مقصود بتایا ہے۔ اور سمجھایا ہے۔ کہ رسول کا جو یہ حق بتایا۔ کہ اپنی ذات سے بھی افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ہر شے جو مومنوں کی ہے۔ رسول اس کا مالک ہو سکتا ہے۔ بلکہ رسول کا کام محض ان تک حق پہنچانے کا ہے۔ یا ان کو ہدایت دینے کا۔ چونکہ یہ سب سے

۱۔ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۵

مقدم اور ضروری چیز ہے۔ اس لئے اپنے ذاتی خیالات پر ضد نہ کر کے رسول والی ہدایت کی قدر کرنا اور اسے سب سے زیادہ قابل تعظیم سمجھنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ سب کچھ گورو کے لئے وقف کرنے کو تیار رہو۔ اسی نکتہ کو نہ سمجھ کر کئی ملکوں میں خود غرض اور بدنیت گوروؤں یا سادھوؤں و فقیروں کے وشواس گھات کا شکار کئی لوگ ہوتے اور اپنی قسمت کو روتے دیکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی رسول کی بی بی اگر مومنوں کی ماں کہی جاتی ہے۔ تو اس کا بھی یہ مطلب نہیں۔ کہ جس طرح وہ اپنے جسمانی باپ کی بیوی کے پاس بے تکلفانہ جا سکتے ہیں۔ ویسے ہی رسول کے ہاں جانے کی کھلی اجازت ہے۔ اسی لئے رکوع ۷ سورۃ الاحزاب میں صاف کہا کہ

اے ایمان لانے والو! رسول کے گھر میں مت جایا کرو۔ ہاں جب کھانا تیار ہو کر تم کو بلایا جاوے۔ تب جاؤ۔ اور جب کھا چکو۔ اُٹھ کر چلے جاؤ۔ وہاں باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ یہ نبی کو گوارا نہیں۔ وہ لحاظ سے نہیں کہتا ہے۔ اللہ کا حکم صاف ہے۔ (۱)

اس رکوع کی تیسری آیت میں اس بات کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ جہاں تمہارے متعلق یہ احتیاط ہے۔ وہاں ان کے باپ بیٹوں۔ بھائیوں۔ بھتیجوں۔ بھانجوں اور گھر کی دیگر عورتوں یا بیویوں کے متعلق ایسی پابندی نہیں،، مطلب یہ کہ جس جسمانی باپ وغیرہ کے ساتھ گفتگو کرنے سے بوجہ پاک تعلق کے معنوں میں برے خیال پیدا ہونے عام طور پر ناممکن سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے اس پہلو میں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اور فرضی طور پر بنے ہوئے دھرم کے باپ اور بھائی ان کی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ عام مہذبانہ گفتگو کا انسان کا چلایا ہوا رواج خدا کے بنائے قدرتی اور اصل رشتہ پر مبنی حقیقی تہذیب کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس نبی کی بیوی کو ماں کہنا نبی کی عزت کا ثبوت ہے۔ لیکن اصل ماں وہی ہے۔ جو تمہیں جنم دیتی ہے۔

نہ صرف یہ رسول صاحب سورۃ الاحزاب میں اپنی بی بیوں کو جو ہدایت دیتے ہیں۔ وہ قابل غور ہیں۔ آیت ۳۰ میں کہا ہے۔ کہ رسول کی بی بیوں میں سے کسی سے فحش کا ارتکاب ہوگا۔ تو ڈبل سزا کی مستحق ہوں گی۔ اور جو اللہ اور رسول کی فرمانبردار اور نیک عملوں والی ہوں گی۔ دُگنا اجر پائیں گی۔

آیت ۳۱ میں کہا ہے۔ اے رسول کی بی بیو! تم کسی عام عورت جیسی نہیں ہو۔ اگر تم خدا کا تقویٰ رکھو۔ تو بات میں نرمی مت کرو۔ جس سے دل کے پاپیوں کو حوصلہ ہو۔ اور ہمیشہ قول معروف یعنی دھرم کی بات کہو۔

آیت ۳۲ میں کہا ہے۔ اپنے گھروں میں ٹھہرو۔ اور سابقہ جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار نہ کرتی رہو۔ ہاں نماز بلاناغہ کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ تم سے ناپاکی دور رہے۔ اور تم ایسے پاک ہو جاؤ جیسا کہ پاک ہونے کا حق ہے۔ پھر آیت ۳۴ میں کہا ہے۔ کہ اللہ کی جو آیتیں اور علمی باتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ تحقیق اللہ لطیف اور خبیر ہے۔ اس سے اگلی آیت میں ان صفات کا بیان ہے۔ جس سے مرد اور عورتیں مغفرت اور اجر عظیم

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ

کے مستحق ہوتے ہیں۔ کہا ہے کہ
تحقیق مسلم مرد اور مسلم عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد فرمانبردار عورتیں سچے مرد اور سچی عورتیں صابر مرد اور صابر عورتیں۔ دان کرنے والے مرد اور دان کرنے والی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ برہمچریہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کی یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں یہی ہیں جن کے لئے خدا کی مغفرت یا اجر عظیم مقدر رہے۔ اس آیت میں گویا سچے دھرم کے لکشن بیان کر دیئے گئے ہیں

عرب میں شادیوں کے متعلق کوئی قید نہ تھی۔ اسی سے رسول صاحب کی بھی زیادہ بیویاں ہوئیں۔ لیکن رسول صاحب کو جب یقین ہوا۔ کہ دھرم کے مطابق ایک ہی نکاح ہونا چاہئے۔ تو آپ نے اس کا صاف اعلان کر دیا کہ دھرم کے لحاظ سے نکاح کے لئے قانون ایک کا ہے۔ خود اپنے لئے بھی خدا کا حکم بتایا۔ کہ آگے تو نہ اور نکاح کر سکتا ہے۔ نہ بدل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو نکاح سے مذہبی مشن میں تعاون حاصل کرنے کا ہی خیال تھا۔ اور آخر میں آپ بی بیوں کے تعلقات سے الگ ہو کر خالص اور بے لاگ مشنری کے کام کو زیادہ عمدگی سے کرنے کی بھی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ بیویاں بھی اللہ اور عاقبت کی خواہاں ہو کر اور دنیوی خواہشات کو ٹھکرا کر تعاون کرنے کو مستعد تھیں۔ علیحدگی کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بیویوں کو ویرانگنا بننے۔ بناؤ سنگار کا خیال نہ کرنے۔ گھروں میں آیات الٰہی اور دھرم کی باتوں کا چرچا ہونے اور استریوں کو ان آیتوں کے یاد کرنے نیز اللہ کی بکثرت یاد کرنے اور برہمچریہ کی پوری حفاظت کرنے اور نیک صفات کی تلقین و تحصیل سے اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی کو پانے۔ اور نماز زکوٰۃ وغیرہ فرائض کو پورا کرنے وغیرہ کی جتنی بھی ہدائیتیں ہیں۔ سب سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ کے دیدۂ دل کے سامنے بھی گرہست کا وہ خاص بہشتی منظر آ گیا تھا۔ جو قدیم رشیوں کے آتما میں وید کے ذریعہ منکشف ہوا۔ اور جس کا صحیح نقشہ دنیا میں کھینچا ہوا دیکھنے کے لئے انہوں نے آپ تشدوں اور منو وغیرہ دھرم شاستروں کی رچنا کی تھی۔

سورۃ التحریم سے بھی پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت نے اپنی بی بیوں کو اپنے ہاں رہنا اسی صورت میں مناسب بتایا کہ وہ دولت ایمان اور خدا اور عاقبت کی طالب ہوں۔ اور برہمچریہ اور پرہیزگاری پر عامل۔ ایسی اعلیٰ صفات کا عملی سبق پڑھانے کے لئے آپ نے بُری اور بھلی دو طرح کی عورتوں کی نظیریں بھی پیش کیں۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ایک طرف تو نوحؑ اور لوطؑ کی دو عورتیں مذکور ہیں۔ جو خدا کے صالح بندوں کی بیویاں ہونے پر بھی اپنی عاقبت کو بگاڑ گئیں۔ اور دوسری طرف فرعون کی بیوی کی مثال ہے۔ جو یہ دعا کرتی رہی۔ کہ اے خدا مجھے فرعون اور اس کے عمل نیز تمام گنہگار لوگوں سے پناہ دے۔ دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی ہے۔ جو برہمچریہ برت کو کامیابی سے پورا کر سکی۔ اس میں پاک رُوح پھونکا گیا۔ یعنی وہ ایک پوتر آتما ہوئی جس نے خدا کی تعلیموں اور کلاموں کی صداقت کی اشاعت کی۔ اور خدا کی فرمانبردار رہی۔

غرضیکہ قرآن کی ساری تعلیمات میں وید کے آدرش سدا چار اور برہمچریہ برت پالن کی تلقین ہے۔ اور جس طرح منو دھرم شاستر میں اس پہلو میں انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ہدایت ہے۔ اور جس طرح سوامی دیانند نے منو کے

مدعا کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ جو اُستاد و اُستانیاں اور نوکر چاکر ہوں۔ ان میں سے لڑکیوں کے مدرسے میں عورتیں اور لڑکوں کے مدرسے میں مرد ہونے چاہئیں۔ زنانہ مدرسے میں پانچ برس کا لڑکا اور مردانہ مدرسہ میں پانچ برس کی لڑکی بھی نہ جانے پائے۔ یعنی جب تک برہمچاری اور برہمچارنی رہیں۔ تب تک عورت و مرد کا دوچار ہونا۔ چھونا۔ تنہائی کی ملاقات۔ گفتگو۔ عشقیہ باتیں۔ باہمی کھیل کود۔ شہوانی خیال و صحبت ان آٹھ قسم کی جذبہ انگیز حرکتوں سے الگ رہیں۔ اور اُستاد ان کو ان باتوں سے بچائیں۔ تاکہ اعلیٰ تعلیم و تربیت عمدہ و نیک خصلت اور جسمانی و روحانی طاقت پاکر ہمیشہ راحت بڑھا سکیں"۔

نہ صرف پہلے آشرم کے لئے یہ ہدایت ہے۔ گرہست آشرم کے واسطے ہی جیسا کہ شروع میں اشارہ دیا گیا یہی پابندیاں ہیں۔ اور اسی طرح قرآن نے بھی نابالغ لڑکوں۔ نوجوانوں اور مردوں تیز لڑکیوں و عورتوں کے لئے ضروری اشارات واضح کر دیئے ہیں۔ ویدک لٹریچر میں لڑکے اور لڑکیوں یا مردوں اور عورتوں کی نزدیکی کو گھی اور آگ کی نزدیکی سے تشبیہ دی ہے۔ اور جہاں کہیں اور جب بھی جس سوسائیٹی نے اس قسم کی ٹھوس ہدایات کو نظر انداز کیا ہے۔ انسانیت اور راحت کو کھویا ہے۔ ایک مسئلہ کو ایجوکیشن (مخلوط تعلیم) کو ہی لے تو جن جن ملکوں میں بلا سوچے اس طریق کو اپنایا گیا۔ اس ہی ملک کے نوجوانوں کے اخلاق پر بُرا اثر پڑا۔ اور وہیں کے لائق مصنفوں کو بڑے دکھ کے ساتھ خطرناک اور رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات سامنے رکھ کر کہنا پڑا۔ کہ شادی سے پہلے ہی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کیرکٹر اور صحت کے لحاظ سے برباد ہوئے۔ اور سوسائیٹی کی عمارت کی بنیاد کھوکھلی ہو گئی۔ مہرشی دیانند جیسا آدرش بال برہمچاری جب چار سال کی لڑکی کو دیکھ کر ماتری شکتی کی یاد سے ہی اپنے خیالات کی پاکیزگی کو قائم رکھ سکتا۔ اور مہر یانہ کی مائی بھگوتی جیسی دھرم بھگتی سے گفتگو کرنے کے لئے بیچ میں پردہ کراتے ہیں۔ اور جب وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ استری کی شکل آنکھ کے ذریعے برہمچاری کے اندر گھس جاتی ہے۔ تب عام چھوٹے بچوں اور کیرکٹر کی پختگی سے محروم نوجوانوں اور مردوں کو اس سہل گیری سے ترغیبوں کے مقابلے میں کھڑا کرنا وید اور قرآن جیسی کتب مقدسہ کی نافرمانی کرنے اور خدا سے دکھوں اور مصیبتوں کو جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ نازل کرنے کی دعا کے ہی مترادف ہے۔

بارھواں باب۔ دیوتا اور ملائکہ

۱۔ ویدک دیوتا واد

وید اور ویدک لٹریچر میں دیوتا واد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اور دیوتا کا لفظ نہایت کثرت سے استعمال میں آتا اور وسیع معنے رکھتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں دو یہ گن یا روشن صفات نہ ہوں۔ جب ان سب کا آدی مول پرمیشور ہے۔ جو تمام سچے علوم اور نیک اوصاف کا غیر محدود بھنڈار ہے۔ تو ان

کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں روشن اور اعلےٰ صفات کا پایا جانا لازمی ہے۔ اس لئے ہر شے کو خواہ وہ بیجان ہی کیوں نہ ہو۔ دیوتا کہہ سکتے ہیں۔ وید میں اگنی۔ وایو۔ چندرماں۔ سوریہ وغیرہ سب کو دیوتا کہا ہے۔ (۱)

تینتیس قسم کے دیوتا جو مشہور ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

زمین۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ خلا۔ سورج۔ چاند اور ستارے یہ آٹھ وسو بھی دیوتا ہیں۔ پران اپان ویان اوان اور سمان۔ نیز ناگ۔ کورم۔ کرکل۔ دیودت۔ دھننجے اور جیو آتما یہ گیارہ رُدر بھی دیوتا ہیں۔ اور سال کے بارہ مہینے یعنی بارہ آدتیہ بھی دیوتا ہیں۔ اور اندر یعنی بجلی اور پرجاپتی یعنی یگیہ بھی دیوتا ہے۔ یہ سب مل کر تینتیس ہوئے اور پرمیشور بھی سب روشن صفات کا مجسّمہ ہونے سے دیوتا ہے۔ مگر یہ سب سے بڑا ہونے اور امتیازی پوزیشن رکھنے سے مہادیو کہلاتا ہے۔

وید کے ہر منتر کا مضمون یا ہر کتاب یا لکچر کا مضمون اس کا دیوتا ہے۔ کیونکہ اس منتر میں اسی کی صفات کا بیان ہوتا ہے۔ کسی مشہور یا ضروری اور مخصوص علمی رمز رکھنے والے لفظ کو بھی دیوتا کہتے ہیں۔ مثلاً چتر گپت نام کے دو دیوتا مشہور ہیں۔ جن کی بابت کہا جاتا ہے۔ کہ وہ انسان کے تمام افعال اور حرکات کو لکھتے جاتے ہیں۔ اور ان کا تیار کیا ہوا اعمالنامہ ہی موت کے بعد کی حالت یعنی سورگ یا نرگ میں پہنچانے کا موجب ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے۔ کہ کوئی خاص ہستیاں ہمیں اپنے اندر قلم۔ دوات اور کاغذ لئے لکھتی ہوئیں تو نظر نہیں آتیں۔ باوجود اس کے ہماری یادداشتیں گذشتہ واقعات کی بابت ہم سب کے اندر موجود ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ہمارے سارے کاموں کی بابت سنسکار ہمارے اندر نقش ہوتے ہیں۔ اور اس نقش ہونے کا ہی نام چتر ہے۔ اور چونکہ وہ نظر نہ آتے ہوئے بھی ہمارے اندر پوشیدہ ہیں۔ اس لئے انہیں گپت کہا جاتا ہے۔ گویا چتر اور گپت کے دو لفظ تھے۔ جو ہمارے قانون عمل کی ترجمانی کرتے تھے۔ اس لئے ان الفاظ کو دو دیوتا کہا گیا۔

انسان جو علمی صفات سے متصف ہوں۔ اخلاق حسنہ کے مالک ہوں۔ اور کسی قسم کی بھی عمدہ صفات رکھتے ہوں وہ بھی دیوتا کہلاتے ہیں۔ اور ہر نیک عالم آدمی کے لئے یہ لفظ خصوصیت سے بولا جاتا ہے۔

۲۔ قرآنی ملائکہ

قرآن میں ملائکہ کا لفظ فرشتے کے معنے میں لیا جاتا ہے۔ مگر وہ ایسی موہومہ ہستیوں کو مانا جاتا ہے۔ جنہیں بہ طور حقیقی ہستیوں کے ماننا عقل سلیم کے لئے دشوار ہے۔ اکثر ملائکہ کو نظر نہ آنے والی ہستیاں مانا جاتا ہے۔ اور جب اس اعتقاد سے ان کے کسی عمل کا صحیح شکل میں تعین کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ تب کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ مجسّم ہو گئے۔ اور پھر غائب ہو گئے وغیرہ۔ ضعیف الاعتقادی یا کم علمی سے کوئی کتنے بھی زور سے آمنّا وصدقنا کہہ کر ان بیانوں کو صحیح مان لے۔ علمی اور تحقیقی دنیا میں ان بیانات کا کوئی وزن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم نے قرآن کے لفظ ملائکہ پر زیادہ مستعدی سے اور نظر تعمق سے غور کیا۔ تب حقیقت کھلی۔ کہ آنحضرت نے ملائکہ لفظ کو محض وید کے دیوتا لفظ کے قائمقام کے طور پر ہی قرآن میں لیا ہے۔

अग्निर्देवता वातो देवता सूर्यो देवता चन्द्रमा देवता वसवो देवता रुद्रा देवतादित्या देवता मरुतो देवता विश्वेदेवा देवता बृहस्पतिर्देवतेन्द्रो देवता वरुणो देवता ॥२०॥

۳۔ خدا سے بحث کرنیوالے ملائکہ

سورۃ البقر آیت ۳۰ سے فرشتوں اور خدا کا مکالمہ شروع ہوتا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ خدا نے فرشتوں کو کہا۔ کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب پیدا کرونگا۔ فرشتوں نے کہا۔ کیا تو اس کو اس دنیا میں مامور کریگا۔ جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ خدا نے کہا۔ میں جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے" (۱)

اسلامی لٹریچر میں اس آیت کی تفسیر میں کئی پہلوؤں سے باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ فرشتے کون تھے۔ کب سے تھے۔ اور ان کی حمد اور تسبیح و تقدیس سے کیا مراد ہے۔ اس پر اتفاق ہونا مشکل ہے۔ اس لئے کہ الفاظ قرآن پر تدبر سے کام نہیں لیا جاتا۔ مان لیا جاتا ہے۔ کہ اس بیان کا خاص آدم سے تعلق ہے۔ جس سے پہلے کئی آدم ہوئے یا یہ کہ یہ فرشتے نظر نہ آنے والے پہلے سے ہی تھے۔ لیکن قرآن نے اس سے پہلے ۲۸ آیت میں یہ بتایا ہے۔ کہ خدا سے تم کیسے انکار کر سکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ حالت سے زندہ کیا۔ وہ تمہیں پھر مار یگا۔ پھر جلائیگا۔ حتےٰ اکہ تم اس سے وصل حاصل کرو۔ ۲۔

اس میں ہر ہستی کے اور کل دنیا کے مرنے اور پیدا ہونے کے چکر کا بیان ہے۔ جیسے ویدک لٹریچر میں پرواہ سے انادی کہا جاتا ہے۔ یہ کہکر آیت ۲۹ میں کہا ہے۔ خدا وہ ہے۔ جس نے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ جو دنیا میں ہے نیز دیُولوک کی طرف بھی وہی بلند ہے۔ یعنی اس کی صنعت آسمان میں بھی کام کرتی ہے۔ یا وہ دیُولوک میں بھی موجود ہے۔ سو سات آسمانوں میں آراستگی ہوئی۔ کیونکہ اسے ہر شئے کا علم (یا وہ سروگیہ) ہے۔ ۳۔

ان الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ یہ نئے کلپ کی پیدائش کا بیان ہے۔ اور آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ وہ سب پیدا ہو چکے۔ صرف انسان کی کسر تھی۔ تب خدا نے فرشتوں کو کہا۔ سو یہ فرشتے صریحاً وہ تمام اشیائے عالم ہیں۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوئے۔ خلا۔ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ زمین۔ نباتات اور حیوانات۔ چونکہ انسان پیدائش کے سلسلہ ایوولیوشن کی آخری کڑی ہے۔ لہذا اس کی ضرورت اس کی اہمیت اور فضیلت واضح کرنے کے لئے یہ مکالمہ پیش کیا گیا ہے۔ خدا سے دوسرے درجے پر انسان ہی اشیائے عالم پر حکمران ہے۔ اس لئے وہ اس کا خلیفہ یا نائب ہے۔ اشیائے عالم جو پہلے پیدا ہوئیں۔ سب اپنے وجود سے خدا کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت دے رہی ہیں۔ اس لئے وہ زبان حال سے خدا کی حمد اور تسبیح و تقدیس کرتی ہیں۔ اور چونکہ بے جان اشیاء کسی کو ستانے یا فساد وغیرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ اور انسان گمراہ ہو کر ہر طرح کی رذیل حرکات کر سکتا ہے۔ اس لئے فرشتوں کی زبان حال سے یہ اپیل پیش ہوتی ہے۔ کہ آگے سلسلہ پیدائش بند ہو۔ اسی سے انسان کے لئے یہ نصیحت مہیا کی گئی ہے۔ کہ وہ فساد اور خون خرابے سے باز رہے۔ کیونکہ اس صورت میں دوسری بے جان چیزیں اور حیوان اس کے مقابلے پر بے ضرر اور اشرف ہوں گے۔ پھر آخری الفاظ میں بتایا گیا ہے۔ کہ خدا میں جو علم ہے۔ اس کو وہ فرشتے حاصل

۱۔ قَالُوٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۲۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

۳۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝

نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضرورت اس ہستی کی ہے جو خدا کے علم سے فیض پا سکے۔ وید میں یہ مضمون کئی صورتوں میں آیا ہے۔ اور کین اپنشد میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ آگ ہوا وغیرہ دیوتاؤں نے اپنی طاقت کے گیت گائے۔ مگر خدا کی طاقت کے بغیر آگ ایک تنکے تک کو جلا نہ سکی۔ اور ہوا تنکے کو اڑا نہ سکی۔ تب اندر یعنی جیوآتما میدان میں آیا۔ وہ بھی اس وقت کامیاب ہوا۔ جب وہ اُما نامی عورت یعنی وِدیا کو ملا۔ اس کا بھی مطلب یہی ہے۔ کہ پہلے جو دیوتا آگ ہوا وغیرہ ہوگے۔ اور بعد میں جو نباتات و حیوانات ہوئے۔ یہ سب گیان کے نااہل ہونے سے ناکام رہے۔ اور جب جیوآتما نے گیان کو پایا۔ یعنی انسانی قالب کا ظہور ہونے پر جب اسے الہامی علم ملا۔ اس کی عظمت اور سرفرازی کا سکہ بیٹھ گیا۔ چنانچہ ۳۱ آیت میں ہے۔ کہ

"خدا نے آدم کو کل نام سکھائے۔ نیز انہیں فرشتوں کے بھی پیش کیا۔ اور کہا۔ اگر سچے ہو تو ہمیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۱)"

اس پر ان کا جواب اگلی ۳۲ آیت میں ہے۔

"انہوں نے کہا۔ پاک ذات ہے تیری ہمیں اس کے سوائے کوئی علم نہیں۔ جو تم نے ہم کو دیا۔ تو ہی علم اور حکمت مجسم ہے۔ (۲)"

آیت ۳۳ میں ہے۔ خدا نے کہا۔ اے آدم تو انہیں وہ سب نام بتا دے۔ سو جب اس نے ان کے نام بتا دیئے۔ کہا میں نے تم کو کہا نہ تھا۔ کہ میں آسمان و زمین کے پوشیدہ رازوں اور تمہاری کثیف و لطیف دونوں حالتوں کو جانتا ہوں۔ ۳۔

آدم سے مراد انسانی جماعت کے نمائندہ آغاز عالم میں پیدا ہوئے لوگ ہیں۔ یہ ان آیات کی تفسیر میں واضح کیا گیا ہے۔ سو خدا نے انسان کو کل نام یا شبد گیان دیا۔ جسے وید کہا جاتا ہے۔ یہ علم فرشتوں کے بھی پیش ہوا۔ مطلب یہ کہ جڑ مخلوق اشیا اور حیوان علم کو حاصل نہ کر سکتے تھے۔ ورنہ جیسے ایشور سب میں اور سب کے ساتھ ہے۔ ویسے ہی ان اشیاء کے سامنے بھی علم ہے۔ مگر وہ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔ اور وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر ایک گونہ یہ سنا رہے ہیں۔ کہ علم خدا کے دینے سے ہی ملتا ہے۔ اور محض انسان کو جو اس کا احساس کر سکتا ہے۔ نہ ہم کو جو جڑ ہیں۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کے غرور کا سر نیچا کیا گیا ہے۔ جو علم کو انسان کی ایجاد کہتے یا نیچر کو اپنا گورو مان رہے ہیں۔ ارے گونگی بہری اور جڑ نیچر کو تو خود اپنا بھی علم نہیں۔ تمہیں کیا دیگی۔ ہاں یہ اس علیم کل خدا کا ہی عطیہ ہے۔ جس کی بدولت تم نیچر کو جان اور سمجھ سکتے ہو۔

غرضیکہ ویدک دیوتا شبد کی طرح ہی ان آیات میں ان کل اشیاء کو ملائکہ کہا ہے۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوئی تھیں

۱۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

۲۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

۳۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

۴- آدم کو سجدہ کرنے والے ملائکہ

سورۃ البقر آیت ۳۴ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس نے انکار اور غرور کیا۔ اور کافر ہوا۔ (۱)

اس سجدہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ کل اشیائے عالم انسان کے زیر فرمان ہیں۔ اور اس کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ مگر ابلیس اس کے بس کا نہیں۔ یہ ابلیس وید کا الی بیش (इलिबिश) شبد ہے۔ بمعنے من یا نفس امارہ کے کون نہیں جانتا۔ کہ اہنکار کے قابو آکر انسان ناکردنی کرتا اور ہر وقت دکھ کا شکار ہوتا ہے۔ اور اس اہنکار کا مطلب محض من کا سرکش و خود سر ہونا ہے۔ آگے ذکر آتا ہے۔ کہ میں کیوں انسان کے آگے جھکوں۔ میری پیدائش آگ سے ہے اور انسان کی مٹی سے۔ چونکہ جھکنا جسم کے آگے ہوتا ہے۔ جو مٹی کے زیادہ حصّے سے بنتا ہے۔ اور مٹی میں ہے تموگن۔ برخلاف من کے ستوگن کے جو اس اگنی کا گن ہے۔ جس سے من بنتا ہے۔ اس لئے بتایا ہے۔ کہ من تو خود اعلےٰ حیثیت رکھنے سے جسم پر حکمران ہے۔ یہ اس کے آگے جھک نہیں سکتا۔ ہاں آگے ذکر آئیگا۔ کہ گیان یا علم کی طاقت رکھنے والا جیو آتما ہی ہے۔ جو من کو مار یا اسے قابو میں رکھ سکتا ہے۔

پس ساری بحث میں ملائکہ کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اور ان کی تسبیح و تقدیس کا بھی۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں کہا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہیں۔ اور کوئی بھی شئے تو۔ اس کی تسبیح والی تقدیس کر رہی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ (۲)

سورۃ النور آیت ۴۱ میں کہا ہے۔ کیا تو نے دیکھا نہیں۔ کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ سب اللہ کی تسبیح و تقدیس کر رہا ہے (۳)

اس طرح ہر کہیں اس تسبیح و تقدیس کا یہی مطلب ہے۔ کہ اشیائے عالم اپنے وجود سے اور زبانِ حال سے خدا کی صنعت اور شان و شوکت کی شہادت دے رہی ہیں۔

اور مکالمہ کا یہ طریق صحیح علم پانے اور حقیقت کو سمجھنے میں بڑا معاون ہے۔ وید میں ہر بے زبان چیز کو مخاطب کر کے اس کے اوصاف کو بیان کرنے کا طریق عام ہے۔ جیسے اگ ہوا اوکھل موسل تک سے خطاب کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بے جان چیزوں کو مشخص (Personified Objects) مان کر کلام کیا جاتا ہے۔ اردو میں کہا جاتا ہے۔ ہائے ری ظالم موت! تو نے بڑے بڑے خاندانوں کو تباہ کیا ہے۔ فارسی کا مشہور شاعر سعدی موت کا نظارہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۱- وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

۲- تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

۳- أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل — اے دو چشمم وداعِ سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو — ہمہ تودیعِ یک دگر بکنید

مطلب یہ کہ کوچ کی گھنٹی بجنے پر ساری طاقتیں جواب دیتی ہیں۔ تو اس وقت مرنے والا زبانِ حال سے اپنے تمام اعضا مثلاً آنکھ۔ سر۔ ہاتھ کی ہتھیلی۔ کلائی بازو وغیرہ کو ایک دوسرے کو الوداع کہنے کا حکم دیتا ہے۔ پس وید نے جس طرزِ بیان کی بنیاد ڈالی۔ اور قرآن نے جس کی تقلید کی۔ وہ ہر زبان اور ملک میں رائج ہونے سے کسی شک کا نشانہ نہیں بن سکتا۔

سورۂ القدر میں چوتھی آیت میں جو ملائکہ کا لفظ ہے۔ وہ بھی صریحاً ان اشیائے عالم کے لئے ہے۔ جو انسان سے پہلے پیدا ہوتی ہیں۔ اس آیت میں کہا ہے۔

تمام عالموں (جمادات۔ حیوانات۔ نباتات) کے متعلقہ فرشتے اور ارواح لیلۃ القدر (برہم راتری) میں ایشوری قانون کے مطابق تنزّل کر جاتے ہیں۔ (۱)

وہ اس طرح (دوسری پیدائش کی) فجر یعنی آغاز تک سلامت رہتے ہیں۔ (۲)

ان حوالوں میں قرآن ویدک سدھانتوں کی صداقت کے متعلق معرکے کی شہادت دیتا ہے۔ ایک لفظ تو ہے "مِنْ کُلِّ اَمْرٍ" اس میں امر کے معنے ہر طرح کی پیدائش کے ہیں خواہ جمادات ہوں خواہ نباتات وغیرہ ویسے امر کے معنے حکم کام معاملہ۔ علم وغیرہ اور بھی ہیں۔ لیکن اس آیت میں "کل امر" سے مراد موقعہ و محل کے لحاظ سے سوائے مختلف قسم کی پیدائش کے ہو نہیں سکتے۔

دوسرا لفظ قابلِ غور تنزّل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس حالت سے ترقی کر کے موجودہ حالت تک رسائی ہوئی تھی۔ پھر اسی ادنےٰ حالت کو لوٹ جانا۔ یعنی معلول حالت سے حالت علت میں چلا جانا۔ اس میں خاص علمی رمز یہ ہے۔ کہ یجر وید کے پُرش سوکت میں کہا ہے۔ کہ اس جہان میں ایشور جیو اور پرکرتی نام تین پاد انادی ہیں۔ اور کاریہ یا معلول دنیا والا ایک پاد لطیف عناصر کی ترکیب سے بنا ہؤا متغیر یا حادث ہے۔ اسی پرش سوکت کے چوتھے منتر میں کہا ہے۔ کہ تین پاد سے اونچی یا اگلی یا ترقی یافتہ حالت ہی پرش ہے۔ جس کا ایک معلول پاد بار بار ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی اس پر پیدائش اور فنا کا چکر جاری رہتا ہے (۳)

پس ایشور جیو اور پرکرتی نام تین انادی ہستیوں کو معلول اور مرکب دنیا کے ساتھ ملا کر پُرش کہا جاتا ہے۔ اور یہ تین انادی سے اگلی ترقی یافتہ حالت ہے۔ یہاں ارتھاپتی سے یہ مطلب نکلتا ہے۔ کہ جب دنیا فنا ہوگی۔ اس وقت معلول دنیا پھر حالت علت میں چلی جائیگی۔ یعنی حالت پیدائش کو ترقی کی حالت سمجھیں۔ تو فنا کی حالت کو تنزّل کی حالت کہیں گے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن نے یہ کہا۔ کہ فرشتے اور ارواح برہم راتری میں تنزّل کر جاتے ہیں۔ اب سوال ہے۔ تنزّل کر کے

۱۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۲۔ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

۳۔ त्रिपादूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः।
ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशनानशने अभि ॥ ४॥

کہاں جاتے ہیں۔ جواب صاف ہے۔ کہ ملائکہ بے جان اشیاء ہیں۔ جو پھر لطیف مادہ کی صورت میں ہو جائینگی۔ اور ارواح سے بھی مادی سامانوں کا تعلق نہ رہ جائیگا۔ باقی صرف ایک ہستی ایشور کی رہی۔ سو روح اور مادہ اسی میں رہیگا۔ اور جب پھر پیدائش کا وقت آئیگا۔ تو برہم میں جو رُوح اور مادہ لین ہونے تھے۔ وہی پیدائش کے کام آئیں گے۔ سو یہی قرآن فرماتا ہے۔ کہ ملائکہ اور ارواح حالت تنزل میں برہم کے اندر صحیح سلامت رہیں گے۔ یہاں تک کہ پھر دنیا کی پیدائش کی فجر میں وہ کام آویں۔

گویا اس آیت میں ملائکہ لفظ سے اشیائے عالم کا قائمقام ہونے کا ہی قطعی فیصلہ نہیں دیا گیا۔ یہ بھی طے کر دیا ہے۔ کہ رُوح اور مادہ حادث نہیں۔ بلکہ انادی کال پرمیشور کے ساتھ ہیں۔ اور معلول دنیا کے یگیہ میں بطور سامگری کام دیتے ہیں مجدود العلم حضرت انسان اس دنیا میں کل اشیائے کو اپنی مرضی سے کام میں لاتا اور اس آزادی کی وجہ سے اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہے ان آیات کی تفسیر میں ملائکہ لفظ کے مفہوم پر بعض دیگر مفسرین کی شہادت سے بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے زیادہ تفصیل وہیں دیکھی جائے۔

۴۔ ملائکہ لفظ رشیوں کے لئے

سورۃ النحل آیت ۲ میں کہا ہے۔

"پرمیشور اپنا گیان ان رشیوں کے آتماؤں پر کاشت کرتا ہے۔ جن کو اپنے بندوں میں سے موزوں یا قابل سمجھتا ہے۔ (۱)

اس آیت میں ملائکہ لفظ سوائے آغاز عالم کے رشیوں کے اور کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ سورۃ الرحمن میں قرآن کہتا ہے۔ کہ وہ پرماتما ہی قرآن کا علم دیتا اور انسان کو پیدا کرتے ہی اسے اس کا بیان کرنا بھی سکھاتا ہے یہاں قرآن کو وید کے معنے میں لیا ہے۔ اور ویدک دھرمیوں کے اس اصول کو واضح کیا ہے۔ کہ وید کا شب۔ گیان پرمیشور نہ دیتا تو انسان دوسروں تک علم کو پہنچا نہ سکتا۔

اس گیان کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں اعتراض آتا ہے۔ کہ چار ہی رشیوں پر کیوں وید کا ظہور ہوا۔ اس کا جواب سوامی جی یہ دیتے ہیں۔ کہ وے چار ہی سب انسانوں میں لائق اور وید گیان کو گرہن کرنے کے قابل تھے۔ سو اسی پوزیشن کو سورۃ النحل کی اس آیت میں واضح کیا ہے کہ پرمیشور نے اپنے بندوں میں سے جنہیں قابل پایا یا موزوں سمجھا۔ ان کے ہی آتما میں گیان کا پرکاش کیا۔

ایک اور نکتہ بھی یہاں قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ ویدک سدھانت کے نکتہ نگاہ سے اصل گیان نہ اندریوں کا دشے ہے۔ نہ دل کا اور نہ عقل کا اسے رُوح ہی قبول کر سکتا ہے۔ اور وہی قرآن کہتا ہے۔

۵۔ جبرئیل فرشتہ

یہ خیال کہ فرشتے نظر نہ آنے والی ہستیاں ہیں۔ اس لحاظ سے تو صحیح ہے۔ کہ قرآن مادی ذرات کو بھی ملائکہ کہتا ہے۔ نیز تمام ارواح۔ نجات یافتہ ارواح اور رُوح کی لطیف طاقتیں بھی ملائکہ ہیں۔ لیکن کسی انسان کے ساتھ ان کا غیر مجسم صورت میں کوئی تعلق یا اس پر ان کا کوئی اختیار ہو۔ قرآن اس کی کہیں تائید نہیں کرتا۔ ایسے ہی جبرئیل کے متعلق جو یہ خیال ہے۔ کہ وہ

(۱) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ٥

نظر نہ آنے والا فرشتہ تھا۔ مگر مجسّم ہوکر بھی آتا تھا۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ پیدا ہونا و مرنا تو روح اور جسم کے ملنے و جدا ہونے کا نام ہے لیکن عملاً یہ بات آج تک کوئی نہیں دکھا سکا کہ کوئی روح پیدائش اور موت کے قانون الہی کے بغیر جب چاہے۔ کسی آدمی کی شکل اختیار کرے۔ اور جب چاہے اس کا جسم نظر نہ آوے۔ نہ روح نیستی سے جسم کو ظاہر کر سکتا ہے۔ نہ جسم کو ناقابل دید بنا سکتا ہے۔ بہرحال جبرئیل کے متعلق قرآن مجید سے سوائے اس کے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ ایک بڑے عالم اور فاضل مذہبی مشنری اور انسان تھے۔ جنہوں نے عرب میں اس وقت خاص کام کیا۔ اور آنحضرت کو ایک ایسی ہستی سمجھا۔ کہ منتخب روزگار ہو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو قدیم دھرم کی تعلیم دی۔ اور اشاعت حق کے کام پر لگایا۔ باب سوم دفعہ ۳۸ سورۃ الشعرا آیت ۱۹۳ تا ۱۹۵ میں لکھا گیا ہے۔

"تحقیق قرآن رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ روح الامین (علم الہی کو امانت رکھنے والے روح) کے ذریعے وہ تیرے دل پر ٹھیٹھ عربی زبان میں نقش کیا گیا ہے۔ اور تحقیق وہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے۔" چونکہ جمیع علما کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ روح الامین نام جبرئیل کا ہے۔ اس لئے اس پر بحث نہ کرکے ہم یہ بتا دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ وید میں آچاریہ گورو کو پرمیشور کا ایجنٹ یا امین ہی مانا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو محض اس علم کے سکھانے کے لئے قبول کیا جاتا ہے۔ جو خدا کا علم ہے۔ گورو کا یہ اختیار نہیں۔ کہ وہ اپنے ذاتی خیالات یا جذبات کی پیروی شاگرد سے کرائے۔ بلکہ وہ صاف کہتا ہے۔ اصل آچاریہ تمہارا پرمیشور ہے۔ میں محض بہ طور اس کے امین یا قائم مقام یا نمائندہ کے ہوں۔ اور میں اسی کا علم تمہارے ذہن نشین کرونگا۔ سو یہی اصول روح الامین کے لفظ میں قرآن میں موجود ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ جبرئیل کسی خاص شخصیت کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ڈگری ہے۔ جیسے کہ آچاریہ یا گورو کی ڈگری ہے۔ بائبل میں بھی اسی لئے اس لفظ کا عام استعمال ہوا ہے۔ اور اس کی حقیقت بھی ظاہر ہے۔ پارسیوں کی کتاب مقدسہ زند اوستا میں مرقوم ہے۔ کہ ویاس جی زردشت کے پاس بہ غرض اشاعت دھرم گئے۔ اور وہ گبرئیل کے خطاب سے وہاں یاد کئے گئے ہیں۔ چونکہ پارسی اور عربی میں یہ فرق نمایاں ہے۔ کہ پارسی والا گ عربی میں نہیں ہے۔ اس لئے عموماً عربی میں گ کی جگہ ج بولا جاتا ہے۔ جیسے گناہ کو عربی میں جناح کہتے ہیں۔ پس گبرئیل کی جگہ عربی میں آچاریہ کو جبرئیل کہا ہے۔ اور گبرئیل کی حقیقت یہ ہے۔ کہ آچاریہ کو یا عالم کو جو بھارت ورش سے ان ممالک میں جاتے تھے۔ وید کے تعلق سے وید کے پہلے لفظ اگنم ایڑے ہے یا اگنم ایلے سے پکارا جاتا تھا۔ جیسے آج کل سوامی دیانند کو ویدوں والا رشی کہتے ہیں۔ اسی طرح ان دنوں مشنری عالموں کو اگنم ایل کہا جاتا تھا۔ اور پارسی میں اگنی کی جگہ گبر کہا جاتا ہے۔ پس اگنی ایل کو گبرائیل کہا گیا۔ یہ بھی ظاہر ہے۔ غرضیکہ آیت محولہ بالا میں روح الامین یعنی جبرئیل کا آنحضرت کو قرآن کی تعلیم دینا ظاہر ہے۔ اور قرآن نام یہاں پہلی الہامی کتاب کا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرحمن کی پہلی آیتوں کے اور نیز اور حوالوں سے ہم کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ یہ امر اس آیت کے الفاظ سے بھی بہ احسن الوجود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امین سے جو چیز ملتی ہے۔ وہ پہلے سے موجود ہوتی۔ اور بہ طور امانت کے اس تک پہنچتی ہے۔ پس آغاز عالم والے قرآن یعنی وید کی امانت آنحضرت کو آچاریہ سے ملی۔ یہ مفہوم صاف ہے۔ اور حضرت جبرئیل کے ذریعے دل پر نقش کیا جانا یہ واضح کرتا ہے کہ قرآن کلام الہی بھی محض اس لئے ہے۔ کہ جبرئیل نے جیوں کا تیوں علم کو پہنچایا۔ ورنہ دل پر نقش ہونے والا علم الہی نہیں ہوتا۔ بلکہ الہامی علم روح پر منکشف ہوتا ہے۔ استاد یا گورو کی روح تک رسائی نہیں۔ دل تک اس کی پہنچ ہے۔ اور نہ دل

سے روح جو خیال اخذ کرتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت مراقبہ یا سمادھی میں خود پرمیشور کی حضوری میں دیکھتا ہے۔ پھر ایک زبان سے دوسری زبان میں ظاہر کرنا بھی انسان گورو کا کام ہے۔ خدا ایک کامل زبان میں جو بے بدل ہے۔ الہام دیتا ہے۔ وہ انسانوں کی ناقص زبانیں بولنے والا نہیں۔ اور ہر طرح پر ثابت ہے۔ کہ بہ طور گورو یا آچاریہ کے قدیم الہی علم کی تعلیم آنحضرت کو جبرئیل سے ملی۔ اور اخیر میں تو یہ امر بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ جب یہ الفاظ سامنے آتے ہیں۔ کہ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (تحقیق یہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے) مطلب یہ کہ جو تعلیم دی گئی عربی زبان میں وہ پہلے الہام وید کی ہی ہے۔

سورۃ النحل آیت ۱۰۲ میں کہا ہے۔ کہو کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے خوب حق باجیوں کاتیوں ظاہر کیا ہے۔ تاکہ خدا اہلِ ایمان کو دہرم پر قائم کرے۔ اور فرمانبرداروں کے حق میں یہ ہدایت اور رحمت ہو (۱)

یہاں روح الامین کی جگہ روح القدس یعنی پوتر آتما کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ لازمی ہے۔ کہ سچا آچاریہ یا گورو کا آتما پوتر ہو۔ ورنہ وہ گورو بننے کے ناقابل ہے۔

مختصر یہ کہ جبرئیل کوئی نظر نہ آنے والا یا غیر انسانی ہستی نہیں۔ بلکہ اعلےٰ پایہ کا عالم فاضل اور پوتر آتما گورو ہے

۶۔ جبرئیل کے دشمن

سورۃ البقر آیت ۹۷ میں کہا ہے۔ جو لوگ جبرئیل کے دشمن ہیں۔ ان سے کہدو۔ کہ یہ کلام جبرئیل نے اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نقش کی ہے۔ یہ پہلی کلام کی مصدق اور مومنوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والی ہے۔ (۲)

غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر جبرئیل نظر آنے والا فرشتہ ہو یا محض آنحضرت تک ہی اس کا تعلق محدود ہو تو لوگوں سے ان کا دوستی و دشمنی کا تعلق کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس اصل حقیقت محض یہ ہے۔ کہ حضرت جبرئیل ایک بڑے عالم انسان تھے۔ اور چونکہ وہ محض ایک سچے ایشوری دہرم کے پرجوش مشنری تھے۔ اور انسانی مذاہب کے مخالف اس لئے ان کے تکذیب باطل یا کھنڈن کے کام کو لوگ بُرا مناتے تھے۔ اور رسول صاحب کی وعظ پر جبرئیل کی عداوت کی وجہ سے التفات نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان کو سمجھانا ضروری ہے۔ کہ یہ کوئی جبرئیل کا ذاتی کلام نہیں۔ خدا کا حکم ہے۔ اور الہام میں ملی ہوئی کتاب الہی کی صداقتیں ہی ہیں۔ جن کی اشاعت کی جاتی ہے۔ لہذا ان کی دشمنی کی وجہ سے خدا اور اس کی سچی ہدایتوں سے کنارہ کرنا خود اپنا نقصان کرنا ہے۔

بعض صورتوں میں ایسا ہونا بھی لازمی ہے۔ کہ آنحضرت کے کھنڈن سے دکھی ہو کر لوگ جبرئیل کے دشمن بنیں اس خیال سے کہ اصل سکھانے والا جبرئیل ہی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل آیت ۱۰۳ میں کہا ہے۔

۱۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

۲۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ہم کو تحقیق معلوم ہے۔ کہ کافر یہ شبہ کرتے ہیں۔ کہ ہو نہ ہو اس کو وہ شخص سکھاتا ہے مگر جس شخص کی طرف بٹی پڑھانے کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کی زبان تو عجمی ہے۔ اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ (۱)

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل اور حضرت محمد صاحب دونوں صدق دل سے کلام الہی کی اشاعت اور انسانی مذاہب کی تردید کرتے تھے۔ اور دونوں کے ہی کئی لوگ دشمن ہوتے تھے۔ اور بعض اوقات لوگ آنحضرت سے درگذر بھی کرتے تھے۔ اس لئے کہ سمجھا جاتا تھا اصل شرارت کی جڑ جبرئیل ہے۔ جو اس کو سکھاتا ہے۔ لیکن آنحضرت گورو پر ذمہ داری نہ ڈالتے تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ کہ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ خود اس کا ذمہ دار ہوں۔ میں کسی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہیں۔ ان کی زبان عجمی یا سنسکرت ہے۔ اور میں تمہیں ٹھیٹھ عربی میں سناتا ہوں۔ اور اس کے متعلق میں ہی ذمہ دار ہوں۔ یہاں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے۔ کہ آنحضرت اپنے آپ پر بے علمی کے معنے میں امی لفظ منسوب کرانے کے حق میں نہیں۔ کیونکہ وہ یہاں اپنے عالم ہونے اور اپنی ذمہ واری کو سمجھ کر عربی میں انسانی مذاہب کے خلاف کہنے کی پوزیشن اختیار کرتے ہیں۔

۷۔ اور فرشتے

ان واقعات کے ہوتے ہوئے حضرت جبرئیل کو نظر نہ آنے والا فرشتہ نہیں مانا جاسکتا۔ بلکہ یقیناً وہ اعلےٰ پایہ کے انسان اور بے نظیر عالم و فاضل آچاریہ تھے۔ کیا کوئی بھی ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ مخصوص عجمی زبان کا ماہر شخص نظر نہ آنے والا فرشتہ ہو۔ یا یہ کہ نظر نہ آنے والے فرشتے "عجمی سیکھتے" اور بولتے ہیں۔

اسی طرح میکائیل فرشتہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ اور بھی بڑا عالم ہے۔ اس تفسیر میں ہم نے میکائیل کے متعلق بائیبل کے اقتباسات دے کر ثابت کیا ہے۔ کہ کتاب مکاشفات میں میکائیل نام اندر یا سورج کا ہے۔ جس کا ورتر نام بادل سے جنگ ہونا عموماً دیکھا جاتا ہے۔ اور جہاں وید میں سورج کو آدتیہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کامل ۴۸ برس کا برہمچریہ دھارن کرکے جو ایسا عالم بنتا ہے۔ کہ مثل آفتاب کے جہاں میں چمکتا ہے۔ وہ بھی آدتیہ برہمچاری کہاتا ہے۔ اور اُسے قرآن میں میکائیل کہنا بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح اسرائیل نام ایشور ایل یا پربھو کے بھگت کا ہے۔ وغیرہ۔

۸۔ احادیث کے اشارات

از نقش و نگار درو دیوار شکستہ
آثار پدید ہست صنادید عجم را

اس شعر کے مدعا کے مطابق احادیث سے بھی مذکورہ بالا قسم کے ہی نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

مثلاً جبرئیل کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ابھی تو نظر آتے تھے۔ ابھی غائب ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب محض یہی معقول ہو سکتا ہے۔ کہ وہ نہایت مستعدی اور تیزی سے جہاں تہاں پہنچتے تھے۔ ایک جگہ زیادہ ٹھہرتے نہ تھے۔

۱۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ حدیث نمبر ۳ میں ہے۔ کہ (غار حرا میں) فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ پڑھو۔ حضرت نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں۔ فرشتے نے آپ کو پکڑ لیا۔ اور زور سے دبایا۔ یہاں تک آپ کو تکلیف ہوئی۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ کہ پڑھو۔ آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اور فرشتے نے اسی طرح آپ کو پکڑا تین دفعہ یہی عمل ہوا چوتھی دفعہ فرشتے نے کہا۔ اقراء باسم ربک کہ اپنے رب کا نام لیکر پڑھ۔

اس کے آگے ذکر ہے۔ کہ محمد صاحب بہت خوفزدہ ہوئے اور گھر میں آکر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔

پھر یہ ذکر آتا ہے۔ کہ حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے آپ کو ڈھارس بندھایا اور آپ کی مستقبل نبوت کی پیشگوئی کی اس کے بعد آپ نے ایک مرتبہ چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی اور نظر اٹھا کر اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا۔ کہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر معلق بیٹھے ہیں۔ آپ خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آکر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس حال میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

"اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ۔ اور ناپاکی کو چھوڑ دے"۔ مطلب یہ کہ انسانی چولے کو بے داغ اور کامیاب بنا۔ یہ بیانات بظاہر کتنے ہی عجیب معلوم ہوں۔ ان سے معقول مفہوم بھی نکل سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جو کچھ آنحضرت کو حاصل ہوا۔ حضرت جبرئیل کی معرفت ہوا۔ اور حضرت جبرئیل نے مجسّم انسان گورو کی شکل میں آپ کو تعلیم دی۔ بارہا آپ کو گورو نے تاڑنا بھی کی۔ اور آپ کو کبھی مایوسی کے خیال آتے رہے۔ لیکن آپ کو نزدیکی تعلق والوں نے بھی حوصلہ افزائی کے طور پر یہی کہا۔ کہ اگر کامیابی سے سچے علوم حاصل کر لئے۔ تو دنیا کی صحیح رہنمائی کر سکو گے۔ غرضیکہ حضرت جبرئیل نے زبان سے کہا۔ آپ نے کان سے سنا۔ اور غار حرا کے کنج تنہائی میں گورو اور شش کے اس عجیب و غریب جوڑے نے خلق خدا کی رہنمائی کے لئے سچے تپسویوں کی طرح وہ تیاری کی۔ جس کی نظیر اس وقت تک کی تاریخ عالم یا کم سے کم عرب میں ملنی محال ہے

آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر گورو کا معلق بیٹھنا ایک تو یہ مفہوم رکھتا ہے۔ کہ جو تعلیم آپ کو ملی۔ وہ عالمگیر تھی۔ اور دوسرے یہ کہ اونچے سنگھاسن پر بیٹھے ہوئے گورو نے آپ کو دیکھشا دی۔ اور آپ کو تامل یا خوف ہوا۔ کہ اتنی بڑی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی۔ بہرحال سوامی ورجانند اور دیانند جیسے گورو اور شش کے جوڑے نے جو نظارہ متھرا میں دیکھشا والا تاریخ میں مہیا کیا ہے۔ یہ اسی بات کا ثبوت ہے۔ کہ قابل ترین عالم لوگ ہر زمانہ اور ملک میں ایک ہی اصول پر مبنی تاریخ کو دوہراتے آرہے ہیں۔

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ حدیث نمبر ۴ میں ہے۔ کہ نزول قرآن میں آنحضرت اپنے دونوں ہونٹ جاری جلدی ہلاتے تھے۔ کہ وحی یاد ہو جائے۔ اس لئے آیت نازل ہوئی۔ کہ

اے محمد قرآن کو یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی تمہارے سینے میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھانا جس وقت ہم پڑھ چکیں۔ تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ یعنی اس کو سنو۔ اور چپ رہو۔ پھر یقیناً اس کا مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر بے شک اس کے مطلب کا سمجھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمے ہے کہ تمہیں یاد ہو جائے۔ تاکہ تم

اس کو پڑھو۔

اس طریق درس وتدریس سے بھی حضرت جبرئیل کا انسان گورو نامی فرشتہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ غیر مجسّم فرشتہ ہونا نہیں۔

اس حدیث کے آخری حصّے میں ہے۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد یہ حالت رہی۔ کہ جب آپ کے پاس جبرئیل کلام الٰہی لیکر آتے تھے۔ تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبرئیل چلے جاتے۔ تو اس کو بھی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے۔ جس طرح جبرئیل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا۔

الغرض قریباً ہر حدیث اور آیت سے حضرت جبرئیل کے نظر نہ آنے والا فرشتہ ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت جبرئیل کے متعلق حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرت کے تبلیغی کام شروع کرنے پر آپ اس کا معائنہ اور اپنا اطمینان بھی کرتے تھے۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۱۲ حدیث نمبر ۴۷ میں ہے۔

”ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک آپ کے پاس ایک مرد آیا۔ اور اس نے آپ سے پوچھا۔ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ ایمان یہ ہے۔ کہ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور آخرت میں اللہ کے ملنے پر اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ اور قیامت کا یقین رکھو۔ (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ اسلام کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اسلام یہ ہے۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اور نماز پڑھو۔ اور زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ تم اللہ کی عبادت اس خشوع وخلوص سے کرو۔ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر (یہ حالت) نصیب (نہ) ہو۔ کہ تم اس کو دیکھتے ہو۔ تو (یہ خیال رہے کہ) وہ تمہیں دیکھتا ہے (پھر) اس شخص نے کہا۔ کہ قیامت کب ہوگی؟ (اس کے جواب میں) آپ نے فرمایا۔ کہ جس سے یہ بات پوچھی جارہی ہے۔ وہ (خود بھی) سائل سے زیادہ اس بات کو نہیں جانتا۔ اور میں تم کو اس کی علامتیں بتادیتا ہوں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن اللہ عندہ علم الساعۃ پوری آیت کی تلاوت فرمائی اس کے بعد وہ شخص پیچھے پھرا تو آپ نے فرمایا۔ اسے میرے پاس واپس لاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کے واپس لانے کو گئے۔ مگر کسی کو نہ دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جبرئیل تھے۔ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم کرنے آئے تھے“!

مسلم میں اس حدیث کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس شخص کے کپڑے نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے بہرحال یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت جبرئیل آنحضرت کی تبلیغی مجلسوں میں پہنچ کر مناسب طریق سے مدد دیتے اور پرچار کے کام کو عمدگی سے ہوتا دیکھ کر (پرسن) ہوتے تھے۔

۹۔ ایک مسلم عالم کی شہادت

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی تصنیف قرآن آسان قاعدہ میں لکھتے ہیں۔ ”اللہ تعالےٰ نے جب پہلی دفعہ قرآن نازل کیا۔ تو حضرت جبرئیل پڑھتے جاتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوہراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد بھی قرآن کی وحی اسی طرح نازل ہوتی رہی یعنی قرآن لکھا ہوا نازل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ منہ زبانی پڑھایا جاتا تھا۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔ قرآن شریف پہلے تو مُنہ زبانی یاد کیا جاتا تھا، اس کے بعد لوگ لکھ کر اس کو پڑھتے تھے"۔ ذرا اور آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔ "لکھنے کی ایجاد سے پہلے انسان کی قابلیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حکیم ارسطو کے بعد یونان میں کوئی اور حکیم نہیں ہوا۔ اور مشہور ہے۔ کہ لکھنا اسی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے لوگ علم کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور زبانی پڑھنے کے سبب بڑے بڑے نامی حکیم و فلاسفر بن جاتے تھے۔ جب سے لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہؤا۔ انسان کی علمی قابلیت کم ہوتی گئی"! حکیم ارسطو کے فن تحریر کا موجد ہونے کے متعلق آپ نے نہ ثبوت دیا ہے۔ نہ یقینی دعوےٰ کیا ہے۔ لہذا اس پر کچھ لکھنا امر غیر متعلقہ ہوگا۔ ہاں یہ امر بخوبی واضح ہو رہا ہے۔ کہ رشی لوگوں کا وید کو شرتی کہنا بالکل معقول ہے۔ کیونکہ پہلے وہ سلسلہ وار سُن سنا کر ہی حفظ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی سچی شہادت ہے۔ کہ تحریر کی ایجاد سے پہلے قابلیت بہت زیادہ تھی۔ شاستروں میں جو تمام ضروری علوم مثل دریا بہ کوزہ بند ہیں۔ اور تمام محققین ماضی و حال کو محو حیرت کرتے آرہے ہیں۔ یہ اسی قابلیت کا ثبوت ہے۔ جو قدیم رشیوں کو مخصوص امتیازی پوزیشن دیتی ہے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے۔ لیکن جس امر کا یہاں تعلق ہے۔ وہ محض یہ ہے۔ کہ واقعی قابل ترین انسان گورو کو ہی حضرت جبرئیل مانا گیا تھا۔ کسی نظر نہ آنے والے فرشتے کو نہیں۔

۱۰۔ قرآن مجید کی پوزیشن

دیباچہ وید اور قرآن۔ دفعہ ۲۲ مضمون آیات و فرشتے کا نزول میں قرآن مجید کی یہ پوزیشن واضح ہو چکی ہے۔ کہ فرشتے جو نظر نہ آئیں۔ علم وغیرہ کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ نہ کوئی کتاب آسمان سے اُترتی ہے۔ سورۃ یونس آیت ۲۰ میں اس اعتراض کا جواب ہے۔ کہ کیوں رسُول پر آیت نازل نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ تحقیق اللہ کے لئے غیب ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آیت نام الفاظ کا نہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یا صحیح معانی کے ظاہر ہونے کا ہے۔ جسے غیب یا پردہ کھش کہتے ہیں۔ اور یہ حقیقی علم ہمیشہ اللہ میں رہتا ہے۔ ہاں جو لوگ صبر کے ساتھ کوشش کئے جاتے ہیں۔ قابلیت بڑھاتے بڑھاتے آخر وہ اس حقیقت یا معانی کا دیدار یا انکشاف پاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ گیان کبھی کسی انسان کی فطرت کا جزو نہیں بن جاتا۔ بلکہ خدا سے ہی اس کا مستقل تعلق ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ یوگ کی مشق کرنے سے آخر وہ علم کے درشن کرے۔ یعنی جس طرح مادی سورج کی روشنی سُورج میں رہتی ہے۔ اور آنکھ کی محض مدد کرتی ہے۔ آنکھ کو روشنی مجسّم نہیں بناتی۔ اسی طرح انسان کو علم الٰہی کا دیدار ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کیا رسول اور کیا دیگر لوگ سب جبر سے کام لے کر آخر کامیاب ہو سکتے ہیں۔

دوسری طرح پر اس آیت سے سبق ملتا ہے۔ کہ اللہ سے جو علم ملتا ہے۔ وہ خالی الفاظ نہیں ہوتے۔ بلکہ الفاظ اور معانی ہوتے ہیں۔ پس آیت کے نزول کا مطلب صحیح نہیں۔ اور معانی کے لئے ہم سب کو صبر سے انتظار کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ کہ غلط سا اور بے سمجھے سوال کرنے کی۔

سورۃ النسا آیت ۱۵۳ میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ آسمان سے کوئی کتاب اتارو۔ تو جانیں۔ اس سوال کو بھی قرآن غلط قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ تم تو اسی پر تعجب کرتے ہو۔ موسیٰ کو انہوں نے کہا تھا۔ ہمیں ان مادی آنکھوں سے خدا کا دیدار کراؤ۔ تو جانیں۔ اس جہالت بھرے سوال یا مطالبے پر بجلی نے آ پکڑا۔

پھر سورۃ الانعام آیت ۷ تا ۹ میں کہا ہے۔ کہ ان جاہل لوگوں کے سوال ہوتے ہی ردی ہیں۔ کسی علمی تحقیق کے لئے نہیں ہوتے۔ چنانچہ اگر بہ فرض محال کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب آسمان سے آنہ بھی آوے۔ اور ان کے ہاتھ سے چھوا بھی دی جاوے۔ تو بھی یہ مانیں گے تھوڑا ہی۔ اسے جادو یا دھوکا کہہ دیں گے (۱)

پھر یہ کہتے ہیں فرشتہ نازل ہو۔ یہ بھی بیہودہ سوال ہے۔ اور یہ اس لئے کرتے ہیں۔ کہ کہتے ہیں۔ رسول تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ ہماری طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے۔ پس فرشتہ آوے تو مانیں۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سوال فضول ہے۔ یہ فرشتہ اسے کہتے ہیں۔ جو نظر نہ آوے۔ سو اگر ایسا فرشتہ آوے تو نظر نہ آنے سے وہ کہیں گے ثبوت کیا۔ اور اگر اسے نظر آنے والا بنائیں۔ تو وہ انسان کی شکل کا ہوگا۔ اور پھر یہی کہا جائیگا۔ کہ یہ تو ہماری طرح ہی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے۔ اس میں خصوصیت کیا ہوئی۔

سورۃ الحجر آیت ۶ تا ۱۰ میں کہا ہے۔

"یہ لوگ کہتے ہیں۔ اے ذکر (الہامی علم) کے ظاہر یا منکشف ہونے کے دعویدار تو دیوانہ ہے۔ اگر سچا ہے تو کیوں ہمارے پاس فرشتے نہیں لے آتا۔ ۷۔ ہم جو بھی فرشتے (رشی) ظاہر کرتے ہیں۔ علم حق کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ مگر وہ ایکدم علم بالمشافہ نہیں پا جاتے۔ تحقیق ہم نے ہی ذکر (الہامی علم) نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۹۔ اور تحقیق آغاز عالم والے گروہ میں تجھ سے پہلے ہم نے ایسے رشی بھیجے تھے۔ ۱۰۔ ان آیات میں الہامی علم اور رشیوں کے متعلق انتہائی صداقتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ ایسے رشی جو ایک ساتھ آیات اور ان کے معانی کا علم بالمشافہ پاویں آغاز عالم میں ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اگنی۔ وایو۔ آدتیہ۔ انگرہ کے متعلق ویدک دھرمی مانتے ہیں۔

ایسے ہی یہ بھی سچا سدھانت قرآن نے واضح کر دیا ہے۔ کہ خدا ہی سچا علم دیتا ہے۔ اور وہی اس کی رکھشا کرتا ہے اور اس کی رکھشا کا طریق یہ ہے۔ کہ وہ رشی بھیجتا ہے۔ اور جو بھی رشی ظاہر ہوتا ہے۔ علم حق کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ رشی نام ہی منتر درشٹا یا اصل معانی کے دیدار کرنے والے کا ہے۔ لیکن یہ سوال اوچھے پن کا ہے لاؤ ہمارے پاس وہ رشی یا فرشتے۔ قرآن کہتا ہے۔ یہ حالت ایکدم نصیب نہیں ہوتی۔ جو بھی صحیح طریق پر عمل کرے گا۔ اور غور و فکر سے وسمادھی یا مراقبہ میں کوشش کریگا۔ ان معانی کے دیدار کے قابل ہوگا۔ غرضیکہ آیات معہ معانی و تعلقات آغاز عالم میں نازل ہوتی ہیں۔ اور معانی کا درشن ہمیشہ رشی لوگ سمادھی میں کرتے ہیں۔ ایسے ہی سورۃ الفرقان آیت ۹ میں ان لوگوں کو بہکے ہوئے یا گمراہ کہا ہے۔ جو فرشتے خزانے یا باغ کا مطالبہ کرتے یا رسول کو مجنوں یا جادو کا معمول سمجھتے ہیں۔

بس اگر سنجیدگی اور غور سے قرآن کی پوزیشن پر غور کیا جاوے۔ تو وہ نظر نہ آنے والے فرشتوں کے متعلقہ وسواس اور سوالات کو بالکل بیہودہ توہمات قرار دیتا ہے۔ اور فرشتے "فی الحقیقت" اشیائے عالم اور عالم و نیک انسان ہی ہیں۔

(۱) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

تیرھواں باب ۔ ترک باطل و قبول حق

۱۔ سچا برت

آریہ سماج کا چوتھا نیم ہے "سچ کے قبول کرنے میں اور جھوٹ کے چھوڑنے میں ہمیشہ مستعد رہنا چاہیئے۔ یہ نیم ایسا نہیں۔ کہ آریہ سماج کی ساٹھ ستر سالہ زندگی سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ درحقیقت یہ اُس عہد کا قائمقام ہے۔ جو ہر زمانے کے ہر انسان کا واحد مستقل اور نہ بدلنے والا عہد ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بے بدل اور علیم کل خدا کے سچے الہام (وید) کے سب سے مقدم اور اہم اُس فرمان پر ہے۔ جو کرم کانڈ کا بیان شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے یجروید ادھیائے اکے پانچویں منتر میں دیا گیا ہے۔ اور جو یہ ہے۔

اے تمام برتوں (عہدوں) کے مالک یا ان کے محافظ پرمیشور! میں یہ عہد کرتا ہوں۔ کہ میں جھوٹ کو ترک کر کے حق کو قبول کرتا رہوں گا۔ پربھو! ایسی عنایت کیجئے۔ کہ میں اس عہد کو پورا کر سکوں۔ (۱)

اس حکم کے مطابق انسان نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی کام میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب تک وہ اپنے اس عہد کو نہایت احتیاط کے ساتھ ہر وقت اپنے سامنے نہ رکھے۔ اور اس پر عمل نہ کرے۔

اس کے بعد اسی ادھیائے کے ساتویں منتر میں کہا ہے۔

دھرم کے خلاف رکھشہ (راکھشس لوگوں یا بُرے خیالات اوصاف اور اعمال وغیرہ) کی بیخکنی کر دو۔ ارانی یعنی دھرم کرم سے محروم بے رحم انسانوں یا سچائی کے علاوہ خیالات وغیرہ کو جڑ سے اکھاڑ دو۔ ایسے راکھشس اور رادھرمی لوگ دکھوں کی آگ میں یا پشچاتاپ میں جلتے ہیں۔ تبھی تمہارے اردگرد کا کرہ سکھ سے بھرپور ہوگا۔ (۲)

یہ تعلیم کس قدر لازمی اور معقول ہے۔ اس ایشور کے بنائے سورج کی مثال سے تمام اہل عقل کے سامنے ہے سورج طلوع ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے۔ کہ ایک دم تاریکی کو نیست و نابود کرتا ہے۔ بعینہ وید گیان اودیا (جھوٹ) کا ناش اور ودیا (سچائی) کی برھوتی کرتا ہے۔ اور اس کے علم کا معتقد شخص تکذیب باطل اور اشاعت حق پر ہی مستعد رہتا ہے۔ کاشتکار زمین میں بیج بونے سے پہلے جھاڑ جھنکاڑ کو اکھیڑتا اور زمین میں ہل چلا کر اسے کریدتا ہے۔ اور بیج بونے کے بعد بھی نلائی کر کے خود رو ٹیدگیوں کی بیخکنی کرتا ہے۔ راجہ چور وغیرہ کو سخت سزا دیتا ہے۔ اس

---

۱ अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छकेयं
तन्मेराध्यताम् । इदमहमनृतात्सत्यमुपैमि ॥ ५ ॥

۲ प्रत्युष्टथं रक्षः प्रत्युष्टा अरातयो निष्टप्तथं रक्षो
निष्टप्ता अरातयः। उर्वन्तरिक्षमन्वेमि ॥ ७ ॥

کی فوج اور پولیس مقصود ہی اس لئے ہے۔ کہ امن و عافیت سے انسانی جماعت کے بسر اوقات ہونے میں جو بھی طاقتیں رخنہ انداز ہوں۔ ان کو کچل دیا جاوے۔ بدبودار جگہ یا کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر کوئی ہون نہیں کرتا۔ بلکہ ہر گندی شے کو پرے پھینک کر اور جھاڑو و لیپ پوت ہونے کے بعد ہی کسی جگہ پر سامگری وغیرہ رکھی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر کئی مریضوں کو جلاب دے کر اور ان کے پیٹ کو صاف کر کے ہی دوائی کا اثر ہونے کی امید رکھتا ہے۔ اور دوائی بھی وہی دیتا ہے۔ جو پیٹ کے اندر رہنے والے بیماری کے جرمز کو ہلاک کرے۔ ایسے ہی پھوڑے کو نشتر چلا کر مریض کو نہایت زور کی چیخ پکار کا موقعہ دینے والا اور بہت بہانے والا ڈاکٹر مریض کا دشمن نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی حالت میں مذاہب باطلہ کی تردید اور حق کی مدلل بلا ثبوت تائید کر کے جھوٹ سے نفرت اور سچ سے محبت پیدا کرنے والا عالم شخص اور اس کا کام کس طرح معیوب ہو سکتا ہے۔ سوامی ورجانند کے سچے علم کے طلبگار دیانند کو حکم دیتے ہیں۔ کہ قرآن کے خلاف کتابوں کو جمنا میں بہا دو۔ تو اس کا صاف یہی مطلب ہے۔ کہ قرآن کی عزت اور توقیر کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے وہ خلاف قرآن کی انتہائی بیخکنی کو لازمی سمجھتے تھے۔ شنکر آچاریہ نے دہریہ یا ناستک پن کی بیخ کنی کے لئے بودھوں کا بھارت ورش سے ہی تعلق دور ہونے میں بہتری سمجھی۔ سوامی دیانند جیسے سچے سنیاسی نے پاکھنڈ جال سے بچانے اور مذہبی تفرقے کے خوفناک نتائج سنانے میں جس بے خوفی سے کام لیا۔ وہ دل آزاری کے لئے نہ تھی۔ بلکہ نفاق اور دکھ کی بیخ کنی کے لئے تھی۔

منو وغیرہ دھرم شاستروں میں جو خاص قماش کے لوگوں کو سوسائٹی سے بالکل منقطع کرنے پر زور دیا ہے۔ (۱)

اور بہتی کار جو ایسے لوگوں کی خالی زبانی یا لفظی عزت کرنے کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں (۲)

یا سرکاری حکام جو اپنے جیسے ہی دوسرے انسانوں کو خاص جرموں کے ارتکاب کی صورت میں قید جرمانہ بیت کوڑا حتےٰ کہ پھانسی تک کی سزا دیتے ہیں۔ تو یہ ظلم یا عداوت نہیں۔ بلکہ شرط انصاف اور حفاظت عام کا کام ہے۔

تعزیرات ہند میں نیک نیتی سے کی گئی۔ سچائی پر مبنی اور پبلک مفاد کے لئے ضروری نکتہ چینی کو جرم کی زد سے آزاد اور مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ لاہور کے فاضل سٹی مجسٹریٹ مسٹر کلورٹ نے مقدمہ گوپی ناتھ بنام منشی رام کے فیصلہ (مجریہ ۲ ستمبر ۱۹۰۱ء) میں صاف لکھا کہ

پبلک آدمیوں کے پبلک افعال پر نکتہ چینی کرنے کا حق ہر ایک رعایا سرکار کو حاصل ہے۔ اور کہ وہ تصنیف لائبل نہیں ہو سکتی۔ جس کی غرض واقعات کی غلط بیانی کو درست کرنا۔ لٹریچر میں شر انگیز مذاق کو فاش کرنا۔ یا جو کچھ کہ اخلاق کے مخالف ہو۔ اس کو ملامت کرنا ہو۔ ملزمان نے ایک ایسے آدمی کی دلیرانہ پردہ دری سے جس کی مستقل پالیسی مکاری جھوٹھ اور دغابازی سے روپیہ حاصل کرنے کی رہی ہے۔ تمام ذی عزت ہندوؤں کے شکریہ کا استحقاق حاصل کیا۔ اور زیادہ تر خصوصیت کے ساتھ ان زیادہ تر سناتنی ہندوؤں کے جن کے قدیم دھرم کو اپنی جیب پُر کرنے کے لئے اس نے حمایت کرنے اور تقویت پہنچانے کے بہانے سے پلید اور ذلیل کیا ہے۔

۱- योऽवमन्येत ते मूले हेतुशास्त्राश्रयाद् द्विजः।
ससाधुभिर्बहिष्कार्यो नास्तिकोवेद निन्दकः॥११॥

۲- वाङ्मात्रेणापि नार्चयेत

اخیر میں لکھا ہے۔ پبلک کی یادداشت کی کمزوری مشہور ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس میں عامہ خلائق کا فائدہ ہے۔ کہ گوپی ناتھ سے آدمیوں کا پبلک چال وچلن کبھی کھول کر ظاہر کیا جاوے۔

رگوید منڈل اسوکت ۱۵ میں راج کرمچاریوں نیز سچے عالموں کا فرض ہی یہ بتایا ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے موزوں طریق پر دسیو وغیرہ کا ناش اور بھلے پرشوں کی رکھشا کریں۔

پانچویں منتر میں آخری الفاظ ہیں

प्र ऋहजिग्श्वानं दस्युहत्येष्वाविथ।

یعنی دسیوؤں کو مار کر نیک پاک لوگوں کی رکھشا کرو

हत्याय
सनादेय दस्यु ८ जज्ञिषे।

اگلے منتر میں ہے۔ سدا ہی دسیوؤں کے ناش میں ہمت دکھا!

ایک منتر میں کہا ہے۔ دسیوؤں کا ناش کرکے آریہ ورن کی رکھشا کرو۔

راجا لوگ جسمانی سزاؤں سے دسیو یا راکھشوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور سچے عالم لوگ جھوٹھ کے بُرے نتائج کو دلائل اور اثبات سے اس موثر طریق پر عوام کے ذہن نشین کرتے ہیں۔ کہ ان کو لوگ اہمیت دیں۔ اور ان کی دلائل وغیرہ کی روشنی میں اپنی گھنونی تصویر کو دیکھ کر وہ شرم محسوس کرتے اور ایسا پشچاتاپ کرتے اور ایسا رونا روتے ہیں۔ کہ کھشتری راجہ سے دی گئی کوئی بھی جسمانی سزا ویسا دکھ نہیں دے سکتی۔ اسی لئے آپ نند کا رشی کی تقلید کرتے ہوئے ہر انسان کو سچ سے پریم اور جھوٹ سے نفرت کرنی اور عجز و انکسار سے اس پرمیشور کے حضور میں یہی دُعا کرنی چاہئے۔ کہ

"ہے پرمیشور ہمیں جھوٹ سے سچ کی طرف لے چل"

۲۔ قرآنی عہد الٰہی

قرآن مجید وید کے اس عہد کو سولہ آنے صحیح مانتا اور اس پر قائم رہنا اسلام کا اعلےٰ ترین اصول اور ہر مومن کا مقدم فرض بتاتا ہے۔ سورۃ البقر آیت ۲۷ میں کہا ہے۔

" فاسق وہ لوگ ہیں۔ جو عہد اللہ کو روز ازل سے پختہ ہونے کے باوجود توڑتے اور جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتے اور دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ (۱)

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ خدا نے کس کے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے یا کس عہد کے ٹوٹنے پر دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔ سو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ جب تک لوگ سچ کو قبول کرنے کے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ تبھی تک دنیا میں اتحاد اور امن رہتا ہے۔ اور جب جھوٹ کا دور دورہ چلتا ہے۔ پھوٹ اور تفریق کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ لہذا ترک باطل و قبول حق کا عہد ہی ہے جس کو توڑنے پر انسان فاسق کہاتا ہے۔ سورہ اعراف آیت ۱۶۹ میں ہے۔ کہ قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین کتاب الٰہی کے مالک ہی بن بیٹھے۔ اور اس کی بدولت ناچیز دنیوی دولت کمانے لگے۔ اس کے بعد کہا ہے۔

" کیا کتاب الٰہی والا عہد ان پر عائد نہ ہوتا تھا۔ کہ ہم اللہ کے متعلق سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے۔ اور جو کچھ کتاب

۱۔ اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۵

الہی ہیں ہے۔ اسی کی درس وتدریس کرتے رہیں گے۔" (۱)

ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن صاف طور پر وید والے برت کو ہی عہد اللہ کہہ رہا ہے۔ اور قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین برہمن لوگوں کو جس طرح آریہ سماج جھاڑ پتاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت بناتے رہے۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کا جو تیسرا انیم ہے۔ کہ "وید سچے علوم کی پستک ہے وید کا پڑھنا پڑھانا سننا سنانا آریوں کا پرم دہرم ہے۔" ٹھیک اسی کے مدعا کی طرف آنحضرت اشارہ کرکے کہتے ہیں۔ کہ عہد اللہ تو ہے ترک باطل وقبول حق اور اس کا ایبا ہونا ہے۔ وید کے پڑھنے پڑھانے سے۔ چونکہ یہ عمل جاتا رہا۔ اس لئے اللہ کے نام سے غیر حق باتیں کہہ کہہ کر ناخلف جانشینوں نے بجائے روحانی ترقی کے اعلےٰ فوایدکے چند ٹکوں کی خاطر دہرم کو کھو دیا۔ اس امر کا ثبوت کہ واقعی آپ کا اشارہ قدیم الہامی کتاب کے مطالعہ کے فیض سے حق و باطل کی تمیز کرنے کی طرف ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت ۷ وہ سے ملتا ہے۔ جس میں الہام الہی کا واحد مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ کی مرضی یہی ہے۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کو ہی صحیح طور پر واضح کیا جاوے اور کافروں کی بنیاد کاٹی جاوے۔ تاکہ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جاوے۔ قطع نظر اس کے کہ مجرم یا گناہگار لوگوں کو یہ برا لگتا ہے۔ -۲-

اس طرح قرآن کا عہد الہی اور الہام اس کی غرض وغایت وغیرہ سب امور ویدک سدھانت کے نکتہ نگاہ کی ہی تائید کرتے ہیں۔

۳- بے رورعایت سچائی

سورۃ الانعام آیت ۱۵۳ میں ہے۔

"جب بات کہو سچی یا انصاف کی کہو۔ خواہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ والے عہد کو پورا کرو۔ جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تمہیں سچی ہدایت ملے۔ (۳)

اس آیت سے بھی یہ بخوبی ظاہر ہے۔ کہ حق کے قبول کو ہی عہد اللہ کہنے میں ہم بالکل حق بجانب ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں ہے۔ "اے حق پرستو! سچائی یا انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو۔ کسی انسان کی خاطر نہیں۔ سچائی کو پاک امانت الہی سمجھ کر خدا کے لئے گواہی دو۔ خواہ تمہاری اپنی ذات۔ تمہارے اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ جائے۔ غریبی امیری کا خیال نہ کرو۔ اللہ ان کا تمہاری نسبت بہتر کارساز ہے۔ پس اگر انصاف چاہو۔ تو نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اور اگر بیچدار شہادت دو گے یا اظہار حق سے پہلوتہی کرو گے۔ تو یاد رکھو۔ اللہ کو تمہاری ہر حرکت کا علم ہے۔ (۴)

۱- أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

۲- وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

۳- وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

۴- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

قرآن میں پرہیز گاری زہد تقوی سب کو عموماً سچائی کے علم اور عمل پر ہی لگایا ہے۔ اور جیسا کہ حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے۔ طرفداری کو چھوڑ کر دہرم یا انصاف سے کام لینا ہی فرض ٹھہرایا۔ اوروں کی تو کیا ماں باپ اور اپنی ذات کی بھی پرواہ نہ کر کے سچائی کو ہی ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے سوامی دیانند نے بت پرست والدین کی پرواہ نہ کر کے محض سچائی کی خاطر مورتی پوجا کی وہ تکذیب کی۔ کہ باید وشاید۔

ستیارتھ پرکاش کے اخیر میں سوامی جی نے دہرم کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ

"جو بے رو رعایت انصاف کا رویہ راستگوئی وغیرہ سے موصوف (یعنی) ایشور کے احکام ویدوں کے خلاف نہیں میں اس کو دہرم مانتا ہوں" ساتھ ہی ادہرم کی بھی تعریف کر دی ہے۔

"جو رو رعایت سے پر۔ بے انصافی کا رویہ دروغ گوئی وغیرہ ایشور کی حکم عدولی یعنی ویدوں کے خلاف ہے۔ اس کو ادہرم مانتا ہوں"۔

نہ صرف یہ ویدک دہرم کی ہدایت ہے۔ کہ خود والدین اور استاد اپنے بچوں و شاگردوں کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ ستیہ کے خلاف کوئی بھی کہے۔ خواہ ہم ماں۔ باپ اور گورو ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے کہے کو مت مانو تیتریہ برہمن پر پاٹھک ۷ انوواک ۱۱ میں کہا ہے کہ

ماں باپ اور استاد اپنی اولاد اور شاگردوں کے اچھی طرح ذہن نشین کر دیں۔ کہ ہماری صرف وہی بات ماننی اور عمل میں لانی چاہئے۔ جو سچرت یعنی دہرم کا یا نیک عمل ہے۔ اس کے علاوہ کو ہرگز نہ مانو۔(۱)

منوسمرتی میں کہا ہے۔ سچ سے بڑا کوئی دہرم نہیں۔ اور جھوٹ سے بڑا کوئی پاپ نہیں۔ (۲)

بھرتری ہری کا قول ہے۔ کہ پالسی باز یا مصلحت بین تعریف کریں یا مذمت۔ دولت آئے یا جائے۔ ابھی مرنا پڑے یا لاکھوں سال کی عمر ملے۔ مستقل مزاج کا قدم راہ حق سے کسی بھی ترغیب یا اذیت سے نہیں ڈولتا۔(۳)

کئی وید منتروں میں چٹان یا دہرو ستارہ وغیرہ کی مثال دے کر سچ پر قائم رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور منو میں انسان کا بچاؤ دہرم کے بچاؤ پر اور انسان کا ناش دہرم کے ناش پر منحصر بتایا ہے (۴)

قرآن اسی کی تائید میں کتنی ہی امتوں اور بستیوں کی نظیریں پیش کرتا ہے۔ کہ تکذیب حق کی وجہ سے تم سے بڑی بڑی شاندار قوموں کا نشان صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ وید اور قرآن دونوں کی تعلیم ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ کے ساتھ الودہ نہ ہونے دو۔ دونوں کا اصول ہے۔ کہ ہر شخص اسی درجہ تک سکھ اور دکھ کا مکلف ہوگا۔ جس درجہ تک اس کے اعمال کا حق و باطل سے تعلق ہے۔ اور انتہائی صداقت پسندی کی سپرٹ دیکھنی ہو۔ تو قرآن کی اس تعلیم پر غور

۱- यान्यस्माक ॐ सुचरितानि तानि त्वयों पास्यानि नो इतराणि।

۲- नहिसत्यात्परो धर्मो नानृता त्पातकम् परम्।

۳- निन्दन्तु नीतिनिपुणा यदि वास्तुवन्तु, लक्ष्मीः समाविशतु गच्छतु वा यथेष्टम्।
अद्यैव वा मरण मस्तु युगान्तरे वा, न्याय्यात्पथः प्रविचलन्ति पदं न धीराः॥

۴- धर्म एव हतो हन्ति धर्मो रक्षति रक्षितः। तस्माद्धर्मो न हन्तव्यो मानो धर्मोहतो वधीत्

کردو۔ کہ

تمہارے بڑے ہوں یا والدین اگر وہ تم کو نیکی یا ایمان یا عبادت الٰہی کے خلاف کہیں تو بالکل نہ مانو ماں باپ کا حق تم پر بہت ہے۔ انہوں نے تمہارے لئے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ دو سال تک ماں کس شکل سے گود میں رکھے تمہیں دودھ پلاتی اور پالتی رہی۔ لیکن باوجود اس کے ان کے شرک کے متعلق کہنے کو کبھی نہ ماننا وغیرہ (۱)

(سورۃ التوبہ آیت۔ ۲۳) مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور بھائی بھی ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں۔ تو انہیں رفیق نہ بناؤ۔ اور جو تم میں سے ایسے باپ اور بھائیوں کو رفیق بنائیگا۔ خدا کے نافرمانوں میں ہوگا۔ (۲)

(توبہ۔ ۱۱۴) ابراہیم نے جو اپنے باپ یا بزرگ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی۔ وہ ایک وعدے کی وجہ سے تھی۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ وہ دشمن خدا ہے۔ وہ اس بزرگ سے دست بردار ہو گئے۔ (۳)

(سورۃ التوبہ) ۱۱۹۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور راستبازوں کے ہی ساتھ رہو۔ (۴)

۴۔ فتح سچ کی ہی ہوتی ہے

وید میں سچائی کو سب سے بڑی طاقت کہا ہے۔ اور سچے عالموں کا موٹو ہی یہ ہے۔ کہ

ستیہ میو جیتے نانرتم

سچ ہی فتح پاتا ہے۔ جھوٹ نہیں۔ سچ کو ہی ویدیان یعنی نجات تک پہنچانے والا صراط مستقیم کہا ہے۔ اسی کے مطابق سورۃ الفاتحہ میں صراط مستقیم پر چلنے والوں کو خدا سے نعمتوں کا ملنا اور اس سے خلاف والوں کو غضب الٰہی اور جنم مرن کی سزا ملنا مذکور ہے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۱ میں کہا ہے۔ کہ "کہدو۔ بس حق آیا نہیں۔ کہ باطل کافور نہیں ہوا اور یقیناً باطل ہے ہی نیست ہونے کو (۵)

سورۃ الانبیا آیت ۱۸ میں کہا ہے۔ اس امر کو یاد رکھو ہم حق کو باطل پر اس زور سے مارتے ہیں۔ کہ اس کا سر کچل

۱۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۔ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (سورہ لقمٰن رکوع ۲ آیت ۱۴)

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

۳۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

۵۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

کر اس کا بھیجا نکال دیتے ہیں۔ پس وہ تو مٹ جاتا ہے۔ پر تم پر جو جھوٹ گھڑتے ہو۔ افسوس رہتا ہے (۱)
سورۃ الرعد میں سچے مبلغ کے وعظ حق کو بجلی سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ وہ بے خوف ہو کر ناحق کے خلاف آواز اُٹھاتا اور ڈنکے کی چوٹ باطل پرستوں کو للکارتا ہے۔ اس سورت کی آیت ۱۵ میں نہایت مدلل اور واضح طور پر ایک مثال کے ذریعے جھوٹ کی شکست کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ بدیں الفاظ
(وہ واحد قہار) بادل سے پانی برساتا ہے۔ تو ندیاں اپنی اپنی بساط کے موافق پانی پا کر بہ نکلتی ہیں۔ اور سیلاب (پانی کا زور) کثیف جھاگ کو جو پھول رہی ہے۔ اُٹھائے جاتا ہے۔ (ٹھہرنے نہیں دیتا) ایسے ہی زیور وغیرہ بنانے کے واسطے تم آگ میں کچھ پگھلاتے ہو۔ تو بھی ویسی ہی جھاگ اُٹھتی ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جھاگ تو گئی رائیگاں اور جو انسانوں کے لئے نفع دیتا ہے۔ وہ موقعہ پر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے خدا کا مثال دینے کا طریق۔ (۲)

بارش کا زور خدا کی رحمت کی نشانی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں نجاست یا کثافت کی جھاگ یا کذب و بطلان کا پول کھولنا مقصود اور اسے نیچا دکھانا مطلوب ہے۔ اس لئے آیت ۱۶ کے آخری لفظ واحد القہار سے یہ عمل منسوب کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ جھوٹ محض اس فضول غیر مفید بلکہ مضر جھاگ کی مانند ہے۔ اور جھوٹے فریق کے بڑے بڑے بول محض جھاگ کے پھولنے کی مانند ہیں۔ تبلیغ حق اور مباحثہ جات سے واقعی جھوٹ کا پول کھولنا ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور سچے واعظ اور مناظر کی مدلل اور باثبوت تقریر کی آگ فریق مخالف کے جھوٹ کو مثل کوڑا کرکٹ یا سونے وغیرہ دھاتوں کی میل کے جلا دیتی ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۳۳ میں کہا ہے۔ "اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ کہ دین الٰہی (سچے دھرم) کو تمام مذاہب پر غالب کر دکھائے (۳)
یہ امر کہ کل دنیا کے مذاہب سچے دھرم کے ایک ہی مبلغ سے شکست کھا سکتے۔ اور دین حق سب پر غالب آ سکتا ہے بحبب سے زبردست ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ سچائی کی فتح اور اس کی بے نظیر طاقت اور عظمت امر مسلمہ ہے۔

۵۔ تکذیب باطل کا عملی کام

قرآن مجید نہ صرف جھوٹ وغیرہ کے کھنڈن کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ عملی طور پر تمام غیر شرعی اور گناہ یا جرم کے کاموں کا کھنڈن کرتا ہے۔ مثلاً بت پرستی وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ مختلف امور کے متعلق چند حوالجات۔

۱۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝
۲۔ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝
۳۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

اوّل۔ بُت پرستی و شرک

سورۃ اعراف۔ آیت ۱۹۱ تا ۱۹۵

وہ ایسے بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ اور خود پیدا کئے یا گھڑے گئے ہیں۔ نہ ان مشرکوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر انہیں راہ راست بتاؤ تو اس پر چل نہیں سکتے۔ انہیں پکارو یا نہ پکارو۔ دونوں باتیں یکساں ہیں۔ خدا کے سوائے جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ خود تمہارے جیسے بندے ہیں۔ انہیں پکار دیکھو۔ اگر تم سچے ہو۔ تو انہیں تمہارا کہا کر دینا چاہئے۔ کیا ان کے ایسے چلنے کے پاؤں ہیں یا پکڑنے کے ہاتھ دیکھنے کی آنکھیں۔ یا ایسے سننے کے کان۔ کہو بلا لو اپنے شریکوں کو اور مجھ پر جو چاہو تدبیر کر لو۔ تم مجھے کچھ دکھا نہ سکو گے۔ ۱۹۵[1]

آیت ۱۹۷ و ۱۹۸ (اعراف) اور خدا کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تو انہیں ہدایت کی دعوت دے تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور گو نظر تمہاری طرف ہے۔ مگر دراصل وہ دیکھتے نہیں۔

یونس۔ ۱۸ مشرکین خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں۔ نہ نقصان۔ اور سمجھتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ انہیں کہو کیا تم اللہ کو ایسی بات کا پتہ دیتے ہو جسے نہ وہ آسمان میں پاتا ہے۔ نہ زمین میں وہ ان کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے (۲)

سورۃ العنکبوت رکوع ۱ آیت ۸ میں کہا ہے۔

ہم نے انسان کو حکم دے رکھا ہے۔ کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ یہ کوشش کریں۔ کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک بنائے۔ جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان۔ تم سب نے میری طرف ہے میں تمہارے عمل تمہارے پیش لاؤں گا (۳)

سورۃ لقمان آیت ۱۴ و ۱۵ میں اسی بات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق نصیحت کی ہے۔ کہ تو اپنے والدین کا اور میرا شکر گذار رہو۔ اس لئے کہ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا۔ دو برس تک وہ دودھ پلاتی رہی۔

۱۔ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی لَا یَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝

۲۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

۳۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

لیکن اگر وہ یہ کوشش کریں۔ کہ تو اس شئے کو میرا شریک بنا دے۔ جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان۔ ہاں دہرم کے مطابق دنیا میں ان دونوں کا ساتھ دے۔ اور رستے پر اسی کے چل جو میرا بھگت ہے۔ (۱)

نساء ۴۹ و ۱۱۷۔ اللہ اس گناہ کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جاوے۔ اور یقیناً جس نے خدا کا شریک گردانا۔ اس نے طوفان برپا کیا۔ یعنی بہت بڑا گناہ اور ہم اسے جانتے تھے۔ (۲)

سورۃ الانبیاء رکوع ۵ میں حضرت ابراہیم اور بتوں کا نہایت سبق آموز قصّہ بیان ہوا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔ تحقیق اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی راست روی کا وصف عطا فرمایا تھا۔

اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم کے لوگوں کو کہا۔ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی عبادت میں تم لگ رہے ہو۔ (۲) وہ کہنے لگے ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی ہی عبادت کرتے پایا تھا۔ (۳) ابراہیم نے کہا تحقیق آپ اور آپ کے بزرگ صریح گمراہی میں ہو (۴) انہوں نے کہا۔ کیا تم ہمارے سامنے سچی بات لائے ہو یا یوں ہی دل لگی کر رہے ہو۔ (۵) ابراہیم نے کہا ہاں ہاں تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں خود اس پر ایک درشٹا یا شاھد ہوں۔ (۶) اور بخدا کہ جب آپ یہاں سے منہ پھیر کر چلے جائیں گے۔ میں آپ کے بتوں کا علاج کروں گا۔ (۷) سو اس نے اس کے بڑے بت کے علاوہ سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (۸) وہ بولے کس ظالم نے ہمارے دیوتاؤں سے یہ حرکت کی ہے۔ (۹) (کسی نے) کہا۔ ہم نے اس شخص کو ایسی بات کہتے سنا تھا۔ جسے ابراہیم کہتے ہیں (۱۰) کہا اسے سب لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ تاکہ اس سے شہادت لی جاوے (۱۱) پوچھا۔ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے دیوتاؤں سے یہ حرکت کی ہے۔ (۱۲) کہا اجی کسی نے کیا ہو۔ یہ ان کا بڑا تو موجود ہے۔ اس سے پوچھو۔ اگر یہ بولدے سو انہوں نے اپنے دل میں سوچا۔ اور اپنے تئیں کہا ارے ظالم تو تم خود ہو۔ (۱۴) پھر اپنی گردنوں کو جھکایا۔ اور بولے۔ اے ابراہیم۔ یہ تو تو جانتا ہی ہے۔ کہ یہ بولتے نہیں۔ (۱۵) کہا تب کیا تم اس کو پوجتے ہو۔ جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتا ہے۔ نہ نقصان (۱۶) تف ہے تم پر اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں (۱۷) کہنے لگے اگر کچھ کرنا ہے۔ تو اسے جلادو اور اپنے دیوتاؤں کی فتح کر لو۔ (۱۸) ہم نے کہا۔ اے آگ تو ابراہیم کے لئے سرد اور سلامتی کا موجب ہوجا (۱۹) اور انہوں نے اس پر خاص تدبیر کی۔ مگر ہم نے انہیں ناکام کیا۔ (۲۰)

سورۃ الصافات میں بھی یہ قصّہ مذکور ہے۔ اور اس میں لکھا ہے۔ کہ لوگ چلے گئے۔ تو ابراہیم بتوں میں جا گھسے۔ اور کہنے لگے۔ کیوں جی! اتنے چڑھاوے تمہارے سامنے رکھے ہیں۔ کھاتے کیوں نہیں۔ تمہیں ہوا کیا ہے۔ بولتے کیوں نہیں۔ سورۃ الفرقان رکوع ۲ میں واضح کیا ہے۔ کہ اگر خدا ایک وقت ان جھوٹے عابدوں اور ان کے معبودوں کو اکٹھا کر کے معبودوں سے پوچھے۔ کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا۔ تو وہ کہیں گے

۱۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ

۲۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی۔ کہ ہم آپ کے سوا اور ولی بنا دیں۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ یہ خود اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارنے والے ہیں۔ آپ نے ان کو اور ان کے بزرگوں کو آسودگی دی۔ حتےٰ کہ یہ آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ مطلب یہ کہ بت وغیرہ معبود خود جڑ ہونے سے لوگوں کو اپنی پوجا کرنے کو نہیں کہتے۔ یہ محض عابدوں کی جہالت کا نتیجہ اور انہی کی ذمہ داری ہے۔ جو خدا کی عنایت سے آسودگی پا کر خدا سے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الشعراء رکوع ۵ میں کہا ہے۔ کہ آخرت یعنی یہ لوگ یعنی گمراہ دوزخ یا دوکھ میں ڈالے جائیں گے۔ انہیں کہا جائیگا۔ کہاں ہیں تمہارے معبود جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے۔ نہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ نہ اپنی۔ تب وہ گمراہ لوگ کیا شیطانی لشکر سب باہم گفتگو کریگا۔ کہ بلاشبہ ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جبکہ ان بتوں کو خدا کے برابر کرتے تھے۔ افسوس ہمیں ہمارے بڑے بڑے گناہگاروں نے خراب کیا۔

اسی امر کو سورۃ یونس رکوع ۳ میں صاف کیا ہے۔ کہ شریک اور مشرک دو فریق کو خدا اکٹھا کریگا۔ تو ان میں پھوٹ پڑے گی۔ اور یہ شریک یا معبود کہیں گے۔ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ خدا جانتا ہے۔ کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہ تھی وغیرہ۔

ایسے ہی اور موقعہ پر ہیں بتوں کو بالکل بے بس بتایا ہے۔ حتےٰ کہ مکھی کو بھی ان سے طاقتور کہا ہے۔ نہ بت مکھی کو اڑا سکتے ہیں۔ اور نہ اگر مکھی ان سے کچھ اچک لے جاوے۔ تو یہ اس سے واپس لے سکتے ہیں۔

دوم - ابنیت مسیح

سورۃ التوبہ آیت ۳۰ یہود کہتے ہیں۔ کہ عزیز۔ اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں۔ لگے کافروں کی سی باتیں گھڑنے جو ان سے پہلے گذرے ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے۔ کدھر کو بھٹکائے جا رہے ہیں (۱)

اس میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ علی الاعلان رد کیا ہے۔ اور اس اعتقاد والوں کو کافر اور گمراہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ آیت ۷۵ و ۷۶ میں کہا ہے۔

"مریم کے بیٹے مسیح محض ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے بہت رسول ہو لئے۔ ان کی ماں بھی خدا کی بندی تھی۔ ماں بیٹا دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (۲)

گویا مسیح اور اس کی والدہ اور انسانوں کی مانند تھے۔ اور راہ حق کی طرف لانا یا رسالت کا کام ان کی خصوصیت تھی آگے کہا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں۔ مشایخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ بنا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ حکم انہیں ایک ہی واحد معبود کی عبادت کا تھا۔ جو ان کے شرک سے پاک اور سمیع و علیم ہے

۱۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

۲۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

نساء - ۱۷۲ مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں نہ خدا کے اپنا فرشتوں کو - اور جنہیں خدا کا بندہ ہونے سے عار ہو - اور وہ اپنی بڑائی کی شیخی کریں - ان سب کا حشر خدا کے ہاتھ میں ہے (۱)

سورۃ البقر رکوع ۱۴ - آیت ۴ میں کہا ہے - کہتے ہیں - خدا تعالے نے بیٹا بنایا ہے - مگر وہ اس سے بالاتر ہے - ہاں جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے - اسی کا ہے سب اس کے محکوم ہیں - (۲)

(سورۃ المایدہ رکوع ۱۶ آیت ۱۰۲ میں خدا فرماتا ہے " اے عیسےٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا - کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لینا - (عیسےٰ کا جواب) پاک ذات ہے تیری - مجھ سے کس طرح ہو سکتا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں - اگر میں نے کہا ہوگا - تو آپ کو اس کا علم ہوگا - آپ تو میرے دل کا حال جانتے ہیں - پر میں جو آپ کی ذات میں ہے - اس کو نہیں جانتا - تحقیق آپ تمام غیبوں کو جانتے ہیں - ا - میں نے انہیں محض وہی کچھ کہا تھا - جس کے کہنے کا آپ نے حکم دیا تھا - کہ تم خدا کی بندگی اختیار کرو - جو میرا بھی رب ہے - اور تمہارا بھی رب ہے - جب تک میں ان میں رہا میں ان کا شاہد تھا - اور جب آپ نے مجھے وفات دی - تو آپ ہی ان کے نگہبان رہے - کیونکہ آپ ہر امر کے شاہد ہیں - (۳)

پس آنحضرتؐ جہاں حضرت مریم اور مسیح کو خدا کا عابد اور پیغمبر مانتے ہیں - وہاں مسیح کو خدا یا اس کا بیٹا کہنے کے سخت خلاف ہیں - اور اس کو شرک کی خطرناک صورت سمجھتے ہیں جس کی ذمہ داری بعد کے جاہل پیرووں پر ہے - ورنہ حضرت مسیح لوگوں کو خدا کی عبادت کا ہی سبق دیتے تھے - اور حضرت مسیح کیا سارے رسولوں کی نسبت آپ کی یہی پوزیشن ہے - چنانچہ سورۃ آل عمران آیت ۷۸ میں کہا ہے - کہ انسان کو زیب نہیں دیتا - کہ خدا تو اسے علم حکمت اور نبوت دے - اور وہ لوگوں کو کہے - کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ - نہیں بلکہ وہ یہی کہیگا - کہ ربانی یعنی اپنے خدا کے فرمانبردار ہو - اس لئے کہ تم کتاب الہی کو ہی پڑھتے پڑھاتے ہو -

اسی سے اگلی آیت میں ہے " وہ تم کو نہیں کہیگا - کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مان لو - کیا ایسا ہو سکتا ہے - کہ تم تو خدا کے فرمانبردار بن چکے - اور وہ تم کو کفر یا نافرمانی کا رستہ بتائے -

سوم - خودغرض علما کی مذمت

سورۃ التوبہ آیت ۳۴ - اکثر عالم اور مشایخ لوگوں کے مال ناحق لوٹتے اور راہِ خدا سے روکتے ہیں - اور جو لوگ

۱ - لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○

۲ - وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

۳ - وَقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

سونا اور چاندی جمع کرتے رہے - مگر راہِ حق میں خرچ نہیں کرتے - انہیں عذاب دردناک کا سماچار سنا دو (۱)

بقرہ ۷۸ و ۷۹ - بعض ان میں سے ام الکتاب والے ہیں - مگر وہ کچھ بڑبڑ اپنے کے سوا کتاب کو سمجھتے ہی نہیں - اور فقط خیالی تکے چلاتے رہتے ہیں - پس افسوس ہے - ان لوگوں پر کہ اپنے ہاتھوں سے تو کتاب لکھتے ہیں - اور کہتے یہ ہیں - کہ خدا کے ہاں سے ہے - تاکہ اس کے ذریعے سے کچھ ٹکے کمائیں - سو دھکار ہے - اس پر کہ اپنے ہاتھوں سے انہوں نے لکھا اور دھکار ہے - اس پر جو کمائی یہ کرتے ہیں - (۲)

انعام - ۹۳ - اس سے بڑھکر ظالم کون ہے - جو دعوےٰ کرتا ہے - کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے - ایسا تو میں بھی اتار دوں - کاش ایسے ظالموں کو تو اس وقت دیکھے کہ موت کی بے ہوشیاں طاری ہوں - اور فرشتے ان پر ہاتھ بڑھا رہے ہوں - کہ اپنی جانیں نکالو - (۳)

بقرہ - ۱۷۴ - جو لوگ کتاب الٰہی کی تعلیم کو چھپاتے اور اس کے عوض میں کچھ ٹکے کماتے ہیں - یہ محض اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں (۴)

انعام - ۱۶۰ - جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلافات پیدا کر کے مختلف فرقے بنا دیئے ہیں - تمہارا ان سے کچھ سروکار نہیں - ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے ہے - وہ انہیں نیک و بد کا اجر دیگا (۵)

چہارم - توہمات باطلہ

۱۰۳ - اللہ نے نہ کوئی بحیرہ[1] مقرر کیا نہ صائبہ[2] نہ وصیلہ[3] نہ حام[4] - یہ کافروں کے خدا کے خدا پر باندھے ہوئے بہتان ہیں - کیونکہ ان کی کثرت بے سمجھ ہے (۶)

(نوٹ - بحیرہ[1] وہ کن پھٹی اونٹنی ہے - جو پانچ بچے ایسے دیتی کہ پانچواں نر ہوتا - اس کے کان چیر کر اسے بتوں کے لیئے آزاد کرتے تھے - سواری کھیتی - دودھ وغیرہ کا کوئی کام اس سے نہ لیا جاتا تھا -

۱ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

۲ - وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ

۳ - وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

۴ - اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ

۵ - اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

۶ - مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

ع۲ صائبہ سفر سے واپس شدہ بیماری سے بچی ہوئی یا دس بچے دینے والی تیوں کے لئے آزاد کی گئی اونٹنی کا نام ہے۔
ع۳ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہوں۔ وہ متبرک سمجھ کر آزاد کی جاتی تھی۔
ع۴ ۔حام۔ وہ شتر نر جس کو کئی بچے ہونے کے بعد آزاد کیا جاتا۔

انعام ۱۳۸ تا ۱۴۱ ۔اسی طرح ان کے شریکوں نے مشرکوں میں سے بہتوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے سمجھا دیا ہے۔ کہ بچے کشی دہرم ہے۔ اس سے ان کا دہرم مشتبہ بنتا ہے۔ کاشکہ اللہ کی مشیت سے وہ ایسا نہ کرتے۔ پس ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اور کہتے ہیں۔ کہ فلاں چارپائے اور مویشی ممنوع نہیں۔ مگر ان کو وہ کھا سکتا ہے۔ جسے اپنے خیال میں یہ چاہیں اور ایسے چوپائے ہیں جن پر بوجھ لادنا منع ہے۔ اور ایسے چوپائے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب اللہ پر ان کی افترا ہیں اس کی سزا اللہ انہیں دیگا۔ پھر کہتے ہیں۔ فلاں چوپائے کے پیٹ میں جو ہے۔ وہ محض مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں پر حرام ہے۔ اور مردہ ہو۔ تو عورت مرد دونوں شریک ہیں۔ تحقیق ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی اور ناوانی سے قتل کیا۔ اور جو روزی اللہ نے دی تھی۔ اس کو جھوٹ بہتان باندھ کر اپنے اوپر حرام کر لیا۔ تحقیق یہ گمراہ اور ہدایت کے نااہل ہیں۔ (۱)

پنجم۔ شراب اور جُوا

سورۃ البقر رکوع ۲۷ ۔آیت ۳ میں شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا گیا ہے ۔ اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان میں کبیرہ گناہ ہے۔ اور گو انسانوں کے لئے کچھ نفع بھی ہے۔ لیکن ان کا گناہ اس نفع سے بہت زیادہ ہے۔

ششم۔ توریت وغیرہ میں جزوی علم

آل عمران ۲۳ ۔کیا تم نے ان لوگوں پر نظر کی جن کو کتاب الہی سے جزوی علم دیا گیا تھا۔ اب ان کو اس کتاب الہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان کا ایک بڑا حصہ اس سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گویا کہ وہ اس سے منحرف ہے (۲)

۱۔ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝
۲۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت یہود اور نصاریٰ کے متعلق تعجب کرتے تھے۔ کہ کتاب الٰہی کی کچھ سچائیاں توریت انجیل کے ذریعہ ان کے علم میں آئیں۔ لہٰذا ان کا فرض تھا۔ کہ اس تعلیم کی بدولت اصل سرچشمہ اور کامل الہام کی طرف رجوع کرتے۔ لیکن حالت یہ ہے۔ کہ وہ اس اصل کتاب کی ہدایت سے جو ہم دیتے ہیں۔ پہلوتہی کرتے ہیں۔

بہت سی جگہوں میں توریت اور انجیل کو بھی کتاب الٰہی کا مصدق کہا ہے۔ یعنی یہ بھی آغاز عالم والی کتاب کی صداقتوں کی ہی قائل اور اسی کی اشاعت کے لئے مقصود ہیں۔

سورۃ آل عمران آیت ۶۴ میں کہا ہے۔ اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو (کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی) کیونکہ توریت اور انجیل کا نزول ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

اس سے نہ صرف توریت اور انجیل کا مستند بالذات نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ وہاں اصل اور قدیم ابراہیم (برہما) والے دھرم پر آنحضرت کا اعتقاد اور اسی دھرم کی طرف لوگوں کو پھر مائل کرنے کی آپ کی خواہش ظاہر ہے۔ اور نیز یہ کہ آپ نے ہر امر میں جو کی تردید اور یسح کی تائید کی ہے وہ قبولیت کو ہی مدنظر رکھا ہے۔

چودھواں باب گوشت خوری و قربانی

۱۔ وید کا فرمان

وید میں اہنسا کی تعلیم ہے۔ جس کا وسیع مفہوم یہ ہے۔ کہ دل زبان یا فعل کسی سے بھی کسی کو ایذا یا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ بالخصوص پشو وغیرہ کو مارنا یا ان کا گوشت کھانا قطعی ممنوع ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ بعض موذی انسانوں یا درندہ جیوانوں کو مارنا بھلائی یا دھرم کا کام بتایا گیا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی جملہ دیگر انسانوں وحیوانوں کے فوائد کے تقاضا ہی سے ایسی اجازت ہے۔ جن وجودوں کے ناش کئے بغیر خلق خدا سکھ کی نیند نہیں سوسکتی۔ ان کا مارنا اہنسا ہی ہے۔ ویدوں میں اس مضمون کو کس عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ذیل کے حوالہ جات سے اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔

अग्ने यं यज्ञमध्वरं विश्वतः परिभूरसि,

स इद्देवेषु गच्छति ॥ ४ ॥

رگوید ۱-۱-۴

اے عالم انسان! ہنسا وغیرہ عیوب سے پاک یگیہ جو سارے وستو (تمام لطیف وکثیف اشیا) میں ہر کہیں ویاپک ہے۔ سب دیووں یعنی کیا اعلےٰ اوصاف والی مادی چیزیں اور کیا نیک انسان سب میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ اس منتر میں اوّل تو یگیہ کو اہنسا روپ کہا ہے۔ منتر کے لفظ अध्वर ادھور کے متعلق نرکت ۱-۳-۳ میں کہا ہے۔

अध्वर इति यज्ञ नाम, ध्वरति हिंसा कर्मा तत्प्रतिषेधः।

یعنی ادھور کہتے ہیں یگیہ کو۔ کیونکہ دھور نام ہے ہنسا کرم کا۔ اس کا پرتی شیدھ (دفعیہ) یگیہ سے ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں،

جتنی بھی صحیح تفصیل اہنسا اور ہنسا کے متعلق ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ اصول ان سب پہ نہایت معقولیت سے حاوی ہے۔ اور جتنی بھی مخالفانہ رائیں آج کل علما سے اہنسا کے متعلق ظاہر ہو رہی ہیں وہ سب وید منتر کے یگیہ اور ادھور دو الفاظ کو نہ سمجھنے پر مبنی ہیں۔ یگیہ میں دنیا کے اندر ہونے والی ہر حرکت شامل ہے۔ مقصد گو ہر حرکت کا عالمگیر ہے۔ یعنی حصول راحت۔ لیکن عملاً دکھ بھی بہت مل رہا ہے۔ اس لئے عام طور پر ہنسا اور اس کے نتیجہ میں دکھ کا موجود ہونا یگیہ کے وسیع مفہوم کی طرف انسانی رجحان کو جانے نہیں دیتا۔ لیکن اگر ذرا بھی عقل سے کام لیا جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ دنیا میں جتنا بھی دکھ ہے۔ انسانی اعمال کی پاداش میں پرمیشور سے مل رہا ہے۔ اس پرمیشور کی طرف سے جو مسلمہ طور پر دیالو اور نیائے کاری یعنی رحمان اور رحیم ہے۔ چونکہ علم حکمت انصاف اور رحم و محبت مجسم پرمیشور نہ کسی سے عداوت رکھتا ہے۔ نہ کسی کو ایذا پہنچاتا ہے۔ بلکہ سب سامان ہماری راحت کے لئے پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے اگر اس کے رحم اور انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ کہ ہمیں دکھ ملے۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ظالموں کو سزا دے کر خلق خدا کو بچانے کے لئے انتہائی مفید اہنسا کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یہی اس کے سچے پیرو کار انسانوں کا فرض ہے۔ یعنی ہنسا کے دفعیہ کے لئے کوشاں رہیں۔ خود ہر ایذا رسانی سے بچیں۔ اور غلط کار لوگوں کو زبان سے ہدایت دے کر یا ملامت کر کے یا جسمانی سزا دے کر جیسے بھی ہو ہنسا سے روکیں۔

شت پتھ ۱۔۴ میں بھی ہنسا یا دکھ سے رہت مارگ کو ہی ادھور کہا ہے

ध्वरो हिंसा तदभावो यत्र। अविद्यमानो ध्वरो यस्य सः। अहिंसित इत्यर्थ। देशान वै यज्ञेनयजमानान सपत्ना असुरादुधूर्षन्तस्तु:। ते दुधूर्षन्त एव न शेकुर्धूर्वितुं

اس میں بھی ہنسا سے رہت کو ادھور یا یگیہ کہا ہے۔ اور ہنسا کو جس طرح بھی روکا جانا چاہئے۔ اسے بھی اہنسا میں شمار کیا ہے

यः पौरुषयेण क्रविषा समङ्क्ते यो अश्व्येन पशुना यातुधानः।

यो अघ्न्याया भरति क्षीरमग्ने तेषां शीर्षाणि हरसापि वृश्च ॥ १६॥ رگوید ۱۰۔۸۷۔۱۶

اے عالم انسان! جو دوسروں کو ایذا پہنچا کر اپنی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ یا جو دوسروں کو ایذا دے کر گھوڑے جیسے تیز رفتار پشو یا اپنے آپ کو پالتا ہے۔ یا گائے کے دودھ سے محروم کرتا ہے۔ تو اسے یا اس کی عزت کو اپنے علم کی طاقت سے مٹا دے یا ایسے سچے کھشتری اتو ایسے ظالم کو اپنی شکتی سے نیچا دکھا۔

۳۔ یجروید ادھیائے ا منتر ا میں انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ کہ اپنی تمام اندریوں اور طاقتوں کو نہایت اعلےٰ افعال کرو تی میں لگا دیں جس سے आप्यायध्व मघ्न्या گائے وغیرہ نہ مارنے کے قابل حیوانات ترقی پاویں۔ مطلب یہ کہ ایشور کا حکم ان سب کو محفوظ رکھنے کا ہے۔

۴۔ اسی منتر کے اخیر میں ہے۔

अस्मिन् गोपतौ स्यात बह्वीर्यजमानस्य पशून्पाहि ॥ १॥

(نہایت اعلےٰ افعال کرو تی میں اپنی طاقتوں کو لگا کر جو گئو وغیرہ حیوانوں کی ترقی اور حفاظت کرتا ہے۔) اس محافظ و مالک حیوانات کے پاس یہ بڑی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ لہذا اے پرمیشور دیپی پرارتھنا ہے کہ) یجمان یا عام فیض پہنچانے والے انسان کے پشو محفوظ رہیں۔ مطلب یہ کہ دنیوی مال و دولت مویشی وغیرہ کبھی ان لوگوں کے پاس تک نہیں سکتے۔ جو ان کا برا استعمال کرتے یا ان کی ہنسا کرتے ہیں۔ پس جو نیک بلکہ انتہائی نیک افعال سے گائے وغیرہ حیوانات اور دولت کو حاصل کرتا ہے۔ وہ گوپتی ہے۔ اور جو ان سب مال مویشی وغیرہ سے فیض عام پہنچاتا ہے۔ وہی اس امر کا مستحق ہے

کہ یجمان کہلاوے۔ اور اس کا مال و دولت محفوظ رہے۔ گویا سنک لوگ مستحق ہیں نہ ان کے پاس پشو وغیرہ مستقل طور پر رہ سکتے ہیں۔

۵۔ یجروید ادھیائے ۲۳۔ منتر ۳ ادھیائے ۱۲ منتر ۱۰۲ میں ہے मा मा हिंसी ہنسا مت کرو۔

۶۔ یجروید ادھیائے ۳۔ منتر ۳۷ میں ہے۔ × सुवीरो वीरैः सुपोषः पोषैः। नर्य प्रजां मे पाहि शंस्य पशून्मे पाह्यथर्य

ہے نروں یا بہادروں کے بہادر۔ میری پرجا کی حفاظت کر۔ ہے قابل تعریف انسان۔ میرے پشوؤں کی رکھشا کر۔ ہے میرے سچے گیانی۔ میرے ان کی رکھشا کر۔

یہاں پرجا کی حفاظت کا مدار سچے نر یا بہادر پر تیایا ہے۔ اور حیوانوں کی رکھشا کا قابل تعریف لوگوں پر۔ کیونکہ حیوانات جنگ یا مقابلہ انسان سے نہیں کرتے۔ انہیں سچی انسانیت یا اخلاق کے تقاضا سے ہی انسان بچاتا یا محفوظ رکھتا ہے۔ اس لئے قابل تعریف انسان وہی ہیں۔ جو حیوانات کا گوشت کھانا تو کہاں۔ ان پر کسی درندہ کا حملہ گوارا نہیں کر سکتے۔ چونکہ بہادر کھشتری راجہ وغیرہ سزا دے کر ہی پرجا یا پشوؤں کو مارنے یا نقصان پہنچانے والوں کو روک سکتے ہیں۔ اس لئے مطلب یہ ہے۔ کہ قانون شکن ظالموں کو خوب سزا دی جاوے۔

۷۔ یجروید ادھیائے ۳۶۔ منتر ۸

इन्द्रो विश्वस्य राजति। शं नो अस्तु द्विपदे शं चतुष्पदे ॥ ८॥

اس میں اندر یا راجہ کی پرمیشور سے اپمان دی گئی ہے۔ جیسے پرمیشور سارے وشو یا جہان میں موجود ہے۔ ویسے ہی راجہ بذریعہ اپنے قانون دنڈ کے اپنے سارے راجیہ میں موجود ہے۔ اور اس کا فرض یہ ہے۔ کہ جہاں وہ اپنے دو پیر والے اپنے ہمجنس انسانوں کی حفاظت کرے۔ وہاں چار پاؤں والے چوپایہ حیوانوں کی حفاظت کو بھی اپنا دیسا ہی فرض جانے یا جیسے انسانوں کو تکلیف پہنچانے والے سزا پاتے ہیں۔ ویسے ہی دوسرے جاندار حیوانوں کو مارنے و ان کا گوشت کھانے والوں کو قابل عبرت سزا دے۔

۸۔ یجو ۲ ادھیائے ۱۳ منتر ۴۸

इमं मा हिंसीरेकशफं पशुं कनिक्रदं वाजिनं वाजिनेषु।
गौरमारण्यमनु ते दिशामि तेन चिन्वानस्तन्वो निषीद।
गौरं ते शुगृच्छतु यं द्विष्मस्तं ते शुगृच्छतु ॥४८॥

اے انسان خوشی سے ہنہنانے وغیرہ کی آواز والے سب قسم کے کنشٹ سہنے والے ایک کھر کے گھوڑا۔ گدھا۔ خچر وغیرہ پشو کو مت مار جنگل کے گورنام بارہ سنگا کی بردھی سے بھی سبق لے کر اپنے شریر کی رکھشا کر۔ اس کھیتی کو نقصان پہنچانے والے موذی گور کو سزا دے۔ جس سے ہمارا دویش ہے۔ اسے دنڈ دے۔

۹۔ یجو۔ ۱۳۔ ۴۷۔

इमं मा हिंसीर्द्विपादं पशुं सहस्राक्षो मेधाय चीयमानः।
मयुं पशुं मेधमग्ने जुषस्व तेन चिन्वानस्तन्वो निषीद।
मयुं ते शुगृच्छतु यं द्विष्मस्तं ते शुगृच्छतु ॥ ४७॥

اے بہادر کھشتری! تو سکھ وغیرہ کے لئے برابر ترقی کرتا ہوا اس دو پائے انسان اور اس کے معاون جاندار وغیرہ کو مت مار

اے عالم انسان۔ تو ان وغیرہ پیدا کرنے والے جنگلی پشو کو بھی ہرگز نہ مار۔ بلکہ ان سے پریم کر۔ ان کی ترقی کی خواہش کر۔ اور اس سے اپنی جسمانی ترقی وصحت پا۔ تیرا گروہ محض جنگلی جانوروں پر ہو۔ یعنی اُن پر جن سے ہم انسانوں کا تعاون نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ اتھرو ۱۔۱۶۔۴

यदि नो गां हंसि यद्यश्वं यदि पूरुषम् ।

तं त्वा सीसेन विध्यामो यथा नोऽसो अवीरहा ॥ ४॥

اگر ہنسک پشو یا انسان ہمارے گائے گھوڑے یا انسان کو مارے تو اسے سکے کی گولی سے بندھا جائے۔ تاکہ کوئی ویروں کو مارنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

۱۱۔ اتھروید ۷۔۵۔۵

मुग्धा देवा उत शुना यजन्तोत गौरङ्गैः पुरुधायजन्त ।

य इमं यज्ञं मनसा चिकेत प्र णो वोचस्त मिहेह ब्रवः ॥ ५॥

جو کتے یا گائے کے اعضا سے یعنی کسی پشو کو کاٹ کر اس کے اعضا سے یگیہ کرتے ہیں۔ وہ اگیانی ہیں۔

۱۲۔ اتھرو۔ ۴۔ ۳۶۔ منتر ۷ و ۸ نیز کانڈ ۵۔ ۲۶ منتر ۱۰ و ۱۲ میں راکھشش پشاچ یعنی گوشت خور وغیرہ سے ہر طرح کے تعلقات منقطع رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱۳۔ اتھرو۔ ۸۔ ۶۔ ۲۳

य आमं मांसमदन्ति पौरुषेयं च ये कविः ।

गर्भान् खादन्ति केशवास्तानितो नाशयामसि ॥ २३॥

جو کچے مانس کو کھاتے ہیں۔ اور جو پکے مانس کو کھاتے ہیں۔ جو انڈوں کو کھاتے ہیں۔ ایسے دشٹوں کا میں ناش کروں۔

۱۴۔ اتھرو۔ ۶۔ ۷۰۔ ۱

यथा मांसं यथा सुरा यथाक्षा अधिदेवने ।

यथा पुंसो वृषण्यत स्त्रियां निहन्यते मनः ।

एवा ते अघ्न्ये मनोधि वत्से नि हन्यताम् ॥ १॥

جیسے مانس۔ جیسے شراب۔ جیسے جوا اور جیسے وبھچار سے من ہنن ہوتا ہے۔ ایسے ہی اے استری تیرا من بھی غیر پرش میں ہنن ہوتا ہے۔

۱۵۔ رگوید ۱۔ ۲۲۔ ۱۶۲۔ ۱۲

ये वाजिनं परिपश्यन्ति पक्वं य ईमाहुः सुरभिर्निर्हरेति ।

ये चार्वतो मांसभिक्षामुपासत उतो तेषामभिगूर्तिर्न इन्वतु ॥ १२॥

جو لوگ اَن اور جل کو شدھ کرنا پکانا اور اس کا بھوجن کرنا جانیں۔ اور مانس کو چھوڑ کر بھوجن کرتے ہیں۔ وہ اُدمی ہوتے ہیں۔

۱۶۔ یجو۔ ۱۲۔ ۳۲۔

प्रेदग्ने ज्योतिष्मान् याहि शिवेभिरर्चिभिष्ट्वम् ।

बृहद्भिर्भानुभिर्भासन् मा हिंसीस्तन्वा प्रजाः ॥ ३२

اے عالم راجہ یا طاقتور انسان! تو تیری اعلیٰ اوصاف اور طاقتوں سے بھرپور سکھ پہنچاتا ہوا دنیا میں پرکاشت ہوا درپرجاؤں

کو جسم سے مت مار۔

۱۷۔ یجر وید۔ ادھیائے ۳۶۔ منتر ۱۸

दृते दृंह मा मित्रस्य मा चक्षुषा सर्वाणि
भूतानि समीक्षन्ताम्। मित्रस्याहं चक्षुषा सर्वाणि
भूतानि समीक्षे। मित्रस्य चक्षुषा समीक्षामहे ॥ १८॥

اے دکھ دُور کرنے والے پرمیشور! مجھے ہر طرح کی مضبوطی دے۔ سب پرانی مجھے مِتر کی آنکھ سے دیکھیں۔ اور میں بھی سب پرانیوں کو مِتر کی آنکھ سے دیکھوں۔ ہم سب ایک دوسرے کو مِتر کی آنکھ سے ہی بھلی پرکار دیکھا کریں۔

۱۸۔ یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۵۱ کا بھاوارتھ سوامی جی اس طرح لکھتے ہیں۔

منشوں کو اچت ہے۔ کہ بکری اور مور وغیرہ سریشٹ پشو پکھشیوں کو نہ ماریں۔ اور ان کی رکھشا کر کے اپکار کے لئے من لگائیں۔ منتر ۵۱ کا بھاوارتھ یہ لکھا ہے۔ ”جن اجی بھیڑ وغیرہ کے بال اور کھال انسانوں کے لئے سکھدائی ہیں۔ جو اونٹ بوجھ اٹھاتے اور انسانوں کو آرام دیتے ہیں۔ ان کو مارنے والے دشٹ لوگ دنیا کو دکھ دینے والے ہیں۔ ان کو اچھی طرح سزا ہونی چاہیئے۔

یجو۔ ۱۳۔ ۲۱۔ اے راج پرشو! جن بیل وغیرہ کے ذریعے سے دنیا میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اور جن گؤ وغیرہ سے دودھ گھی وغیرہ ملتے ہیں اور جن کے دودھ سے پرجا کی پالنا ہوتی ہے۔ ان کو ہرگز نہ مارو۔ اور جو ماریں انہیں راجہ وغیرہ عادل لوگ عبرتناک سزا دیویں۔ وغیرہ وغیرہ

۱۹۔ اتھرو۔ ۳۔ ۲۸۔ ۱

एकैकयैषा सृष्ट्या संबभूव यत्र गा असृजन्त भूतकृतो
विश्वरूपाः। यत्र विजायते यमिन्यपर्तुः सा पशून् क्षिणाति रिफति रुशति ॥

جب انسان کی عقل خاص طور پر ماری جاتی ہے۔ تب وہ پشوؤں کو تیز ہتھیار سے مارتا یا کسی دوسرے طرح ہنسا کرتا ہوا ناش کرتا ہے۔

۲۰۔ اتھرو۔ ۲۔ ۲۴۔ ۱

शेरभक शेरभक पुनर्वो यन्तु यातवः पुनर्हेतिः किमीदिनः
यस्य स्थ तमत्त यो वः प्राहैत्तमत्त स्वा मांसान्यत्त ॥

اے بید رد قاتل یا ہنیارے قصائی! اور اے سرد بھکشی پاپی لوگو! یہ تمہارے دکھدائی کام آخر تمہارا ہی ناش کریں گے۔ اور دوسروں پر جو ہتھیار چلاتے ہو۔ وہ تمہارے ہی گلے پر چلیں گے۔ ارے جس کا ساتھی ہونا اسی کو کھانا جو نیک راہ بتا دے۔ اسی کو مارنا ارے کوئی ساتھی نہ رہیگا۔ تو اپنے سمبندھیوں کو کھاؤ گے۔ اور آخر اپنا ناش کرو گے۔

غرضیکہ وید اہنسا کا نہایت زور سے بیان کرتا ہے۔ کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچانا بلکہ سب کی تکلیفات کو دور کرنے میں کوشاں رہنا انسان کا فرض بتاتا ہے۔ پرانی ماتر سے پریم کا یہ جذبہ ہو نبھنگی کا یہ آدرش پورا ہو سکتا ہے۔

۲۔ اجتماع ضدین

جو تعلیم وید کی ہم نے بہت سے حوالہ جات دیکر پیش کی ہے وہ عوام الناس کے لئے ایک عجیب گورکھ دھندا یا معمہ بن رہی ہے۔ وید کا جب یہ حکم ہوا کہ موذی درندوں کو مارو۔ چوروں۔ ڈاکوؤں۔ اور قاتلوں کو عبرتناک سزائیں دو تو یہ سزا تو بذات خود ہنسا ہوئی۔ لہذا اہنسا کا دعویٰ غلط ہوا یا اجتماع ضدین کا نقص ثابت ہوا۔ ایسا انہیں خیال آتا ہے اور وہ شش و پنج میں پڑتے ہیں حتی کہ آجکل اس ملک میں بستا اہنسا پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں عالم لوگ لیکچر دیتے ہیں مگر عوام الناس کا یقینی نتیجہ پر پہونچنا مشکل ہو رہا ہے۔ اس گڑبڑ کی اکائی وجہ ہے کہ ہنسا کو صحیح پیرائے معنی

میں سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وسیع مفہوم اسکا ہر قسم کے نقصان پر اطلاق پاتا ہے۔ ایک شخص لاٹھی سے ضرب لگاتا ہے تو اسے ہنسا میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ کسی کا روپیہ چھین لیتا یا اس کے کپڑے اتار لیتا ہے یا اسے فیض عام کے کام سے روکتا ہے تو اسے رہزنی - ڈاکہ یا گمراہی وغیرہ نام دیا جاتا ہے۔ یہ خیال نہیں آتا کہ یہ سب جرائم ہنسا کی ایک گونہ شاخیں ہیں - اور شل کے دفعیہ کے تمام ورپ کی ہنسا کی ذیل میں آتے ہیں۔

۲- ویدک ہنسا

درندہ حیوانوں کو مارنے - چور - ڈاکو وغیرہ پھوڑا تعزیر کا ہتھیار استعمال کرنے بلکہ قاتل کو پھانسی تک دینے کی اجازت جو کھشتری یا راجہ کو ملتی ہے۔ اس پر معترض کہتا ہے۔ کہ جن زندہ حیوانوں کو مارا جاتا ہے یا جن آدمیوں کو جسمانی سزا دی جاتی ہے۔ انہیں درد یا تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ تب ہنسا سے پرہیز کہاں ہوا۔ لیکن سوامی دیانند کا قول ہے۔ کہ ممانعت گوشت خوری کا مدار محض پیڑا کے نکتہ نگاہ پر نہیں۔ بلکہ اپکار یا فیض کے سبب سے ہے پیڑا تو مکھی کو بھی ہوتی ہے۔ جب انسان کھانے پر سے اسے اڑاتا ہے - باپ یا گورو بیٹے یا شاگرد کو تاڑنا وغیرہ کرتا ہے۔ تو اس سے بھی لڑکا دکھ مانتا ہے۔ ڈاکٹر پھوڑے پر نشتر چلاتا ہے۔ تب بھی مریض چیختا چلاتا ہے۔ مریض کو بچانا کیا ہے۔ بیماری کے جرمز کا ناش کرنا پس دیکھنا محض یہ ہے۔ کہ قدرت نے کس اپکار یا فیض کے لئے کس چیز کو بنایا ہے۔ اور کوشش یہ کرنا چاہئے۔ کہ اس اپکار یا فیض میں رخنہ انداز ہونے والے اسباب کو مٹایا جاوے۔ قدرت الٰہی کے لاانتہا فیضوں کے باوجود انسان اس کی حدوں کو توڑتے ہیں۔ تو سخت سے سخت عذاب اسی رحمان سے پاتے ہیں۔ پس انسان جو ہنسا اس غرض سے کرتا ہے۔ کہ اہنسا کا راج ہو۔ وہ نیچر کو مدد دیتا ہے۔ اور گناہ کی بیخکنی میں خدا کا سہیوگی ہے۔ خود ہنسا کا مجرم نہیں ہوتا۔ اسی لئے سنسکرت لٹریچر میں یہ مقولہ عام ہے۔ کہ ویدکی ہنسا ہنسا نہ ہوتی۔

اوّل - سورۃ البقر

۳- قرآن مجید میں ویدک اہنسا واد

-۱- رکوع ۲۱- آیت -۱- اے انسانو! تم وہ چیزیں کھاؤ۔ جو زمین میں حلال اور طیب ہیں۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ فی الواقع وہ تمہارا کھلا دشمن ہے[1]

اس آیت میں "فی الارض" لفظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں - ایک تو دنیا میں دوسرے زمین میں۔ لیکن مطلب دونوں طرح سے ایک ہے۔ بائیبل پیدائش کی کتاب میں پھل اور اناج وغیرہ جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہی انسان کے کھانے کے لئے ہیں - یہ مستقل قانون بتایا ہے۔ وید میں پہلے سے ہی پیداوار ارضی میں سے بھکھشیہ پدارتھ کھانے کا حکم ہے۔ پر کھشوں میں جیو ماننے والے لوگوں کی خاص اہم دلیل ہے۔ کہ جیسے گورنمنٹ اپنے قیدیوں کے لئے رسوئیا وغیرہ سے کھانا بنواتی ہے - اور وہ رسوئیا بھی قیدی ہی ہوتے یا ہو سکتے ہیں۔ ویسے ہی عقل سلیم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ پرماتما نے ضرور آغاز عالم سے یہی انتظام چلا رکھا ہے

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

اور برکھش یا بنسپتی والے جیو تمام انسانوں کے لئے غذا بہم پہنچانے کے لئے مقرر ہیں۔ زمین میں آلو وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گیہوں کی کھیتی سے خوشوں کے برتنوں میں گیہوں سب کے لئے پرسا جا رہا ہے۔ پھل درختوں کے ساتھ لگ کر اور شاخوں کو جھکا کر نیچر اعلان کر رہی ہے۔ کہ منشوں کے لئے کھلا دستر خوان بچھ رہا ہے۔ یہی برکھش اور بنسپتی حیوانات کو پالتی ہیں۔ گویا حیوان اس قسم کے دستر خوان میں انسان کا ہی شریک اور قریباً اس کے برابر ہی نیچر کے عطیہ کا حقدار ہے۔ یا اس کا ایک قسم کا بھائی ہے انسان کا اپنے ایسے قدرتی شریک یا بھائی کو کھانے لگ جانا کبیرہ سے کبیرہ گناہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے۔ وہی انسان کی خوراک ہے۔ یہ مستقل قانون بتاتا ہے۔ اگر مانا جاوے۔ کہ ارض کے معنے دنیا ہو سکتا ہے۔ اور دنیا میں حیوان بھی ہیں۔ لہٰذا ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ جس کو بڑے سے بڑا گوشت خور انسان بھی صحیح نہیں مان سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے حلال اور طیب کی شرط لگائی ہے۔ کوئی جاندار کھانے کے لئے حلال ہو۔ یہ ہدایت قرآن انسان کے لئے کہیں بیان نہیں کرتا۔ ہر کہیں جائز طریق پر حاصل کی یا کمائی گئی چیز کو حلال کہا ہے۔ اور اس سے وہ فائدہ پانے کی ہدایت کی ہے۔ جس کے لئے وہ قدرتاً مقصود ہے۔ دوسرا لفظ طیب پاک یا ساتوک کے لئے ہے۔ اور حلال اور طیب دونوں کا مفہوم ویدک شبد بھکشیہ یعنی قابل خوردنی ہی ہے۔ گوشت کو غذائے طیب نہیں کہا۔ ہاں ہر کہیں اس کے غیر طیب ہونے کا ہی اشارہ دیا ہے۔ بالخصوص اس آیت میں شیطان کے قدم بہ قدم چلنے سے روکا گیا ہے۔ قانون غذا کے بیان میں شیطان کی پیروی کرنے کا سوائے اس کے کوئی منشا نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر حرام شے بالخصوص گوشت سے پرہیز کیا جاوے۔

۲۔ اسی رکوع کی پانچویں آیت میں ہے "اے اہل ایمان! تم وہ پاک یا ساتوک چیزیں کھاؤ۔ جو ہم نے تمہیں بطور رزق دی ہیں۔ اور اگر تم اللہ کے ہی بندے ہو۔ تو اس کا شکریہ ادا کرو۔ (۱)

ایشور کا دیا ہوا رزق عام طور پر ان اناج کو مانا جاتا ہے۔ بالخصوص پاک یا ساتوک چیزیں پھل ان دودھ وغیرہ ہی ہیں۔ اور جیسے شیطان کی پیروی سے پہلے حوالے میں روکا تھا۔ ویسے ہی اس آیت میں طیب رزق کو کھانا ہی خدا کے غلاموں یا بندوں کا کام بتایا گیا ہے۔

۳۔ اس سے اگلی چھٹی آیت میں قانون غذا کو اور طرح سے صاف کیا ہے۔

تمہارے لئے بس حرام ہی ہے۔ مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ کے لئے نامزد جانور۔ لیکن حالت اضطراب یا مجبوری صورت میں بغیر جھوٹ یا خدا کی حکم عدولی کے اور بغیر عادی ہونے کے جو ایسا عمل کرے۔ اس پر گناہ نہیں (۲)

جب مردار حرام ہو گیا۔ تو گوشت خوری کی قطعی ممانعت کے بغیر اس کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک خطرناک تاویل سے اس قانون کی عالمگیر اصولی اہمیت کو بے وزن کیا گیا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے۔ کہ میتۃ وہ جانور ہے جس کی جان بغیر ذبح کئے ہوئے نکل جائے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ اس تاویل سے انصاف پسند گوشت خوروں اور غیر گوشت خور محققوں پر بھی محض یہی اثر پڑ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی عالمگیر تعلیم پر وافقی انسانی عادات اور خیالات نے تاریکی پھیلا رکھی ہے۔ کیا ذبح کیا ہوا جانور مردہ نہیں ہوتا۔ کیا اس لفظ کے مصدری یا لغوی معنے سے کسی بھی طرح یہ تاویل جائز ہو سکتی ہے۔ جبکہ ذبح شدہ کے لئے میتۃ کے مقابلے

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝

۲۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

پر کوئی لفظ لغات میں ہے نہیں۔ نیز جبکہ اگلا لفظ خون کو حرام کرتا ہے۔ ذبح کرنے میں بھی خون ہی کیا جاتا ہے۔ تب ایسی تاویل کی گنجائش کہاں۔ کہا جاتا ہے۔ آگے لفظ ہے لحم الخنزیر کا۔ اس میں سؤر کے گوشت کو حرام کہا ہے۔ اگر سب جانوروں کا گوشت حرام ہوتا۔ تو محض سؤر کے متعلق تخصیص نہ ہوتی۔ لیکن اگر گوشت کھانے کا کہیں جواز قرآن مجید میں مذکور ہو۔ تب تو یہ عذر کچھ معنے رکھ سکتا ہے۔ چونکہ کہیں ایسا ذکر نہیں۔ اس لئے اس لفظ کا ذکر محض اس لئے ہے۔ کہ گوشت سب جانوروں کا ان کے فوائد کے سلسلے قائم رکھنے کے لئے حرام ہے۔ مگر سؤر جیسا ناپاک جانور انسان کے تناول کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا کوئی کہہ سکتا تھا کہ اگر اسے مار کر کھا لیا جاوے۔ تو اس میں کیا ہرج ہے۔ اس وسوسے کے خلاف قرآن فتوےٰ دیتے ہوئے صاف کہتا ہے۔ کہ سؤر کا گوشت بھی حرام ہے۔ چنانچہ اس کا اگلا حصہ بھی اسی مدعا کو واضح کرتا ہے۔ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ دیوتاؤں پر جو لوگ بکرا وغیرہ چڑھائیں اور انہیں مار کر پکائیں تو اس گوشت میں کیا ہرج ہے۔ نہ ہم نے مارا نہ خون بہایا اور گوشت لے لیا۔ قرآن فرماتا ہے۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔ مطلب یہ کہ مردار خواہ قدرتی موت مرا ہو یا کسی انسان نے کسی بھی وجہ یا طریق سے خون بہایا ہو۔ گوشت ہر حال میں حرام ہے۔

اسی آیت میں جو حالت مجبوری میں بغیر خدا کی حکم عدولی یا گوشت خوری یا ہنسا کی عادت کے گوشت کے استعمال کے لئے کوئی گناہ نہیں بتایا۔ یہ صاف ثابت کرتا ہے۔ کہ عالمگیر اصول گوشت نہ کھانے کا ہی اوپر مذکور ہے۔ استثنےٰ اصول کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ویدک سدھانت میں بھی آپت کال یا مجبوری میں قانون کی سخت گیری قائم نہیں رہتی۔ اور اتی ہاس سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ کہ محض جان بچانے کے لئے کسی نے ماس کھایا۔ تو اس پر مواخذہ نہیں ہوا۔ پر خدا کا باغی اور موذی گوشت خور انسان کسی بھی صورت میں قابل درگذر نہیں۔ یہ اصول اس استثنےٰ سے بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

(۴) ساتویں آیت میں گوشت خوروں کو نہایت زوردار جھاڑ بتائی اور انہیں جو سخت سزا ملتی ہے اس کا بھی صاف بیان دیا ہے۔ "تحقیق جو لوگ اس بات کو چھپاتے ہوئے ناپایدار معاوضے پا رہے ہیں۔ جو خدا نے وید یا کتاب الٰہی میں ظاہر فرمائی ہے۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی آگ بھرتے ہیں۔ پنر جنم میں انہیں نہ اللہ نطق دیگا۔ اور نہ انہیں پاک کریگا" ؎۔

مطلب صاف ہے۔ کہ کلام الٰہی میں بھی گوشت خوری منع ہے۔ لیکن لذّت کے غلام اصل ہدایت کو چھپا کر خدا کے نام پر ذبح کرنے کا رواج چلا رہے ہیں۔ ایسے گوشت خور محض اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ گویا انتہائی دکھ کا سامان کر رہے ہیں۔ جیسے اگلے جنم میں نطق کا نہ ملنا یعنی انسانی قالب کی بجائے حیوانی اور ناپاک قالبوں کا ملنا اور گھور دکھ پانا۔

۶۔ اسی سورۃ کے رکوع ۶ آیت ۱ میں بھی بنی اسرائیل پر من اور سلویٰ خدا کی عنایت سے ان کی دشت نوردی کے زمانے میں نازل ہوا محض طیب یا پاک چیزیں تھیں۔ یہ الفاظ آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے

؎ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

مَنّ کے متعلق اتفاق رائے ہے۔ کہ وہ درختوں سے لگنے والی ترنجبین کی قسم کی شے تھی۔ اور سلویٰ کے لغوی معنے سے بھی سا توک شے ہی سدھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں واضح کیا ہے۔ پھر رکوع ۷، آیت ۲ میں موسیٰ سے جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ گوشت کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمارے خدا سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں از قسم سبزی۔ ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں۔ مسور اور پیاز کے پیدا کرے" (۱)

یہ تمام اشیاء بنی اسرائیل کو ویجیٹیرین ثابت کرتی ہیں۔ اگر وہ گوشت خور ہوتے تو ضرور گوشت کا مطالبہ کرتے اور بعض لوگوں نے جو سلویٰ کی تشریح من مانے طور پر ایک قسم کا بٹیر جیسا جانور کر دیا ہے۔ یہ بھی صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ اس صورت میں لازمی تھا۔ کہ وہ اس جانور کے علاوہ بکری۔ مرغا۔ اونٹ وغیرہ کے گوشت کا مطالبہ کرتے۔

رکوع ۸ آیت ۴ و ۵ میں کہا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے۔ کہ تم میں سے جنہوں نے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا ہم نے حکم دیا۔ ذلیل بندر بنو۔ سو ہم نے اسے اس وقت کے اور اس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت اور متقی لوگوں کے لئے نصیحت بنایا (۲)

اس رکوع میں تذبیح بقر کے متعلق موسےٰ کے ذریعے جو خدا کا حکم ملا۔ اسے نہایت واضح طور پر نفس کشی کے مفہوم میں واضح کر کے اہنسا دادکی عظمت کو بحال رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کئی جگہ بالتوضیح بیان کیا ہے۔

اسی سورت کی ۳۷ رکوع کی پہلی آیت میں اپنی پوزیشن کو اور بھی واضح الفاظ میں قرآن مجید نے پیش کر دیا ہے۔

اے اہلِ ایمان اپنی کمائی ہوئی پاک چیزیں ہی راہِ حق میں خرچ کرو۔ یعنی خیرات میں دو۔ اور وہ جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کی ہیں۔ گویا گوشت جیسی غیر طیب شے کا دان دینا بھی گناہ ہے۔ اور اسلام میں جہاں بھی مسکینوں اور فقیروں کو خیرات دینے کا بیان ہے۔ آن اناج وغیرہ ہی مقصود ہیں۔

سورۃ آلِ عمران

رکوع ۱۰ آیت ۱ و ۲۔ تم نیکی نہ کما سکو گے۔ جب تک اپنی پیاری چیز کو قربان یا خرچ نہ کرو گے۔ اور جو چیز بھی تم قربان کرو گے۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ نزول توریت سے پہلے سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنی ذات کے لئے حرام کر لی تھی۔ انہیں کہدو۔ اگر سچے ہو تو ہمارے سامنے لا کر توریت کو پڑھو تو۔

۱۔ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط

۲۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ص

ان آیتوں میں پہلے تو یہ اصل ہدایت ہے۔ کہ گوشت خوری تم کو پیاری ہے ۔اس کو چھوڑ دو۔ نیکی بغیر پیاری چیزوں کی قربانی کے کمائی ہی نہیں جاسکتی۔ اس پر کہا جاتا ہے۔ کہ توریت سے پہلے سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ مطلب یہ کہ بنی اسرائیل گوشت کھاتے تھے۔ ہاں یعقوب نے محض اپنی خدلت کے لئے اسے حرام کیا تھا۔ اس پر چیلنج دیا جاتا ہے۔ کہ لاؤ توریت اور پڑھ کر سناؤ۔ کہ کہاں لکھا ہے۔ یعقوب نے یہ اپنے لئے ہی حرام کیا تھا۔ مفسرین اور طرح کی تاویل کرتے ہیں۔ جس کا لب لباب یہ ہے۔ کہ یعقوب نے ایک بیماری کی وجہ سے منّت مانی تھی۔ کہ میں اچھا ہو گیا۔ تو اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی یہودیوں نے بھی چھوڑ دیا۔ اس طرح اونٹ کا گوشت حرام ہو گیا۔ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے۔ جو یعقوب سے پہلے ہوئے۔ جب اونٹ حلال تھا۔ لیکن جب قرآن مجید مردار خون کو حرام کرتا ہے۔ شیطان نفس کی لذّت پرستی سے روکتا۔ تقویٰ پر زور دیتا۔ محض پیداوار ارضی میں سے حلال اور طیب کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس آیت سے کہیں اونٹ کا اشارہ نہیں ملتا۔ کہ یعقوب نے اسے ہی حرام کیا تھا۔ گوشت یا خاص اونٹ کے ہی گوشت کو کہیں غذائے طیب مانا ہے۔ نہ ابراہیم جو حنیف یا فنافی اللہ ہے۔ گوشت کو اپنا پیارا بنا سکتا ہے۔ اس لئے آیت کا مطلب سوائے اس کے ہو نہیں سکتا۔ کہ توریت کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں گوشت کا جواز ہے۔ جو بنی اسرائیل پر بھی حلال تھا۔ بالکل غلط ہے۔ اور یہ کہنا کہ محض یعقوب نے اپنے لئے حرام کیا تھا۔ یہ بھی غلط ہے۔ ہاں جیسا ابراہیم کے وقت میں حرام تھا۔ ویسا ہی اب بھی حرام ہے۔ اسی آیت کے بعد ورن ویوستھا کا مضمون چلتا ہے۔ اور پہلے برہمن ورن کی فضیلت بتائی ہے۔ تاکہ لوگوں کی اس قسم کی گمراہی سے ان کو بچانے کا انتظام ہو۔

رہی یہ بات کہ ویدیا الیثوری آ گیا کے مطابق جو ہنسا ہے۔ وہ بھی اہنسا میں ہی شمار ہوتی ہے۔ یہ بھی قرآن کو تسلیم ہے۔ منکر۔ کافر۔ مشرک۔ فاسق سب کا مقابلہ خاص خاص طریق سے کرنا مومنوں کا فرض بتایا ہے۔ اور اس فرض کی تعمیل میں وہ جان بھی دیدیں۔ تو اس کو بڑا ثواب اور خوش قسمتی بتایا ہے۔ یہاں تک کہ رکوع ۷، آیت ۱۴ میں کہا ہے کہ

"جو لوگ راہِ حق میں قتل ہو جاویں۔ انہیں مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں (۱)

اسی طرح ہجرت کر کے اپنے وطن اپنے عزیز و اقارب سے جُدا ہونے کی تکلیفات میں اپنے آپ کو پھنسانا اور مصیبتوں میں مبتلا کرنا بھی اپنی آپ ہنسا کرنا ہے۔ مگر رکوع ۲۰ آیت ۶ میں اس عمل کو بھی کار ثواب بتایا ہے۔ اور جنت کے ملنے کا موجب۔ بس دھرم رکھشا کے لئے اپنے آپ کو یا دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہنسا ہے ہنسا نہیں۔

سورۃ النّساء

رکوع ۷۔ آیت ۵۔ اے اہل کتاب۔ اس پر ایمان لاؤ جو ہم سے نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کی صداقت بیان کرنے

۱۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝

کو جو تمہارے پاس ہے۔ قبل اس کے کہ چہرے بگڑ کر الٹی جانب لگیں یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں۔ جو ہنسا وادیوں پر کی تھی (۱)

سبت لفظ کو اس آیت میں ہفتہ والے دن کے معنے میں لیکر غلطی کی گئی ہے۔ لیکن اس سے اصول میں فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ تاویل یہ کی گئی ہے۔ کہ ہفتہ کے پاک دن میں مچھلیاں کھانے والوں کو خدا نے ذلیل بندر بنا دیا تھا۔ اور ہم سبت کو ہنسا کے معنے میں لیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے معنے ہیں قطع کرنا یا کاٹنا۔ ہنسا کی وجہ سے ذلیل بندر بنے۔ اور مچھلیاں کھانے سے ذلیل بندر بنے۔ دونوں میں اصول ایک ہی کام کرتا ہے۔ مچھلی کا گوشت کھانا بھی ہنسا کرنا ہی ہے۔

رکوع ۱۸ آیت ۴ میں شیطان کے تعلق سے برے نتائج ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ جانوروں کے کان کاٹنا اور اللہ کی پیدائش والی صورتوں کو بگاڑنا محض شیطان کو اپنا ولی سمجھنا ہے۔ (۲)

جیسا کہ گورو نانک کہتے ہیں۔ ثابت صورت رہدی کھنے بے ایمان پس جب کان تراشنا اور صورت کو بگاڑنا شیطانی حرکت اور خلاف ایمان ہے۔ تو جان سے مارنے اور اس کا گوشت خود کھانے کے گناہ کبیرہ ہونے میں کیا شک ہے۔

رکوع ۲۲ آیت ۲ میں کہا ہے۔ ہمنے انکے سچے برت یا ازلی عہد سے انہیں پہاڑ کی طرح سربلند کیا اور حکم دیا کہ اس آشرم میں عاجزی (نمرتا) سے داخل ہونا اور حکم دیا کہ ہنسا کے متعلق قانون کو نہ توڑنا یہ ان سے پختہ عہد لیا (۳)

اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہنسا کے متعلق انسان قدرتاً اور فطرتاً بطور ازلی عہد کے خدا کے حضور میں ذمہ دار ہے۔ اور اس کا اشرف المخلوق ہونا اسی عہد کی وجہ سے ہے۔

اگلی آیت (نمبر ۳) میں کہا ہے۔ چونکہ انہوں نے اس عہد کو توڑا۔ خدا کی آیتوں سے انکار کیا۔ اور بغیر حق کے نبیوں کو قتل کیا۔ اور کہا۔ کہ ہمارے قلب محفوظ ہیں۔ لہذا ان کے اس کفر کی وجہ سے ہم نے ان پر مہر کر دی۔ جس سے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ (۴)

ان الفاظ سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اہنسا کے عہد کو توڑنے کے نہایت خراب نتائج ہوتے ہیں۔ خدا کی آیتوں یا احکام سے نافرمانی ہوتی ہے۔ اور خدا کی خبر جن سے ملتی ہے۔ ان کو ناحق قتل کیا جاتا ہے۔ انبیا جمع ہے نبی کی اور یہ مشتق ہے۔ نبو۔ بنا جس کے معنے ہیں خبر دینا۔ چونکہ عالم خدا رسیدہ لوگ بھی وعظ حق سے خدا کی اعلےٰ اور عظیم ترین اوصاف کی خبر دیتے ہیں۔ اور حیوان چرند پرند چار پائے بھی سب اپنی صورت حال سے خدا کی تسبیح کرتے اور

---

(۱) یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (۲) فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ۝

(۳) فَبِمَا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝ (۴) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ .... اِلَّا قَلِیْلًا ۝

زبان حال سے اس کی صنعت کی شہادت دیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں انبیا کے قتل سے وسیع مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ اہنسا کے مضمون میں تمام جانداروں کا تعلق ہونا لازمی ہے۔ اور انسان کا یہ عہد نہیں ہو سکتا۔ نہ قرآن میں کہیں کہا ہے۔ کہ وہ انسان نبیوں یا عام انسانوں کو ہی نہ مارے۔ بلکہ دل زبان اور فعل سے ہر ذیجان کی ایذا رسانی سے پرہیز کرنا اس کا عہد ہے۔ اور خدا کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ اس کی تمام مخلوقات سے وہی سلوک انسان کرے۔ جس کے لئے وہ مقصود ہیں۔ پس پشوؤں پر ظلم کرنیکا انسان کو کوئی حق نہیں۔ اور اگر ایسا ظلم انسان کرے۔ تو اس کی عقل کا مارا جانا اور اس کا سچائی پہ ایمان نہ لانا لازمی ہے۔ اس پر گویا خدا کی مہر لگ جاتی ہے۔

سورۃ المایدہ

رکوع ۱۔ آیت ۱۔ اے ایمان لانے والو! اپنے عہدوں (برتوں) کو پورا کرو۔ تمہارے لئے اہنسک حیوان حلال ہے۔ ہاں جو تم پر آگے واضح کیا جاتا ہے۔ حرام ہے۔ یہ قید اس استثنٰی کے کہ حالت احرام میں شکار حلال نہیں تحقیق اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (۱)

اس آیت میں حسب ذیل رموز قابل غور ہیں۔

اول۔ حلال لفظ کے معنے ذبح کرنا نہیں۔ اگر یہ معنے ہوں۔ تو جہاں یہ ذکر ہے۔ کہ مومنوں کی برہمچارنی لڑکیاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس کا مطلب نکاح سے نہ رہیگا۔ بلکہ لڑکیوں کو مار کر کھانا ہوگا۔ پس حلال کا مفہوم تعاون ہے یعنی خاص حیوان ایسے ہیں جن سے انسان کا تعاون ہو سکتا ہے۔ درندہ سے نہیں ہو سکتا۔

دوم۔ انعام لفظ یہاں نعم کی جمع نہیں بلکہ نعومت بمعنے نرمی سے ماخوذ ہے۔ بہیم واحد ہے۔ اس کے ساتھ انعام جمع والا آ نہیں سکتا۔ پس نرم مزاج یا اہنسک حیوان کا ذکر ہے۔ جیسے خود انسان گائے گھوڑا وغیرہ۔

سوم۔ عقدوں یا عہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ انسانوں کے مختلف برت یعنی بھگتی برت (عہد عبادت) ستیہ برت (عہد حق) اہنسا برت (عہد ترک ایذا) پتی برت (استری کا اپنے پتی کے متعلق عہد) پتنی برت (خاوند کا اپنی بیوی کے متعلق عہد) برہمچریہ برت وغیرہ سب پورے ہوں اور انہی سب برتوں کے متعلق اشارات اس سورت میں ہیں اور اہنسا برت کا ذکر بالخصوص ہے۔

چہارم۔ اہنسک پرانی کو حلال کہتے ہوئے بتایا ہے۔ کہ نیک انسان دوسرے انسانوں سے اور گائے وغیرہ اہنسک حیوانوں سے تعاون کریں۔ مگر یہ تعاون ہر حالت میں جایز نہیں۔ چنانچہ جیوانوں کو مارنا اور کھانا اگلی آیتوں میں حرام بتایا ہے۔ اس لئے اس آیت میں کہدیا ہے۔ کہ جو کچھ آگے بتایا جاتا ہے۔ وہ حلال نہیں۔

پنجم۔ مگر اگلے بیان کے متعلق بھی ایک چیز کو حرام کیا گیا ہے۔ وہ کیا ہے۔ حالت احرام میں شکار۔ کہا یہ ہے کہ احرام سے باہر ہونے پر شکار کھیل سکتے ہو۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ حالت احرام میں شکار منع ہے۔ اس لئے اس آیت میں یہ آیا کہ غیر محلی الصید وانتم حرم"

۱۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط اُحِلَّتْ لَکُمْ .... اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ٥

ششم۔ گوشت خور لوگ اعتراض کر سکتے اور کج بحثی سے کام لے سکتے ہیں۔ اس لئے اسی آیت میں اس کو روکنے کے لئے صاف کہا ہے۔ کہ خدا جو چاہتا یا ٹھیک سمجھتا ہے۔ وہی حکم دیتا ہے۔ اس لئے اس میں کسی کو مین میخ کرنیکی گنجائش نہیں۔ ہفتم۔ وید میں انسان اور گائے وغیرہ حیوان کو اگھنیا یعنی اہنسک اور نہ مارنے کے قابل اور درندوں کا (جو انسانوں اور حیوانوں کو مارتے کھاتے یا کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔) شکار کرنا و مارنا حلال بتایا ہے۔ وہی کچھ ہو بہو اس آیت کا مضمون ہے۔

ہشتم۔ حالت احرام میں جب عبادت الٰہی وغیرہ کا تعلق ہے۔ شکار کو بھی ممنوع قرار دینا واضح کرتا ہے۔ کہ قرآن اہنسا پر کتنا زور دیتا ہے۔ حتےٰ کہ جائز ہنسا سے بھی عبادت وغیرہ کے وقت انسان کا تعلق مضر سمجھتا ہے۔ رکوع ۱۔ آیت ۲ اے اہل ایمان! خدا تعالےٰ کی نشانیوں۔ حرمت والے مہینے۔ نذر یا بھینٹ کے طور پر آئے ہوئے جیوانوں گھریلو حیوانوں (جنہیں پہچان کے لئے یا محبت سے گانی یا پٹہ پہنایا ہوتا ہے) خدا کے فضل اور اس کی رضا کے طالب خانہ کعبہ کے عازم انسانوں کی بے توقیری نہ کرو۔ اور جب احرام سے باہر آجاؤ۔ تب شکار کرو۔ اور ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ کے ماتحت تم کوئی زیادتی کرو۔ اور نیکی اور پرہیز گاری میں تعاون کرو۔ گناہ اور ہنسا میں تعاون نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (۱)

اس آیت میں ایک تو یہ بیان ہوا۔ کہ پہلی آیت میں جس بات کو مستثنےٰ کیا گیا تھا۔ وہ ایک تو یہ ہے۔ کہ کسی انسان یا حیوان کی بے توقیری نہ ہو۔ شعائر اللہ کے لفظ میں ہر حیوان شامل ہے۔ جسے دیکھ کر خدا کی صنعت اور حکمت کا ثبوت ملتا ہے۔ حج کا مہینہ جن خالص مذہبی اغراض سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ میں اسے لگانا اس کی بے توقیری ہے۔ ھدی سے مراد ہے ہر شے جو نذر یا بھینٹ میں آوے۔ خواہ حیوان ہو یا اناج سب کا نیک استعمال کرنا ضروری ہے۔ خانہ کعبہ کی حدود میں جانوروں کو مارنے کی قطعی ممانعت تھی۔ اس لئے اسے دار الامان کہا جاتا تھا۔ اور حضرت ابراہیم کی اس انسٹی ٹیوشن میں ہر قسم کی نذر یا امداد آتی تھی۔ جس سے دنیا کو فیض پہنچانے کے لئے عالم لوگ تیار ہوتے تھے۔ مگر افسوس آج ھدی کے معنے قربانی کے جانور کئے جاتے ہیں۔ مگر جب ذبح کرنا ہی اس علاقے میں ممنوع ہو۔ تو قربانی کا تعلق ہی کیا رہا۔ اسی طرح انسان جو حیوانوں سے پیار رکھنے کی وجہ سے ان کو سجاتے یا انہیں گانی وغیرہ پہناتے یا ان کے گلے میں پٹہ وغیرہ باندھتے ہیں۔ وہ اگر وشواس گھات کر کے ان حیوانوں کو ماریں۔ تو یہ انسانیت سے بعید ہے۔ اس لئے ان کی بے توقیری بھی ممنوع ہے۔ اور جو آدمی دور دور علاقوں سے خانہ کعبہ میں آتے ہیں۔ کہ سچی ہدایت اور نیک صحبت سے ایسے سدھر اور ترقی کر جاویں۔ کہ ان کو خدا کا فضل اور اس کی رضا ملے تو وہ لوگ بھی بڑی عزت اور نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کی بے توقیری ہونا یا انہیں ایذا یا نقصان پہنچانا بعید از شرافت ہے۔ حتےٰ کہ

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ .... وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۵

موذی درندوں کا شکار بھی حالتِ احرام میں نہ ہونا چاہئے۔

اس طرح انسان اور حیوان دونوں کے متعلق اہنسا کا وسیع مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد الحرام سے مسلمانوں کو نکالنے والے اسلام کے دشمن لوگوں کے متعلق بھی خبردار کیا ہے۔ کہ دیکھنا کہیں عداوت کے جذبہ کے ماتحت ان پر زیادتی نہ کر بیٹھنا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہدایت ہر کہیں سنہری الفاظ میں لکھا جانے کے قابل ہے۔ کہ تعاون نیکی اور پرہیزگاری میں ہو۔ گناہ اور ہنسا کے کاموں میں نہ ہو۔ مطلب یہ کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے کام میں مسلمانوں کو باہمی تعاون کی بھی قطعی ممانعت ہے۔ اور حیوانوں کے ساتھ جو انسان کا تعاون ہو۔ اس میں بھی گناہ اور ہنسا یعنی ان کو مارنے یا ان کی حفاظت و پرورش وغیرہ کے متعلق بے پرواہی کرنے کی بھی پوری ممانعت ہے۔ جو لوگ اہنسا پر عمل نہیں کرتے۔ ان کو خدا کا خوف آخیر میں دلایا گیا ہے۔ کہ وہ یاد رکھیں خدا سخت سزا دینے والا ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تعاون انسانوں کا تو ہو سکتا ہے۔ حیوانوں کے ساتھ تعاون کا کیا تعلق۔ لیکن واضح رہے۔ کہ وید میں پشوؤں کو پالنے اور ان کی پوری خدمت کرنے کی انسان کو ہدایت ہے اور اس خدمت کے بدلے میں ہی وہ حیوانوں سے سواری۔ باربرداری۔ کھیتی اور دودھ وغیرہ کی خدمت لیتا ہے۔ پارسیوں کی مقدس کتاب زند اوستا میں بھی انسان اور حیوان کے باہمی تعاون کے اصول کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ انسانوں اور حیوانوں کا باہمی مقدمہ گل شاہ بادشاہ کے دربار میں پیش ہوا۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ انسان اپنے آپ کو حیوانات سے افضل کیوں سمجھتا ہے۔ اس پر دونوں طرفوں کے وکیلوں کی کئی پہلوؤں سے باہمی بحث ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کا وکیل کہتا ہے۔ کہ انسان گھوڑے پر زین کسے اس کے منہ میں لگام چڑھائے جہاں چاہے اسے سوار ہو کر لے جا سکتا ہے۔ اس پر حیوان کا وکیل جواب دیتا ہے۔ کہ بیشک انسان گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ گھوڑے کے لئے گھاس کھود کر لانے والا گھسیارا بھی تو انسان ہی ہے۔ پس اس میں انسان کی کوئی بڑائی نہیں۔ انسان گھوڑے کی کئی طرح کی خدمت کرتا ہے۔ اور گھوڑا اس کی سواری کی خدمت بجا لاتا ہے۔ یہ باہمی سودا یا تعاون ہے۔ اسی طرح کی بحث کے بعد آخر طے ہوتا ہے۔ کہ انسان اور حیوانوں میں محض ایک درجہ یا جماعت کا فرق ہے۔ انسانی قالب والا جیو اس قالب سے مکتی میں جا سکتا ہے۔ مگر حیوان مکتی نہیں پا سکتا جب تک انسان کی قالب میں پہلے نہ آوے۔ حیوان انسان کی اس فضیلت کو مانتا مگر پھر سوال کرتا ہے۔ کہ کیا سب انسان مکتی پاتے ہیں۔ جواب ملتا ہے نہیں کئی انسانی روح پھر انسانی قالب پاتے ہیں۔ اور کئی حیوانی قالب میں جاتے ہیں۔ اس پر حیوان کا وکیل کہتا ہے۔ اچھا تو جو انسان آگے حیوانی قالب میں جاویں گے۔ ان سے ہماری فضیلت کیوں نہیں مانتے۔ کیونکہ ہم پہلے ہی حیوان ہیں اور وہ آئندہ بنیں گے۔ اس پر یقینی سچا اصول یہ طے ہوتا ہے۔ کہ مکتی پانے والے لوگ حیوانوں سے افضل اور پشو یونی پانے والے حیوانوں سے ادنےٰ ہیں۔ ایک ہی قسم کا روح دونوں قسم کے قالبوں میں جاتا ہے۔ لہذا مساوات مسلمہ ہے۔ اور باہمی تعاون سے ہی دونوں کا گذر ہوتا ہے۔ سو کہتے ہیں۔ انسان اور حیوان میں صلح ہوئی اور پرانی ماتھ کے پریم کی شرط پر اہنسا کا راجیہ ہوا۔ لیکن افسوس بعد میں انسان اور درندے اس عہد پر قائم نہ رہے۔ ہاں

گائے گھوڑا وغیرہ اب تک اس عہد پر قائم ہیں۔ پس یہ باہمی تعاون مسلمہ اصول ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں تعاون کا لفظ ہے۔ جو گوشت خوروں کے ظلم اور زیادتی کو گناہ کبیرہ کی ذیل میں لاتا ہے۔ تیسری آیت میں کہا ہے۔

"حرام کیا گیا تم پر مردار۔ خون۔ سوٗر کا گوشت۔ غیر اللہ پر نامزد شدہ۔ گلا گھٹ کر۔ چوٹ سے۔ گر کر یا ٹکر سے مرا ہوا جانور۔ نیز درندے کا کھایا بہ استثنائے اس کے جسے تم بچا لو۔ بتوں یا پرستش گاہوں پر ذبح شدہ اور تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یہ سب فسق یا گناہ ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔ مگر تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھ سے ہی ڈرو۔ آج تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت یعنی دھرم مریادا تم پر تمام کی اور تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب کیا۔ مگر جو شخص آپتی یا مخمصہ میں بیتاب ہو بغیر میلان گناہ کے۔ تو اللہ غفور اور رحیم ہے" (۱)

اس آیت میں اول تو سورۃ البقر میں بیان ہوا۔ عام اصول بتایا گیا ہے۔ کہ مردار اور خون حرام ہے۔ دوسرے لوگ جو عذر کر سکتے ہیں۔ ان سب کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ کوئی کہے کہ سور سے اور تعاون نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے مار کر کھا لیں تو کیا ہرج ہے۔ جو بتوں کے لئے نامزد کئے گئے بجرے وغیرہ نام والے اونٹ ہوں۔ ان سے بھی اور کام تو کوئی لینا ہی نہیں۔ لہذا مار کر کھا لینا ہی بہتر ہے۔ ایسا ہی ہمارے مارے بغیر کوئی گلا گھٹ کر۔ چوٹ کھا کر۔ گر کر یا ٹکر وغیرہ سے مرے۔ اسے کھا لینے میں گناہ کیا ہے۔ دیوی دیوتا پر جو بلی چڑھتی ہے۔ جب اور لوگ اسے مارنے کے ذمے وار ہیں۔ اور انہوں نے اسے کھایا ہے تو ہم بھی کیوں نہ اسے کھا لیں۔ ان سب کا جواب یہ ہے۔ کہ نہیں کسی طرح بھی مرے مردار حرام ہے۔ واقعی اگر کسی بھی ممکن طریق سے گوشت خوری کا جواز ہوتا۔ تو اوپر کی قسموں کی موت پر حیوانی گوشت کو حلال کرنے میں کوئی بھی رکاوٹ نہ تھی۔ یہ بھی سوال ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مرگ درندے کا شکار یا اس کی خوراک ہے۔ و درندہ اسے مار کر کھائے۔ اس سے کیا ہمارا کھا لینا اچھا نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ درندہ کا کیا ہوا شکار بھی تم کھا نہیں سکتے۔ وہ جانور تم پر حرام ہے۔ ہاں اگر تم اسے بچا لو۔ تو وہ تمہارے لئے حرام نہیں۔ لیکن اس کے حلال ہونے کا مطلب بھی یہ نہ ہوگا۔ کہ انسان کے کھانے میں وہ آوے۔ بلکہ پھر حلال کا مطلب وہی تعاون ہوگا۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ کیونکہ حیوان کو کھانے کے کام میں لانے کی اجازت کہیں بھی نہیں آئی۔ سوائے مجبوری صورت کے اور وہ بھی خاص شرطوں کے ماتحت۔ آیت کے لفظ ہیں۔ "مَا اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ" اس کا ترجمہ یہ کیا جا رہا ہے۔ کہ جسے درندہ کھانے لگے۔ مگر تم اسے ذبح کر لو۔ یہ مفہوم سوائے انسان کی بھاری گراوٹ کے کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔ بھلا اس سے زیادہ انسان کی گراوٹ کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ درندوں سے چھینا جھپٹی کرنے لگے۔ اور ان کی خوراک کو اپنی خوراک

(۱) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ .... فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

بتا دے یہ عمل بس انسان کو درندے کا بھی بڑا بھائی بنانے والا ہے جس کا تعلق محض گوشت خور مترجموں اور مفسروں کے دلوں سے ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے نہیں۔ آیت میں جو ذَکَّیْتُمْ کا لفظ ہے۔ اسے ذبح کرنے کے معنے میں لینا بالکل غلط ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۹۲ اپر اس کے متعلق یہ حوالہ دیا ہے ذَکَّیْتُمْ۔ ذکا سے ہے۔ جو اصل میں آگ کے جلنے پر بولا جاتا ہے۔ اور ذکیت الشاۃ کے معنے ہیں میں نے بکری کو ذبح کیا۔ گویا حرارت غریزی کا اخراج تذکیہ یعنی خون کے نکل جانے کا۔ اس لئے شریعت میں اسے جانور کو ذبح کر کے مارنے پر بولا گیا ہے۔ (غ) لیکن اس اقتباس کی اجتماع ضدین کی وجہ سے کچھ اہمیت نہیں ہو سکتی۔ معنے تو بتائے گئے ہیں۔ آگ کے جلنے کے۔ مگر مطلب پیش کیا گیا ہے۔ آگ کے بجھنے کا اور یہ غلطی محض گوشت خوری کی عادت کی طرفداری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ محض آگ کا جلنا بھی اس کے معنے نہیں۔ صراح میں لکھا ہے۔ برافروختن و تیز کردن آتش یعنی آگ کا جلانا اور تیز کرنا۔ پس حرارت غریزی کا اخراج نہیں۔ بلکہ اس کا جلانا اور تیز کرنا ہی شرط تذکیہ ہے۔ اور شرط پوری اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ اگر گائے یا اور جانور شیر۔ چیتے یا بھیڑیے کا شکار ہو رہا ہو۔ تو بہادر کھشتری عین وقت پر شیر کو مار کر گائے کو بچائے۔ اور جہاں ناخن وغیرہ لگے ہوں۔ ان زخموں کا علاج کرے۔ اور گائے کی کم ہوتی ہوئی حرارت غریزی کو اچھی سے اچھی دوا و غذا سے بڑھائے۔ ایسا کرنے پر وہ گائے سے جسے اس نے بچایا ہے۔ اپنے مفاد لینے کا پورا پورا حقدار ہے صراح مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۵۳۴ پر لکھا ہے۔

ذکو۔ ذکا۔ بالمد۔ تیزی خاطر۔ یقال منہ ذکی الرجل فہو ذکیٌّ۔ و عمر و زندگانی یقال بلغت الدابۃ الذکاء گویا صاف مفہوم جانور کی عمر اور زندگی بڑھانے کا ہے۔ جو انسان کو جانور کا محافظ و مالک بناتا ہے۔

"ان تستقسموا بالازلام" یعنی یہ بات بھی حرام ہے۔ کہ تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرو۔ اس کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ مشترکہ گوشت کو قرعہ اندازی سے بانٹنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بعض نے یہ تاویل گھڑ لی ہے۔ کہ عرب میں یہ رواج تھا۔ کہ تیر مار مار کر گوشت کو تقسیم کرتے تھے۔ لیکن جب گوشت کو کھانے کی اجازت ہی کہیں نہیں۔ تو اسے بانٹنے کے معنے کیا۔ اور جب مضمون حرام اور حلال کا چل رہا ہے۔ تو گوشت کی تقسیم کا یہاں تعلق کیا۔ پس مطلب یہ ہے۔ کہ احرام سے باہر آنے پر شکار کرنے کی اجازت تو دی۔ مگر غرض محض درندہ حیوانوں سے دوسروں کی حفاظت کرنا ہے۔ اس لئے شکار کر کے مار دینا کافی ہے۔ جب مردہ ہو گئے۔ تو پھر تیر مار مار کر ان کے ٹکڑے اڑانا بالکل بیہودگی ہے۔ اگر شکار گوشت خوری کے لئے مقصود ہوتا۔ تو یہ مناہی کبھی نہ ہوتی۔ کیونکہ گوشت کھانے کے لئے مردہ جانور کا ٹکڑے ٹکڑے کرنا لازمی ہے۔

غرضیکہ ہر پہلو سے گوشت کی مناہی قرآن مجید میں موجود ہے۔ سوامی دیانند نے لکھا۔ کہ شکار اس لئے نہیں کہ گوشت کھایا جاوے۔ اور سوال ہونے پر بھی کہا۔ کہ اگر کوئی شکار کئے جانور کا گوشت کھالے۔ تو اس کا بھی سوبھاؤ درندوں کا سا ہو جائیگا۔ سو یہی مدعا قرآن مجید کا ہے۔ کہ درندوں کا شکار تو ہو۔ مگر اس کے آگے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا داخل فسق ہے۔ مطلب یہ کہ گوشت خوری کا موقعہ ہی نہیں آسکتا یہ قانون پیش کر کے آنحضرت آگے فرماتے ہیں۔ کہ آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہوئے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ ہر طرف گوشت خوری کی دلدادگی

پاکر وہ سمجھتے ہیں۔ یہ مناعی لوگوں سے بڑی سخت گیری سمجھی جائے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ لوگ اسلام میں آنے سے ہچکچائیں گے۔ کیونکہ گوشت کی عادت کا چھوٹنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اصول اور سچائی کا پاس انہیں مجبور کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کچھ پرواہ نہیں۔ ان لوگوں سے کیا ڈر خدا فرماتا ہے مجھ سے ہی ڈرو۔ یہ لفظ پیش کرکے آپ مزید فرماتے ہیں "آج تمہارا دین تم پر کامل کیا جاتا ہے"۔ واقعی وید شاستر میں اہنسا کو سب سے اعلےٰ اور مقدم فرض بنایا ہے۔ بغیر اس کے دین کے کچھ معنے نہیں یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت انتہائی جوش وخوشی سے یہ مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ آج سچے دین کی اعلےٰ ترین نعمت کے کمال کا تم پر نزول ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی اہنسا کی بدولت دین حق مقبول درگاہ الہی اور منتخب روزگار کہلا سکتا ہے۔

آیت کے اخیر میں جو یہ کہا۔ کہ مجبوری صورت میں زندگی بچانے کے لئے گوشت کا استعمال قابل درگذر ہے اس کا صاف مدعا یہ ہے۔ کہ مستقل اور مضبوط قانون تو یہی ہے۔ کہ کوئی انسان گوشت کا استعمال نہ کرے۔ استثنےٰ ہر قاعدے میں ہوسکتی ہے۔ اور اس کا ذکر عام قاعدے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سو یہی کچھ یہاں ہوا ہے۔ اگر اوپر کی آیت کے کسی لفظ سے کوئی مفسر گوشت کھانے کا مطلب لیتا ہے۔ تو وہ محض غلط ہی ہوسکتا ہے۔ مجبوری صورت کی اجازت اوپر بیان شدہ سارے عام حالات میں ممانعت کو ہی ثابت کرتی ہے۔ بالخصوص یہ شرط کہ مجبوری صورت میں بھی ہنسا کا تعلق دل سے نہ ہو۔ تو حسب قول نیت پر مراد۔ مصیبت میں مبتلا آدمی بھی اس کے استعمال سے گناہگار نہیں ہوگا یہ ویدک اہنسا کے مفہوم کی صحیح ترجمانی کا بین ثبوت ہے۔

ایفائے عہد ترک ایذا کا خیال دلانے۔ ہر چیز کے متعلق مناسب برتاؤ کا اصول بیان کرنے اور حرام کی واضح تشریح پیش کرنے کے بعد سوال ہوتا ہے کہ حلال کیا کچھ ہے۔ اس کا جواب آیت نمبر ۴ میں ہے۔

(اے پیغمبر) لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا کیا ان کے لئے حلال ہے۔ تم کہو۔ کہ سب پاک چیزیں تم پر حلال ہیں یعنی وہ چیزیں جو اپنی جسمانی قوتوں کی خدا سے ملے ہوئے علم کی رہنمائی میں تربیت وترقی ہونے پر تمہارے علم میں پاک معلوم ہوں۔ پس وہ چیزیں کھاؤ۔ جن سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ اور ان پر خدا کی یاد کرو۔ اور اللہ کا خوف رکھو۔ کیونکہ خدا سریع الحساب یعنی حساب کرنے میں تیز ہے۔ (۱)

یہ یجروید ادھیائے ۴ کے پہلے منتر کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اس میں صاف کہا ہے۔ کہ دنیا میں اصل کمائی کرنے کے لئے اول ذریعہ تمہاری اندرونی بیرونی سب طاقتیں ہیں۔ یعنی انتش کرن (اوزار اندرونی) پانچ گیان اندریاں۔ پانچ کرم اندریاں دوسرا ذریعہ ہے۔ ایشور جس کے دیئے ہوئے علم سے تمہیں تمام عملوں کے لئے صحیح رہنمائی ملتی ہے تیسرا ذریعہ ہے۔ سریشٹ تم یعنی انتہائی نیک کاموں میں ان علمی اور جسمانی طاقتوں کو لگانا اور حلال کی کمائی حاصل کرنا۔ ہوبہو یہی کچھ آیت زیر بحث میں کہا جا رہا ہے۔ لیکن متعصّب مفسرین نے مفہوم کو بالکل بدل

۱۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝

اور مبصر بنا دیا ہے۔ عموماً اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔

اے پیغمبر! لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا کیا چیزیں ان کے لئے حلال ہیں؟ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لئے سدھا رکھے ہوں۔ اور (شکار کا طریق) جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے تم نے نکال لیا ہے۔ انہیں سکھا دو۔ تو جو کچھ وہ (شکار پکڑ لیں اور) تمہارے لئے بچائے رکھیں۔ تم اسے (بے کھٹکے) کھا سکتے ہو۔ مگر چاہیئے کہ (شکاری جانور چھوڑتے ہوئے) خدا کا نام لے لیا کرو۔ (جس طرح ذبح کرتے ہوئے لیا کرتے ہو) اور (ہر حال میں) اللہ کی نافرمانی (کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ (یاد رکھو) اللہ اعمال کا حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ (ترجمان القرآن جناب ابو الکلام احمد صاحب)

دیگر ترجموں میں لفظی فرق اس سے بہت ہے۔ مگر اصولاً مطلب سب کا وہی ہے۔ جو اوپر کے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کسی بھی اس وقت تک کی تفسیر کو پڑھو۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام اور گوشت خوری کا اٹوٹ تعلق ہے۔ ان کو الگ کرنے کا خیال بھی بالکل غیر مانوس یا اجنبی سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس پہلو میں اسلام کو نہایت ذلیل کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ خط وحدانی میں اس کثرت سے الفاظ ایزاد کر کے کسی خاص مفہوم کو پیش کرنا بذات خود ترجمہ کو مشتبہ بنانے کا موجب ہے۔

دوم شکاری جانور کا لفظ جوارح مکلبین کے لئے رکھنا بھی محض یہی ثابت کرتا ہے۔ کہ مترجمین اصلیت کو سمجھ نہیں سکے۔

جوارح جمع ہے جارحۃ کی اور اس کے معنے ہیں۔ "اندامہائے مردم کہ بدان کار کنند (صراح جلد اول صفحہ ۱۲۹) یعنی انسانی جسموں کے عضو جن سے انسان کام کرتا ہے۔ بعض لغتوں میں شکاری جانور اور انسانوں کے کام کرنے کے عضو ہاتھ پاؤں وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو انسان کے کام کا ذریعہ جہاں آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ حواس خمسہ یا گیان اندریاں ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کی پانچ کرم اندریاں۔ وہاں دل عقل وغیرہ کی اندرونی طاقتیں سب بیرونی اعضا سے بڑھ کر کام کر رہی ہیں۔ اور آلۂ تنفس یعنی پران کا کام بھی جاری ہی رہتا ہے۔ پس جوارح سے اصل اور صحیح مفہوم کل اندرونی اور بیرونی اوزاروں کا لینا چاہیئے۔ اور اگر مزید غور سے کام لیں۔ تو یہ لفظ یجر وید کے پہلے منتر میں وارد شدہ وایوہ لفظ کا ہی قائمقام ہے۔ وایو کا گن ہے سپرش یعنی چھونا۔ چونکہ　वायव:

انسانی انتش کرن کی من بدھی وغیرہ طاقتوں تیز پران اور گیان وکرم اندریوں کی ساری طاقتوں کا دنیا کے کل پدارتھوں سے تعلق یا سپرش ہوتا ہے عقل باریک مضامین کو چھوتی ہے۔ دل میں تمام اعضا کے متعلقہ کاموں کی کلید ہے۔ آنکھ روپ کو دیکھتی ہے۔ آواز کان سے سنی جاتی ہے۔ وغیرہ اس لئے مہرشی دیانند نے اپنے بھاشیہ میں وایوہ لفظ سے پران۔ انتش کرن اور اندریاں یعنی کل اندرونی بیرونی طاقتیں مراد لی ہیں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ چھونا محض چمڑے یا توچا کا گن ہے۔ لہذا تمام اعضا پر اس وایوہ لفظ کا اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا۔ لیکن ویدک الفاظ کی صفت کثیر المعانی کی وجہ سے ہر صفت کا وسیع تعلق ہوتا ہے۔

اور کل زبانوں میں چھونے کی صفت کو وسیع معنوں میں اب تک لیا جاتا ہے۔ اگر کسی پروفیسر کو جیوتش ودیا پر خاص مضمون لکھنے کو کہا جاوے۔ اور وہ جیوتش جانتا نہ ہو۔ تو وہ یہی کہیگا۔ Sorry I am not in touch with the subject. افسوس مجھے اس مضمون کا علم نہیں۔ یا مجھے اس سے مس نہیں۔ پس عقل کے کام کو باریک مضامین سے ٹچ کرنا انگریزی میں اور مس ہونا اردو فارسی وغیرہ میں مانا گیا ہے۔ اور اس نکتہ کو سمجھنے پر دایوہ شبد اور جوارح کے صحیح مفہوم کی مطابقت کا علمی طور پر تیقن ہونا لازمی ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ جوارح کے معنے شکاری جانور کرنا محض ناقص ترجموں کے مروج ہونے پر منحصر ہے۔

مکلبین کلب سے مشتق ہے جو دراصل حرص کا مفہوم رکھتا ہے۔ کتّے کو بھی حرص میں ضرب المثل ماننے کی وجہ سے ہی کلب کہا جاتا ہے۔ نفسانی یا شہوانی جذبات کے دلدادہ آدمی کو کتّا کہا جاتا ہے۔ اور ایسی عورت کو کتیا۔ لیکن مکلب کے معنے لغت میں ہیں صید آموزندہ سگ یعنی کتّے کو شکار سکھانیوالا۔ پس جوارح مکلبین کے معنے کئے کو شکار سکھانے والے شکاری جانور یا اعضائے جسمانی ہیں شکاری جانور یا شکاری کتّا کا لفظ ترجمہ میں نہیں آسکتا۔ لیکن بہ فرض محال اسے صحیح مان لیں تو شکاری جانوروں یا کتّوں کو سدھانے کا علم یا طریق کیا ہے۔ یہ بھی قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں اس لئے ترجمان القرآن میں اس کے متعلق محض یہ کہہ دیا ہے۔ کہ "جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے"۔ لیکن اس پر اعتراض ہوتا تھا۔ کہ کیا کچھ خدا نے اور کس کو سکھا دیا ہے اس کا جواب مع ثبوت دیا جانا محال تھا۔ اس لئے خط وحدانی میں اس کو ان الفاظ سے واضح کیا گیا۔ کہ "خدا کی دی ہوئی عقل وذہانت سے جو طریق تم نے نکال لیا ہے"۔ گویا شکار کا طریق خدا کا بتایا نہیں۔ انسان نے خود نکالا ہے۔ مگر مترجم صاحب اس ایجاد کو خدا کی دی ہوئی عقل وذہانت کا نتیجہ ہونے سے خاص وزن دیتے ہیں لیکن عقل اور ذہانت ہر شخص کی خدا کا ہی عطیہ ہے۔ اگر اس سے انسان خود شکار کا علم اور طریق ایجاد کر سکتا ہے تو الہام الہی کی ضرورت کیا ہے سارے علوم انسان خود عقل سے نکال لیگا۔ اگر عقل اور ذہانت میں اس علم کو بھی شامل سمجھیں تو پھر شکار کے ایجاد شدہ علم وطریق کی طرح چوری۔ ڈاکہ۔ زنا وغیرہ کے سب طریقوں کو بھی اہمیت دینی پڑیگی۔ کیونکہ یہ بھی اسی عقل وذہانت کی ہی پیداوار ہے۔ جب تک انسانی عقل وذہانت کے نتائج کلام الہی کی کسوٹی پر پورے نہ اتریں۔ تب تک انہیں جائز ناجائز کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

پس شکار کا مروجہ طریق جب تک قرآن میں مذکور یا اس کے مطابق ثابت نہ ہو۔ تب تک مترجمین کا کوئی حق نہیں۔ کہ اپنی طرف سے خط وحدانی میں لفظ ایزاد کر کے اپنے رواج کی تائید کی طرف الفاظ آیات کو کھینچیں اس قسم کے اشارات کی روشنی سے اصل حقیقت یہ عیاں ہوتی ہے۔ کہ جوارح محض دایوہ شبد کی جگہ انسان کی کل کام کرنے کی طاقتوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ کل طاقتیں اپنے اپنے وشے کے پیچھے ماری ماری پھرتی ہیں۔ آنکھ روپ کی حریص ہے۔ کان ہر کہیں آواز کے پیچھے مست ہوتا ہے۔ زبان سے ذائقہ دار چیز کے سامنے آتے ہی پانی بہہ آتا ہے۔ اس لئے جوارح کے ساتھ مکلبین لفظ بہ طور اس کی صفت کے لانا عین موزوں تھا۔ اور اس کا صحیح ترجمہ محض یہی ہو سکتا ہے۔ کہ دنیوی سامانوں کے پیچھے ماری ماری پھرنے والی انسانی طاقتیں یعنی اندریاں وغیرہ

تیسری بات قابل اعتراض ترجمہ زیر بحث میں یہ ہے۔ کہ "خدا کا نام لے لیا کرو"۔ سے پہلے خط وحدانی میں لکھ دیا ہے۔ شکاری جانور چھوڑتے ہوئے اور بعد میں لکھ دیا ہے "جس طرح ذبح کرتے ہوئے لیا کرتے ہو"۔ قرآن میں کہیں ہدایت نہیں۔ کہ حیوان کو ذبح کرنے پر خدا کا نام لو یا خدا کا نام لینے سے ذبیحہ یا مردہ جو شرعاً حرام ہے۔ حلال ہو جاتا ہے۔ یا اس کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ ہاں یہ ہدایت ہے۔ کہ خدا نے جو تمہیں پاک رزق دیا ہے یا ایسے مفید جانور۔ ان کی وجہ سے بطور شکر گذاری اس کا نام لو۔ مگر گناہ یا ہنسا کے کام میں خدا کا نام لینا بھی داخل گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے برائی کے لئے جرأت پیدا ہوتی ہے۔

چوتھی غلطی مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ۔ کے ترجمہ کی ہے۔ جو کچھ وہ (کتے) پکڑ یا بچا رکھیں۔ کھالو۔ اول تو ذبح کرتے ہوئے خود انسان خدا کا نام لے تو بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی ذبیحہ ممنوع مردار ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ مان لینا کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لینے سے بھی شکار والا گوشت حلال ہو جاتا ہے۔ اور بھی سخت غلطی ہے۔ کتا نہ خدا کے نام کو سمجھتا ہے نہ کتے کے کئے شکار تک اس نام کا کوئی اثر پہنچتا ہے۔ ماسوائے اس کے امسکن لفظ کا پکڑ رکھنے سے تعلق نہیں۔ تمام لغتوں میں متفقہ طور پر اس کا مادہ سکن سکون ہے بمعنے تسکین و آرام۔ گوشت جذبات کو بھڑکانے والی غذا ہے۔ تسکین قلب و امن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور شکار کو پکڑنا وغیرہ کا مطلب ادا کرنا ہوتا تو حبس وغیرہ کا لفظ موزوں ہوتا۔

اس طرح جہاں یہ ترجمہ صریحاً غلط ہے۔ وہاں آخری الفاظ آیت میں خدا کا اور اس کے سریع الحساب ہونے کی صفت کا جو خوف دلایا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی ہدایت اخذ ہوتی ہے۔ کہ خوراک کے متعلق کسی برے عمل کا دخل نہ رہے۔ چہ جا کہ پرہیزگاری کے منافی عمل کسی جاندار کو مارنے کا کیا جاوے۔

پس صحیح ترجمہ جو ہر قسم کے اعتراض سے بری ہو محض یہ ہے۔

تجھ سے سوال ہو کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے۔ تو کہہ دو۔ کہ تمہارے لئے سب طیب یعنی پاک یا ساتوک چیزیں حلال ہیں۔ یعنی وہ جو دنیوی سامانوں سے تعلق رکھنے والی جسمانی قوتوں سے تمہارے علم میں آویں۔ بشرطیکہ انہیں خدا سے ملے ہوئے علم سے تم نے تربیت دی ہو۔ سو وہ کچھ کھاؤ۔ جس سے تمہیں تسکین یا آرام ملے۔ اور ان کی وجہ سے خدا کی یاد یعنی اس کا شکر کرو۔ اور اللہ کا خوف کرو۔ یقیناً وہ سریع الحساب یا نقد حساب والا ہے۔ علمی عقلی۔ اخلاقی اور دینی غرضیکہ ہر لحاظ سے یہ ترجمہ معقول اور لغات کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ اور یجروید کے پہلے ہی منتر میں جو اِش اور اورج کی پراپتی کے ذریعے بتائے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا ذریعہ جو بتایا ہے۔ اس کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ یعنی کل جسمانی طاقتوں کو پرمیشور کے گیان کے مطابق اعلےٰ ترین نیک عملوں میں لگانا۔ یا ان سے حق حلال کی کمائی کمانا۔ واقعی بغیر صحیح تربیت یا ایشوری گیان کی رہنمائی کے انسان کی طاقتیں ناپاک کمائی کی طرف ہی مائل ہوتی ہیں۔ پانچویں آیت میں خوراک کے متعلقہ شریعت کو ایک اور ہی گر سے واضح کیا ہے۔

آج تمہارے لئے ساتوک یا پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ یعنی جو [illegible] کتاب الہی والے یا ویدک دھرمی

ہیں۔ ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا ان کے لئے (۱)
یہ کسوٹی واقعی معرکہ کی ہے۔ قدیم کتاب والوں کے لئے محض اَن پھل اور دودھ حلال ہے۔ اہنسا انکے لئے پرم دھرم ہے۔ پس جو کچھ آریہ لوگوں کے لئے حلال وہی مسلمانوں کے لئے حلال اور جو مسلمانوں کے لئے حلال وہ آریوں کے لئے۔ اس آیت کے باقی حصہ میں ناطہ رشتہ کی بھی ویدک دھرمیوں سے اجازت ہے۔ واقعی اگر گوشت خوری کی بدعت حائل نہ ہوتی۔ تو آریہ (ہندوؤں) اور مسلمانوں کا کھانا پینا بالکل ایک ہوتا۔

آدم کے دو بیٹوں کا قصہ

سورۃ المایدہ۔ رکوع ۵۔ آیت ۲۷ تا ۳۰ میں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔
ان کو آدم کے دو بیٹوں کے صحیح صحیح حالات سنا دو۔ انہوں نے قربت الٰہی کے لئے نیاز یں چڑھائیں۔ ایک کی نیاز قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ تو اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کردونگا۔ اس نے کہا۔ اللہ صرف پرہیزگاروں کی نذر قبول کرتا ہے۔ ۲۔ اگر میرے قتل کے لئے تو مجھ پر ہاتھ بڑھائے گا۔ تو بھی میں تجھ پر تیرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھانے کا نہیں۔ یقیناً میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ جو جہانوں کا رب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں۔ کہ تو میرے (قتل کے) اور اپنے (جانوروں کے مارنے کے) گناہ سے باز رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو دوزخ کا حقدار بنے۔ کیونکہ یہی ظالموں کی سزا ہے۔ ۳۔ مگر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر ہی مائل کیا۔ اور وہ اسے قتل کرکے خود زیاں کار بن گیا۔ ۴۔ (۲)
دیگر مفسرین کے ترجمے ہم سے مختلف ہیں۔ مگر یہاں اختلاف ترجمہ پر بحث ہونا مناسب نہیں۔ ہاں تفسیر آیات میں ہی اس امر کی توضیح کافی ہے۔ ایسے ہی آدم جب آغاز عالم والے سب انسانوں کے لئے ہے۔ تو ایک آدم کے دو بیٹے کہنے کا کیا مطلب۔ اس عقدہ کو بھی تفسیر میں ہی کھولا گیا ہے۔
یہاں نفس مضمون سے محض اتنا تعلق ہے۔ کہ ایک کی نیاز قبول ہوئی۔ وہ کسان کی ان پھل کی نیاز تھی۔ اور دوسرے کی جو قبول نہ ہوئی۔ وہ جانوروں کے گوشت کی تھی۔ اس پر بھیڑ بکریوں والا اشتعال میں آکر کسان بھائی کے قتل کے درپے ہوا۔ قرآن میں اس بیان کی یہ غرض ہے۔ کہ گوشت خور لوگ زود رنج اور بے رحم ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے پر دوسرا بھائی کہتا ہے۔ کہ بھائی میرا قصور کیا۔ خدا کا قانون ہی یہی ہے۔ کہ متقی یا دھرم آتماؤں کی نیاز قبول ہو۔ سو خدا نے میری نیاز قبول کی۔ تیسری

۱۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص
۲۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

بات یہ کہی ہے۔ کہ اچھا اگر تو میرے قتل کو ہاتھ بڑھائے گا ہی۔ تو بھی اور میں تیرے قتل کو ہاتھ نہ بڑھاؤنگا یہ بردباری اور برادرانہ پریم و محبت کا جذبہ محض وحیمبڑ بن خوراک کا پھل ہے۔ یہ نصیحت اس بیان سے مقصود ہے۔ چوتھی بات قابل غور یہ آئی۔ کہ متقی شخص اپنے بھائی کی بھلائی کا خیال کسی وقت بھی نہیں بھولتا۔ یہی وجہ ہے کہ جان کے لالے پڑنے پر بھی وہ اسے سمجھاتا ہے۔ کہ جانوروں پر جو تم ظلم ڈھاتے رہے وہ بڑا بھاری گناہ ہے۔ اس پر مجھ اپنے بھائی کے قتل کا گناہ تمہارے سر چڑھیگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان گناہوں سے باز رہو۔ اور گناہ کے لازمی نتیجہ دوزخ سے بچو۔ پانچواں رمز یہ ہے۔ کہ گوشتخور اپنی بے رحمی کی ضد پر ہی قایم رہا۔ اور اپنے بھائی کو قتل کر کے ہی رہا۔ یہ ہے وہ سنگدلی جو گوشت خوری سے پیدا ہوتی ہے۔ بائبل میں یہ قصہ قائین اور ہابیل کے نام سے لکھا ہے۔ مگر اس میں مطلب بالکل اُلٹا ہے۔ یعنی کسان نے بھیڑ بکری کے چرواہے ہابیل کو مارا۔ کھیت کی پیداوار والی نیاز قبول نہ ہونے پر وہ مشتعل ہوا تو خدا نے قائین کو کہا۔ کہ تجھے غصہ کیوں آیا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا۔ یہ دونوں باتیں عجیب ہیں۔ اہنسا وادی خونخوار کو مارے یا غصے میں آوے۔ اور خونخوار بردبار بنا رہے۔ ساتھ ہی خدا آن پھل والی نیاز کے متعلق کہے کہ اچھا نہیں کیا۔ خدا کا تو قانون ہی یہ ہے۔ کہ ان پھل ہی انسان کھائے۔ اور نیز یہ کہ انسان بیگناہ انسانوں کو مارے نہیں۔ کتاب پیدائش باب ۱۔ آیت ۲۹۔ "خدا نے کہا دیکھو میں ہر ایک بیج دار نباتات کو جو تمام روئے زمین پر ہیں۔ اور ہر ایک درخت کو جس میں بیج دار پھل ہوں۔ دیتا ہوں۔ یہ تمہیں کھانے کے واسطے ہوگا"

نہ صرف انسانوں کے لئے دیگر جانداروں کے لئے قانون الٰہی کے مطابق نباتات ہی کھانے کے لئے ہے۔ چنانچہ آیت ۳۰ میں ہے۔

"اور زمین کے سب چرندوں اور آسمان کے سب پرندوں کو اور سب کو جو زمین پر رینگتے ہیں جن میں زندگی کا دم ہے۔ سب طرح کی سبزی ان کے کھانے کے لئے دیتا ہوں" پہلے ہی صفحہ یا ورق پر خدا اپنا یہ قانون بنا کر دوسرے ہی صفحہ پر کھیت کی نیاز کو قبول نہ کرے۔ ایسا بیان اجتماع ضدین کا مقام ہے اور خدا سے اس کے سرزد ہونے کا امکان قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ نہ صرف یہ موسوی شریعت کے مشہور دس احکام میں سے ایک حکم یہ ہے "خون مت کر" یہ استثنا تک کہیں نہیں۔ کہ خدا کی قربانی کے لئے خون کرنا حلال ہے۔

مسیح کے الفاظ بھی صاف ہیں۔ "تو گوشت نہ کھاوے اور شراب نہ پیوے۔

زبور ۵۰/۱۳ میں ہے۔ "میں تیرے گھر کا بیل نہ لوں گا۔ نہ باڑے کا بکرا۔ کہ جنگل کے سب جاندار میرے ہیں۔ اور کوہستان کے حیوانات ہزار ہا ہزار۔ میں پہاڑ کے سارے پرندوں سے آگاہ ہوں اور وحشی چرند میرے ہیں۔ اگر میں بھوکا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ کیونکہ جگت اور جو کچھ اس میں ہے۔ سو میرا ہے" ایسا ہی خدا فرماتا ہے۔ میں جانداروں کو جانتا ہوں۔ وہ سب میرے ہیں۔ انسان کون ہے جو مجھے ان جانوروں کو دیوے" دوسری جگہ زبور میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا میں گوشت کھاتا ہوں یا لہو پیتا ہوں"

پس توریت زبور انجیل سب کے رو سے جانوروں کی نیاز خدا کے حکم کے خلاف اور غیر ضروری ہے۔ اور یہ دلیل واقعی زبردست ہے۔ کہ اوّل تو خدا کسی چیز کا بھوکا نہیں ہوتا چہ جائیکہ گوشت کا بھوکا ہو۔ دوسرے اگر بفرض محال ایسی ضرورت لاحق ہو تو وہ انسان کو کیوں کہے۔ خود جو چاہے کھائے۔ سب کچھ اسی کا اور اس کے قبضے میں ہے۔ وہ انسان کو کھلانے والا اور اس کا داتا ہے نہ کہ اس کا محتاج۔ یشعیاہ نبی کے کلام میں اور بھی زور سے اس پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے۔

"تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کون کام۔ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانی اور فربہ بچھڑوں کی چربی اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکریوں کا لہو نہیں پیتا ہوں۔ جب تم دعا مانگو گے۔ تو میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ تو لہو سے بھرے ہیں"

پس قائین کسان کا کھیت کی پیداوار والا ہدیہ خدا قبول نہ کرے۔ یہ بیان ہر لحاظ سے خدا کے اٹل قانون اور توریت زبور اور انجیل کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اگر یہ کسی طرح بے ضرر مفہوم پیش کر سکتا ہے۔ تو وہ محض یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ قائین باوجود کسان ہونے کے پرہیز گار نہ ہو۔ اور وہ گوشت وغیرہ کھاتا ہو۔ اور ہابیل باوجود بھیڑ بکری کا چرواہا ہو۔ کے گوشت نہ کھاتا ہو۔ اور پرہیز گار ہو۔ اس لحاظ سے بھیڑ بکری کو چرانے کی خدمت کا ہدیہ واقعی قابل قبول ہو سکتا ہے۔ غرایب القرآن میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے جو حاشیہ آرائی کی ہے۔ اس سے بھی یہی تاویل مترشح ہوتی ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ ہابیل نے جو یہ کہا۔ کہ خدا پرہیز گاروں کی نذر قبول کرتا ہے۔ اس سے اس کی یہ غرض نہ تھی۔ کہ میں پرہیز گار ہوں۔ بلکہ یہ جتانا مقصود تھا۔ کہ تمہاری نیاز جو قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ تم ہی سے پرہیز گاری کے خلاف کوئی بات سرزد ہوئی ہو گی جس کی وجہ سے خدا نے تمہاری نیاز قبول نہیں کی"

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ گوشت کی نیاز والے کو پرہیز گار کہنا قرآن سے منسوب نہیں ہو سکتا نیز یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ کسان کی نیاز قبول نہ ہو اس لئے آپ نے پرہیز گاری کو تو ہابیل سے علیحدہ کیا۔ اور پرہیز گار قائین میں کسی خاص اور غلطی کا امکان کہا۔ لیکن یہ صرف قیاسی تاویل ہی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کا مضمون اہنسا برت کا چل رہا ہے۔ اور اس اصول کی مثال میں محض اسی کے خدا سے مقبول ہونے کا بیان آ سکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ترجمے اور اس کے مفہوم سے عین یہی مطالبہ نہایت عمدگی سے پورا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ بائیبل اور قرآن کے اس اختلاف کا فیصلہ کیسے ہو۔ سو قرآن کی یہ پوزیشن ہے کہ توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ یعنی اس میں حروف اور معنی کو بدلا گیا ہے۔ چنانچہ رکوع ۳ آیت ۲ میں ہے۔ سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انہیں لعنت کی۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلموں کو اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ اور جو نصیحت ان کو کرنی مقصود ہے۔ اسے بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے خیانت کے عمل کی آپ کو آئے دن اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔ جو باستثنائے چند شخصوں کے ان سے سرزد ہوتا رہتا ہے (۱)

۱۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ .... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

یہ ذکر بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں کا ہے۔ اگلی آیت میں نصاریٰ کے متعلق یہی بیان ہے۔ کہ انہوں نے بھی نصیحت کے متعلقہ عہد کو بھولا۔ اس لئے ان میں بھی باہمی بغض پھیلا جو اس وقت تک جاری رہیگا جب تک اتحاد قائم نہیں ہوتا۔

پس قرآن کی تعلیم جو عین اصول کے مطابق ہے۔ بائیبل کی تحریر سے مختلف ہے۔ تو اس کی وجہ آنحضرت تحریف کو بتاتے ہیں۔ اور یہ ہے بھی ظاہر کہ نیاز قبول ہونے کے ساتھ قائین کی جگہ ہابیل اور قبول نہ ہونے کے ساتھ ہابیل کی جگہ قائین کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا صریح ثبوت یہ ہے۔ کہ بات الٹ گئی ہے۔ یعنی جس کو خدا ہر جگہ اچھا کام کہتا ہے۔ وہ برا بن گیا ہے۔ یعنی ان پھل کی نیاز جو طیب ہے نامنظور رکھدی ہے۔

ایک اور ثبوت بھی اس تحریف کا یہ ہے۔ کہ پیشتر اس کے ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔ حسب قول بائیبل قائین نے اپنے بھائی ہابیل سے باتیں کیں۔ وہ باتیں کیا تھیں۔ بائیبل ان کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ لیکن قرآن میں وہ باتیں بھی لکھی ہیں۔ کہ اے بھائی تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو دیکھ میں تیرے قتل کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ تو میرے قتل کے اور اپنے دوسرے ہنسا کے متعلقہ گناہوں سے باز رہ کر دوزخ کے عذاب سے بچے۔ اب یہ باتیں محض شریف اور نرم مزاج اہنسا وادی کی ہی زبان سے نکل سکتی ہیں۔ اور وہ اہنسا وادی ان پھل والا قائین ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بائیبل میں بھی لکھا ہے۔ قائین نے اپنے بھائی سے باتیں کیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قائین کی ہی نیاز قبول ہونے پر ہنسا وادی ہابیل کو حسد آیا یا وہ مشتعل ہوا۔ گویا ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے کے مصداق خود بائیبل میں ہی ثبوت موجود ہے۔ کہ اس میں تحریف ہوئی۔ اور قرآن میں آنحضرت نے واقعی تحریف کا اعلان بالکل صحیح کیا ہے۔ اور قائین نے جو بات کہی وہ صحیح لکھی ہے بائیبل میں اگر وہ بات اب نہیں ملتی۔ تو یہ صریح ثبوت اس بات کا ہے۔ کہ تحریف کرنے والوں نے اس سے راز افشا ہونے کا گمان کیا۔ کیونکہ وہ بات اہنسا وادی کی زبان کو ہی زیب دے سکتی ہے۔ پانچویں رکوع کی پہلی ہی آیت میں کہا ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ۔ تو انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح سنا دے۔ یہ الفاظ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بائیبل میں تحریف ہونے پر اصل بات غلط طور پہ بیان ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے "بِالْحَقِّ" کا لفظ ساتھ بڑھا دیا

سزائے قتل

دنیا میں قتل عمد کے جرم میں پھانسی کی سزا ہر مہذب سرکار سے ملتی ہے۔ قرآن اس کی تہ میں ایک خاص اصول بتاتا ہے۔ کہ آدم کے بیٹے نے دوسرے کو بلاوجہ قتل کیا۔ اس وجہ سے بنی اسرائیل پر یہ قانون عادی ہوا۔ کہ جو بغیر معاوضہ کسی قتل کے یا ملک میں کسی فساد کے پھیلنے کے کسی کو قتل کرتا ہے۔ وہ گویا تمام انسانوں کو[1]

---

[1] مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ...... وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

قتل کرتا ہے۔ اور جو کسی شخص کو بچاتا ہے۔ وہ گویا سب انسانوں کو بچاتا ہے۔
ان الفاظ میں آنحضرت ہر انسان کو کل انسانی جماعت کا نمائندہ مانتے ہیں۔ اور بلا وجہ ایک انسان کا خون کرنیوالا کل انسانی جماعت کی بے قدری یا قتل کرنے والا ہے۔ لہذا اس کو انسانی جماعت سے منقطع کر دینا چاہیئے۔ یہی پھانسی یا قصاص ہے۔ اور اسی کو سورۂ البقر میں انسانوں کی زندگی کہا ہے۔ اگر قصاص نہ ہو۔ تو ایک ہی آدمی سب کی زندگی کو موت سے بدل سکتا ہے۔
اسی مضمون کو رکوع ۷، آیت ۲ سورۂ المایدہ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔
ہم نے ان پر (توریت میں) یہ قانون بنا دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور ایسے ہی زخموں کا بدلہ ہے (۱)
قصاص کی تہ میں جو اصول کام کرتا ہے۔ اس کے مطابق ایک انسان کا قاتل اصولاً تمام انسانی جماعت کا قاتل ہے۔ تو ایک حیوان کا قاتل بھی درحقیقت کل حیوانی دنیا کا قاتل ہے یا ایک گؤ کا قاتل کل گؤ کی جاتی کا اور ایک اونٹ کو ذبح کرنیوالا کل اونٹ جاتی کا گھاتک ہے۔ اور اپنے ہم جنسوں کو ان فوائد سے محروم کرنیوالا جو اس حیوان کے ذریعے قدرتاً انہیں ملتے تھے۔ پس گوشت خور انسانی جماعت کے دشمن اور قابل سزا ہیں۔

شرط اعتدال و پرہیزگاری

رکوع ۔۱۲۔ آیت ۱ و ۲ میں کہا ہے۔ اے اہل ایمان! خدا نے جو طیب (ستوک) چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں۔ ان کو حرام مت کرو۔ ہاں بے اعتدالی سے کام نہ لو۔ کیونکہ خدا حد توڑنے والوں سے پیار نہیں کرتا۔ اور خدا نے جو چیزیں دی ہیں۔ ان میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۳)
ان آیتوں میں ان لوگوں کو جو خاص حلال چیزوں کے نہ کھانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ ہدایت دی ہے۔ کہ یہ عمل صحیح نہیں۔ لغو قسموں کا کیا مطلب خدا کی دی ہوئی نعمت کی بے قدری کرنا گناہ ہے۔ کوئی شلجم چھوڑے۔ کوئی پیاز تو یہ نکمے عہد ہیں۔ جب جس کی ضرورت ہو۔ انسان اندازے کے موافق اس کو کھائے۔ غذا مشروع

۱۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ
۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

ہونی چاہیئے۔ اور اپنے موافق اور انداز ے سے زیادہ نہ لی جاوے۔ کیونکہ ہر موافق اور لذیذ شے بھی زیادہ مقدار میں صحت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ یہاں گویا اعتدال کی دو حدیں ہیں۔ اول حلال اور طیب چیزوں سے نفرت کرنا گوشت خوری کی عادت کا شکار ہو کر اور دوم حلال چیزوں میں مستغرق ہونا یعنی ان کی لذت میں پڑ کر اندازے کو بھول لنا اور بیماریوں کا شکار ہونا۔ گوشت نہ حلال نہ طیب لہذا ممنوع ہی ممنوع ہے۔ آخری یا بارھویں آیت میں کہا ہے:۔

جو لوگ حق کو قبول اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان پر ان چیزوں کے متعلق جو انہوں نے پہلے کھائیں کچھ الزام نہیں۔ اگر وہ آئندہ کے لئے ایمان لاتے نیک عمل کرتے نیز پرہیزگار بنے ہوئے حق کو مانتے ساتھ ہی خدا کا تقوے رکھ کر نیکی کئے جاتے ہیں۔ بے شک اللہ نیک عملوں سے محبت کرتا ہے (۱)

اس آیت میں جہاں خدا کے خوف اور پرہیزگاری سے گوشت جیسی ممنوع شے سے باز رہنے کی ہدایت ہے۔ وہاں پہلی کفر کی حالت میں کھائے گوشت کے متعلق الزام دینے سے منع کیا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ وہ گناہ نہیں۔ اس طرح کہ نیت بد مراد ہے بے سمجھی میں ہوا۔ بد نیت سے نہیں تو گناہ کیسا جب وعظ حق سے خدا کا خوف دل میں اثر کر گیا۔ شریعت کو مان لیا۔ پرہیزگار بن گیا۔ نیک عمل کئے تو نیت تو نیک ثابت ہوگئی۔

شکار اور اس کا گوشت

رکوع ۱۳۔ آیت ۱تا ۳۔ اے اہل ایمان! خدا شکار والی چیز کے متعلق تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزوں کی رسائی ہوتی ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے۔ کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ بس اتنے پر بھی جو خلاف حرکت کریگا۔ اس کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ ۱۔ اے اہل ایمان! حالت احرام میں شکار کو مت مارو۔ اگر کوئی عمداً مارے تو اس کا بدلہ ویسا ہی چوپایہ ہے۔ اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف کرینگے یہ ہدیہ کعبہ پہنچایا جائے۔ یا (اس کی قیمت کے مطابق) مسکینوں کا کھانا اس کا کفارہ ہے۔ یا اسی تعداد کے روزے رکھنا۔ تاکہ اپنی کرنی کا مزہ چکھے جو پہلے گذرا۔ وہ اللہ نے معاف کیا۔ پھر جو آگے ایسا کریگا اللہ اس کو اس کی سزا دیگا۔ کیونکہ اللہ غالب کل اور صاحب انتقام ہے۔ ۲۔ تمہارے لئے دریائی شکار حلال ہے۔ اور نیز کھانے کی دریائی چیزیں جو تمہارے اور مسافروں کے لئے گویا توشہ ہیں۔ مگر خشکی کا شکار جب تک احرام میں ہو ممنوع ہے۔ اور اللہ کا خوف رکھو جس کی طرف تمہارا حشر ہونا ہے۔ ۳۔ (۲)

۱۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ
.... عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝

ان آیات میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی ہے۔

اول۔ بری شکار کی اجازت ہے۔ مگر حالت احرام میں جو عبادت کے مقدس فرض کے لئے وقف ہے۔ یہ ایذا رسانی کا عمل ممنوع ہے۔

دوم۔ بحری شکار حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ زمین پر تو شکار کرنے انسان نے خود جانا ہے۔ حالت احرام میں ممانعت ہونے سے نہ کوئی شکار کو جائے گا نہ اسے درندہ کا خطرہ ہو گا۔ لیکن دریا میں کشتی پر سفر کرتے ہوئے مگر کے حملہ کا خطرہ ہو۔ تو اس وقت بچاؤ یا حفاظت خود اختیاری کے لئے شکار کرنا ضروری ہے

سوم۔ گوشت شکار کا بھی کھانا ممنوع ہے۔ پہلی ہی آیت میں کہا ہے۔ کہ خدا تمہارا امتحان لے گا۔ کہ جس شکار تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچتے ہیں۔ اس تک کہیں تمہاری زبان تو نہیں پہنچتی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی اس خیال سے گوشت کھا لیوے کہ کون دیکھے اور کون سزا دینے والا ہے۔ لیکن آزمائش یہاں یہی ہے۔ کہ نظر نہ آنے والے خدا کا ڈر رکھا جاوے۔ جو ایسا نہ کریگا عذاب پائیگا۔ مطلب یہ کہ انسانی مفاد کے لئے موذی درندوں کا شکار ہو۔ گوشت ہرگز ہرگز نہ کھایا جاوے۔

تیسری آیت میں سمندری شکار کو حلال کہا۔ تو بھی اس کو کھانے کی اجازت نہیں دی۔ دریا یا سمندر یا نمی میں جو کھانے کی چیزیں سنگھاڑہ وغیرہ قسم کی ہیں۔ وہ حلال ہیں۔ یہ دو لفظ خاص غور کے قابل ہیں۔ اور قرآنی فصاحت و بلاغت کا ثبوت صید البحر و طعامہٗ (طعام البحر) یہ دریا میں پیدا ہونے والی چیزیں بھی مسافروں کے لئے توشہ ہیں۔ خشکی والے شکار کے ساتھ بھی کہیں اسے کھانے کا ذکر نہیں۔ ہاں خدا کا ڈر دکھا کر اس گناہ سے روکا ضرور گیا ہے۔ زور سے

چہارم۔ حیوان کے قتل کی بھی سزا ملنی چاہئے۔ حتےٰ کہ حالت احرام میں درندہ حیوان کو جان بوجھ کر مارنے والے کو بھی وہی سزا لکھی ہے۔ جو چوپایہ مویشی کو مارنے والے کو ملنی چاہئے۔ اور اس کا فیصلہ دو منصف کریں۔ پس چوپایہ مویشی کا قتل قابل سزا اور گوشت خوری یقیناً ممنوع ہے۔

پنجم۔ اگر منصف فیصلہ دیں۔ کہ وہ فلاں مویشی جرمانہ میں دے۔ تو وہ ہدیہ کعبہ پہنچایا جاوے۔ اگر گوشت خوری کی اجازت ہوتی۔ تو شکار کیا گیا درندہ انسانوں کے کھانے کے کام آتا۔ سزا نہ ہوتی۔ لیکن درندہ کے قتل پر جرمانہ ہونا اور جرمانہ میں جو حیوان ملے۔ اسے بھی مار کر کھانا نہیں۔ بلکہ کعبہ پہنچانا لکھا ہے۔ اور اگر منصف فیصلہ دیں۔ مجرم شخص ویسا حیوان نہ دے سکے۔ تو اس کی مقررہ قیمت کے مطابق خاص تعداد مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔ اگر یہ بھی مقدور نہ ہو تو اتنے ہی روزے رکھے۔

ششم۔ کعبہ میں پہنچانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ حیوان کو مارنا سخت ممنوع ہے۔ اگلی یعنی پانچویں آیت میں کہا ہے۔ کعبہ مقام امن و ادب انسانوں کے قیام کا موجب ہے۔ اس لئے اس حیوان کو وہاں پہنچایا جاوے۔ چونکہ ابراہیم کی چلائی ہوئی پاک انسٹی ٹیوشن سے تمام جہان کو فیض پہنچتا تھا۔ اس لئے ہر طرح کے حیوان بطور ہدیہ وہاں پہنچائے جاتے تھے۔ تاکہ دنیا کی مذہبی پاک خدمت کے لئے تیار ہونے والے لوگوں کی دودھ وغیرہ سے پرورش ہو۔ جیسے اس ملک میں بھی خاص انسٹی ٹیوشنوں کے ساتھ گئوشالہ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن کی تعلیم

کے مطابق آنحضرتؐ خالص ویدک اہنسا واد کو ہی مقدم فرض سمجھا۔ اور گوشت خوری کی اصولاً کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دی۔

اسی رکوع کی آخری آیت میں کہا ہے۔

اُن کو کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔ خواہ تمہیں اکثر ناپاک چیزیں عجیب معلوم ہوتی ہوں۔ پس اے اہل عقل خدا کا خوف رکھو۔ جس سے تم فلاح پاؤ۔ (۱)

یہاں گوشت کو صریحاً طیب سے الگ بلکہ اس کی ضد پر بیان کیا ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے گوشت انڈا وغیرہ ہی ہیں۔ جو غیر مشروع یا حرام ہونے پر بھی لوگوں کے لئے عجوبہ خوردنی شے بن رہے ہیں۔

ہمیشہ کی عید

رکوع "۱۵" آیت ۵ تا ۷ میں مذکور ہے۔ کہ

حواریوں نے عیسےٰ ابن مریم کو کہا۔ کیا آپ کے رب ہم پر آسمان سے کھانا یا دسترخوان نازل کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مومن ہو تو خدا کا تقویٰ رکھو۔ ۵۔ انہوں نے کہا۔ ہم چاہتے ہیں۔ اس میں سے کھائیں۔ اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو۔ اور ہمیں معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم خود اس پر شاہد ہو جاویں۔ ۶۔ عیسےٰ ابن مریم نے کہا۔ اے خدا۔ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما۔ کہ ہمارے لئے عید ہو یعنی کیا ہمارے اول کے لئے اور کیا اخیر کے لئے۔ اور یہ آپ کی طرف سے خاص نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے کیونکہ آپ سب سے بڑے رازق ہیں۔ ۷۔ خدا نے فرمایا میں وہ تم پر نازل کرنے والا ہوں۔ اس پر بھی تم میں سے جو کفر کریگا۔ اس کو ایسا عذاب دوں گا۔ کہ جہانوں میں کسی کو نہ دوں گا۔ ۸۔ (۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح کے حواری آسمانی خوان کا مطالبہ کرتے تو مسیح خدا کے خوف یا پرہیزگاری پر زور دیتے۔ مسیح سمجھتا تھا۔ کہ گوشت یا کسی اور لذیذ غذا والے دسترخوان کا مطالبہ بالکل فضول بات ہے بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اور کھانا پکائے آسمانی خوان کیسے اتر سکتا ہے۔ مگر ان کے اس اصرار پر کہ اس سے آپ کی صداقت ظاہر ہوگی۔ اور ہمارا اطمینان قلبی آپ کی صداقت کا ہمیں قایل کریگا۔ اس پر مسیح کو ان کے مطالبے کے آگے جھکنا اور ایک علمی رمز سے ان کو سمجھانا پڑا۔ وہ علمی رمز کیا تھی۔ اس نے دعا کی کہ اے خدا آسمان سے ایسا خوان اُتار کہ ہمارے لئے اوّل سے آخر تک عید ہی عید بنی رہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ خوان کیا ہے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ بارش۔ جو کھیتی کی پیداوار کا بہترین رزق

۱۔ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

۲۔ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا [illegible]

ہمیشہ دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ عقلمند لوگ یہ نہیں چاہ سکتے کہ آسمان سے قحال اتریں۔ ہاں بروقت بارش ہونے سے ان پھل دودھ کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی سچی عید ہے نہ کہ گؤ۔ بکری کو مار کر ان کا گوشت کھانا غرضیکہ سورۃ المایدہ میں دیگر ہدایات یعنی خاص روحانی۔ اخلاقی اور مجلسی ہدایات کے دسترخوان کے ساتھ انسانی غذا کا نہایت اعلےٰ دسترخوان مہیا کیا گیا ہے۔ شروع سے اخیر تک ویدک اہنسا واد کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے۔ نرم مزاج جیوانوں سے مفید تعاون کو حلال کرنا۔ مفید گھریلو جیوانوں کی توقیر کرنا۔ ہر قسم کے مردار کو حرام کہنا۔ غذا میں قدیم ویدک آدرش کو قائم کرنا جیوانوں کے قتل کے لئے بھی سزا تجویز کرنا پرہیزگاری اور خدا کے خوف پر زور دینا۔ درندوں اور سمندری خطرناک جانوروں کے شکار کی اجازت دینا۔ مگر شکار کے گوشت کھانے کی مناہی کرنا۔ بارش بروقت ہونے سے ان پھل اور دودھ کی ترقی میں دائمی اور اصلی عید بنانا۔ اور اعتدال پر زور دینا وغیرہ کا مدلل باثبوت بیان جس خوبی سے اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ وہ قرآن کا ہی حصہ ہے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر انسانوں میں باہمی ہمدردی کی ترقی کے لئے آدم کے بیٹوں کے بیان میں کوّے کی مثال سے نہایت قیمتی اپدیش دیا گیا ہے۔

پانچویں رکوع میں اہنسا وادی قابیل کو پیش کر کے بتایا ہے۔ کہ جب وہ بے رحم گوشت خور بھائی سے قتل ہو گیا۔ تو خدا کی حکمت سے اس کو ایک کوّا نظر آیا۔ جو دوسرے کوّے کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔ اس وقت اس ظالم قاتل کے دل کو چوٹ لگی۔ کہ ہائے افسوس میں انسان ہو کر کوّے سے بھی گیا گذرا ہوا۔ کہاں اس کا اپنے جیسے دوسرے کوّے کے دکھ میں دکھی ہونا اور کہاں میرا اپنے بھائی کو خود قتل کرنا۔ (۱)

اگر غور سے کام لیا جاوے۔ تو رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین اپیل ہے۔ لیکن افسوس مترجموں نے اس کا ترجمہ بھی اہل بائیبل کی تقلید میں غلط کر دیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے۔ کہ جب قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی لاش کو چھپانے کا طریق معلوم نہ ہوا۔ تو خدا نے کوّا بھیجا۔ جو دوسرے کوّے کے مردہ جسم کو دبانے کے لئے زمین کرید رہا تھا۔ تب قاتل نے کہا۔ کہ اوہ! میں تو اس کوّے سے بھی بے وقوف نکلا۔ جس کو زمین کریدنے کی سوجھی ہی نہیں۔ لیکن ہم نے تفسیر میں واضح کیا ہے۔ کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ نہ ہابیل ایسا بیوقوف تھا نہ کوّے اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔ ہاں ایک کوّے کو تکلیف ہو تو سب کوّے کائیں کائیں کرتے ہوئے دکھی بھائی کے پاس اکٹھے ضرور ہوتے۔ اور اپنے دکھ اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی کچھ الفاظ قرآن کا صحیح مفہوم ہے۔ اور انسانوں کو اس سے شرم اور غیرت کا سبق سکھانے کے لئے ہی یہ بیان پیش کیا گیا ہے۔

* فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۝ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ

پنجم ۔ سورۃ الانعام

رکوع ۔ ۱۴ ۔ آیت ۸ تا ۱۱ ۔ سو اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ تو اسی رزق میں سے کھاؤ۔ جس پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو۔ ۸ ۔ اور تمہارے لئے کوئی وجہ نہیں۔ کہ جس پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو۔ اس میں سے نہ کھاؤ۔ اور سوائے مجبوری کی استثنے کے جو تم پر حرام ہے۔ اس کی توضیح بھی تمہارے لئے ہو گئی ہے۔ پھر بھی بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنے توہمات کی بناء پر گمراہ کرتے ہیں۔ تحقیق تیرا خدا ان سرکشوں کو خوب جانتا ہے۔ ۹ ۔ اور تم گناہ کے ظاہر کو بھی نہ چھوڑو۔ باطن کو بھی چھوڑو۔ بلاشبہ جو گناہ کرتے ہیں۔ اپنے کئے کا خمیازہ اٹھائیں گے۔ ۱۰ ۔ اور جس پر اللہ کے نام کی یاد نہ کی گئی ہو۔ اس سے مت کھاؤ۔ کیونکہ ایسا عمل داخل فسق ہے۔ ۱۱ ۔ (۱)

ان آیات میں نہ صرف گوشت خوری کی کہیں گنجائش نہیں۔ جایز خوراک میں سے بھی محض اسی میں سے کھانے کے لئے اجازت ہے۔ جو خدا کے نام کی یاد رکھتے ہوئے کمائی جاوے۔ مطلب یہ کہ طیب رزق پوری ایمانداری اور محنت سے کما کر کھاؤ۔ ایسی کمائی میں سے نہ کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی پاکھنڈی اس پر کوئی پابندی لگا دے۔ تو یہ صریح گمراہی ہے۔ حرام کی تفصیل جو بیان ہوئی اس کے علاوہ کو گمراہی جانو۔ سچا علم خدا کا ہے۔ ماسوائے اس کے انسانی تخیلات و توہمات ہیں۔ پھر گناہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک شخص اصولاً اہنسا کا قایل ہو کر بھی کسی دعوت میں گوشت کھا لیتا ہے۔ تو یہ گناہ کی ظاہری صورت ہے۔ دوسرا کسی خدا پرست کو دکھانے کو گوشت نہیں کھاتا۔ مگر دل اس کا للچاتا ہے۔ تو یہ باطنی صورت ہے۔ قرآن کا حکم ہے۔ دونوں پہلوؤں سے بچو۔ یعنی من یا نیت سے بھی اہنسا ہو۔ اور عمل میں بھی پرہیز۔ اخیر میں اس اصول پر زور دیا ہے۔ کہ خدا کے نام کی یاد سے جو نہ کمائی ہو۔ یعنی جو دھرم کے خلاف عمل سے ملے۔ وہ نہ کھاؤ۔ یہ پاپ ہے۔ آج دنیا میں اخلاق کے لحاظ سے جو گراوٹ ہے۔ اس کی مقدم وجہ یہ ہے۔ کہ حکم الہی کے مطابق کمائی نہیں کی جاتی۔ جھوٹ۔ چوری۔ رشوت۔ ڈاکہ اور دھوکہ وغیرہ سے رزق کما کر کھایا جاتا ہے۔ اور دل گناہ کے تخیلات کا بھنڈار بن رہے ہیں۔ حتےٰ کہ علما لوگ بھی دست باکار و دل بایار کی ہدایت کی اشاعت کرنے کی بجائے من گھڑنت خیال پر زور دیتے ہیں۔ کہ خدا کا نام لیکر ذبح کر لو۔ بس حلال ہی حلال ہے۔

توہمات باطلہ

رکوع ۱۶ میں کھیتی سے پیدا ہونے والے ان اناج اور مویشیوں کا جو برا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا خاکہ کھینچا گیا

٭ ۱ ۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ

٭ یہ حوالہ صفحہ ۲۸۲ کا ہے

ہے۔ بت پرست مشرک لوگ جو خدا کو مانتے ہوئے بھی اوروں کو مانتے ساتھ ہی ان کی پوجا کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ کہ فلاں جانور اور فلاں کھیت خدا کے نام اور فلاں مشرکوں کے دوسرے معبودوں کے نام۔ لیکن وقت آنے پر معبودوں والی منت تو خدا کی طرف نہیں پہنچتی۔ ہاں خدا والی منت ادھر چلی جاتی ہے۔ لیکن ان اور پشو کی ہی درگتی کیا تو ہمات یہاں تک ہیں۔ کہ اولاد کا قتل کرنا بھی ان دوسرے معبودوں کی بدولت نیک عمل سمجھا جا رہا ہے۔ پھر بعض کھیتوں اور مویشیوں کے متعلق پاکھنڈی گروؤں نے فتوے دے رکھے ہیں۔ کہ ان کو محض وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں۔ اور بعض مواشیوں کے متعلق سواری کی ممانعت ہے۔ خدا کے نام سے جھوٹ گھڑ کر جو چاہیں۔ بھرم پھیلائیں ایک اور عجیب اختراع ہے۔ کہ فلاں مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ خالص مردوں کے لئے ہے ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ لیکن اگر بچہ مردہ ہو۔ تو مرد عورت مساوی۔ افسوس خدا نے ان پر جو اولاد حلال کی بدنصیب اسے بھی حرام کر بیٹھے۔

حرام اور حلال کی صاف توضیح

رکوع ۱۷ کی پہلی دوسری آیت میں ایک اور ہی انداز سے نفس مضمون کو صاف کیا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے باغات پیدا کئے۔ جو ٹٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ اور نہیں بھی چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جو مختلف اشیائے خوردنی دیتی ہے۔ اور زیتون اور انار کے درخت باہم متشابہ اور ویسے الگ۔ جب یہ پھلیں ان کا پھل کھاؤ۔ اور پھلوں کے توڑنے یا فصل کے کاٹنے کے وقت خدا کا حق (زکوٰۃ) دیا کرو۔ اور فضول خرچی یا عیاشی نہ کرو۔ کیونکہ خدا غیر معتدلوں کو پسند نہیں کرتا ۱۔ اور چوپایوں میں سے کئی بار برداری کے لئے ہیں کئی سواری کے لئے اللہ نے جو رزق دیا ہے۔ اس میں سے کھاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو (۲)

یہاں دو چیزوں کا کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایک تو ہے خدا سے ملا ہوا رزق۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں کی ہے۔ کھیتوں میں کھانے کے لئے پیدا ہونے والے مختلف قسم کے اناج اور انگور انار وغیرہ پھل اور دوسری چیز ہیں مویشی۔ یہ ہیں بار برداری اور سواری کے لئے۔ حکم یہ دیا ہے۔ کھاؤ اس رزق کو یعنی اَنّ اور پھل کو۔ حیوانوں کو کھانا نہیں۔ یہ تو رزق کے پیدا کرنے کے ذریعوں میں ہیں۔ ان کو مارنا و کھانا شیطان کے نقش قدم چلنا ہے۔ لہذا اس دشمن سے بچو۔

دوسری آیت میں الفاظ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا کا ترجمہ بعض مترجمین نے اونچے اور چھوٹے قد کے مویشی کر دیا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ بہ وجوہات مندرجہ تفسیر۔ لہذا اَنّ اور پھل کا کھانا حلال اور گوشت

۱۔ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۲۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً

وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

حرام - یہ قطعی فیصلہ موجود ہے۔

حرام حلال کے متعلق ایک علمی نکتہ

(رکوع ۱۷ آیت ۴۳ و ۴۴ - آٹھ جوڑے ہیں۔ بھیڑ میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ کہیئے کیا ان میں سے دونوں نروں کو حرام کہا ہے۔ یا دونوں مادہ کو یا اس بچے کو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے۔ اگر سچے ہو تو علمی جواب دو۔ ۳ - اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم - آپ کہیئے کیا دونوں نر حرام ہیں - یا مادہ یا دونوں مادہ کے پیٹ والا بچہ کیا تم اس وقت حاضر تھے - جب خدا نے یہ حکم دیا تھا - اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے - اور بغیر صحیح علم ہونے کے لوگوں کو گمراہ کرے - بلاشبہ اللہ ادھرمیوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے (۱)

اوپر جو مویشیوں کو سواری اور باربرداری کے لئے کہا اور بغیر آن اور پھل کے کھانے کو شیطان کی پیروی بتا کر مویشیوں کے کھانے کی ممانعت کی۔ اس کی توضیح کے متعلق کہا - کہ کھانے کے متعلق مویشیوں کو حرام کہنا صحیح نہیں۔ اگر یہ لفظ استعمال کریں تو بتانا پڑیگا - کہ بھیڑ بکری - گائے اور اونٹ میں سے حرام ہے یا مادہ یا بچہ جو مادہ کے پیٹ میں ہے - مطلب یہ کہ قرآن میں جب یہ توضیح ہی نہیں - تو قانون غذا میں مویشی کے حرام حلال کے سوال کا تعلق آ ہی نہیں سکتا۔ محض جہالت کی وجہ سے کوئی کسی کو حرام کہنے لگتا ہے۔ کوئی کسی کو۔ بھلا کیا یہ کہہ سکتے ہیں - کہ ایسا حکم دیتے وقت یہ خدا کے پاس تھے۔ پھر اس کے اندرونی مفہوم کو رکوع ۱۸ کی پہلی تین آیتوں میں ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

انہیں کہہ دو - کہ میری طرف تو یہی وحی ہوا ہے - کہ خوردنی اشیاء میں سے کوئی حرام نہیں۔ ہاں مردار خون اور سؤر کا گوشت حرام ہیں - کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ اور جو اللہ کے علاوہ بتوں وغیرہ کے لئے وقف ہو وہ بھی۔ ہاں صورت مجبوری میں بغیر نیت گناہ کے محض حد ضرورت کے اندر رہتے ہوئے اس کے استعمال میں گناہ نہیں۔ کیونکہ تیرا رب صاحب مغفرت و رحم ہے۔ (۱) اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کئے تھے۔ اور گائے و بکری میں سے ان کی جسمیت (گوشت) کو ہاں ان کی پیٹھ پر لادنا یا گدا اور پالان وغیرہ کس کر سواری کرنا حلال ہے۔ وہ بات (ناخن والے جانوروں کا حرام ہونا) ان کی بغاوت کی وجہ سے تھی۔ تحقیق صداقت یہی ہے ۲۰۔

پھر اگر تیری تکذیب کریں۔ تو کہو - تمہارا رب جہاں وسیع رحمت والا ہے۔ وہاں مجرم لوگوں سے اس کا

۱۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

عذاب نہیں ملتا۔ ۳۰ (۱)

مطلب یہ کہ مویشیوں وغیرہ پر حرام حلال کا اطلاق خدا کے متعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے جو علم الٰہی کو صحیح طور پر سمجھا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ سب چیزیں جو کھانے کے کام آتی ہیں۔ حلال ہیں۔ ہاں مردار یعنی مردہ جسم کسی کا ہو۔ ہرگز ہرگز کھانے کے کام کا نہیں یہی کچھ خون کے متعلق صحیح ہے۔ اور سؤر کے گوشت کے متعلق۔ ایسے ہی بتوں پر جو قربانیاں چڑھتی ہیں۔ ان کا کھانا بھی ممنوع ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ ہم نے خود تو مارا نہیں۔ کہ گناہ ہو۔ اس لئے اس کے کھانے میں شامل ہونے میں کچھ حرج نہیں۔ رہا آیت کمال۔ اس کے لئے مواخذہ کی ضرورت نہیں۔ اگر جان بچانے کے لئے بغیر گوشت کا عادی ہونے کے محض ضرورت کی حد کے اندر رہتے ہوئے کوئی گوشت کھالے یا کسی قیمتی ہستی کو بچانے کے لئے ڈاکٹر لوگ کسی کا خون اس کے جسم میں داخل کریں۔ تو یہ استثنائی ہے۔

غرضیکہ مردار خون یا گوشت کا حرام ہونا اور مستثنیٰ صورت میں کچھ ٹالریشن ہی ہے۔ جو شریعت میں مذکور ہو سکتی ہے۔ ورنہ حیوانات کے متعلق حرام حلال کا لفظ بالکل غیر متعلقہ ہے۔ کیونکہ وہ تو انسان کے برابر زندگی کا حق رکھتے ہیں۔ انہیں کھانے کا سوال انسانی شریعت میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس پر سوال ہوا۔ کہ جب ایسی حالت ہے۔ تو پھر یہودیوں کے لئے جو یہ حکم ہوا تھا۔ کہ تمام ناخن والے جانور حرام۔ اور گائے و بکری کا بھی ان کی شریعت میں ذکر تھا۔ اس کی وجہ کیا؟ اس کا جواب یہ دیا۔ کہ ناخن والے جانور یعنی شیر۔ چیتا وغیرہ انسان سے باغی اور اس کے دشمن ہیں۔ ان سے تعاون کسی کام میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کے گوشت کی تو منائی کی مگر سواری باربرداری وغیرہ کی اجازت دی۔ یعنی وہی پہلی بات کہ نرم مزاج حیوانوں سے تعاون اور درندوں کا شکار۔ یہ کہہ کر بتایا۔ کہ اگر لوگ ایسے اپدیش کو جھٹلائیں۔ تو انہیں کہدو۔ تمہارے خدا میں دو صفتیں ہیں ایک تو وسیع رحمت کی۔ اور دوسرے نیائے کے مطابق مجرموں کو عذاب دینے کی۔ لہٰذا گائے وغیرہ سے تعاون اور درندوں کا شکار دونوں صحیح ہیں۔ دوسری آیت کے ترجمے میں ہمارا دیگر مفسرین سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے ہم نے اس پر اپنی تفسیر میں خاص بحث پیش کی ہے۔ لیکن معنوی تحریف کا چونکہ اس حوالہ سے خاص ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے اشارۃً یہاں بھی اس فرق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عام طور پر اور لوگ اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ "اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔ اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں۔ مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو۔ جو ہڈی سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو سزا دی تھی"۔ اول تو اس ترجمے میں بھی دو قسم کے حیوان مذکور ہیں۔ ناخن والے ایک طرف اور گائے بکری وغیرہ دوسری طرف

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

ہیں۔ لہذا یہاں بھی محض درندوں اور نرم مزاج حیوانوں کے دو فریق مذکور ہیں۔ جیسا کہ اور ہر جگہ بیان آیا ہے۔ کہ اہنسک گائے وغیرہ سے تعاون ہو۔ اور درندوں کا شکار کیا جاوے۔ اس عام اصول کو نہ سمجھنے سے مفسرین نے انسان۔ اونٹ وغیرہ نیز چیل بطخ وغیرہ سے ذی ظفر، کا تعلق جوڑا ہے۔ اور قرآن مجید کی درند اور چرند نام کی دو پارٹیوں والی تخصیص کو بھلایا ہے۔ جب انسان مخاطب ہے اور اس کو حلال حرام کی شریعت دی جا رہی ہے۔ تو ذی ظفر کا تعلق انسان سے ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسرے شحوم سے مراد چربی لی جا رہی ہے۔ گویا گائے بکری کا گوشت یہودیوں کے لئے حلال تھا۔ اور چربی حرام تھی۔ لیکن شحوم جمع ہے شحم کی۔ اور شحم کے معنے موٹاپا ہی ہے۔ شحیم کہتے ہیں موٹے آدمی کو شحم کے معنے چربی لے کر بھی اس کا استعمال موٹے انسان پر اس طرح ہوتا ہے۔ کہ چربی سے مراد گوشت ہوتی ہے۔ موٹے آدمی کو یہی کہا جاتا ہے۔ کہ تیری چربی بڑھ گئی ہے۔ شحم حنظل کہا جاتا ہے۔ اندراین کے گودے کو۔ پس شحوم کے معنے در اصل گائے یا بکری کی کھال کے اندر کا گوشت ہے۔ اور اسی کو یہاں حرام بتانا اصل مقصود ہے۔ ورنہ گوشت حلال اور چربی حرام اس کے معنے کیا۔ اور گوشت خور چربی کو نکما جانتے ہیں اس کی وجہ کیا۔ مفسرین کہتے ہیں۔ کہ چربی کو بطور سزا کے حرام کیا تھا۔ کہ دائرہ رزق ان پر تنگ ہو۔ لیکن گوشت یا چربی کو قرآن کہیں داخل رزق نہیں کرتا۔ دوسرے ہر طرح کا رزق ان پھل اور اناج بھی حلال رہے۔ اور گوشت کی بھی اجازت دی جاوے۔ تو محض دو پشوؤں کی چربی کے حرام ہونے میں سزا کیا ہوئی۔ پھر شحوم جمع اور چربی واحد۔ یہ پھل بھی نہیں ملتا۔ اور جب مردار بھی حرام۔ خون بھی حرام۔ تو یہودی شریعت سے اپنے خلاف سند پیش کرنے اور گوشت کو حلال بتانے کے معنے کیا۔ پس جیسے سنسکرت میں مانس کے معنے گودا بھی ہے۔ اور سیب یا اندراین کے گودے کے لئے چرک سشرت میں مانس کا لفظ آتا ہے۔ ویسے ہی قرآن میں شحوم کا لفظ گوشت کے معنے میں یہودیوں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

تیسرے حوایا لفظ انتڑیوں کے معنے میں لیا جا رہا ہے۔ مگر یہ لفظ جمع ہے۔ حویۃ کی اور لغات کو لیں تو حویۃ کے معنے ہیں کلیم گرداگرد کوہان شتر (صراح) یعنی وہ کمبل یا بھدا سا گدا جو اونٹ کی پیٹھ کی ابھری ہوئی جگہ کے گرد رکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی بیل کے شانوں کے بیچ کی ابھری ہوئی جگہ بھی کوہان ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے۔ کہ گائے وغیرہ کا گوشت تو حرام تھا۔ مگر مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا یعنی ان کی پیٹھ پر گدا رکھ کر سواری یا بار برداری کا کام لینا حرام نہ تھا۔ یہ قرآن کے تمام دوسری جگہوں کے بیانات۔ اصول تعاون اور لفظی معنے کے عین مطابق ہے۔ لیکن مفسرین نے خطرناک اور اخلاق سوز مفہوم پیش کیا ہے۔ کہ گائے وغیرہ کی چربی تو حرام تھی۔ مگر ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی چربی یا انتڑیوں میں لگی ہوئی چربی حرام نہ تھی۔ ہم اسے بالکل غیر معقول اور یہودیوں پر کمینہ حملہ سمجھتے ہیں۔ نہ تو یہ تعلیم صحیح ہو سکتی ہے۔ اور نہ تاریخ میں ثبوت ملتا ہے۔ کہ کبھی یہودیوں نے غریب گائے اور بکری کی مردہ لاش کے پاس بیٹھ کر کوؤں اور گدھوں کی طرح پیٹ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی کو نوچ نوچ کر کھایا ہو۔

اسی طرح عظم لفظ کے معنے اس آیت میں ہڈی نہیں لگ سکتے نہ گوشت حرام اور پیٹھ پر سواری بابرداری

حلال ہوئی۔ اور جو ایاک کے معنے بعدے سے گدے کے ہوئے تو عظم کے معنے صراح میں جو "چوب رحل" کے لکھے ہیں۔ موقعہ و محل کے لحاظ سے وہی موزوں ہونگے۔ چوب رحل کے معنے ہیں۔ رحل والی لکڑی اور رحل کے معنے ہیں۔ رخت و جائے باش مرد و پالان شتر۔ یعنی سامان آدمی کے رہنے کی جگہ اور اونٹ کا پالان۔ لغات کشوری میں رحال کے لئے لکھا ہے۔ جمع رحل کی۔ بمعنے منزل۔ اسباب۔ کوچ کرنا۔ سامان۔ اونٹ کا پالان۔ مجازاً لکڑی کے وہ تختے جو شکل مخصوص سے بنائے جاتے ہیں۔ اور جن پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت کرتے ہیں"۔
پس مَا اختلط بعظم کے معنے لکڑی سے ملا ہوا ہے۔ رحلت کے معنے کوچ کے بھی ہیں۔ اور سواری کے وقت اونٹ پر لکڑی کا کچا وا یا گدے و کمبل والا پالان ہی کام آتا ہے۔ اور ایسا ہی گھوڑے یا بیل کی سواری میں بھی جو اوپر کسا جاتا ہے۔ وہی یہاں مقصود ہے۔

ششم سورۃ الاعراف

رکوع ۲۰۔ آیت ۳۔ ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا کہ کھاؤ وہ کچھ ساتوک پدارتھ جو ہم نے تم کو دیا۔ (۱)

من اور سلویٰ ترنجبین کی قسم کی چیز یا چیزیں تھیں۔ جو ساتوک تھیں جن کی توضیح تفسیر میں کی گئی ہے۔
اس سے آگے آیت نمبر ۴ میں ہے۔ "انہیں کہا گیا فلاں بستی میں داخل ہو اور حسب خواہش یا حسب مناسب کھاؤ اور کہتے رہو کہ ہم سب سے گناہ دور رہے۔ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو"۔ مطلب یہ کہ جیسا پہلے واضح ہوا۔ لوگوں کا من اور سلویٰ سے جی بھر گیا۔ تو انہوں نے دعا کی۔ کہ ہمیں گیہوں۔ مسور۔ پیاز ککڑی وغیرہ ملے۔ تب حکم ہوا۔ کہ فلاں آبادی میں داخل ہو جاؤ۔ سب کچھ وہاں ملیگا۔ مگر دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور منہ سے حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا یعنی ایک تو عاجزی سے ایشور کا دھیان کرتے ہوئے اور دوسرا یہ کہ ہم سے شہر میں کوئی گناہ یا برائی نہ ہونے پائے۔ یہ بیان بھی کلہم سبزی ترکاری کے کھانے اور کسی کو ایذا پہنچانے یا گوشت خوری وغیرہ سے بچنے کے متعلق ہی ہے۔
رکوع ۲۱۔ آیت ۱ تا ۵۔ ان سے اس بستی کا حال پوچھو۔ جو دریائے شور کے قریب تھی۔ انہوں نے ہفتہ کے متعلق قانون شکنی کی۔ یعنی آسائش کی (عیاشی کے) جہاں نہاں سے مچھلیاں ہی مچھلیاں ان کے پاس آجاتیں۔ اور جب روزگار نہ رہتا۔ تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان کا امتحان لیتے تھے۔ کیونکہ وہ فسق کرتے تھے۔ ۱۔ ان میں سے کئی لوگ کہتے۔ کہ جنہیں خدا ہلاک کرتا یا عذاب شدید دینا چاہتا ہے۔ انہیں وعظ کیوں ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس لئے وعظ کرتے ہیں۔ کہ تمہارے اور اپنے رب کے ہاں عذر ہو۔ اور نیز اس لئے۔ کہ شائد پرہیزگار ہو جاویں۔ ۲۔ سو جب اس نصیحت کو بھول گئے۔ جو انہیں کی گئی۔ تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی۔

۱۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

جو برائی سے روکتے تھے۔ اور ان ظالموں کو خطرناک عذاب میں گرفتار کیا۔ ۳۔ یعنی جب انہوں نے اس امر کے متعلق نافرمانی کی۔ جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ تو ہم نے کہا۔ ذلیل بندر بن جاؤ۔ ۴۔ (۱)

یہاں روشن ہے۔ کہ مچھلیاں کھانے والوں کو آسائش یا روزگار کا بُرا استعمال کرنیوالا یا ہنسا کے متعلق نیم کو بھنگ کرنیوالا کہا ہے۔ بے روزگاری یا بدحالی میں جن کو کھانا تک میسّر نہ ہو۔ وہ آسودگی ملنے پر مچھلیاں یا گوشت کھانے کے بغیر نہ رہ سکیں۔ تو یہ محض امتحان میں فیل ہونا ہے۔ اور ایسے شخص جو ایک خصلت پر قائم نہ رہ سکیں۔ اور عیاشی کی طرف مائل ہوں۔ چنچل سوبھاؤ یا ذلیل بندر بننے کے ہی مستحق ہو سکتے ہیں۔

ان آیات میں واقع شدہ سبت لفظ کو مفسرین نے بہ طور اسم کے ہفتہ یا سینچر کے معنے میں لیا ہے۔ اور بہ طور فعل کے اس سے ہفتہ یا شنبہی منانا مراد لیا ہے۔ لیکن ایسا کوئی مفہوم تبھی موزوں ہوتا۔ جب کہیں قرآن میں یہ ہدایت ہوتی۔ کہ ہفتہ کے دن مچھلی یا گوشت کھانا منع تھا۔ اور باقی دنوں میں جائز۔ چونکہ اشارہ یا کنایہ سے بھی ایسا کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ اور قرآن نے ہنسا اہنسا کے متعلق ہر کہیں اصولی بحث کی ہے۔ اور سبت کے معنے کاٹنا یا مارنا کے بھی ہیں۔ اور آسائش و روزگار کے بھی اور یہ امتحان بھی آسائش کے زمانے میں ہی ہو سکتا ہے کہ کہاں تک لوگ دھرم پر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارا پیش کردہ مفہوم بالکل صحیح ہے۔ اس کے آگے پانچویں آیت میں خدا کا یہ قانون بھی بتایا ہے۔ کہ ان ظالموں پر خدا ایسے شخص کو حکمران کر دیتا ہے۔ جو ان کو عذاب شدید کی تکلیف پہنچاتا ہے۔ جب تک کہ وہ نیک نہ بن جاویں آیت میں لفظ ہے۔ یوم القیامت تک۔ اور اس کے معنے موہومہ قیامت کے نہیں۔ پرسکون اور دہرم کے زمانے کے ہیں۔ اگر موہومہ قیامت کا خیال صحیح ہوتا تو یہ کہا جاتا کہ قیامت کے دن سخت حاکم کو مسلط کریگا۔ لیکن یہاں ہے یوم قیامت تک ایسا کریگا۔ اور یہ ہے بھی معقول کہ ظالموں کو ان کے ظلم کے متعلق ان پر حکمران بڑی طاقت سے بھی تکلیف ملتی رہے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں بھی باوجود ہر طرح کی چیخ پکار کے حکومت سے ہر کہیں لوگ نالاں ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ ہم مستحق ہی عذاب کے ہیں۔ تبھی حالات نے یہ صورت اختیار کر رکھی ہے۔ خدا جلد سزا دینے والا بھی ہے۔ اور غفور اور رحیم بھی۔ سو لوگ تکلیف میں گناہ سے بچائے جاتے ہیں۔ یہ تو ہے خدا کی رحمت اور تکلیف و ایذا ہے۔ اس کے جلد سزا دینے کا نتیجہ۔

یہاں وعظ کرنے کو ہر حال میں عالموں کا فرض بتایا ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ظالم خدا سے ضرور سزا پائیں گے۔ تو ہماری وعظ کا فایدہ کیا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ ایک تو یہ کام ان کے اپنے فرض کی بجا آوری ہے۔ اور دوسرے ہر وقت ممکن ہے۔ کہ کسی بُرے آدمی پر اثر ہو جاوے اور وہ نیکی کی طرف مایل ہو جاوے

---

(۱) وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝

ہفتم ۔ سورۃ الانفال

رکوع ۳ ۔ آیت ۷ ۔ اور تمہیں پاکیزہ (ساتوک) چیزوں کا رزق دیا کہ تم شکر کرو ۔

خدا کی حفاظت و امداد کے بعد یہ ذکر کیا گیا ہے ۔ کہ خدا نے تمہیں پاک چیزوں کا رزق دیا ہے ۔ لہذا اے اہل ایمان ! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو ۔ اور جان بوجھ کر اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل نہ ڈالو۔[1] حیوانات جو انسان کے زیر سایہ اور اس کے معاون ہیں ۔ تمام دنیوی دولتوں سے زیادہ قابل حفاظت ہیں ۔ اور انہیں مار کر کھانا خیانت مجرمانہ ہے ۔

رکوع ۹ ۔ آیت ۵ ۔ سو جو کچھ حلال اور طیب تم کو ملا ہے ۔ اس میں سے کھاؤ ۔ اور خدا کا خوف رکھو یقیناً وہ غفور اور رحیم ہے ۲ ۔

خدا کی صفت مغفرت اور رحمت کے تقاضا سے اس کا کوئی معتقد حیوان کو مار کر حاصل کئے گوشت کو حلال اور طیب نہیں کہہ سکتا ۔ نہ قرآن میں کہیں بھی اشارہ یا کنایہ سے ہی یہ ذکر ہے ۔ کہ فلاں جانور تمہارے گوشت کھانے کے لئے پیدا کیا گیا یا طیب خوراک ہے ۔

ہشتم سورۃ ھود

رکوع ۶ ۔ آیت ۴ و ۵ ۔ اور اے میرے بھائیو ! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے خاص نشانی ہے اسے اللہ کی زمین میں کھلا پھرنے دو ۔ اور اسے تکلیف کے لئے چھوؤ بھی مت ۔ ورنہ گرفتار بلا ہوگے ۔ ۴ ۔

اس کے بعد ذکر ہے ۔ کہ صالح اور اس کے پیرو تو بچ گئے ۔ اور مخالف فنا ہوئے ۔ مفسرین کہتے ہیں ۔ کہ یہ خاص اونٹنی تھی ۔ صالح کی جسے لوگوں نے مار ڈالا ۔ اور عذاب پایا ۔ لیکن اول تو قابل قبول نہیں ۔ کہ صالح اپنی اونٹنی کے متعلق سارے لوگوں کو ہدایت دینے لگے ۔ کہ یہ جہاں چاہے کھاتی پھرے ۔ اسے کوئی روک نہ ہو ۔ دوسرے خدا کا انصاف بھی یہ تقاضا نہیں کرتا ۔ کہ ایک اونٹنی کے بدلے کل قوم کو تباہ کرے ۔ پس اصلیت محض یہ ہے کہ جیسے گئو اپنے فوائد کے لحاظ سے قابل حفاظت و تعظیم سمجھی جاتی ہے ۔ اسی طرح صالح کے ملک میں اونٹنی تھی ۔ لہذا اس نے انہیں ہدایت دی ۔ کہ اونٹنی کے لئے کھانے وغیرہ کی کمی نہ ہو ۔ نہ انہیں مارا و کھایا جائے ۔ لیکن عمل لوگوں نے اس کے خلاف کیا ۔ جیسے یہاں گئو پر ظلم ہوتا ہے ۔ لہذا وہ تکلیف میں مبتلا ہوئے ۔

---

۲ ۔ وَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

۱ ۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

حضرت ابراہیم اور اتھتی پوجا

رکوع ۷۔ آیت ۱ و ۲ اور ہمارے رسول ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے۔ کہا سلام۔ ابراہیم نے بھی جواب میں سلام کیا۔ اور بغیر دیری کے ان کے پاس بھنا ہوا بچھڑا لا دیا۔ ۱۔ مگر جب دیکھا۔ کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے۔ تو انہیں اتھتی جانا اور ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ۲۔

آنحضرت کا دعوےٰ ہے۔ کہ ہم ملت ابراہیم کے پیرو ہیں۔ اور ہم نے کئی جگہ واضح کیا ہے۔ کہ ابراہیم لفظ دراصل برہما ہے۔ اور برہما چاروں ویدوں کے عالم کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہ اعتراض ہونا لازمی ہے۔ کہ ویدک دہرم کے بڑے نمائندہ نے بچھڑے کو مروایا۔ لیکن واضح رہے۔ کہ درحقیقت نہ ابراہیم نے بچھڑے کو مروایا نہ اسے پکا کر مہمانوں کے پیش کیا۔ ہاں وید میں جو اتھتی ستکار کا اپدیش ہے۔ اس میں سے ایک منتر میں مانس کا لفظ آتا ہے۔ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ اتھتی کو جو چیز مرغوب ہو۔ وہ اس کے پیش کی جائے یا سکھ آچاریہ مانس لفظ کی حقیقت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

मना:सीदत्यस्मिन्निति मांस

جو فطرتاً مرغوب ہے مانس ہے۔

لیکن قدیم لٹریچر کا مطالعہ نہ رہنے اور گوشت خوری کا رواج ہونے اور آج کل مانس کو محض گوشت کے معنے میں لینے سے غلط فہمی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ وید کی اصولی اور اجمالی ہدایتوں کو تاریخی طرز پر بیان کرنے کے رواج نے بھی مغالطہ دیا ہے۔ اصل مقصود یہ تھا۔ کہ روزانہ جو پانچ یگیہ کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایک اتھتی یگیہ ہے۔ اس کی ودھی بتائی جاوے۔ لیکن برہما کی صفاتی ڈگری کو بھول کر اسے ابراہیم کی شخصیت میں بدلا۔ اور تاریخی طور پر خاص اتھتیوں کی خدمت کرنے کا قصہ جو بائبل میں مذکور ہوا۔ اس میں مانس لفظ کے مدعا کو موٹے تازے بچھڑے سے اور قرآن مجید میں عجل حنیذ سے ادا کیا گیا۔ مگر پھر بھی بائبل اور قرآن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بائبل میں لکھا ہے۔ مہمانوں نے وہ کھانا کھایا مگر قرآن میں ہے۔ انہوں نے اس کی طرف ہاتھ تک نہیں بڑھایا۔ نہ صرف یہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے پہلے انہیں عام آدمی سمجھ کر ایسا کیا۔ مگر جب انہیں متنفر دیکھا۔ تو سمجھا کہ یہ اتھتی ہیں۔ لہذا وہ ان سے ڈرا۔ کیا مطلب کہ وہ جانتا تھا۔ اتھتی لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ مجھ سے بڑا پاپ ہوا۔ کہ میں نے یہ چیز ان کے پیش کی۔ گویا آنحضرت نے اصولاً اس عمل کو میزبان اور مہمان ہر دو فریق سے گناہ مانا جانے کا ذکر کرکے ویدک دہرم کی لاج رکھ لی ہے۔

مذہبی تاریخ کے مطالعہ کے شائقین کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم یہاں اتھتی یگیہ کے متعلق وید کی تعلیم کو پیش

۱۔ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ؕ

کریں۔ اور بائیبل اور قرآن کے اس بیان کی اصلیت پر روشنی ڈالیں۔

انتہی کہتے ہیں۔ اسے جو عالم کامل۔ فیض رسان عالم۔ غالب الحواس۔ نیک عمل۔ راستگو۔ مکرو فریب وغیرہ عیوب سے پاک۔ ہمیشہ جگہ جگہ پھرنے والا ہو۔ کہ لوگوں کو وعظ حق۴ کا کام سب سے افضل اور تمام انسانوں کے حقیقی سکھ کا موجب ہے۔ اس لئے انہیں ہرطرح کا آرام پہنچانا۔ اور ان کو پہلے کھانا کھلا کے خود کھانا گرہستیوں کا فرض ہے مہرشی دیانند رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں لکھتے ہیں۔

وہ (انتہی) جب جب گرہستیوں کے گھروں میں جائیں۔ صاحب خانہ نہایت ادب سے اُٹھ کر تعظیم بجا لائے۔ اور انہیں اونچی و اچھی جگہ پر بٹھائے۔ اور حسب منا سب خاطر تواضع کرکے یہ پوچھے کہ مہاراج آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ انتہی مہاراج! یہ پانی لیجئے۔ آپ اپنے وعظ حق سے ہمیں اور ہمارے احباب کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ آپ کو پرسن کریں۔ مہاراج جس میں آپ کی خوشی ہو۔ ہم وہی کرینگے جو چیز آپ کو اچھی لگتی ہو۔ ہمیں اس کے لئے حکم کیجئے۔ آپ کی جیسی خواہش ہو۔ اسی کے مطابق ہم خاطر تواضع کو حاضر ہیں۔ جس طرح آپ کی اچھا پوری ہو۔ اسی طرح ہم خدمت بجا لاویں۔ تاکہ آپ اور ہم باہم خدمت اور فیض صحبت سے علم بڑھا کر سدا آرام میں رہیں"۔ یہ الفاظ محض وید منتروں کے آدھار پر لکھے گئے ہیں۔ لیکن خوف طوالت سے منتروں کا دینا ضروری نہیں۔ ہاں بائیبل کا بیان پیش کرکے ہم یہ واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ ہو بہو یہی مطلب ابراہیم کے اس قصے میں ہے۔

پیدائش باب ۱۸۔ وہ (ابراہیم) دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ اور اس نے اپنی آنکھیں اُٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا۔ کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر خیمے کے دروازے سے ان کے لینے کو دوڑا۔ اور زمین تک ان کے آگے جھکا اور بولا کہ اے میرے خداوند اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے۔ تو اپنے بندے کے ہاں سے چلے نہ جایئے۔ کہ تھوڑا سا پانی لایا جائے۔ اور آپ اپنے پاؤں دھوکر اس درخت کے نیچے آرام کیجئے۔ میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں۔ تازہ دم ہو جیئے۔ بعد اس کے آگے جایئے۔ کیونکہ اسی لئے اپنے بندے کے یہاں آئے ہیں۔ تب انہوں نے کہا۔ یوں ہی کر جیسا تو نے کہا۔ اور ابراہام خیمے میں سرہ کے پاس دوڑ آگیا۔ اور کہا۔ کہ تین پیمانے آٹا لے کے جلد گوندھ کر پھلکے پکا۔ اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا۔ اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا۔ اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اس نے گھی اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا۔ لے کر ان کے سامنے رکھا۔ اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا۔ اور انہوں نے کھایا"۔

ابراہیم نے جس تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اور پانی پیش کیا۔ اور خاطر تواضع سے پیش آیا۔ یہ سب مہرشی دیانند کے الفاظ میں موجود ہے۔ ویدک دھرمی کہتے ہیں۔ سوامی جی تو بائیبل میں ہے میرے خداوند دونوں کا مطلب ایک ہے اور ویدک دھرمی خاطر تواضع میں دودھ گھی۔ شہد یا انتہی کی خاص دل پسند یا مرغوب خوراک یا کم سے کم پانی پیش کرتے ہیں۔ تو بائیبل میں بھی دودھ اور گھی اور پانی مذکور ہے۔ کھٹکنے والی شے صرف بچھڑا ہے۔ جو یقیناً وید کے لفظ مانس کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ دیکھیے اتھروید سوکت ۹

۴ وعظ حق سے مستفیض کرے اور انتہی یگیہ یہ ہے کہ تمام خانہ دار لوگ ان کی خدمت کو اپنا مقدم فرض سمجھیں۔

اتھرو وید کے نوواک ۳ کے دسوں منتروں میں پرمیشور نے اس طرح انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے۔(۱)

پہلے دو منتروں میں کہا ہے۔ کہ برتن میں دودھ ڈال کر اتتھی کے پیش کرنیوالا اگنی شٹوم یگیہ کا پھل پاتا ہے۔ دوسرے دو منتروں میں کہا ہے۔ جو گھی وغیرہ طاقت دینے والی چیزیں پیش کرتا ہے۔ تو اتی راتر یگیہ کا سا پھل پاتا ہے۔ تیسرے دو منتروں میں شہد وغیرہ میٹھی اشیاء سے ستکار کرنیوالا ستر سدیہ یگیہ کے مطابق پھل پاتا ہے۔ اس کے بعد چوتھے دو منتروں میں ہے کہ مانس یعنی اتتھی کے لئے کوئی اور چیز مرغوب ہو جیسے شربت۔ چھاچھ پھل تو اس سے سلوک کرنے والا دوادشاہ یگیہ کا سا پھل پاتا ہے۔ اور پانچویں دو منتروں میں ہے کہ اس طرح اتتھی ستکار کی عظمت کو محسوس کرنے والا اگر سہتی محض جل سے بھی خلوص عقیدت سے ستکار کرتا ہے۔ تو وہ بھی پھل کا مستحق ہے۔

ان منتروں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساتویں منتر میں جو مانس کا لفظ ہے وہ دودھ گھی اور شہد کے علاوہ کوئی اور شے ہے۔ جو گوشت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یگیہ میں ہنسا وغیرہ کا ہر کہیں نشیدہ ہے۔ اور مانس کے معنے نرکت میں من کے لئے رچی کر یا مرغوب چیز لکھی ہے۔ اور ہونا بھی ایسا ہے۔ کہ عام طور پر جو چیزیں انسانی غذا میں اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ وہ لوگ خود بخود پیش کرتے ہیں۔ اور وہ دودھ۔ گھی۔ مٹھائی ہیں۔ لیکن اگر اتتھی کی ان پر رغبت نہ ہو۔ تو پھر پوچھا جاتا ہے۔ کہ جو چیز آپ کو اچھی لگتی ہو۔ فرما دیجئے۔ بس اسی بھاو سے یہاں مانس لفظ ہے۔ اور بعد میں جل کا لفظ آیا ہے۔ تو یہ صاف بتاتا ہے۔ کہ دودھ۔ گھی مٹھائی کی ضرورت نہ ہو۔ اور کوئی اور مرغوب شے بھی نہ مانگی جاوے۔ تو بھی کم سے کم جل سے تو اوشیہ ستکار ہو۔ جس سے پوجا کا مدعا برابر قائم رہے۔

پس بائیبل میں دودھ۔ گھی اور جل کے الفاظ اور اتتھی کیلئے ستکار کا جذبہ ابراہیم کے قصے میں دیکھتے ہوئے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ بچھڑا والی بات محض مانس لفظ کے غلط ترجمہ سے داخل ہوئی ہے نہ اتتھی لوگ گوشت کھاتے ہیں۔ نہ وید کا یہ مطلب ہو سکتا ہے۔ اور نہ بائیبل میں جس جلدی کا ذکر ہے۔ اس سے بچھڑے والا بیان سچا ہو سکتا ہے۔ کہ آن کی آن میں گلے میں جا کر بچھڑا لایا۔ اور ایک جوان کو اس کے مارنے اور پکانے پر مقرر کیا جاوے۔ اور گوشت پک کر آ بھی جاوے۔ یہ کام بہت دیر طلب ہے۔ اس لئے مطلب اصلی محض یہ ہدایت دینا تھا۔ کہ اتتھی کا فلاں فلاں چیز یا کم سے کم جل سے ستکار کیا جاوے۔ طرز بیان تاریخی اختیار

(۱) स य एवं विद्वान् क्षीरमुपसिच्योपहरति ॥१ यावदग्निष्टोमेनेष्ट्वा सुसमृद्धेनावरुन्द्धे तावदेनेनाव रुन्द्धे ॥२॥ स य एवं विद्वान्त्सर्पिरुपसिच्योपहरति ॥३॥ यावदतिरात्रेणेष्ट्वा० ॥४॥ स य एवं विद्वान मधूपसिच्योपहरति ॥५॥ यावत् सत्रसद्येनेष्ट्वा० ॥६॥ स य एवं विद्वान मांसमुपसिच्योपहरति ॥७॥ यावद् द्वादशाहेनेष्ट्वा सुसमृद्धेनावरुन्द्धे तावदेनेनाव रुन्द्धे ॥ ८ ॥ स य एवं विद्वानुदकमुपसिच्योपहरति ॥९॥ प्रजानां प्रजननाय गच्छति प्रतिष्ठां प्रियः प्रजानां भवति य एवं विद्वानुदकमुपसिच्योपहरति ॥ १० ॥

جواب۔ اور ایک لفظ کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ تو بھی بمصداق

ز نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

غور کرنے پر ان بیانات سے تیتی سنسکار کی ویدک مریادا یا اصولی تعلیم ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور قرآن مجید کی یہ خوبی ہے۔ کہ اس غلطی کو بھی بے وزن کیا۔ اور اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ کیا ابراہیم اور کیا اس کے مہمان سب نے عملاً گوشت خوری کو ممنوع ٹھہرایا۔ بائیبل والے دودھ۔ گھی اور پانی کے الفاظ محض یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جو بہت جلد بروقت میسر اور تیار ملنے والی چیز ہو اسی سے ہی ایسی جلدی کی خدمت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کے علاوہ جو چیز ہو وہ بھی مائع یعنی پتلی شے مثل چھاچھ یا شربت ہو گوشت جیسی ٹھوس چیز اور پھر ایک ہی وقت دودھ۔ گھی اور جل کیسا تھ پیش ہو۔ یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وید منتر والا بیان ہی مقصود ہے۔ قرآن کی آیت زیر بحث میں نکرہم لفظ کا ترجمہ کوئی یہ کر رہا ہے۔ کہ وہ ان سے متوحش ہوئے۔ کوئی یہ کرتا ہے۔ کہ ابراہیم سمجھا میں نے انہیں پہچانا نہیں۔ کوئی یہ لکھتا ہے۔ کہ اس نے انہیں اوپرا سمجھا۔ لیکن در حقیقت نہ پہچانا گیا یا اوپرا یا اجنبی سب کا مفہوم اتیتی لفظ ادا کرتا ہے۔ جو بغیر جان پہچان کے اور بغیر تاریخ وغیرہ کا پتہ دیئے ہر کہیں پہنچتے ہیں۔ جو لوگ یہ مطلب لیتے ہیں۔ کہ وہ دراصل نظر نہ آنے والے فرشتے تھے۔ مگر صورت بشر میں اس وقت تھے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ قرآن کے رو سے یہ خیال محض توہمات باطلہ میں سے ہے۔ قادیاں سے شائع شدہ تفسیر کبیر جلد ۳ میں نکرہم سے نہ پہچاننے کا مطلب یہ لیا گیا ہے۔ کہ پہلے انہیں عام مسافر سمجھا گیا۔ اور ابراہیم کے ڈرنے کا یہ مطلب لیا گیا ہے۔ کہ انہیں خوف ہوا۔ کوئی امر مہمان نوازی کے خلاف ہو گیا ہے۔ سو واقعی معقول مفہوم یہی ہے۔ کہ قرآن یہ واضح کرتا ہے۔ کہ ابراہیم نے گوشت پیش کرنے کی غلطی کا احساس کیا۔ غرضیکہ ان دونوں آیتوں میں قرآن نے گوشت خوری بالخصوص بچھڑے کو ابراہیم اور اس کے مہمانوں کے قصے کے ذریعے سے ممنوع بنایا۔ اور بائبل نے خود معنوی تحریف کا شکار ہوتے ہوئے بھی ویدک طریق اتیتی یگیہ کو پیش کیا ہے۔

نہم۔ سورۃ ابراہیم

رکوع ۵۔ آیت ۴۔ "اللہ ہی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ اور تمہارے لئے پھلوں والا رزق پیدا کیا"۔ (۱)

ایسا ہی کئی اور جگہوں میں باغ انگور۔ زیتون۔ کھجور یا اَن اناج کا ذکر آتا ہے۔ کہ تمہارے لئے یہ رزق پیدا کیا۔ مگر کہیں بھی یہ مذکور نہیں۔ کہ گوشت کا رزق تمہارے لئے بنایا۔

رکوع ۶۔ آیت ۱۔ ابراہیم نے دعا مانگی۔ کہ اے میرے رب اس شہر کو دار الامن بنائیے۔ (۲)

۱۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

۲۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔

اور اس کے دارالامان ہونے کے ثبوت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مکہ کی حدود میں جانور کا مارنا منع ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جس ملت ابراہیم کے آنحضرت پیرو تھے۔ اس کا تعلق گوشت خوری و ہنسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس رکوع کی تیسری آیت میں یہ دعا ہے " اے میرے پروردگار! میں نے اپنی شمشو منڈلی کو آپ کے اس پاک مندر کے قریب اس غیر مزروعہ وادی میں لا بسایا ہے۔ کہ اے میرے رب وہ عبادت کریں۔ اس لئے (از راہِ عنایت) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مایل کیجئے۔ اور انہیں پھلوں والا رزق دیجئے۔ جس سے وہ آپ کا شکر بجالاتے رہیں (۱)

کیا اس دعا کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اسلام گوشت خوری کے خلاف نہیں

دہم۔ سورۃ الحجر

رکوع ۲۔ آیت ۲۰ و ۲۰۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ اور اس میں ہر موزوں شئے اگائی۔ اور نہ صرف تمہارے لئے معاش کا سامان بنایا۔ ان کے لئے بھی بنایا جنہیں تم روزی نہیں دیتے" ۲۔

یہاں بھی انسان اور ان جانوروں کے لئے جن کو انسان نہیں پالتا۔ زمین سے اُگنے والا رزق ہی مذکور ہے

یازدہم۔ سورۃ النحل

رکوع ۱۔ آیت ۴ و ۵ اور اس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے۔ ان میں تمہارے لئے جاڑے کا سامان ہے۔ اور بھی بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے بھی ہو۔ ۳۔

یہاں انعام لفظ کل اہنسک پشوؤں کی جماعت کے لئے ہے۔ بھیڑ۔ بکری۔ گائے اور اونٹ۔ ان سے اون ملتا ہے تجارتی فوائد بھی اور دودھ بھی۔ مگر مفسرین "منہا تاکلون" کے معنے کرتے ہیں۔ کہ ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ یعنی ان کا گوشت یا ان میں سے بعض حیوانوں کو۔ مقابلۃً دور اندیش لوگ گوشت اور دودھ گھی سب کی مراد لیتے ہیں۔ لیکن قرآن کا منشا گوشت سے ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی حیوان کو کھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ مردار کو کھانا اور مردار حرام ہے۔ پھر حیوانات سے کھانے کا مستقل اصول قائم ہی نہیں رہتا

۱۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝
۲۔ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝
۳۔ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝

اگر حیوان کو ہی مار دیا جاوے۔ اس لئے جیسے ویدک لٹریچر میں گائے کے ذریعے انسان کو غذا ملنے اور اس کے ملنے کا بیان ہے۔ ویسے ہی یہاں ہے۔ اس کے آگے ۶ و ۷ آیت میں ہے۔ "اور تمہارے لئے ان میں شوبھا بھی ہے۔ جبکہ انہیں شام کے وقت لاتے اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔ اور یہ تمہارے بوجھ بھی ان شہروں کو لے جاتے ہیں۔ جہاں تم خود سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔" (۱)

یہ گویا ایک طرح کی اپیل ہے۔ ان کو نہ مارنے اور ان کا گوشت نہ کھانے کے لئے کہ۔ تاکہ اس سے وہ شوبھا انسان کی قائم نہیں رہتی جو گئو وغیرہ کو چرانے کو لیجانے اور چرا کر لانے میں ہے۔ اور اس سے وہ آرام جو ان کے بوجھ اٹھانے جانے وغیرہ سے ملتا ہے۔ مارا جاتا ہے۔

آٹھویں آیت میں ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے۔ تاکہ ان پر سواری کرو۔ اور تمہاری زینت بھی ہو۔ یہاں گھوڑے وغیرہ سے سواری کے فائدے کے علاوہ اشرف المخلوق انسان کی شان کا بھی ذکر ہے۔

رکوع ۲۔ آیت ۱ تا ۲ میں انسانوں کے لئے مینہ برسنے۔ اس سے حیوانات کے چارے کے لئے گھاس اور پودے اور انسانوں کے لئے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور۔ انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا ہونے کا بیان کر کے اس میں ایک سبق بتایا ہے۔ یعنی یہ کہ انسانی خوراک کیا ہے۔

آیت ۳ میں رات دن۔ سورج۔ چاند۔ ستارے سب انسان کے کام میں لگے ہوئے بتا کر آیت ۴ میں اس کے لئے زمین سے مختلف قسم کی پیداوار ہونے کا بیان ہے۔ اور آیت ۵ میں کہا ہے۔

وہی خدا ہے۔ جس نے دریا کو بھی تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ کہ تم تازہ گودے والی اشیاء کھاؤ (۲) لتاکلوا لحما طریا کا لفظ مفسرین مچھلی کھانے کے معنے میں لیتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ پانی میں جو سنگھاڑے وغیرہ ہیں۔ کیا وہ انسان نہیں کھاتے۔ اور کیا سیب کے اندر جو گودا ہے۔ یا نارنگی سنگترہ خربوزہ کے چھلکے کے اندر جو کھانے کی شے ہے۔ وہ اس گوشت کی مثل نہیں۔ جو کسی مچھلی کے چھلکے کے اندر رہے کیا پانی کے اندر کنول نال (بھیں) کی لمبی سی ڈنٹھل کا گودا پیدا نہیں ہوتا۔ جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پکایا۔ اور کھایا جاتا ہے۔ بلکہ جس کا کیمیا بھی بنایا جاتا ہے۔ جب مردار حرام ہے۔ اور مچھلی بھی مردار ہوئے بغیر کھانے میں نہ آنے سے یقیناً حرام ہے۔ اور قرآن سورہ المائدہ رکوع ۱۳ آیت ۹۶ میں صیداً البحر و طعامہ کے الفاظ میں دریائی شکار اور دریائی غذا کو الگ الگ حلال بتا کر شکار کے گوشت کو کہیں حلال نہیں کہتا۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اسلامی شریعت کے خلاف لحم لفظ کی آڑ میں مچھلی کو لیا جاوے۔ قرآن سورۃ المایدہ میں صاف ہدایت دیتا ہے۔ کہ تم پر قدیم ویدک دھرمیوں کی غذا حلال ہے۔ اور وید میں ہر قسم کے گوشت کی ممانعت ہے۔ تو قرآن کے کسی لفظ سے غذا کے متعلقہ مضمون میں گوشت کس طرح مقصود ہو

۱۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ

۲۔ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

سکتا ہے۔ لحم یا گوشت کا لفظ ویسا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ جیسا مانس کا لفظ اور مانس کے ایک معنے گودا ہے۔ چنانچہ آپٹے صاحب کی سنسکرت انگریزی ڈکشنری میں مانس کے لئے لکھا ہے The fleshy part of a substance یعنی کسی شے کا گودا۔ یہی معنے آیوروید کے گرنتھوں میں بھی عملاً لئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔ چترک کو جہاں دواؤں میں ڈالنا ہو۔ وہاں لال چترک چاہیئے۔ کیونکہ یہ زیادہ گودے والا ہوتا ہے۔ لیکن اگر نہ ملے۔ تو دوسرا چترک لے۔ (۱)

سسشرت سنگھتا شرر سنخان ادھیائے ۳ گدیہ ۳۲ میں ہے۔ پکے ہوئے پھل میں کیسر مانس ہڈی اور مغز الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اگر پھل کچا یا چھوٹا ہو تو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ تب وہ لطیف ہیں۔ یہاں مانس صاف طور پر گودا کے لئے اور ہڈی وغیرہ پھل کے دوسرے حصوں کے لئے ہیں (۲)

دسسشرت کانگھنٹو فلنگ ہلکا ہے کھٹا ہے۔ قوت ہاضمہ کو بڑھاتا ہے۔ دل کے لئے مفرح ہے۔ اس کی چھال تیز ہوتی ہے۔ بہ دیر ہضم ہے۔ بادی صفرا اور بلغم کا ناش کرنے والا ہے۔ شرر سنخان ادھیائے ۴۶ منتر ۱۴۹ اور اس کا مانس (گودا) لذیذ ٹھنڈا بھاری چکنا اور مادہ بادی و صفرا کا دافع ہے۔ شرر سنخان ادھیائے ۴۶ منتر ۱۹۰

پس لحم لفظ سے اگر یہاں گوشت مراد ہوتا۔ تو صاف طور پر لکھا جاتا۔ اور جب اوپر پانی کی نباتی پیداوار ہی انسان کی خوراک مانی جا رہی ہے۔ تو سمندری یا دریائی پانی کی پیداوار میں جاندار مچھلی کو کیوں گھسیڑا جائے رکوع ۹ آیت ۱۔ اور تمہارے لئے مویشی میں بھی عبرت یا سبق ہے ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے۔ اس کے بیچ میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پلاتے ہیں۔" (۳)

واقعی انسان کو سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ کہ جب خدا اندر کے تمام مادوں میں سے دودھ ہماری غذا کے طور پر ہمیں پلاتا ہے۔ تو ہم ان کو مار کر ان کے جسم کے اندر کے گوشت کو کیوں کھائیں۔

دوسری آیت میں ہے۔ اور کھجور اور انگوروں کے پھل سے تم لوگ نشہ کی چیز بناتے ہو اور اچھی اچھی

۱- रक्त चित्रक सुरवन्तु सचैत्रं या मयोजयेत् ।
मांसं लत्वा सुतीक्षणत्वाद भावादन्य चित्रकम् ।

۲ तद्यथा-चूत फल के परिपक्के केशर मांसास्थि मज्जानः पृथक् २ दृष्यन्ते काल प्रकर्षात् ।
तान्येव तरुणेनोप लभ्यन्ते सूक्ष्मत्वात्ते षां सूक्ष्माणां केशरादी नां काला प्रव्यक्त तां करोति।

۳- रुच्यमरुं दीपनंहृद्यं मातुलुङ्ग मुदा हृतम् ।
त्वक् तिक्ता दुर्जरातस्य वात क्रिमिक फापहा॥ १४६
स्वादु शीतं गुरुस्निग्धं मांसं मारुत पित्त जित् ।
मेध्यं शूला निरुच्छ्वासक फारोचक नाशनम्। १५०

۴- وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ٥

کھانے کی چیزیں۔ بے شک ان میں بھی اہل عقل کے لئے خاص نصیحت ہے۔ تیسری آیت یوں ہے۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں چھتے بنائے۔ اور درختوں میں بھی۔ اور لوگ ٹٹیاں چڑھاتے ہیں۔ ان میں بھی پھر ہر قسم کے پھلوں کو چوستی پھر اور اپنے رب کے طریقوں پر عمل کر جو تیرے لئے آسان کئے گئے ہیں۔ ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جو مختلف رنگوں کی ہوتی ہے۔ اہل غور و فکر کے لئے اس میں بڑی نصیحت ہے۔"

مطلب یہ کہ جب انسان پھلوں سے کئی چیزیں بنا رہا ہے۔ اور مکھی جیسی ننھی چیز۔ شہد جیسی صحت بخش اور لذیذ چیز پھولوں پھلوں سے تمہارے لئے مہیا کر رہی ہے۔ تو حیوانات کا خاتمہ کرنے والے گوشت خوری کے عمل کی کیا ضرورت ہے۔ جن کے اندر سے خدا دودھ جیسی نعمت تمہارے لئے مہیا کر رہا ہے۔

رکوع ۱۱۔ آیت ۸۰ میں مویشیوں سے ملنے والے فوائد کی تفصیل یہ بتائی ہے۔ مویشیوں کی کھال سے ان کے خیمے ان کی اون اور بالوں سے گھر کا سامان اور دوسری مفید چیزیں ملتی ہیں۔

رکوع ۱ کی پہلی دوسری آیت میں ایک بستی کی مثال دی گئی ہے۔ کہ وہاں کے لوگ بڑے امن و اطمینان سے رہتے تھے۔ اور انہیں ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں بافراغت پہنچتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی۔ سو خدا نے ان کی ان حرکتوں سے ان پر خوفناک قحط بھیجا۔ اور انہی میں سے ان کی طرف رسول بھی بھیجا۔ مگر انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ لہٰذا ان کے اس پاپ کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

اس بیان کا مطلب یہ ہے۔ کہ اَن اور پھل کو چھوڑ کر گوشت خوری کی عادت سے قحط وغیرہ کے شکار ہوتے ہیں۔ اور پھر جب سچے اپدیشکوں کی ہدایت کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ اور ہنسا وغیرہ پاپوں کو نہیں چھوڑتے۔ تو اور بھی بڑے عذاب پاتے اور تباہ ہوتے ہیں۔ خود اپنے ملک کا تجربہ ہے۔ کہ گوشت خوری کی عادت سے حیوانات کم ہو گئے ہیں۔ اور دودھ وغیرہ کی کمی سے کمزوریاں اور بے حد قحط اہلِ ملک کے لئے دکھدائی ہو رہے ہیں۔

ممکن ہے۔ ہمارے اس بیان کو غیر معقول استدلال سمجھا جاوے۔ اس لئے ہم اگلی آیتیں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کہ درحقیقت موقع و محل کے لحاظ سے پہلی و دوسری آیت کا یہی سچا مفہوم ہے۔

"سو خدا نے جو حلال اور پاک چیزیں عطا کی ہیں۔ وہی کھاؤ اور اگر خدا کی ہی عبادت کرتے ہو۔ تو اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔"

۳۔ تحقیق تم پر مردار، خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ پر نامزد جانور حرام کیا گیا ہے۔ باستثنائے اس کے کہ بغیر نیت ہنسا و عادت گوشت خوری کے مجبوری صورت والے کے لئے خدا مغفرت اور رحم کرتا ہے۔ ۴۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا جھوٹا زبانی دعوے ہے۔ ان کے متعلق یہ نہ کہا کرو۔ کہ فلاں چیز حلال ہے۔ اور فلاں حرام۔ یہ اللہ کے متعلق جھوٹی افترا ہو گی۔ بلاشبہ اللہ کے متعلق جھوٹ بہتان باندھنے والے فلاح نہیں پائیں گے ۵ ذرا سا سواد۔ مگر عذاب عظیم پاتے ہیں۔ ۶۔ (۱)

۱۔ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا .... مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

چونکہ اس بستی والوں کو اللہ کی نعمت کی بیقدری کے صلہ میں عذاب ملنے کا ذکر کر کے ہدایت یہ دی گئی ہے۔ کہ لہذا مردار اور خون کو حرام سمجھو۔ وغیرہ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ان پھل کی بیقدری سے مردار کے کھانے اور بے زبان جیوانوں کے خون بہانے کا ہی مطلب ہے۔ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے۔ کہ کتاب الہی سے جو حرام حلال ہے۔ اسے بھول کر خود کہتے پھرنا۔ کہ فلاں جانور حلال ہے۔ اور فلاں حرام ہے۔ یہ ایک قسم کا خدا پر بہتان ہے۔ کہ ناقص العقل انسان کی غلط رائے خدا کے ذمے مڑھی جاتی ہے۔ صورت مجبوری کے لئے مستثنے الصورت کو پیش کر کے بھی اصل اصول گوشت کے غیر مشروع ہونے کا ہی پیش کیا گیا ہے۔ اور پھر گوشت خوروں کی بے عقلی پر بھی اظہار افسوس کیا ہے۔ کہ کیا ذرا سی لذت یا عیش کے بس میں ہو کر عذاب الیم کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہودیوں پر بھی اس کے حرام ہونے کے بیان کا اشارہ دیا گیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جہالت سے ایسا پاپ کرنے کے بعد جو اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ خدا اس پر مغفرت اور رحم کرتا ہے۔

آخری یا سولھویں رکوع میں ابراہیم اور اس کی ملت کی تعریف کر کے آنحضرت کو بھی اسی دھرم پر چلنے کی ہدایت ہے۔ چوتھی آیت میں کہا ہے۔ تحقیق ہم نے ہنسا کا الزام انہی پر لگایا تھا۔ جنہوں نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ اور یقیناً تیرا رب ان کے درمیان امور مختلف فیہ کے متعلق فیصلہ کر کے زمانہ امن و اتحاد لائیگا۔ (۱)

سبت کے معنے جو غلطی سے ہفتہ کا دن ایسے موقعوں پر لیا جا رہا ہے۔ اس کا بھی فیصلہ ان آیات سے اچھی طرح ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہنسا اہنسا کا ہی مضمون چل رہا ہے۔ اور اسی کے متعلق باہمی اختلاف کا فیصلہ ہو کر زمانہ اتحاد آنے کا ذکر ہے۔

یازدہم ا۔ سورۃ طٰہٰ

رکوع ۴۔ آیت ۳ میں من اور سلوی کا مثل اور جگہوں کے ذکر ہے۔ اور یہ ہے بھی تاتوک پدارتھوں کے نام سے۔ اس کے آگے چوتھی آیت میں کہا ہے۔ جو پاک وساتوک رزق میں نے تم کو دیا ہے۔ وہ کھاؤ۔ اور اس میں شریعت کو نہ توڑو۔ ورنہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا اسے گیا گذرا ہی سمجھو۔ (۲)

یہاں صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ان اور پھل کو چھوڑ کر گوشت کھانا حد شریعت کو توڑنا اور غضب الہی کا مستحق ہونا ہے۔

دوازدہم سورۃ الحج

رکوع ۴ میں ابراہیم کو شرک سے بچنے اور خانہ کعبہ کی تقدیس کو قائم رکھنے اور لوگوں میں حج کی شمولیت

۱۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

۲۔ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ۝

۳۔ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

کا پرو پیگنڈا کرنے کی ہدایت دینے کے بعد تیسری آیت میں کہا ہے۔ کہ دور دور سے آنے والے لوگ دیکھیں گے۔ کہ کیا کیا فائدہ پاتے ہیں۔ اس کے آگے یہ ہے۔ کہ وہ ان مقررّہ ایام میں اس خدا نے اہنسک مویشیوں کے ذریعے جو رزق انہیں دیا ہے۔ اس پر خدا کے نام کا جپ کریں۔ سو اس سے خود کھاؤ۔ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ (۱) یہاں صاف کھول دیا ہے۔ کہ گائے وغیرہ اہنسک پشوؤں سے جو رزق ملتا ہے۔ یعنی دودھ وغیرہ اور اس کے بیٹوں کی بدولت کھیتی کرنے پر جو ان اور پھل ملتا ہے۔ اس کے لئے خدا کی یاد اور شکر گذاری کرنا انسانوں کا فرض ہے۔ اور انہی پشوؤں سے کھانے کا مطلب بھی اس رزق کو کھانا ہے۔ یہ نہیں۔ کہ ان کا گوشت کھا لو۔ کیونکہ وہ تو حرام ہے۔ کیا سوڈا واٹر کی مشین سے پانی تیار کرنے کی بجائے کوئی اسے کوٹ پیس کر کھانا بھی کبھی دیکھا ہے۔

مفسرین نے جو یہ مفہوم نکالا ہے۔ کہ پشوؤں کو ذبح کرو۔ اور کھاؤ اور کھلاؤ۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کعبہ جیسے دارالامان میں ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔ اور دوسری جگہوں میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ قرآن سواری اور بار برداری کا کام لینے کی ہدایت دیتا اور ان کا گوشت کھانے سے صاف منع کرتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کی صاف ممانعت موجود ہے۔

چوتھی آیت میں میل کچیل دُور کرنے یعنی حجامت وغیرہ کروا کر نہانے دھونے کی ہدایت ہے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی۔ اس کے بعد آیت ۵ میں کہا ہے۔ کہ جو خدا کی قابل احترام چیزوں کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے اہنسک پشو حلال ہے۔ بہ استثنائے اس امر کے جو تم پر واضح کیا گیا ہے۔ پس ان کی جسمیت والی گندگی سے پرہیز کرو۔ اور جھوٹ کہنے سے کنارہ کرو۔ (۲)

اس آیت میں حُرمٰت کا لفظ ان اہنسک پشوؤں کے لئے ہے۔ اور ان کی تعظیم کرنا یہ ہے۔ کہ ان کو مار کر ان کا گوشت نہ کھایا جاوے۔ بلکہ ان کی خدمت کر کے ان کی عمر بڑھائی اور ان سے وہ فوائد حاصل کئے جاویں۔ جن کے لئے وہ مقصود ہیں۔

اوثان کے معنے مفسرین نے بتوں کے کر دیئے ہیں۔ اور بتوں سے مراد جھوٹے معبودوں کی لی ہے۔ لیکن آیت کا دیوتایا مضمون تو ہے۔ انعام۔ اس لئے معبود بتوں کا کیا تعلق۔ یہاں تو صاف ثابت ہو رہا ہے۔ کہ اہنسک پشو کے حلال ہونے سے مراد تعاون کی ہی ہے۔ کیونکہ جو استثنٰے واضح کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ یعنی ان کے جسموں یا گوشت والی ناپاکی سے پرہیز کرو۔ یہی کچھ سورۃ الانعام رکوع ۱۸ کی دوسری آیت میں شُحُوم لفظ کی تشریح میں ہم نے واضح کیا ہے۔ اور نیز آیت زیر بحث کے بعد چھٹی آیت میں کہا ہے کہ صرف اللہ کی سچائی پر ہی قائم رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو اللہ کا شریک کرتا ہے۔ وہ گویا آسمان سے گرتا ہے۔ اور اس کی یہ تقدیر ہوتی ہے۔ کہ یا تو پرند اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں۔ یا ہوا اس کو اڑا کر دور جا پھینکتی ہے۔ اس کا مدعا صاف وہی ہے۔ جو سورۃ الانعام میں کہا تھا۔ کہ لوگ بغیر صحیح شریعت کا علم حاصل کئے

(۱) وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ

(۲) وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا

خود رائی سے کہہ رہے ہیں۔ فلاں جانور حلال ہے۔ فلاں حرام ہے۔ یہ غلط باتیں جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں کیونکہ وہ شریعت میں خدا کے علاوہ اوروں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں یہ مثال دی ہے۔ کہ انسان جو حلال حرام کی باتیں گھڑ رہے ہیں۔ وہ ان پرندوں کی مثال ہیں۔ جو کسی گر کر مرے ہوئے کو نوچ نوچ کھاتے ہیں۔ یا اس ہوا کی مانند جو مردہ جسموں کی بدبو یا ذرّات یا ٹکڑوں کو دور دور اڑا رہی ہے۔ برخلاف اس کے خدا کی شریعت کو ماننے والے بلندی کے آسمان پر اور ان خود غرض خود نما مذہبی لیڈروں جیسے نوچ نوچ کر کھانے والے پرندوں سے محفوظ ہیں۔ لیکن اگر اوثان کو بتوں کے لئے ہی مخصوص کریں۔ تو بھی بتوں والی گند گی کا مطلب یہی نکلے گا کہ ان پر جو پشوؤں کی بلی چڑھا رہے ہیں۔ اس سے بچو۔

اس سے آگے ساتویں آیت میں کہا ہے۔ کہ یہ تو ہُوا ان کا حال۔ اور جو اللہ کی نشانیوں کی عزت کریگا اس کا عمل اس کے دلی تقویٰ کا ثبوت ہوگا۔ (۱)

گویا پانچویں آیت میں حُرُمت اللہ کا اور ساتویں میں شعائر اللہ کا لفظ گائے وغیرہ کے لئے ہیں۔ اور ان کی عزت اور وہ دلی تقویٰ یا پرہیزگاری ہے۔ جس پر قرآن بار بار زور دے رہا ہے۔

اس رکوع کی آٹھویں آیت میں کہا ہے۔ "ان حیوانوں میں تمہارے لئے مقررہ وقت تک فوائد ہیں۔ اور پھر ان کا ڈیرا بیت عتیق (اس دار الامان) کی طرف سمجھو۔ ۲

گیا مطلب کہ جب تک خانہ داروں کے پاس گئے وغیرہ ہیں۔ وہ ان سے فوائد حاصل کریں۔ اور جب ان سے فوائد حاصل نہ کر سکیں یا جب وہ بوڑھے ہو جائیں۔ انہیں بیت عتیق میں پہنچا یا جائے۔ جہاں وہ امن اور آزادی سے رہیں۔ افسوس مذبح حیوانات کی ممانعت کا انتہائی انتظام اسلامی شریعت میں ہونے پر بھی گوشت خور لوگوں نے ایک طرف تو اپنی کمزوری کے لئے رستہ نکال لیا ہے۔ اور دوسری طرف خانہ کعبہ کو دار الامان کہتے ہوئے بھی اس کو بے زبان جانوروں کا قتل یا قربانگاہ مشہور کر دیا ہے۔

رکوع ۵۔ آیت ۱۔ "اور ہم نے کل امتوں پر عبادت کا فرض لگایا۔ کہ انہیں کن پشوؤں کے ذریعے انہیں جو رزق مل رہا ہے۔ اس پر خدا کے نام کو یاد کریں۔ سو تمہارا خدا ہی واحد معبود ہے۔ اس کے فرمانبردار رہو اور اس کے حکم کے آگے جھکنے والوں کو بشارت دو (۳)

دوسری آیت میں ان جھکنے والوں کے متعلق کہا ہے۔ کہ "یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ خدا کا ذکر ہونے پر ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ مصیبت میں وہ صبر سے کام لیتے ہیں۔ عبادت باقاعدہ کرتے ہیں۔ اور جو رزق خدا نے دیا۔ اس میں سے راہِ حق میں خرچ کرتے ہیں (۴)

یہ خوبیاں گویا غیر گوشت خوروں یا پشوؤں کی رکھشا کرنیوالوں کی ہیں۔ پہلی آیت میں منسک لفظ کے معنے

۱۔ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

۲۔ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

۳۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝

۴۔ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

عبادت کے ہیں۔ ناسکا یعنی ناک سے پرانایام کرنے کا رواج عبادت سے وابستہ ہونے سے منسک کا مفہوم عبادت اور بھی وزندار ہوتا ہے۔ لیکن مفسرین اس کے معنے قربانی کے لیتے ہیں۔ لیکن حاشا کہ کہیں بھی قرآن میں اس کی اجازت ہو۔ حتےٰ کہ ایک دو آیت کے بعد اسی مضمون میں ایسی قربانی وغیرہ کی نہایت زوردار الفاظ میں صاف صاف تردید کی گئی ہے۔ اور اللہ کا نام لینے یا اس کا شکریہ کرنے کا تعلق اس رزق سے ہے۔ جو گائے۔ بیل۔ بکری۔ بھیڑ اونٹ وغیرہ کے ذریعے ملتا ہے۔ ان کے گوشت کی وجہ سے نہیں۔

تیسری آیت میں کہا ہے۔ اور ہم نے انسانی جسموں کو تمہارے لئے خدا کی نشانی ہی بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ (کیونکہ انسانی قالب نجات کا دروازہ ہے) پس تم ان پر صف بستہ ہو کر اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ ہر لحاظ سے پختہ ہو جاویں۔ ان سے (کما کر) کھاؤ۔ اور قانع اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ کہ تم شکر کرتے رہو۔ ۳۔ (۱)

اس آیت کے لفظ البدن کو مفسرین اونٹ پر لگاتے ہیں۔ اور بعض اس کے ساتھ گائے کو بھی شامل کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی مفہوم گائے یا اونٹ کی قربانی لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا۔ اب اونٹ کو جو ہم نے تمہارے لئے یہ بھی اللہ کی خاص نشانی بنائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے بڑی بہتری ہے۔ پس ان کا دودھ دوہتے ہوئے اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ بچہ جنے۔ اس کے ذریعے خود کھاؤ اور اہل قناعت و حاجت کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے ان دونوں معنوں اور مفسرین کے ترجموں پر بحث کر دی ہے۔ اور یہاں بھی یہ واضح کر دیتے ہیں۔ کہ البدن جمع ہے۔ بدنۃ کی۔ بمعنے انسانی جسم کے اور چونکہ آیت زیر بحث سے حیوانوں یعنی تک ہے۔ اونٹ وغیرہ کے وجود سے ملے ہوئے رزق یا فوائد کے لئے شکر گذار رہنے کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے اس میں اب انسانی جسم کا ذکر آنا ہی معقول ہے۔ اور کوئی مسلمان انسانی جسم کی قربانی چڑھانے کو صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ نہ کوئی انسانی قربانی کرتا ہے۔ پس معاملہ بالکل صاف ہے۔ لیکن اگر البدن سے اونٹ کی مراد لی جائے گی۔ تو پہلی آیتوں میں جو انعام کا لفظ ہے۔ وہ محض گائے اور بکری کے لئے آئے گا۔ اور اس باب کی آیات محولہ بالا میں ہر کہیں انعام یا شعائر اللہ کی تعظیم سے مقدم طور پر گائے کی عزت مقصود سمجھی جائے گی۔

صواف کے معنے انسانی جماعت کے تعلق سے صف باندھے ہوئے ہی ہو سکتے ہیں۔ اور وجبت جنوبہا کے معنے ہر پہلو یا ہر لحاظ سے پختہ ہونے کے یا سارے پہلوؤں پر گھومنا یعنی ہر طرف الیشور کی ویاپکتا کا احساس جیسا کہ سندھیا کے منسا پرکرما کے منتروں میں ہے۔ اور اوپر جو منسک لفظ عبادت کے لئے آیا ہے۔ اور جس سے پرانایام والی عبادت مقصود ہو سکتی ہے۔ وہ بھی منسا پرکرما والی سندھیا سے ہی اس کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ اور اونٹ پر لگیں تو صواف کے معنے ہوں گے۔ (در دو محلبہ یا بیشتر دوشیدن ناقہ را ذصراح) یعنی دو یا زیادہ دوہنیوں میں اونٹنی کا دودھ دوہنا۔ پس کسی جانور کو مارنے یا قربانی کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی رکوع کی چوتھی آیت میں

---

۱ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

کہا ہے۔

"خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ نہ خون۔ بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری (تقویٰ) ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو ہدایت تمہیں دی ہے۔ اس کے مطابق تم اس کی جیہا گاؤ۔ اور نیک عملوں کو بشارت دو۔" (۱)

پس جب خدا تک خود گوشت پہنچتا ہی نہیں۔ تو اس قربانی سے انسان کو قرب الہی کیسے مل سکتا ہے۔ اور جب خدا صرف تقویٰ یا پرہیزگاری کا طالب ہے۔ اور اس سے پہلے یعنی چوتھے رکوع کی ساتویں آیت میں واضح ہو چکا ہے۔ کہ تقویٰ پشوؤں کی حفاظت کا نام ہے۔ تو ان کو مارنے سے متقی پن کے خاتمے کے بنا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ امر کہ خدا نے جنہیں ہماری خدمت کے لئے ہمارے مطیع کیا۔ ہم ان کو مار کر اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی مار رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ اس مہنگائی اور قحط سے جس سے تمام جہان نالاں ہے۔ اور اس درندگی سے جو انسانی جماعتوں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ گویا نہ انسانوں کے عمل نیک رہے نہ وہ بشارت کے مستحق ہوئے۔

سیزدہم متفرق

رکوع - ۱ - آیت ۱۹ تا ۲۲ سورۃ المومنون۔

اور ہم نے اندازے سے تم پر آسمان سے پانی برسایا۔ اور ہم اسے اڑا لے جانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ ۱۹۔ پھر اسی پانی سے ہم نے تمہارے واسطے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے۔ ان میں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے ہو۔ ۲۰۔ طور سینا سے ہم نے ایک درخت پیدا کیا۔ جو کھانے والوں کے لئے رنگ وروغن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ ۲۱۔ اور بلاشبہ گائے وغیرہ میں تمہارے لئے خاص سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو ہے۔ تم اسے پیتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان سے بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تم کھاتے ہو۔ ۲۲۔

یہاں باغوں کے میووں کا ذکر کر کے انسانوں کے ان سے کھانے کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ باغوں سے جو پیداوار ہوتی ہے۔ اسی طرح گائے وغیرہ سے جو فوائد ہیں۔ ان کا ذکر کر کے کہا ہے۔ کہ ان سے تم کھاتے ہو۔ گویا حیوانوں کے ذریعے دودھ یا ان اناج جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ کھاتے ہو۔ نہ کہ ان کا گوشت۔ سورۃ الفرقان میں کہا ہے۔ کہ ہم رسول کو تب مانتے۔ کہ اس کے پاس باغ ہوتا (یَأْكُلُ مِنْهَا) جس سے وہ کھاتا یعنی جس کی پیداوار یا جس کا منافع۔

رکوع - ۴ - آیت ۱ میں ہدایت ہے۔ کہ اے رسولو۔ پاک خوراک کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

سورۃ الشعرا۔ رکوع ۸ - آیت ۷ میں باغوں۔ چشموں۔ کھیتی۔ کھجوروں کے گچھوں کو ہی آرام کی چیزیں ظاہر کیا ہے۔ اور ان کے متعلق بھی اعتدال کا خیال دلایا ہے۔ اور رکوع کے اخیر میں پھر اونٹنی کا ذکر کیا ہے۔ کہ اس کے کھانے پینے کے متعلق سہولتوں کی ہدایت ہوتے پر نافرمانی کر کے لوگ عذاب سے تباہ ہوئے۔

السجدہ۔ رکوع - ۳ - آیت ۵ میں بیان ہے۔ کہ بارش کا پانی زمین میں پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے کھیتی ہوتی ہے۔ اور اس سے انسان اور حیوان پلتے ہیں۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ

سورۃ یٰسٓ۔ رکوع۔ ۳۔ آیت ۱ تا ۳۔ اور ان کے لئے مردہ زمین بھی خاص سبق دیتی ہے۔ جسے ہم بارش سے زندہ کر کے اس سے غلہ پیدا کرتے ہیں جس سے تم کھاتے ہو۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگائے اور ان میں چشمے جاری کئے۔ کہ اس کے پھلوں کو کھائیں۔ جسے ان کے ہاتھوں نے پیدا نہیں کیا۔ سو کیا شکر نہ کریں گے۔ پاک ذات ہے وہ جس نے کل قسموں کے جوڑے بنائے۔ زمین کی نباتات سے۔ ان کی جنس سے اور اس چیز سے جس کو لوگ جانتے نہیں۔ (۱)

یہاں بھی خوراک ان اور پھل کا ہی نام ہے۔ اور پیدائش کا تعلق نباتات ارضی سے ہی جوڑا ہے۔

اسی سورۃ کی رکوع ۵ آیت ۴ و ۵ میں ہے۔

کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں۔ کہ ہم نے ان کے لئے اپنی قدرت سے مویشی پیدا کئے ہیں۔ سو وہ ان کے مالک بن رہے ہیں۔ اور ہم نے ان کو ان کے تابع کر رکھا ہے۔ وہ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے خوراک پاتے ہیں۔ (۲)

اگلی آیت میں کہا ہے۔ کہ ان کو ان سے پینے کی چیزیں اور بہت سے فوائد ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے پر کہیں یہ نہیں لکھا۔ کہ ہم نے حیوان اس لئے پیدا کئے ہیں۔ کہ انسان ان کو ذبح کرے۔ اور ان کا گوشت پکا کر کھائے۔ واقعی انسان کی گراوٹ کا ثبوت ہے۔ کہ حیوانوں کا مالک بن کر خود اپنی ملک کو مارتا ہے۔

سورۃ الزخرف رکوع ۔۱۔ آیت ۱۱۔۱۲

اور خدا وہ ہے جس نے سب جوڑے بنائے ہیں۔ اور تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں۔ جن پر تم سواری کرتے ہو۔ ان کی پشتوں پر بیٹھو۔ اور جب سواری کر چکو۔ تو اپنے رب کا شکریہ ادا کرو۔ اور کہو کہ پاک ذات ہے اس کی جس نے انہیں ہمارے مطیع کیا ہے۔ ورنہ ہم ان پر قابو نہ پا سکتے۔" (۳)

کیا ایسے جانوروں کو مار کر ان کی اطاعت سے فائدہ نہ پانا کوئی عقلمندی ہے۔

اسی سورت کے رکوع ۷ آیت ۵ میں جنت میں کھانے کے لئے میوے لکھے ہیں۔

سورۃ قٓ رکوع ۱۔ آیت ۔۷۔۸۔۹

ہم نے آسمان سے مبارک پانی برسایا۔ اور اس سے باغ پیدا کئے۔ اور کھیتی کا غلہ۔ خوب گوندھے گچھوں والے لمبی لمبی کھجوروں کے درخت۔ یہ ہے لوگوں کے لئے رزق اور اسی سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ سورۃ الملک۔ رکوع۔ ۲۔ آیت۔۱۔ خدا وہ ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا۔

۱۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۚ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝

۲۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝

۳۔ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝

سوئم اس کے رستوں میں چلو۔ اور جو رزق اس سے ہوتا ہے۔ کھاؤ۔ (۱)

سورۃ النٰزعٰت رکوع۔ ۲۔ آیت ۳۰ تا ۳۳ میں ہے۔ کہ زمین سے ہم نے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور تمہارے اور تمہارے مولیشیوں کے فائدے کے لئے اس پر پہاڑ قائم کئے۔

سورۃ عبس آیت ۲۷ تا ۳۳۔ پھر ہم نے زمین کو خاص طور سے پھاڑا۔ اور اس میں غلہ۔ انگور۔ ترکاری زیتون۔ کھجور۔ گنجان باغ۔ میوے اور چارے پیدا کئے۔ کوئی تمہارے لئے کوئی تمہارے مولیشیوں کے لئے (۲)
اس قسم کے تمام حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن محض ان اور پھل کو انسان کی خوراک بتاتا ہے۔ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی ذکر نہیں۔ کہ خدا تم کو گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک جگہ ابراہیم کے مہمانوں کے آگے گوشت رکھا جانے کا بیان ہوا۔ مگر وہ بھی مہمانوں نے کھایا ہی نہیں اور ابراہیم کو بھی ان سے خوف ہوا اس کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ اور سورۃ الذاریات رکوع ۲ میں بھی یہ قصہ اسی طرح مذکور ہے۔ اس کے علاوہ ایک دو جگہ تازہ گوشت (مچھلی) کا اور ایک جگہ پرندے کے گوشت کا مفہوم طیر لفظ سے بہشت کے متعلق لیا جاتا ہے۔ سو اس کے متعلق مختصر بحث یہاں لکھی جاتی ہے۔

لَحْمًا طَرِیًّا و لَحْمِ طَیْرٍ

لَحْمًا طَرِیًّا جس کے معنے تازہ گوشت کے کئے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ کہ لحم بمعنے گودے کے ہے۔ جیسے سنگھاڑہ یا بھیں (وہ لمبی نال جو کنول کے نیچے پانی میں ہوتی ہے) یا نیلوفر وغیرہ اور جہاں چرک سمہترت کے حوالے سے سنسکرت میں مانس کو گودے کے معنے بھی لیا گیا ہے۔ وہاں ویدمیں سورگ یا جنت کے بیان میں اولاد کے سلسلے کو پانی کی اس پیداوار سے تشبیہ دی ہے اور طب میں بھی لحم گودا کیلئے آیا ہے
اتھر وید کانڈ ۴ سوکت ۳۴ منتر ۵ میں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

आण्डीकं कुमुदं सं तनोति बिसं शालूकं शफको मुलाली ।

ان میں گول کمل۔ کمل نال۔ کمل کند اور دیگر خوبصورت کملوں کا ذکر ہے۔ پس قرآن جو شروع سے اخیر تک گوشت یا مردار کو حرام کہتا ہے۔ اور سمندر ... ازت دینے پر بھی اس کے گوشت کھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور صید البحر وطعامہ کے ... کا تمارک کرتا اور سمندری غذا کو اس سے الگ کہتا ہے۔ جیسے کہ ... لحم طریا سے مچھلی کے گوشت کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ اور یہ مسلمہ ... بھی کھایا جاتا ہے۔ اور پہلے

(۱) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ
(۲) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ

پانی سے تازہ ملتا ہے۔ ایسے ہی بھیں کو بھی کئی طرح پکا کر کھایا جاتا ہے۔ رہا لحم طیر۔ یا پرندہ کا گوشت جس کا ذکر سورۃ الواقعہ آیت ۲۲ و ۲۳ میں اس طرح کیا گیا ہے "اور میوے جو وہ پسند کریں گے۔ اور پرند کا گوشت جو وہ چاہیں گے"، ہماری رائے میں نہ پرند کے گوشت کا جنت سے تعلق ہو سکتا ہے۔ نہ آنحضرت کیسا اہنسا وادی، ایسا کہہ سکتا ہے۔ نہ کسی اور جگہ گوشت کی اجازت ہے۔ نہ چرند کے گوشت کی نہ درندہ کے گوشت کی۔ نہ پرندہ کے گوشت کی۔ یہ محض پاٹھ بھید ہو رہا ہے۔ خواہ صحابی جماعت سے ہوا۔ خواہ اس کے بعد اصل لفظ یہاں بھی لحماً طریاً سمجھنا چاہیئے۔ اور ذرا سے غور پر اس امر کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔
قرآن مجید میں ہر کہیں خوراک ان پھل اور میوے کو مانا گیا ہے۔ کھیتی کا ذکر غلہ سے مخصوص کیا گیا ہے اور میوے اور پھل کا باغ سے۔ اور پھل کے لئے "تازہ گودا یا لحم طریاً" کا لفظ بالخصوص دریائی پھل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ آیت زیر بحث میں چونکہ جنت یا باغ سے میوے کا ذکر ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسرا لفظ پھل کے لئے چاہیئے۔ اس لئے ثمرات یا لحم طریاً کا لفظ ہی دوسری آیت میں آنا تھا۔

ویدک سورگ اور اسلامی بہشت کا بیان ساتویں باب میں ہے۔ اور مفصل بحث اس جگہ کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت نے ویدک سورگ کا ہی اپنے لفظوں میں چتر کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں زیادہ ثبوتوں کو نہ دوہرا کر ہم سورۃ المحمد۔ رکوع ۲۔ آیت ۴ کو پیش کرتے ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے۔
"جو جنت متقی لوگوں کے لئے مقرر ہے اس کی کیفیت یہ ہے۔ کہ اس میں نہ بگڑنے والے پانی کی نہریں ہیں اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں۔ جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور ایسے شراب کی نہریں ہیں۔ جو پینے والوں کے لئے لذت دینے والا ہے۔ اور ایسی شہد کی نہریں ہیں۔ جو بالکل صاف ہے۔ اور اس میں ان کے لئے ہر قسم کا پھل ہوگا۔ اور ان کے رب کی مغفرت"۔ (۱)

اس کے مقابلے پر اتھرو وید کانڈ ۴ سوکت ۳۴۔ منتر ۶ کو لیجئے۔
"گھی والے۔ شہد سے لبالب بھرے ہوئے۔ سُرا یعنی لذیذ پینے والی چیزوں سے بھرے ہوئے دودھ سے پر۔ دہی اور جل سے بھرے ہوئے کلشوں کی یہ سب راحت بخش دھاریں سورگ لوک میں سب طرفوں سے تجھے پراپت ہوں۔ آنند برساتی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں۔ اور تجھ پر قوت یا قرار لاتی ہوئی یہ تیرا انجام بخیر کریں۔ (۲)

[illegible] اور وید منتر صریحاً ایک ہی مطلب کو پیش کر رہے ہیں۔ وید میں سورگ سکھ یا سکھ والی جگہ کا نام ہے۔ جہاں دودھ۔ گھی۔ شہد۔ دہی اور پینے کی لذیذ چیزیں بکثرت ہوں۔ انہیں سنسکار یا [illegible] میں بھی جو منتر پیش کئے گئے۔ ان میں بھی دودھ۔ گھی۔ شہد اور [illegible] مرغوب شے اور

۱- مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ

۲- घृत ह्वा मधुकूल्याः सुरोदकाः क्षीरेणा पूर्णी उदकेम दध्नः ।
एतास्त्वाधारा उपयन्तु सर्वाः । स्वर्गे लोके मधुमत पिन्वमाना उपत्वा तिष्टन्तु पुष्करिणीः समन्ताः ॥५॥

جل سے ہی خاطر تواضع مذکور ہے۔ اور اس منتر میں بھی وہی کچھ ہے۔ آیت میں دودھ۔ پانی شہد کے الفاظ ہیں سے تو مطابقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ لیکن خمر کا لفظ شراب کے لئے استعمال ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ خمر کے معنے شراب کے علاوہ خمر کرنا۔ خمیر میں مایہ کرنا اور حقیقت کا چھپانا اور محفوظ رکھنا بھی ہے۔ اور الخمرۃ۔ خمر بفتحتین۔ پوشش از ہر چیز چوں مشقف یا کوہ یا وادی وریگ تودہ ومانند آں وانبوہ ہے مردم ونہاں شدن (صراح) اس لحاظ سے جیسے آٹے کا خمیر کیا جاتا ہے۔ ویسے دودھ کو جمایا جاتا ہے یا جو دودھ میں نہاں ہے۔ وہ دہی۔ مکھن۔ گھی سب اس کے معنے میں ہیں۔ اور چونکہ دوسری تمام جگہوں میں لذت والا شراب مذکور ہے۔ جس میں نہ نشہ ہے۔ نہ لغو۔ اور شراب نام ہے ہر اس شئے کا جو پینے میں آتی ہے۔ بالخصوص لذت والی شراب شربت وغیرہ ہیں۔ جو صحت میں معاون ہیں۔ اس لئے خمر لفظ سے نشہ کرنے والا شراب مقصود نہیں۔ بلکہ وید منتر میں جو سُرو دکہ کا لفظ لذیذ نوشیدنی اشیا کے لئے آیا ہے۔ اسی کا قائمقام ہے۔ اور کامل مطابقت کا یہ آیت اور منتر نہایت پختہ ثبوت ہیں۔ ایسی صورت میں پرندے کا گوشت بہشت میں ملنا قرآن کا بیان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جب قرآن قدیم بے بدل دہرم کی توضیح کرتا ہے۔ اور آیت اور منتر باہم مطابق ہیں۔ اور جب قرآن کا ہر بیان قرآن کی اپنی شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن پرند کے گوشت کے لفظ کی شہادت کہیں دوسری جگہ موجود نہیں۔ تب سوائے پاٹھ بھید ہوتے یا غلط فہمی سے کیا جانے کے کوئی اور نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں ان لذیذ نوشیدنی چیزوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ سورۃ الدہر میں سونٹھ کی آمیزش والے پانی کو سلسبیل کہا گیا ہے۔ جیسے آج کل جنجر واٹر بوتلوں میں بندمل رہا ہے۔ سورۃ التطفیف میں ایسی پینے والی چیزوں کے نام رحیق اور تسنیم ہیں کہیں کسی پانی کو کافور کی آمیزش والا کہا ہے۔ کہیں رحیق کو سربمہر کہا ہے۔

سورۃ الواقعہ میں تین قسم کے انسان مذکور ہیں۔ مقرب (خدا رسیدہ) اصحاب یمین (نیک عمل) اور اصحابِ شمال (بدعمل) اور یہ لذیذ نوشیدنی اشیا مقربوں سے مخصوص ہیں۔

مروجہ تذبیح بقر یا گومیدہ یگیہ کی تردید

موجودہ اسلام میں گوکُشی یا گائے کی قربانی مروج ہے۔ مگر ہم اس کی بنیاد ہندوؤں کے گومیدہ یگیہ کو سمجھتے ہیں۔ نہ قرآن کو نہ اسلام کو۔ بلکہ اسلام جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔ اس کا انتہائی مخالف ہے۔ چنانچہ انعام کا لفظ جو ہر کہیں نرم مزاج یا اہنسک پشوؤں کے معنے میں لیا گیا ہے۔ غور سے دیکھنے پر زیادہ تر گائے کے لئے مستعمل معلوم ہوتا ہے۔ کھیتی۔ باربرداری۔ سواری۔ دودھ سب سے گائے اور بیل کا تعلق ہے۔ اور حُرمت اللہ۔ شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کی حفاظت مقدم طور پر گئو رکھشا کا مفہوم پیش کرتی ہے۔ حتےٰ کہ سورۃ البقر میں جو تذبیح بقر کا مضمون ہے۔ وہ بھی نہایت عالمانہ طور پر تذبیح بقر یا گومیدہ کے مفہوم کو نفس کشی سے وابستہ کرتا ہے۔ اور گائے کی تعظیم کے جذبات کا پورا

احترام کرتا ہے۔ ویدک دہرمی خود دہرم اور گیان کے آورش سے گر کر اشومیدھ یگہ سے گھوڑے کا۔ گومیدھ سے گائے کا اور نرمیدھ سے نر کا مارنا یا قربان کرنا سمجھ رہے تھے۔ لیکن مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش سملاس ۱۱ میں تبایا کہ یہ مدعا بالکل غلط ہے۔ بلکہ اشومیدھ اس کا نام ہے۔ کہ راجہ انصاف یا دہرم سے رعیت کی پرورش کرے۔ نیز عالم بیجان کا علم بڑھانا اور آگ میں گھی وغیرہ کا ہوم کرنا اشومیدھ ہے۔ گومیدھ یہ ہے۔ کہ اناج۔ حواس (من وغیرہ اندرونی اندریوں اور آنکھ وغیرہ بیرونی اندریوں) کرنوں اور زمین کو پاکیزہ رکھا جاوے۔ اور نرمیدھ یہ ہے۔ کہ جب انسان مرجاوے اس کے جسم کو باقاعدہ جلایا جاوے۔

مہرشی کے ان الفاظ سے گومیدھ کا سب سے اعلےٰ مفہوم من کو پاکیزہ رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ سو قرآن میں تذبیح بقر کا بھی مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ سورۃ البقر کی آیت ۶۷ تا ۷۳ پر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے آنحضرت تذبیح بقر یا بقر عید یا گومیدھ کی بنیاد موسےٰ کے ایک قول کو قرار دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا۔ کہ خدا کا حکم ہے۔ بقر کو ذبح کرو۔ آپ ثابت کرتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب تو تھا من کو مارو۔ مگر لوگوں نے سمجھا۔ موسےٰ گائے کو مارنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر سامعین برافروختہ ہو کر موسےٰ پر ناراض ہوئے کہ کیا تو ہمارے دل دکھانے یا جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی بات کہتا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگ گائے کی تعظیم کرتے تھے۔ اور نیز یہ کہ جب کوئی گائے ذبح کرنے کا نام لے۔ عوام الناس کو اسے برداشت نہ کر کے اظہار ناراضگی کرنا چاہئیے۔ چنانچہ موسیٰ کی قوم نے ایسا کیا۔ جس پر موسیٰ نے معافی مانگی اور کہا۔ کہ پناہ بخدا میں ایسا جاہل نہیں۔ کہ گائے کے متعلق ایسا کہوں۔ گویا یہ طے شدہ امر ہے۔ کہ موسےٰ کا گائے کی طرف اشارہ نہ تھا۔ اور لوگوں نے یہ مفہوم لینے میں غلطی کھائی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب بقر سے مراد گائے نہ تھی۔ تو کیا چیز تھی۔ اس کی توضیح قرآن میں یوں کی ہے۔ کہ موسےٰ کی معذرت سُن کر لوگوں نے کہا۔ ایسا ہے تو ہم خدا کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اور بقر کو ذبح کریں گے۔ لیکن ہمیں یہ گیان تو ہو۔ کہ بقر سے مُراد کیا ہے۔ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہم پر واضح کرے۔ بقر ہے کیا۔ موسےٰ نے کہا۔ خدا فرماتا ہے وہ بقر کیا بچپن اور کیا بڑھاپا دونوں حالتوں میں جوان ہے۔ مگر لوگوں کو اس کہنے سے یقینی علم کچھ نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے پھر عرض کیا۔ کہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں صحیح گیان دے۔ کہ اس کی نوعیت کی خاص تعریف کیا ہے۔ جواب ملا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ آدمی کے پیٹ والا یا اندرونی سانپ ہے۔ بڑا تیز مزاج مگر اہل بصیرت کے لئے مسرت بخش ہے۔ یہ بھی من پر ہی عاید ہونے والی تعریف ہے۔ پاپی من جس کی شدھی کرنی ہے۔ مثل سانپ ہی ہے۔ بد انسان اور ظالم کو سانپ سے بھی گیا گذرا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر من ویگ یا تیزی والا اور چنچل بھی ہے۔ اور گیانی لوگوں کو من کے ذریعے ہی دُنیوی اشیاء سے راحت اور سرور ملتا ہے۔ اور ہر چیز من سے ہی مرغوب ہوتی ہے۔ مگر لوگوں نے کہا۔ ہمیں ابھی تک یقینی علم نہیں ہوا۔ اس لئے پھر دُعا کیجئے۔ کہ ہمیں اس کا صحیح گیان دے۔ اور اللہ نے چاہا۔ تو اب کے ہم سمجھ جاویں گے۔ جواب ملا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ بقر تمہارے مطیع کیا گیا ہے۔ مگر کھیتی کو پانی دینے یا زمین میں ہل چلانے کے لئے وہ مقصود نہیں۔ بلکہ صحیح سالم یا بالکل پاک اور بے داغ دیا گیا تھا۔ اس پر لوگوں نے کہا۔ ہاں ہاں اب معلوم ہو گیا۔

آپ اب کے صحیح پتہ لائے۔ لہٰذا انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ مگر ایسا کرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے۔ چونکہ پاک اور بیداغ من انسان کو ملا ہے۔ اور وید میں گو کے معنٰی گئو کے علاوہ من کے ہیں۔ اور یہ من رُوپی گائے اپنے بیٹوں کے ذریعے ہل چلانے یا کھیتی کو پانی دینے وغیرہ کے کام نہیں آتی۔ اسے انسان جہالت سے واغدار کرتا ہے۔ اور جب اسے مارتا یا پاکیزہ کرتا ہے۔ تب اُس کا عمل ظاہر نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اندر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے سارا بیان بتاتا ہے۔ کہ ویدک سنسکرت کے گو شبد کی جگہ ہی موسٰے نے بقر کو لے کر من کو مارنے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ مضمون کو ختم کر کے اگلے رکوع کی پہلی آیت میں سارے معمے کو یہ کہہ کر کھول دیا ہے۔ کہ جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تمہارے اندر نُور کا ظہور ہوا۔ کیونکہ اللہ کو اس حکم سے تمہارے پوشیدہ کمالات کا ظاہر ہونا مطلوب ہے۔ چونکہ اور جگہ ان آیات پر بحث موجود ہے۔ بالخصوص آیات محولہ بالا کی تفسیر میں موافق و مخالف پہلوؤں پُر مدلل و باثبوت بحث پیش کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں مزید نہ لکھ کر بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ اس صحیح اور صریح فتوے کے ساتھ کہ قرآن میں گوشت خوری اور قربانی کی انتہائی ممانعت ہے۔ اور آنحضرت ~~صلعم~~ کا منشاء خالص طور پر وہی ہے۔ جو ایک سچے اہنساوادی ویدک دھرمی رِشی کا ہو سکتا ہے۔

چہاردہم۔ اسلامی لٹریچر اور تاریخ کی شہادت

وید اور قرآن کی گوشت خوری اور قربانی کے متعلق ایک ہی تعلیم ہے۔ یہ دکھانے کے بعد ہم واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ اس مطابقت کی بنیاد کسی کھینچا تانی پر نہ سمجھی جاوے۔ جو جلد باز اور متعصب لوگ ہم سے منسوب کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی لٹریچر اور تاریخ میں بھی شروع سے اب تک ہماری تائید ملتی ہے۔

(۱) خود قرآن کے لفظوں میں ایسی کامل صلاحیت موجود ہے۔ کہ ہمارے ترجمے کے بغیر کسی اور ترجمے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بالخصوص تذبیح بقر سے نفس کشی کا مفہوم تو قرآن کے الفاظ نے اس زور کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ کہ کوئی بھی سلیم الطبع شخص اس کے ماسوائے کو جہالت پر منحصر کہنے سے رُک نہیں سکتا۔

(۲) اس جلد کے شروع کے صفحہ ۲ پر ہم نے خاص معتبر کتب کا حوالہ بھی دیدیا ہے۔ کہ تذبیح بقر کی صحیح تاویل من کو مارنا ہے۔ جس سے روحانی زندگی ملتی ہے۔ اور جو حقیقی معنے میں جہاد اکبر ہے۔ یہ صحیح مفہوم اسلام کے چوٹی کے عالموں نے سورۃ البقر رکوع ۹ آیت ۱ کا پیش کیا ہے۔ کہ جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تمہارے اندر گیان کا پرکاش ہوا۔ خدا کو تمہارے عمل نفس کشی سے تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

(۳) اسی مضمون میں یہ بیان ہے۔ کہ ظالم نفس ہی بقر ہے۔ اس کو سچائی کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے یہ منوسمرتی کے اس قول کے مطابق ہے کہ

मनः सत्येन शुध्यति (من کی شدھی سچائی سے ہوتی ہے)

(۴) ۱۸ ر جنوری ۱۹۲۷ء کے سدھرم پرچارک دہلی میں ڈاکٹر سید محمد پی۔ ایچ۔ ڈی کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ چھپا تھا۔ جس میں بہت سے تاریخی ثبوت دیئے گئے ہیں۔ اس ثبوت میں کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں گائے کی حفاظت کا جذبہ تمام شاہانِ اسلام میں موجود رہا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر وہ گوکشی کو قانوناً ممنوع قرار دیتے رہے ہیں۔

پہلا ثبوت گوکشی کی مخالفت کا وہ کریا جاجیر ٹیکس ہے۔ جو جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ تک قصائیوں پر لگا رہا۔ دوسرا ثبوت۔ محمد تغلق کے متعلق دیا ہے۔ کہ اس کے ہاں گو ماس پکتا تو کہاں اسے چھونے تک سے سخت

نفرت تھی۔

تیسرا ثبوت یہ دیا ہے۔ کہ فرحت الملک گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔ محمد غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں بھی وہی حاکم تھا۔ اس نے گؤکشی کو حکماً بند کیا۔ اور حفاظت گائے کے لئے ہر ممکن سہولیت بہم پہنچائی۔

چوتھا ثبوت۔ سلطان نصیر الدین کے عہد حکومت میں ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ رسوخ حاصل ہونے کے ذکر کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ فیروز شاہ تغلق کے وقت سے جو ٹیکس بند تھا۔ اس نے پھر لگا دیا۔ اور گؤکشی کو بالکل روک دیا۔

پانچواں ثبوت۔ اکبر شاہ نے ٹیکس کو بھی کامل علاج نہ سمجھتے ہوئے خاص طور پر انسداد گؤکشی پر توجہ دی۔ اور اسے قانوناً بند رکھا۔

چھٹا ثبوت مضمون نگار قیاسی طور پر پیش کرتا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ سترھویں صدی میں ایک انگریز سیاح ہندوستان میں آیا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا۔ کہ ہندو گائے کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ ایک گائے اور ایک انسان دونوں کے قتل کو مساوی جرم سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمران اس امر پر اپنا کوئی اختیار نہ جتاتے تھے۔ ورنہ انگریز سیاح ہندوؤں کے جذبات کو اس آسانی سے بھانپ نہ سکتا۔

ساتواں ثبوت۔ بابر بادشاہ کے عمل کا ہے۔ جس نے ہندوؤں کے جذبات کو نہایت گہرائی تک مطالعہ کیا۔ اور گؤکشی نہ ہونے دی۔

آٹھواں ثبوت۔ بابر کے اس وصیت نامہ کا ہے۔ جو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کے لئے لکھا۔ اس نے اس میں ہندوؤں کے دھرم پریم کو بھی اچھی طرح دکھایا۔ اور گؤکشی کو روکنے کی بھی آگیا دی۔ یہ خط ریاست بھوپال کی لائبریری میں ابھی تک محفوظ ہے۔ جس کا ضروری فوٹو راقم مضمون کو نواب کرنل حمید اللہ خاں سے ملا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔

"اے میرے بیٹے! ہندوستان میں کتنے ہی دھرما دلمبی رہتے ہیں۔ یہ اس قادر مطلق شہنشاہ ایشور کی عنایت ہے۔ کہ اس نے اس ملک کی حکومت کی ذمہ داری تیرے ہاتھ میں دی۔ اس لئے تمہیں چاہیئے کہ

(۱) کبھی اپنے مذہبی جھگڑے میں سر اونچا اٹھانے کی کوشش نہ ہونے دینا۔ بلا تعصب و طرفداری کے انصاف کرنا مذہبی خیالات کو سمجھ کر رعیت کی مذہبی تفریق کے متعلقہ رواجوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت کرنا۔

۲۔ بالخصوص گؤکشی نہ کرنا۔ کیونکہ اسی سے تم ہندو رعایا کے دلوں کو اچھے لگ سکتے ہو۔ اس طریق سے تم دنیا کی رعایا کو شکر گذاری کے بندھن سے باندھ لوگے۔

۳۔ کسی قومی فریق کے عبادت خانوں کو برباد نہ کرنا۔ اور انصاف پسند رہنا۔ تاکہ حاکم اور محکوم کے درمیان دلی پریم مضبوط ہو اور ساری دنیا پر اطمینان اور امن پھیلے

۴۔ اسلام دھرم کی اشاعت ظالم تلوار کی نسبت محبت اور شکر گذاری سے کرنا کئی گنا بہتر ہے۔

۵۔ شیعہ سنی کی باہمی پھوٹ کو بھلاتے رہنا۔ نہیں تو وہ دین اسلام کو کمزور کر دیں گے۔

۶۔ رعیت کی ہر موقعہ کی مانگوں کو سال کے موسموں کی طرح ماننا اس سے راج نیتی کا کثیف جسم سب بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔

قارئین! یہ آپ اپنے غور و فکر کے نتیجے کا مہیا کرتے ہیں۔ کہ جب غیر ملک سے آئے بابر کا یہ حال ہے۔ کہ اس نے ہندوؤں کے سکھ ترقی محبت بالخصوص گؤکشی کے متعلق پر احتیاط عمل کا لحاظ کیا۔ تو یہاں کے رہنے والے یا ہندوستان میں مستقل

طور پر آباد ہو جانے والے اور یہیں پیدا ہونے و ترقی کرنیوالے مسلمانوں نے کیا جانے کس قدر ان کا مذہبی احترام کیا ہوگا

دسواں ثبوت۔ آئین اکبری اور دوسری کتابوں کا دیکھ ہے۔ جن سے اکبر کے ایک دم گو کشی کو اپنے سارے راجیہ میں بند کرنے کے صاف احکام موجود ہیں۔

گیارھواں ثبوت۔ اکبر کے جانشین جہانگیر کا ہے۔ جس نے نہ صرف اس قانون کی اسی طرح پابندی کی۔ اس سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ اتوار کو جس دن اکبر پیدا ہوا تھا۔ اور برہسپتی وار کو جس میں جہانگیر خود تخت نشین ہوا تھا۔ کوئی جانور خواہ کسی قسم کا ہو۔ مارا نہ جانے کا جرنیلی حکم دیا۔ اور یہ قانون ہی بنا دیا۔ کہ ان دونوں دنوں میں کوئی شکار بھی نہ کھیلے۔

بارھواں ثبوت۔ آپ بحیثیت مجموعی عام سلوک کا پیش کرتے ہیں۔ کہ مسلم پادشاہوں تک ہندو دھرم پر بہت وچار تے اور ان کے خیالات کی بڑی عزت کرتے۔ یہ خیال ہندوؤں کا راقم مضمون کے نزدیک غلط ہے۔ کہ مسلمانوں نے ہم پر ظلم کیا۔ آپ کا کہنا ہے۔ کہ بے تعصب و طرفدار ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیا جاوے۔ تو یقین ہوگا۔ کہ اصلیت اور یقینی مسلمان پادشاہ ہندوؤں کے سکھ دکھ اور ان کے بڑے بڑے جلسوں میں حصہ لیتے تھے۔ دیوالی پر پوجا کے لئے دربار ہوتا تھا۔ اور برہمن شاہی باغوں میں گئوئیں لاتے اور پادشاہوں کی طرف سے انعام اور تحفے لیتے تھے۔ دسہرہ کا جلسہ بھی منایا جاتا تھا۔ شیوراتری میں شاہی محلوں میں یوگی بلائے جاتے تھے۔ اور انہیں بھوجن دیا جاتا تھا۔ رکھشا بندھن میں خود پادشاہ راکھڑی بندھواتے تھے۔ مسلمان پادشاہ عام طور پر ہندو سادھوؤں سے ملتے تھے۔ ان کی عزت کرتے تھے۔ سر تھامس رو جو جیمس اول کی طرف سے ایلچی بن کر جہانگیر کے دربار میں آیا تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ جہانگیر بارہا ہندو سادھوؤں سے ملتا تھا۔ حتےٰ کہ عام طور پر اس نے بچشم خود دیکھا۔ کہ پھٹے پرانے کپڑے والا یوگی پادشاہ کے پاس بیٹھتا ہے۔ پادشاہ بڑی منت سے اسے پتا کہہ کر خطاب کرتا تھا۔

ان سب شہادتوں کے ساتھ ہسٹری آف انڈیا (آگرہ کالج) صفحہ ۵۸ اپر جس اورنگ زیب کو ہند۔ وظالم اور متعصب مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کی بابت لکھتا ہے۔" اورنگ زیب دبلا پتلا اور متعصب آدمی تھا۔ وہ شراب اور گوشت سے بالکل پرہیز کرتا تھا۔ اور میوہ جات اور نباتات سے گذران کرتا تھا۔

حضرت علی کا مقولہ تھا۔ کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کی قبریں نہ بناؤ۔ اس کی تائید شاہ اکبر نے کی۔ ابو الفضل دفتر سوم اور سیرۃ المتاخرین (۱-۱۸۵) میں لکھتا ہے۔

افسوس انسان پر کہ خدا نے اس قدر نعمتیں دیں۔ مگر اس بے شکرے نے اپنے پیٹ میں جانوروں کو مار کر دفنایا۔ کاشکہ میرا جسم اتنا بڑا ہوتا۔ کہ یہ موذی گوشتخوار اس سے سیر ہوتا رہتا۔ کسی اور جاندار کو ایذا نہ پہنچاتا۔"

سیرۃ المتاخرین میں گوشت خوری کو سخت جانی سنگدلی بیدردی کمال نادانی۔ کمال بے عقلی جلادی کہا۔ اور اس پر لعنت بھیجکر پھر کہا۔ کہ خداوند کی حکمتوں اور کاریگریوں کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چیزوں کو توڑنا گرانا وغیرہ سے بڑھکر بیوقوفی اور کمینگی کیا ہوگی۔ محمد شاہ پادشاہ نے بھی اپنے تمام ممالک محروسہ میں نہایت زور دار احکام انسداد گو کشی کے متعلق جاری کئے۔

اسی طرح امیر کابل کی طرف سے گو کشی کے خلاف احکامات صادر ہوتے رہے۔ امیر حبیب اللہ خاں صاحب والئے کابل نے خود اہل ہند کے مسلمانوں کو اپنی تقریر میں گو کشی سے باز رہنے کی مؤثر نصیحت دی۔

مہرشی دیانندجی نے جب گو رکھشا اندولن شروع کیا۔ سر سید احمد صاحب جیسے پارسو رخ مسلم نیتا ان کے پورے

معاون تھے۔

۱۶ر نومبر ۱۹۳۳ء کے سدھرم پرچارک دہلی میں آل انڈیا گوسبھا سمتی کلکتہ کے ایک اجلاس کی کارروائی کا کچھ حصہ چھپا ہے۔ جو ۱۲ر اگست ۱۹۳۳ء کو ڈبلیو ای گرمیس صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مسٹر کے ایس جسادال کی جدوجہد کا جو ذکر ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ بھارت منتری کے پاس جو ڈیپوٹیشن گورکھشا کے لئے گیا۔ اس میں مسلمان بھی ساتھ تھے۔

موجودہ وقتوں میں بھی خواجہ حسن نظامی صاحب۔ جناب حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم وغیرہ کتنے ہی برگزیدہ اسلامی لیڈروں اور بارسوخ شخصیتوں سے گوکشی کے خلاف اظہار رائے ہوتا آرہا ہے۔ اور گذشتہ و موجودہ مسلم شاعروں کی قابل قدر نظموں اور اشعار میں بھی عوام الناس کے لئے قیمتی اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کا واحد نشانہ گوکشی اور گوشت خوری وغیرہ مذموم عملوں کی مذمت ہے۔

فردوسی کہتا ہے۔

میازار مورے کہ دانہ کش است ۔ کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

آہ! کہاں چیونٹی تک پر فردوسی کا رحم اور کہاں گائے بیل وغیرہ تک پر قہر کا رواج۔ حافظ بڑے زور سے اپدیش دیتا ہے کہ

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن ۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(اور جو چاہو کرو۔ مگر ہنسا نہ کرو۔ کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ گناہ ہی نہیں۔) مطلب یہ کہ اہنسا سب سے اونچا دھرم یا دین ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

تو کز محنت دیگراں بے غمی ۔ نشاید کہ نامت نہند آدمی

مطلب یہ کہ جو اوروں کے دکھ کا احساس نہیں رکھتا۔ انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ ایک شاعر پالتو حیوانوں کو مارنیوالوں کو وشواس گھاتی کہہ کہ بھیڑیا کہتا ہے۔ لکھتا ہے۔

شنیدم گوسفندے را بزرگے ۔ رہانید از دہان و دست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید ۔ روان گوسفند ازوے بنالید
کہ چوں از دست گرگم در ربودی ۔ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

آہ! انسان بکری وغیرہ کو پالتا۔ بھیڑیے وغیرہ سے اسے بچاتا۔ مگر خود اس کے حلق پر چھری چلاتا ہے۔ تو بے زبان حیوان زبان حال سے وشواس گھاتی کو پکار پکار کر دیندہ کہتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں۔ کہ حیوان پر رحم کرنے کا بڑا بڑا پھل ملتا ہے۔ سبکتگین نے ہرنی پر رحم کیا۔ خدا نے اسے بلند مرتبہ دیا۔ مولوی محمد اشرف صاحب سورہ یوسف کی منظوم تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت یعقوب کو یوسف کی جدائی کا صدمہ ہوا۔ روتے روتے آنکھیں نابینا ہوئیں۔ اسکا سبب آپ ان اشعار میں بتاتے ہیں۔

کہا حق نے یہ سبب اسکا تھا۔ کہ اک گائے اسکی تھی بس بے بہا۔ اور اک اس کا بچہ تھا جو شیر خوار۔ چھری یکے یعقوب نے ایک بار کیا سامنے اسکے بچہ حلال۔ ہوا اس گھڑی رنج اس کو کمال نہ رحم اس پہ یعقوب نے کچھ کیا۔ خدا نے عوض اسکے یہ دکھ دیا

نہ صرف قرآن مجید۔ رسول کریم اور اسلام کی معزز اور محترم ہستیوں کی شہادت بھی گوشت خوری اور گوکشی کی بیخکنی پر تلی ہوئی ہے۔ اسلام کے متعلق ہر ممکن غلط فہمی پھیلانے والی حدیث میں بھی انتہائی مخالفت کا سالہ موجود ہے۔ عبد اللہ ابن مسعود نے روایت لکھی ہے۔ کہ رسول کا فرمان ہے۔ کہ ہر جانور بکشد ہوائے نفس بکشد۔ ہمچناں باشد کہ بہ ویران کردن خانہ کعبہ یاری میکند۔ مطلب یہ کہ کسی جانور کو نفسانی لذت کے لئے مارنا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے میں اعانت کرنا ہے۔

۱۹۳۔ قبلہ یا مسجد الحرام

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢﴾ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿٣﴾ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٤﴾

۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵

الَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۵ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۶ ع

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۱ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۲ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۳ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۴ ؕ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۵ ع

۱۴۶ وقف منزل ۱۴۷ ع ۱۷ – وقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ع ۱۸ ۵ ۲

بے عقل لوگ کہیں گے۔ کہ جس قبلے پر وہ تھے۔ اس سے کس وجہ سے منحرف ہوئے۔ ان سے کہدو۔ کہ مشرق مغرب سب اللہ کے

لئے ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ ۱۔ اس طرح ہم نے تمہیں بہترین یا مرکزی قوم بنایا ہے۔ کہ تم لوگوں کے لئے نمونہ ہو اور رسول تمہارے لئے نمونہ ہو اور جس قبلے پر تم تھے۔ ہم نے اس کو محض اس لئے بنایا تھا۔ کہ وقت آنے پر امتحان ہو جائے۔ کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون اس سے پھر جاتا ہے۔ سو یہ سب پر شاق گذرا۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ اور اللہ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلاشبہ وہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ۲۔ تحقیق تیری توجہ کا رجحان ہم بلندی کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم تجھے تمہارے حسب پسند قبلہ کی طرف موڑیں گے۔ سو تو اپنا دھیان مسجد الحرام (ہردے مندر) کی طرف پھیر اور جہاں کہیں بھی ہو۔ اسی کی طرف اپنا دھیان لگاؤ۔ اور جن لوگوں کو الہامی کتاب دی گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ ان کے رب سے سچی تعلیم ہے۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔ ۳۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ اگر تو ان کو کل آیات بھی پیش کرے۔ تو بھی وہ تیرے قبلے کے پیرو نہ بنیں گے۔ اور نہ تو ان کے قبلے کا تابع ہوگا۔ اور نہ ان میں سے کوئی کسی کے قبلے کا تابع ہوگا۔ اور تو اگر علم مل چکنے کے بعد بھی ان کے توہمات کی پیروی کریگا۔ تو بے شک تو بھی ظالموں میں ہوگا۔ ۴۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس (تمہارے علم) کو اس طرح سمجھتے ہیں۔ کہ گویا وہ اپنا بیٹا ہے۔ مگر پھر بھی ان میں سے بعض لوگ دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتے ہیں۔ ۵۔ مگر یہ تمہارے خدا کی طرف سے حق ہے۔ تو اس میں شک نہ کر۔ ۶۔ اور ہر ایک کے لئے اپنا اپنا رجحان ہے۔ جس پر وہ مائل ہے۔ سو تم نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔ جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اللہ تم سب کو تمہارے پاس لاویگا بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ ۱۔ اور جہاں سے چلتے ہو۔ اس مسجد محترم کی طرف توجہ کرو۔ اور جہاں کہیں بھی ہو۔ اسی طرف دھیان جماتے رہو۔ تاکہ تم پر لوگوں کی کوئی حجت نہ رہے۔ ۲۔ پس ان لوگوں سے جو گناہ کر رہے ہیں۔ مت ڈرو۔ بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں۔ اور تاکہ تم کو سچی ہدایت ملے۔ ۳۔ جیسا کہ ہم نے تم میں سے ہی تم لوگوں میں رسول بھیجا ہے۔ جو تمہیں ہماری آیتیں سناتا ہے۔ تمہاری اصلاح کرتا۔ تمہیں کتاب الٰہی اور حکمت سکھاتا اور تم کو ایسی باتیں بتاتا ہے۔ جو تم کو معلوم نہ تھیں۔ ۴۔ پس تم میری عبادت کرو۔ میں تمہیں ہدایت دونگا۔ اور میرا شکر کرتے رہو۔ کفر نہ کرو۔ ۵

۱۹۴۔ ہردے مندر

مفسر صاحبان مسجد الحرام سے خانہ کعبہ یا اس کا احاطہ یا مکہ معظمہ کا کل علاقہ متعلقہ حج کی مراد لیتے ہیں۔ اور بعض اسے مخصوص مقام نہیں مانتے۔ اس اختلاف خیال کا بیان اگلی آیت میں آئے گا۔ یہاں یہ بتانا ہے۔ کہ فی الحقیقت کعبہ دل یا ہردے مندر کی طرف یہاں اشارہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اس بلند خیالی کو قرآن تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ کے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ اور اسی بلند خیالی کو شاعر یوں ادا کرتا ہے۔

کعبہ پیش گاہِ خلیل آزر است دل گذرگاہ جلیل اکبر است

یا

دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

ویدک دھرمی لوگ من میں ایشور کی پوجا کرنے کی بڑی عظمت بیان کرتے ہیں۔ اور یوگی لوگ روح میں اسے دیکھتے ہیں۔ بقول

تم آتمستھم یے انو پشینتی دھیراستیشام سکھم شاشوتم نیتریشام

یعنی سکھ انہی اہلِ عقل کو ملتا ہے۔ جو اس کو آتما میں موجود دیکھتے ہیں۔ حضرت محمد صاحب اور قرآن کا دھرم ملتِ ابراہیم ہے۔ یعنی ویدک دھرم۔ اس لئے عبادت الٰہی کے متعلق ان کی طرف سے ان رموز کا بیان ہونا لازمی تھا لیکن قبل اس کے کہ ہم اس پر مزید بحث کریں۔ ہم خاص باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۹۵۔ سلسلۂ مضمون

سب سے پہلے یہاں سلسلۂ مضمون کو دیکھنا چاہیئے۔ آیت ۱۱۱ و ۱۱۲ میں یہود و نصاریٰ کے طرفداری و تعصب سے بھرے دعووں کی تردید کر کے اور مذاہب کی باہمی منافرت پھیلانے والی تعلیم سے خبردار کر کے بتایا تھا۔ کہ کسی مذہب کے تعلق سے نہیں۔ خدا پر تقویٰ کرنے اور نیک عملوں سے ہی نجات ملتی ہے۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کو برا کہنا یا عبادت تک اپنی مسجد میں نہ کرنے دینا درست نہیں۔ نہ اللہ کی عبادت کے لئے کسی خاص جگہ یا سمت کی قید ہے۔ مشرق مغرب کسی طرف منہ کرو۔ اللہ موجود ہے۔ ایسا ہی اس کا کوئی خاص بیٹا ماننا بھی غلط ہے۔ کیونکہ کل انسانوں اور جہانوں کا باپ وہ خدا ہے۔ وہ واحد اور معبودِ کل ہے۔ یہ کہنا کہ خدا نے جو آیت ہم پر نازل نہیں کی۔ وہ ہمارے لئے قابل تسلیم نہیں غلط ہے۔ کیونکہ ایشور کی طرف سے شروع سے ہی الہامی علم ملا ہوا ہے۔ جو اسے پڑھتے اور اس پر غور کرتے ہیں۔ ان پر اس کی حقیقت و عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ یا ان پر ان کے معانی و مفہوم منکشف ہوتے ہیں۔ اور وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ پس ایشور کی دی ہوئی نعمتوں بالخصوص الہامی علم کے لئے اس کی یاد کرو۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ ایسی حالت میں خانہ کعبہ کی تخصیص کیا ہوئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ خانہ کعبہ کی ابتدا حضرت ابراہیم اور اسماعیل جیسے برگزیدہ بزرگوں سے ہوئی۔ انہوں نے اس سے مقصود یہ رکھا تھا۔ کہ یہاں سب کو نیک ہدایت ملتی رہے۔ لوگ یہاں آ کر شانتی یا اطمینان قلب حاصل کریں۔ اور انسانی زندگی کو کامیاب کر کے (دھرم ارتھ کام اور موکش نامی) پھل پائیں۔ ان کی دعا ہی یہ تھی۔ کہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنا۔ ہماری اولاد تیری عبادت کرے۔ اس میں بڑے بڑے نیک عالم اور سچے مبلغ لوگ پیدا ہوں۔ جو الہامی کتاب کی اشاعت کریں۔ علم اور عقل اور رفاہِ عام کے کاموں کو ترقی دیں یہی سچا راستہ ہے۔ کوئی عالم و عاقل اس سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ اسی کی ابراہیم و اسماعیل نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اور اسی کی یعقوب نے کی تھی۔ یہ کہہ کر کہ خدائے واحد کی عبادت کرنا۔ اور اپنے نیک عملوں کے بغیر اور کسی سے اپنی بہتری نہ سمجھنا۔ پس تمہیں یہود و نصاریٰ اپنی طرف بلائیں۔ تو کہہ دو۔ ہم تو ابراہیم کے دھرم کے پیرو ہیں۔ کیونکہ وہی ایشور کی طرف سے اور سچا دھرم ہے۔ اسی کو سب بزرگ ہر زمانے میں مانتے چلے آئے ہیں۔ اور اسی دھرم اور اسی ایشور کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگ راستی پر ہیں۔ نہ خدا زیادہ ہیں۔ نہ دھرم مختلف نہ ہمارے قدیم بزرگ یہود تھے۔ نہ نصاریٰ پس نیک عمل، عبادت الٰہی اور سچی ہدایت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ نہ کہ کعبہ یا قبلہ کی سمت کا جھگڑا لے بیٹھنا۔

اس سارے مضمون پر غور کیا جائے گا۔ تو نہایت سلیس مدلل اور خالص صداقتوں سے پُر معلوم ہوگا۔ اور اس کے بعد کی زیر بحث آیات کو اس مطلب پر لگانا قطعاً غلط ہوگا۔ کہ کسی خاص جہت یا جگہ کی طرف منہ کر کے عبادت کی جاوے۔ ہم نے جو یہاں مسجد الحرام کے معنے کعبہ دل یا ہردے مندر لکھے ہیں۔ وہ نہ صرف قدیم اور اعلےٰ ترین طریق عبادت کے عین مطابق ہیں۔ سلسلہ مضمون اور حضرت محمد صاحب کی اصولی تعلیم اور علمی قابلیت کے عین مطابق ہے۔ اور مزید غور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی بھی اور تاویل میں صداقت اور معقولیت موجود نہیں۔

۱۹۶۔ غلط تاویلات

مفسر صاحبان جو مختلف تاویلات پیش کرتے ہیں۔ وہ منشائے قرآن کے مطابق ہیں۔ یا خلاف۔ اس کا فیصلہ حق پرستوں سے ہم سمجھتے ہیں۔ چند تفسیروں پر غور کرنے سے آسانی سے ہو جائیگا۔

اوّل۔ غرایب القران کی تاویل

ڈپٹی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جس قبلے پر پہلے تھے۔ وہ بیت المقدس تھا۔ اس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف مُڑنے کا حکم ہُوا۔ چنانچہ آیت ۱۴۲ کا ترجمہ آپ یوں کرتے ہیں۔

"جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے۔ وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے) تھے۔ یعنی بیت المقدس۔ اس سے ان کے (خانہ کعبہ کی طرف کو مڑنے کی) کیا وجہ ہوئی۔ (اے پیغمبر) تم یہ جواب دو۔ کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے۔ جس کو چاہتا ہے۔ (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔"

اس ترجمے میں اوّل تو خطوط وحدانی کے اندر کے الفاظ "بیت المقدس" اور "خانہ کعبہ کی طرف کو" اپنی طرف سے اور اپنے عقیدہ کی تائید کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہیں اشارہ یا کنایہ بھی اس امر کا نہیں۔ کہ بیت المقدس کبھی قبلہ بنایا گیا تھا۔ نہ یہ کہ اس کی بجائے بعد میں خانہ کعبہ کی طرف مڑنے کا حکم ہوا۔ بلکہ قبلہ کے متعلق محض یہی ذکر پہلے آیا ہے کہ کیا مشرق اور کیا مغرب۔ اللہ سب طرفوں میں ہے۔ اس لئے کسی طرف بھی منہ کرو۔ اللہ کی ہی عبادت ہے۔ خانہ کعبہ یا بیت المقدس کا اس حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اگر وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمْ سے یہ مطلب لیا جاوے۔ کہ بیت المقدس سے بدل کر خانہ کعبہ کی طرف مُڑے۔ تو اول تو اس سے عبادت کے متعلق وہی قید جاری رہتی اور خدا کے ہر جہت میں موجود ہونے کے خیال کو کمزور کرتی ہے۔ دوسرے قرآن کے سابقہ حکم کے یہ خلاف ہے۔ اور تیسرے اس سلسلہ مضمون کے جو ہم اس سے پہلی دفعہ میں بیان کر آئے ہیں۔ مزید برں اس کے بعد کی ۱۴۳ آیت میں پھر یہی کہا ہے۔ کہ مشرق مغرب سب طرف اللہ ہے۔ پس کسی خاص سمت یا مقام پر آیت کے مفہوم کو چسپاں کرنا ہر لحاظ سے قرآن کی سپرٹ کو زائل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ مسجد الحرام میں واقعہ شدہ لفظ حرم اندرون مکان پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس جسمانی مکان کے اندر دل کے مندر میں دھیان کرنے کا مفہوم بالکل موزوں اور معقول ہی نہیں۔ قدیم رشیوں کے قول اور فعل کے عین مطابق ہو جاتا ہے۔ اس لئے سوائے

ہردے مندر یا کعبہ دل کے اور معنے یہاں غلط ہیں۔ بے عقل لوگوں سے یہ طعنہ منسوب ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ کی طرف کیوں مڑے۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کی طرف دھیان کرنے کی تہ میں اصول ایک ہی ہے۔ یعنی مخصوص جگہ یا سمت کا خیال اور دونوں جگہیں پہلے سے موجود تھیں۔ کوئی نئی جگہ تجویز نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے جاہل لوگوں کا طعنہ جگہ یا سمت کی قید توڑنے پر ضرور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے طریق کی عظمت کا احساس کر ہی نہیں سکتے۔ جس سے خدا کو ایک خاص جگہ یا طرف کی بجائے کل طرفوں میں مانا جائے۔ پس ترجمہ آیت مندرجہ غرائب القرآن تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب رہی تفسیر۔ سو وہ اور بھی نرالی ہے۔ لکھا ہے۔

"پیغمبر صاحب شروع شروع میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مدینے میں آئے پیچھے بھی کوئی ڈیڑھ برس کے قریب بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر حکم ہوا۔ کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیا کرو۔ یہود تو بات بات میں کھڑ پینچ نکالا ہی کرتے تھے۔ ان کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ کہ پیغمبر کی رائے کو بھی کچھ ثبات نہیں۔ اس آیت میں اس کا جواب ہے۔ کہ اللہ کے علم میں پایدار قبلہ ہی خانہ کعبہ تھا اور مسلمانوں سے مصلحتاً چند روز کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھوائی۔ چنانچہ یہ مصلحت آگے مذکور ہوگی"۔

چونکہ آیت نمبر ۱۱۵ میں کسی خاص سمت کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے کی قید اڑائی جا چکی ہے۔ اور یہ خالص توحید کے اصول اور عبادت الٰہی کی شان کے شایاں بھی ہے۔ اور معقول حکم بھی ہے۔ اس لئے غرائب القرآن کی تاویل محض ان کے ذاتی خیالات پر مبنی ہے۔ اصل آیت قرآن اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ پھر رسول صاحب کا حکم ہے۔ کہ حدیث کو مانو۔ تو محض اسی صورت میں کہ قرآن پر عارض کرنے سے وہ اس کے مطابق ثابت ہو۔ ورنہ وہ متروک ہے۔ اور چونکہ آیت نمبر ۱۱۵ کے یہ سخت خلاف ہے۔ اور آیت ۱۴۳ کے بھی۔ اس لئے ساری تاویل بے بنیاد ہے۔ قرآن کی تعلیم کو تاریخی اثرات سے پاک رکھنے اور اسے عالمگیر اصولوں سے وابستہ رکھنے میں ہی اسلام کی کامیابی ہے۔ اور دو قبلوں کا یا ان کے باہمی مقابلے کا کوئی اشارہ آیت قرآن میں ہے بھی نہیں۔ ہذا خاص سماعی باتوں اور ذاتی خیالوں کو اصول اسلام پر غلبہ اور فوقیت دینا شرط عقل نہیں ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۴۴ کا ترجمہ غرائب القرآن میں یہ دیا ہے۔

(اے پیغمبر حکم تحویل قبلہ کے انتظار میں) تمہارا منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تو (گھبراؤ نہیں) جو قبلہ تم چاہتے ہو۔ ہم اس کی طرف پھر جانے کا حکم دے دیں گے۔ اچھا تو اب (نماز پڑھتے وقت) مسجد محترم (کعبہ) کی طرف خیال کر لیا کرو۔ اور (اے پیغمبر) جن لوگوں کو کتاب (توریت وغیرہ) دی گئی ہے۔ ان کو بخوبی معلوم ہے۔ کہ تحویل قبلہ برحق (اور) ان کے پروردگار (کے حکم) سے ہے۔ اور جو (یہ یہود) یہ لوگ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ خدا ان سے بے خبر نہیں"۔

یہاں بھی خط وحدانی میں ایزاد کئے گئے لفظ غیر موزوں ہیں۔ کسی بھی آیت میں یہ ذکر نہیں۔ کہ پیغمبر صاحب نے حکم تحویل قبلہ کے متعلق کوئی دعا یا عرض کی تب حکم تحویل قبلہ کی انتظار کیسی۔ اور منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنے کا کیا مطلب۔ پھر مسجد محترم کی طرف منہ کرنے کا مفہوم کیا۔ کیونکہ مسجد تو کعبہ کے گرداگرد ہے۔ ایک طرف ہے ہی نہیں۔

اس اعتراض سے بچنے کے لئے آپ نے خانہ کعبہ کا مطلب مسجد محترم سے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ آیت میں خاص خانہ کعبہ کا لفظ کیوں نہ لکھا گیا۔ اور اگر خانہ کعبہ ہی مقصود ہو۔ تو بھی اس کی طرف منہ کرنے کا مطلب صاف نہیں۔ اگر کعبے کا ایک ہی دروازہ ہو۔ تو اس کی طرف ہر کہیں سے منہ ہو نہیں سکتا۔ اور اگر چاروں طرف ہوں۔ تو کسی بھی طرف منہ کرو۔ کعبہ سامنے ہے۔ لیکن اس صورت میں عرب سے شمال کی طرف کے ملکوں والے جنوب کی طرف جنوب والے شمال کی۔ مشرق والے مغرب۔ مغرب والے مشرق کی طرف۔ ایسے ہی شمال مشرق والے۔ جنوب مشرق اور جنوب مشرق والے شمال مغرب کی طرف اور علےٰ ہذا القیاس دوسرے درمیانی کونے والوں کو اپنی مخالف سمت میں منہ کرنا پڑیگا۔ اور ہر جگہ کے لئے کعبہ کی ٹھیک صحیح لائن وسمت کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔ صرف مغرب کی طرف قبلہ ماننا یا منہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ کل مسلمانوں کا ایک ہی قبلہ رہیگا۔ اس کے علاوہ اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ وہ تحویل قبلہ یا غرائب القرآن والی اس کی تحویل کو صحیح مانتے ہیں۔ توریت کا لفظ آپ خط وحدانی میں کتاب کے لئے دیتے ہیں۔ مگر اس میں کہیں ذکر نہیں۔ کہ تحویل قبلہ کا واقعہ حضرت محمد صاحب کے عہد میں ہوگا۔ اس کے علاوہ کتاب سے مراد توریت ہو نہیں سکتی۔ الکتٰب کا لفظ کامل الہام الہی وید کے لئے آتا ہے آیت نمبر ۲۱۳ اور بیسیوں اور آیات میں کتاب بالحق سے مراد آغاز عالم والا الہام ہے۔ توریت اور انجیل کو کئی جگہ حضرت ابراہیم کے بعد کے زمانہ کی اور تحریف کی شکار بنایا گیا ہے۔ جس سے ان کا غیر مستند ہونا ظاہر ہے۔ پس اگر کوئی مسئلہ برحق ہے۔ تو اس کی سند کتاب الہی یا الہام اوّل ہی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بھی محض خیالی تاویل ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں تحویل قبلہ کے متعلق شکوک پیدا کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ الفاظ آیت مشتبہ نہیں۔ بالکل صاف ہیں۔ ہم تجھے تیرے حسب پسند قبلہ کی طرف موڑیں گے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اصل یا پسندیدہ قبلہ اور ہے۔ اور لوگوں کی توجہ اور طرف ہے۔ اور یہ امر خدا کو معلوم ہے۔ پھر غرائب القرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ "پچھلی آسمانی کتابوں میں جو پیشگوئیاں پیغمبر صاحب کے متعلق تھیں۔ ان میں ایک پتہ حضرت صاحب کا یہ بھی تھا۔ کہ وہ ذوالقبلتین ہوں گے۔ یعنی دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔ لیکن نہ کسی کتاب کا نام دیا ہے۔ نہ حوالہ نہ پیشگوئیوں کے متعلق دلیل۔ پہلی کتابوں میں اس وقت کے تاریخی واقعات کے متعلق پیشگوئیاں ہونے کا اصول بذات خود ثبوت طلب ہے۔ تو اس خیالی بات کا قرآن پر حاوی کرنا اور بغیر اس کے قرآن کے بیان کو ناقابل فہم بتانا اور بھی قابل اعتراض ہے۔

اس کے علاوہ اصولاً ایک قبلہ اچھا یا دو۔ اور ایک ہی قبلہ رہنا اچھا یا اس کا بدلنا؟ اگر دو قبلے ہونے میں کوئی عالمگیر سچائی یا بھلائی ہو۔ تو بھی ایسی پیشگوئی میں کچھ فخر کی بات مانی جا سکتی ہے۔ لیکن حضرت محمد صاحب جیسے موحد اور بے بدل اصولوں کے شیدائی کے لئے ایسی پیشگوئی میں کچھ وزن سمجھنا اصولی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو اپنے مستقبل سے بے خبر بتاتے ہیں۔ تو اور کتب کی پیشگوئیاں اپنے متعلق کس طرح صحیح مان سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۴۸ کا ترجمہ غرائب القرآن میں یہ لکھا ہے۔

" اور ہر ایک (فریق) کے لئے ایک (سمت) مقرر ہے۔ جدھر کو (نماز میں) وہ اپنا منہ کرتا ہے۔ تو مسلمانو! تم اختلاف سمت کی چنداں پرواہ نہ کرکے) نیکیوں کی طرف لپکو (کہ اوروں سے بڑھ جاؤ) تم کہیں بھی ہو۔ اللہ تم سب کو

(اپنے پاس) کھینچ بلائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

اس ترجمے کے مطابق ہر امت کے واسطے ایک سمت مقررہ ہے۔ تو چار سمتوں کے لحاظ سے اُمتیں چار ہی چاہئیں۔ حالانکہ اُمتیں بہت ہیں۔ اگر سب کے لئے سمت مقرر ہے۔ تو اسلام کی تعلیم کے مطابق خاص قبلے کی طرف پھرنے کی اوروں کو حاجت کیا رہی۔ بلا اس کی تبلیغ مسلمانوں کو کیوں کی جاوے۔ کیونکہ دوسروں کا قبلہ بھی خدا سے ہی مقرر ہے۔ پھر اسلام کے لئے بھی ایک ہی قبلہ مقرر ہونا لازمی ہے۔ ایسی صورت میں تبدیلی اور دو قبلوں کا ماننا غلط ہے۔ اور اگر اوروں سے بڑھنا نیکیوں کی طرف لپکنے پر منحصر ہے۔ تو اسلامی قبلہ نیکیاں ہوئیں۔ نہ کہ سمت یا مقام مخصوص۔ پھر یہ کہنا۔ کہ کہیں بھی ہو خدا کھینچ لائے گا۔ اور بھی غلط ہے۔ کیونکہ خدا سے باہر کوئی جگہ ہی نہیں۔ تو وہ کھینچ کہاں جائے گا۔ اور کھینچ کر کہاں لائیگا۔ یہاں یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ محض وید کے طریق عبادت کی ناواقفیت سے ایسی تاویلیں ہو کر اصل مدعا کو چھپا رہی ہیں۔ کہ ایشور کا دھیان ہردے مندر میں کرنا چاہئے۔

دوم۔ حمائل التفسیر کی تاویل

۱۔ آیت نمبر ۱۴۲ کا ترجمہ "لوگوں میں سے جو بے عقل ہیں۔ وہ کہیں گے۔ کہ جس قبلے پر وہ تھے۔ کس چیز نے ان کو اس سے پھیر دیا۔ اے پیغمبر تو ان کو سنا دے کہ مشرق و مغرب اللہ کے واسطے ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے۔ راہِ راست کی ہدایت کر دیتا ہے۔"

"ترجمہ قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن فٹ نوٹ میں اور ہی رُخ اختیار کیا گیا ہے۔ "بے عقل لوگ کہیں گے" اس کو آپ پیشگوئی کے طریق کا فرمان قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب آیت ۱۱۵ میں قبلہ کی طرف سے پھر چکے۔ تو پیشگوئی کا تعلق کیا رہا۔ سوائے اس کے کہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو من مانی بات سنا دی جاوے۔ قبلے کے متعلق ایک مختلف اور متضاد بیانات سے پُر نوٹ دے دیا ہے۔ کہ تاریخ عالم اور روایات قوی سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے قوموں کا مرجع جائے تعظیم اور بُت پرست کفار مکہ کے نزدیک پاک عبادت گاہ تھا۔ آنحضرت کی کامیابی اور اپنی ناکامی دیکھ کر کفار بھی مسلمانوں میں شامل ہوئے۔ اور اندر ہی اندر دغا بازیاں کر کے اذیتیں دینے لگے۔ تو حضرت صاحب کے لئے ان کی چھانٹ کرنے کی تدبیر ضروری ہوئی۔ اور بیت المقدس قبلہ بنا۔ جس سے کعبہ پرست الگ ہو گئے۔ یہی حال مدینے میں ہوا۔ وہاں بیت المقدس والے دغا بازی سے شامل ہوئے۔ تو کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اور وہاں بھی چھانٹ ہو گئی"۔ اس کے بعد قرآن کے حوالے دے دے کر بتایا ہے۔ کہ بے شک خدا کی جہت کا مقرر ہونا یا اس کا کعبہ میں ہونا غلط ہے۔ مشرق مغرب سب اللہ کا ہے۔ آیت ۱۷۷ کا حوالہ ہے۔ کہ نیکی یہ نہیں۔ کہ تم اپنے چہرے کو مشرق کی طرف پھیرو۔ یا مغرب کی طرف۔ پس نہ خاص کعبہ کی طرف ہی خدا ہے۔ نہ کعبہ کی طرف رُخ کرنے میں خاص نیکی ہے۔ ساتھ ہی نماز میں یہ نیت ہے۔ کہ میں نے اپنا رُخ خالص اس ذات کے واسطے متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سورۃ انعام کی آیت کا حوالہ ہے۔ کہ تحقیق میری نمازیں میری قربانیاں میرا جینا۔ میرا مرنا اللہ

کے لئے ہے۔ یہ سب کچھ کہہ کر آپ فرماتے ہیں۔ کہ جب خدا سب طرف ہے۔ تو جدھر کو رُخ بدلا گیا۔ ادھر بھی ہے۔ پس اعتراض کیسا۔ لیکن یہ ہوبہو وہی دلیل ہے۔ جو ایک دیت پرست دے سکتا ہے۔ کہ جب خدا ہر شے میں ہے۔ تو بت میں بھی تو ہے۔ لہٰذا اعتراض کیسا؟ لیکن آیت ۱۱۵ میں جب خاص سمت کا رد کر کے ہر طرف کی اجازت دی گئی۔ اور ہر شخص اپنی مرضی ورائے کے مطابق آزاد ہے۔ تو پھر سب کے لئے ایک اور نئی جہت مقرر کرنے کی وجہ کیا؟ آپ فرماتے ہیں۔ یہ ایک انتظامی امر ہے۔ کہ جیسے خدا واحد ویسے اس کی سمت بھی واحد۔ نماز مشروعہ میں جیسے قیام رکوع سجود اور خاص کلمات مقرر ہیں۔ ویسے ہی سمت بھی مقرر ہے۔ ورنہ عام دعا اور ذکر کے واسطے نہ کوئی صورت مقرر ہے۔ نہ خاص کلمات۔ نہ کوئی سمت۔ یہ دلیل بے شک وزن دار ہوتی۔ بشرطیکہ کوئی شرع عبادت کے واسطے ایک سمت مقرر کرنے میں کامیاب ہوتی۔ کسی ملک والے کے واسطے بیت المقدس اور کعبہ دونوں شمال کو ہیں۔ کسی کے لئے جنوب کو اور علیٰ ہذا القیاس سب کے لئے مختلف سمت کا ہونا اس سے لازمی بیٹھتا ہے۔ اور واحد سمت کی شرع قائم نہیں ہوتی۔ اور اگر کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا مفہوم ایک سمت لی جاوے۔ تو ہر مقام سے کعبہ کی صحیح سمت معلوم ہونے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ مغرب ہی کی طرف کعبہ ہر مقام سے ہو نہیں سکتا۔ شمال۔ جنوب۔ مشرق۔ مغرب۔ ان کے درمیانی چار کونے اور ان سمتوں اور کونوں کے اندر آٹھ اور درمیانی کونے اور علیٰ ہذا القیاس اور اندرونی کونے مقرر کرنے پڑیں گے۔ جن سے کعبہ تک سیدھی لائن کھچ سکے۔ اور یہ امر جہاں مشکل بھی ہے۔ وہاں اب تک ایسا انتظام کوئی کر بھی نہیں سکا۔ نہ قرآن میں کہیں صاف حکم ہے۔ کہ عام عبادت کے لئے آزادی ہے۔ اور نماز مشروعہ کے لئے قید سمت۔ غرضیکہ مترجم و مفسر صاحبان جو مفہوم قرآن کے الفاظ سے اپنی معلومات کے مطابق وابستہ کرتے ہیں۔ اس کے لئے اٹکل بازی سے دلائل نکالتے ہیں۔ حقیقت کی کھوج نہ کر سکتے ہیں۔ نہ مخالفت کے خوف سے کسی حقیقت الامر کو جرأت سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ ورنہ یہ سمجھنا کیا مشکل ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ تو سمتیں تو ایک نہیں۔ ان کو ایک میں بدلنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۴۴ کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔

تیرے رُخ کا پھرنا آسمانوں میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ پس ہم ضرور تجھ کو ایک قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو تو پسند کرتا ہے۔ اپنا چہرہ مسجد محترم کی طرف پھیر۔ اور اے مسلمانو! جہاں کہیں ہو۔ اپنا چہرہ اس کی طرف کو پھیر دو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ وہ ضرور جان جائیں گے۔ کہ فی الحقیقت وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔"

یہ الفاظ بھی ذاتی خیال مفسر صاحب کا پیش کرتے ہیں۔ اور وہ بھی غیر مقررہ صورت میں۔ خاص اصول کا ان سے کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ پھر یہ ابھی معلوم نہیں۔ کہ کس قبلے کو حضرت صاحب پسند کرتے ہیں۔ مگر حکم مسجد محترم کی طرف پھرنے کا دیدیا ہے۔ اور شہادت اہل کتاب کی دی ہے۔ کہ وہ جان لیں گے۔ کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے حالانکہ ویدک دھرمی لوگ جو سچے معنوں میں اہل کتاب ہیں۔ نہ کہیں مسجد محترم کے متعلق کتاب میں حوالہ پاتے ہیں۔ نہ کعبہ کے متعلق۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں۔ کہ مسجد محترم واقعی کونسی عمارت کا نام ہے۔ نہ وہ کسی مکان کے مسجد محترم ہونے کی شہادت

دے سکتے ہیں۔ ہاں وہ تو من مندر کو ہی مسجد محترم کہہ سکتے ہیں۔ حسب قول شاعر کہ

تیرے پوجن کو بھگوان - بنا من مندر عالی شان

اور یہ امر جہاں ایک نہایت اعلےٰ تعلیم پیش کرتا ہے۔ وہاں اُوپر کے ترجمہ کی وقعت کو کم کرتا ہے۔ یہ ہم مانتے ہیں۔ کہ الفاظ ترجمہ سے معمولی سی کوشش پر خاص اصول اخذ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن فٹ نوٹ کا کیا کیجاوے۔ جو یہ الفاظ پیش کرتا ہے۔ "تمہارا رُخ ایک قبلہ کی طرف پھیر دُونگا" اس میں فتح مکّہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کے دائمی امن عزت اور آزادی کی طرف بھی اور اہل کتاب ضرور جان جائیں گے۔ کہ یہ ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کتمانِ حق اور مخالفت بالا ارادہ کی سزا اُٹھا کر ہی جائیں گے۔ اور نتائج سے معلوم کر لیں گے۔ کہ تحویل قبلہ ایک حق بات تھی۔ اس کے بعد آپ سزا کی تفصیل تاریخی واقعات سے دیتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب کے عہد میں یہود عرب سے غزنی چلے گئے۔ اور ابھی تک کبھی رُوس سے کبھی فرانس سے۔ کبھی کسی ملک سے۔ کبھی کسی ملک سے نکالے جاتے ہیں" چہ خوب! چودہ سو سال سے سزا مل رہی ہے۔ مگر ابھی تک تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا انہوں نے اعلان نہیں کیا۔ تو بھی مفسر صاحب کہتے ہیں۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ اجی صاحب تحویل قبلہ کو نہ ماننے والے تو اسی زمانے میں مر چکے۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا موقعہ ہی کونسا ہے۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ خیر کچھ بھی ہو۔ مفسر صاحب کا استقلال کیا خوب ہے۔ کہ وہ یہی یقین رکھے جاتے ہیں۔ کہ وہ جان جائیں گے۔ لیکن آخر پیشگوئی کی کوئی حد بھی۔ اس کے علاوہ جو لاکھوں یہودی امن آرام اور عزت آبرو سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان پر اس پیشگوئی کا اطلاق تو عملاً ہوا ہی نہیں۔ کیا الفاظ آیت سے تعداد کی کوئی تخصیص ہو سکتی ہے۔ اگر نہیں۔ تو ترجمہ بھی مہمل۔ سزا بھی مہمل۔ میعاد بھی مہمل اور ملزم بھی مہمل۔ حالانکہ تفسیر آپ ایک ایسی کتاب کی کرنے بیٹھے تھے۔ جو اعلےٰ اصولوں سے آراستہ اور یقینی تعلیم سے لبریز ہے۔ واہ اچھا میل ملایا۔

آیتہ ۱۴۸ کا ترجمہ یہ دیا ہے :-

اور ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ پھرنے والا ہے۔ پس تم خیرات میں سبقت لے جاؤ۔ جہاں کہیں تم ہوگے۔ اللہ سب کو تمہارے پاس لے آئے گا۔ تحقیق اللہ ہر شے پر قادر ہے" قطع نظر کسی لفظی سقم کے ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اللہ سب کو تمہارے پاس لے آئے گا۔ کیا اس کا یہی مطلب نہیں۔ کہ نیکوں کی طرف سب لوگ کھچ آئیں گے۔ اگر یہی ہے۔ اور واقعی ہے بھی یہی۔ تو بتائیے قبلہ کا بدلنا یا نیا قبلہ بنانا کس طرح صحیح ہوا۔ پس یہ ترجمہ دوسری آیت کے متعلق جو کچھ من مانا لکھا گیا ہے۔ اس کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل نوٹ سے یہ صاف ظاہر ہے۔

"ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے" اس کی تشریح آپ یوں فرماتے ہیں" ہر ایک انسان ایک نہ ایک طرف جھکتا ہے۔ مگر تم کو نیکیوں کی طرف جھکنا چاہیئے۔ مثلاً اہل کتاب نے عبادت کے واسطے قبلہ کے مسئلے کو اہم قرار دیا۔ بعض لوگ بالوں کی تراش خراش اور ظاہری لباس کو ہی دین کا اہم جزو قرار دیتے ہیں۔ بعض لہو و لعب و تماشبینی رسم پرستی اور دنیاداری میں غرق ہوئے رہتے ہیں۔ بعض کو کسی قسم کا شوق ہوتا ہے۔ بعض کو کسی قسم کا۔ اسی میں

دن رات غرق رہتے ہیں۔ مگر انسان کے واسطے حکم یہ ہے۔ کہ نیکی میں سبقت لے جانے کی ہوس رکھے۔ اور کوشش کرتا رہے اصل قبلہ یہی ہے۔ جس کی طرف ہر وقت رخ رکھنا چاہیے۔ یہی بنا بہترین امم بننے اور تمام خلائق کے واسطے نمونہ بننے کی ہے۔ پس اصل حقیقت ظاہر ہے۔ کہ مفسر صاحب کیا مسجد محترم اور کیا کعبہ دونوں الفاظ کو در اصل نیکیوں کے معنے میں سمجھتے ہیں۔ اور پے بہ پے اہم متضاد بیانات سے خواہ مخواہ قرآن کے مفہوم کو مشتبہ بناتے رہے ہیں۔

سوم - بیان القرآن کی تاویل

بیان القرآن صفحہ ۱۲۷ پر اس طرح بحث کرتا ہے۔ کہ یہاں بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا ذکر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ الفاظ قرآن کی ہم اور تاویل کر سکتے ہیں۔ مگر روایات صحیحہ میں تحویل قبلہ کا کھلا ذکر ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت عبداللہ ابن دینار کی روایت سے کہ مسجد قبا میں لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب ایک شخص نے ان کو اطلاع دی۔ کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو چکا ہے۔ اور لوگوں نے حالت نماز میں ہی شام سے مکہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ پھر براء کی روایت کہ نبی کریم صلعم نے مدینے میں آکر سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ تب آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنیکا حکم ہوا۔ حضرت انس کی روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ اب ان لوگوں میں سے جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ میرے سوا کوئی زندہ نہیں رہا۔ پھر اس کی موید حضرت عمرؓ کی وہ روایت ہے۔ جو واتخذوا من مقام ابراہیم مصلےٰ کے ماتحت امام بخاری کتاب التفسیر میں لاتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ تین باتوں میں میری رائے کا توافق اللہ تعالےٰ کی وحی سے ہوا۔ جن میں سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ولو اتخذت من مقام ابراہیم مصلےٰ۔ اگر آپ مقام ابراہیم یعنی کعبہ کو قبلہ بنائیں۔

ان روایات کی بناء پر بیان القرآن مانتا ہے۔ کہ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے آپ نماز پڑھتے رہے سولہ یا سترہ ماہ بعد خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

ہم اس کے متعلق حسب ذیل امور اہل علم و عقل اور صاحب بیان القرآن کے غور و فکر کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول۔ راقم خود کہتا ہے۔ کہ الفاظ قرآنی کی ہم اور تاویل بھی کر سکتے ہیں۔ لہذا اوپر کا فیصلہ ان کا ناطق ہے۔ بمقابلہ تمام دیگر ممکن تاویلوں کے۔ اس کا ثبوت دینا آپ کو ضروری تھا۔

دوم۔ نہ دوسری تاویل پیش ہے۔ نہ کسی اور تاویل سے مقابلہ ہے۔ لہذا ایکطرفہ کارروائی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

سوم۔ بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی تبدیلی کا صاف مفہوم آیت قرآن سے اخذ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ پہلے مضمون میں ان کا باہمی موازنہ ہے ہی نہیں۔

چہارم۔ آیت ۱۱۵ میں بجائے کسی خاص طرف کے سب طرفوں میں خدا کے ہوتے اور ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنے

کی اجازت دی گئی ہے - اس میں نہ بیت المقدس کی شرط ہے - نہ خانہ کعبہ کی - لہذا ان دو الفاظ کا ترجمہ میں داخل کیا جانا صریحاً غیر معقول ہے - بالخصوص اس لئے کہ کسی دوسری آیت میں بھی ان الفاظ کے تعلق کا ثبوت موجود نہیں -

پنجم - روایات جس قدر بیان کی گئی ہیں - ان کو قرآن پر عارض کریں - تو بجائے موافقت کے یہ آیت ۱۱۵ کے مخالف ہیں - لہذا خود حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق یہ روایات متروک ہیں -

ششم :- سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کرنا - اور بعد میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا - اگر امر واقعہ بھی مان لیں - تو بھی ان آیات سے اس واقعہ کا تعلق ثابت نہیں ہو سکتا - کیونکہ جیسا ہم اگلی دفعہ میں بیان کریں گے - قبلہ یہاں خاص جگہ یا سمت کا نام نہیں ذاتی رجحان یا زیر نظر مدعا کے لئے آرہا ہے - نیک اعمال کو بالخصوص قبلہ مانا گیا ہے - اس کے بعد بیان القرآن میں دو دفعہ تحویل قبلہ ہونے کی تردید ہے - لیکن جو شخص خود بلا مخصوص الفاظ قرآن پیش کرنے کے بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی ایک بار تبدیلی ہونے کو صحیح مانتا ہے - دوسری تحویل کے خیال کو غلط ماننے کا اس کا حق نہیں ہو سکتا - کیونکہ نہ دوبارہ ایسا ہونا ناممکن ٹھہرتا ہے - نہ وہ یہ دعوےٰ کر سکتا ہے - کہ واقعات کے متعلق اس کی رائے ناطق ہے - اس بحث میں موہومہ قبلہ کے ذکر والی آیت کے متعلق آپ فرماتے ہیں - کہ اس کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے - اور یہ بھی اور نیز تیسری طرح بھی ہو سکتا ہے - مگر یقینی دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہتے - کہ فی الحقیقت آنحضرت کو اس آیت سے یہ ہدایت دینی مقصود تھی - پس خالی امکانات کے ذکر سے نفس مضمون کو مشتبہ بنانے سے حاصل کیا - یہ دلیل کہ کیا مشرق اور کیا مغرب سب اللہ کا ہے - اس مفہوم کے لئے استعمال کی گئی ہے - کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کیا تو کیا - اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کیا تو کیا - بات ایک ہی ہے - کیونکہ مشرق اور مغرب دونوں سمتوں میں اللہ ہے - لیکن ان آیات کے الفاظ کی سنس آیت ۱۱۵ کے خلاف بیٹھنے سے قرآن کے ذمے تضاد بیان کا نقص عاید ہوگا - اور چونکہ آیت ۱۱۵ کے مضمون پر کسی شک وغیرہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا - اس لئے آیات زیر بحث کا مفہوم جو اس یقینی بیان کے مطابق نہ ہو - وہ سچا اور قابل قبول نہیں ہو سکتا -

چہارم تفسیر القرآن (سر سید صاحب) کی تاویل

اس تفسیر میں تحویل قبلہ کی بحث میں پہلے تو موجودہ نماز کے متعلق یہ کہا ہے - کہ یہ قدیم طریق نماز سے مختلف ہے - پہلا طریق وحشیانہ تھا - وغیرہ - اس کے بعد یہ بتایا ہے - کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کسی خاص طرف قبلہ نہ تھا - خدا کی نشانی کے لئے وہ ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے - اور محض یہی نشانی گویا ان کا قبلہ تھا - حضرت ابراہیم کی اولاد بھی کعبہ کی جانب کو قبلہ نہ سمجھتی تھی - ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اسی کے گرد اسی وحشیانہ طریق پر عبادت کرتے تھے - اس کے بعد لکھا ہے " قرآن مجید میں بھی کہیں اس بات کا ذکر نہیں - کہ خدا نے اسمٰعیل یا اس کی اولاد کے لئے کعبہ کو سمت قبلہ مقرر کرنے کا حکم دیا تھا - زمانہ جاہلیت میں جب کہ عرب کی قوم نے کعبہ میں بت رکھ دیئے تھے - اس زمانہ میں بھی جو کچھ ان کی پوجا ہوتی ہوگی - وہ کعبہ میں ہوتی ہوگی - لیکن یہ بات کہ جب وہ کعبہ سے دور چلے جاتے تھے - اور اور

مقاموں میں ہوتے تھے۔ جب بھی کعبہ کی طرف منہ کرکے پوجا کرتے تھے۔ کسی طرح ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس کی تعمیر بہ طور مسجد کے زمانے کو مدنظر رکھ کر لکھتے ہیں۔ کہ تب بھی بنی اسرائیل میں دور جانے پر اس طرف منہ کرنے کا رواج نہ تھا۔ ہم کو عہد عتیق کی کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ دور جانے پر بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا۔ اس کے بعد آپ ایک قیاسی بات لکھتے ہیں۔ کہ جب ان کی نماز باقاعدہ ہو گئی۔ اس وقت کسی نہ کسی طرف منہ کا ہونا لازمی تھا۔ اس لئے بنی اسرائیل بالطبع بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے پر مائل ہوئے ہوں گے۔ اور اس طرح بیت المقدس ان کا سمت قبلہ قرار پا گیا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعد نبوت جب تیرہ سال مکہ میں رہے۔ تب بھی یہ ثابت نہیں۔ کہ کعبہ سے دور ہونے پر انہوں نے بطور قبلہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا اختیار فرمایا ہو۔ بلکہ ہر طرح قرینہ و قیاس اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ جب تک آپ مکہ میں رہے۔ کوئی سمت قبلہ اختیار نہیں کی۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔ کہ مدینے میں آکر آپ نے اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھنی شروع کی۔ جس طرف کہ یہودی متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ بلاشبہ یہ امر مشرکین کو شاق گذرا ہو گا۔ لیکن اس کی تہ میں حکمت تھی۔ کہ مشرکین میں سے جو لوگ منافق تھے۔ وہ اصلی ایمان والوں سے تمیز ہو جاتے تھے۔ چونکہ اس طرح بہت سے یہودی بہ طور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اس لئے منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی ضرورت پیش آنے پر سمت قبلہ کعبہ کی طرف بدل لی گئی۔ اور اس امتیازی نشان کو قائم و مستحکم رکھنے کے لئے خدا نے یہ حکم دیا۔ کہ جہاں کہیں تم ہو۔ اور جہاں کہیں جاؤ۔ کعبہ کی طرف ہی منہ کرکے نماز پڑھو۔ اور اس اندیشہ سے کہ لوگ کسی خاص سمت سے کوئی خصوصیت منسوب نہ کرنے لگیں۔ ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا۔ کہ مشرق مغرب خدا کے لئے ہے۔ پس جدھر منہ کرو۔ اُدھر ہی خدا کی ذات ہے۔ اس قسم کے امور پر بحث کرکے آپ لکھتے ہیں۔

و کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔ یہ لکھ کر آپ اصلی حقیقی اور قیاسی احکام پر ایک طویل بحث پیش کرتے۔ اور پھر لکھتے ہیں" نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذہب اسلام کا نہیں ہے۔ اور اس لئے ایک ادنٰے سے عذر پر ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً سمت مشتبہ ہونے پر۔ سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر بعض صورتوں میں گھوڑے کی سواری پر۔ دریا کے سفر میں اور اس چودھویں صدی نبوی میں ریل کے سفر میں اور علےٰ ہذا القیاس مگر چونکہ یہ حکم بہ طور ایک نشان اور تمیز ان لوگوں کے قرار دیا گیا ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس لئے اس کا بھی بجالانا مثل اسلام اصلی کے ضرور ہو گا۔ اور قصداً ترک نہ کیا جائیگا۔"

اس تفسیر میں جس طرح بار بار یہ ذہن نشین کیا گیا ہے۔ کہ سمت قبلہ یا کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا کوئی اصلی حکم قرآن کا نہیں ہے۔ وہ ہماری پوزیشن کے عین مطابق ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ مان کر کہ قرآن میں تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ مفسرین نے اسے حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل نکالی ہے۔ کہ اس سے اصلی اور نقلی پیرووں کی تمیز ہو جانا مقصود تھا۔ لیکن چونکہ بیت المقدس اور کعبہ کے دو قبلوں کی باہمی تبدیلی کا نہ ان آیات میں ذکر ہے۔ نہ کسی مقامی قبلہ کی طرف قرآن نماز پڑھتے ہوئے منہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس کے بعد واضح کریں گے۔ اور جیسا کہ ہمارے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اس لئے سرسید صاحب کے اصول اسلام کے خلاف اور موہومہ تحویل قبلہ کے حق میں دیئے گئے سارے بیان بھی معقولیت

کے دائرے سے خارج ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے۔ کہ ترجمہ ہی آیات کا غلط ہو رہا ہے۔ تو تحویل قبلہ اور بیت المقدس و خانہ کعبہ کا قطعاً یہاں کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تحویل قبلہ محض اس حکم سے وابستہ ہے۔ جو آیت ۱۱۵ میں کسی مقام مخصوص کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ اور مسجد الحرام اسی حکم کے مطابق انسان کی اندرونی مسجد کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ کسی اینٹ اور گارے کی بنی مسجد کے لئے۔

پنجم۔ ترجمان القرآن کا بیان

آیات کے شمار کے فرق کی وجہ سے بجائے ۱۴۲ کے ترجمان القرآن میں اس آیت کا نمبر ۱۴۳ آیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔ یا آیت ہذا کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ وہ (اس بات کی حقیقت نہیں پا سکتے۔ کہ کیوں بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ) کہیں گے۔ مسلمان جس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبر) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں۔ جب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تو وہ بھی اللہ کے لئے تھی۔ اور اب کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو یہ بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ البتہ ایک جہت قرار دینے میں مصلحت ہے) اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے۔ (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے"۔

اس ترجمہ کی تائید میں مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اپنا سمجھا ہوا لب لباب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"حضرت ابراہیم کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی۔ انہوں نے مکہ میں امامت گاہ کعبہ تعمیر کی اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی۔ مشیت الہی میں اس ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا۔ جب وہ وقت آ گیا۔ تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا۔ اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی۔ اس امت کو نیک ترین امت ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا۔ اور اقوام عالم کی تعلیم و ہدایت اس کے سپرد کی گئی۔ ضروری تھا۔ کہ اس کی روحانی ہدایت کا ایک دائمی مرکز و سرچشمہ بھی ہو۔ اور یہ مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تحویل قبلہ نے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا۔ یہی حقیقت قبلہ کے تقرر میں پوشیدہ تھی۔ جب تک بنی اسرائیل کا دور ہدایت قائم رہا۔ مرکز ہدایت بیت المقدس تھا۔ اور اس لئے عبادت کے وقت سب کا رخ بھی اسی کی طرف رہتا تھا۔ لیکن جب دعوت حق کا مرکز مکہ کا معبد قرار پایا۔ تو ناگزیر ہوا۔ کہ وہی قبلہ بھی قرار پائے۔ اور اقوام عالم کے رخ اسی کی طرف پھر جائیں"۔

اس پر طویل بحث نہ کر کے ہم چاہتے ہیں پہلے تو ان کے اصل ترجمہ پر غور کیا جاوے۔ اور اس غرض سے جب خط وحدانی والی عبارتوں کو جدا کیا جاتا ہے۔ تو ترجمہ محض یہ رہ جاتا ہے۔

"جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ وہ کہیں گے۔ مسلمان جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس سے پھر گیا۔ تم کہو پورب ہو یا پچھم۔ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے۔ سیدھی راہ

دکھاتا ہے"۔ ان الفاظ میں محض یہ کہا ہے۔ کہ قبلے کی طرف سے رُخ پھر جانے پر بیوقوف لوگ متعجب و حیران ہوں گے۔ حالانکہ وجہ صاف ہے۔ کہ خدا ایک طرف نہیں۔ سب طرف ہے۔ اور یہ ہمیشہ ہوتا ہی آیا ہے۔ کہ خدا جس کسی کی توجہ راہِ راست کی طرف دیکھتا ہے۔ اسے راہِ راست دکھاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا قرآن میں پہلے قبلے کی طرف سے رُخ پھیرنے کا حکم کہیں آیا ہے۔ اس کا جواب ہے۔ آیت ۱۱۵ میں آیا ہے۔ کہ چونکہ خدا ہر جا موجود اور حاضر ناظر ہے۔ اور سب سمتیں اس کی ہیں۔ اس لئے کسی ایک طرف نہیں۔ جدھر چاہو۔ رُخ کر کے عبادت کر لو۔ یہ بیان خالص توحید کا مددگار ہے۔ معقول ہے۔ اور بیوقوفوں کا اس پر تعجب کرنا یا طعنہ دینا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ لہذا تمام طول کلامی جو ترجمہ میں غیر ضروری اور غیر متعلقہ عبارتیں ایزاد کرنے سے ظاہر ہے۔ بالکل فضول ہے۔ اور جو لب لباب آپ نے پیش کیا ہے۔ اس کا بھی اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ امتِ مسلمہ کے ظہور کی الہامی دُعا سوائے اس کے ہو نہیں سکتی۔ جو آغازِ عالم سے ایشوری علم کے جاننے والے نیک لوگوں کے دُنیا میں موجود ہونے کے لئے کرتے آ رہے ہیں۔ اور کریں گے۔ اور یہ امتِ مسلمہ اس الہامی علم کے قائلین و عاملین کے مجموعہ کے بغیر اور کسی کا نام نہیں ہو سکتا جو ہمیشہ کم و بیش تعداد میں موجود رہتے ہیں۔ اگر موجودہ اسلام پر اسے محدود کرنا چاہیں۔ تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس دعا کے بعد بنی اسرائیل کی کئی قومیں ظہور میں آئیں۔ اور یہود اور نصاریٰ اور صابی لوگ ہوئے۔ یہ کنایہ یا اشارہ کہیں سے نکل نہیں سکتا۔ کہ اس دعا کا تعلق موجودہ اسلام سے پہلے کسی گروہ سے نہ مانا جاوے۔ اسی طرح کسی مخصوص مقام کو ہی کل دنیا کے لئے مرکز یا سر چشمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہر ملک میں حسبِ ضرورت ایک دو نہیں بلکہ صدہا مرکز بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ آیات چونکہ عالمگیر اصول کا بیان کرتی ہیں۔ اس لئے کعبہ کا یا البیت کا اگر کوئی تعلق ہو بھی۔ تو وہ محض اس ویدی کا تعلق ہونے سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر کہیں رفاہِ عام کے لئے بنائی جا سکتی ہے۔ اور ایسے ہی مکہ میں بھی بنی غرضیکہ تفاسیر اس سپرٹ کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ جو قرآن کی رگ رگ میں ازلی ابدی عالمگیر اصولوں کی اشاعت کے لئے بھر رہی ہے۔ اور اس لئے وہ ہر بات کو حدیث یا تاریخی واقعات یا مقامی یا زمانی یا شخصی کشتوں اور انسانی توہمات کی روشنی میں دیکھنے سے رُک نہیں سکتیں۔ تاہم اُمید ہے۔ کہ اگر علمائے اسلام ہماری اس مخلصانہ اور بے باکانہ گذارش کو گستاخی پر محمول نہ کر کے ہماری دلی خواہش کو مدِ نظر رکھیں گے۔ تو نہ صرف ان کے تمام عقدے حل ہوں گے۔ قرآن کے آگے سے تاریکی دُور ہو کر مطلع صاف ہو جائے گا۔

۱۹۷۔ قبلہ

قبل اس کے کہ ہم اپنے ترجمے کی درستی پر کچھ کہیں۔ خاص الفاظ پر کچھ کہنا ضروری ہے۔ قبلہ واقعی کسی خاص مسجد یا مقام یا سمت کی طرف یہاں اشارہ نہیں کرتا۔ کیونکہ انہی آیات میں اس امر کو بڑے زور سے صاف کیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ سامنے کی شے یا سمت کو قبلہ کہتے ہیں۔ لیکن محض اس چمڑے کی آنکھ کے نکتہ نگاہ سے۔ چشمِ دل کا جہاں تعلق ہو گا۔ وہاں قبلہ کا مفہوم وہ مقصد ہو گا۔ جس کے لئے عبادت یا کوئی اور کام کیا جا رہا ہے۔ اور چشمِ عقل کا تعلق ہو گا۔ تو قبلہ اس مقصد یا نشانہ پر دلالت کریگا۔ جسے مدِ نظر رکھ کر حکمِ الٰہی کے مطابق انسان کو کام کرنا چاہئے۔ ویدک طریق عبادت میں وصلِ خدا کے لئے آٹھ زینے بتائے گئے ہیں۔ جنہیں یوگ کے آٹھ انگ کہتے ہیں۔ ان میں سے چھٹا انگ دھارنا

ہے۔ یہ لفظ اس قبلہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ جو من کو قائم کرکے رُوح کی کامیابی کے راستے میں حائل ہونے والی رُکاوٹوں کو دُور کرتا ہے۔ اور عقلی ترقی کے لئے قبلہ خاص علمی مضمون۔ الہامی کتاب۔ استاد وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں قرآن کا یہ نہایت عالمانہ اور فلسفیانہ بیان ہے۔ کہ تمہاری توجہ کا رجحان بلندی کی طرف دیکھ کر تمہیں نہایت پسندیدہ قبلہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔ واقعی جہالت اور کُفر کی طرف مائل لوگ اس آسمان پر نہیں چمک سکتے۔ جس پر سچے عابد یا من کے مندر میں عبادت کرنے والے چمکتے ہیں۔ مسجد یا مندر مخصوص کا قبلہ ایک قید ہے۔ مگر کعبہ دل ایک آزادی ہے۔ کدھر کو جاؤ۔ کہیں بھی جاؤ۔ من مندر میں ہر جا حاضر ناظر خدا کی عبادت کر سکتے ہو۔ آیت ۱۴۴ میں کہا ہے۔ کہ الہامی کتاب والے لوگ جانتے ہیں۔ کہ واقعی یہ سچی تعلیم ہے۔ مگر وہ الٹے بت پرستی وغیرہ کے رواج ڈال چکے ہیں۔ اور ہر چند ان کو اس قدیم الہام کی ساری آیتیں بھی اس کے خلاف بتائی جاویں۔ وہ اپنے الٹے قبلے سے باز نہیں آتے۔ وہ ہی کیا سب کا یہی حال ہے۔ کہ جس قبلے کا عادی ہو چکا۔ اسے چھوڑتا نہیں۔ لیکن جس شخص کو سچا علم مل جاوے۔ اگر وہ اس کے بعد صحیح قبلہ سے انحراف کرے۔ تو بے شک بڑے ظلم کی بات ہے۔ آیت ۱۴۸ میں کہا ہے۔ کہ کل لوگوں کا اپنا اپنا رجحان یا مذاق ہے۔ اور وہی ان کا قبلہ ہے۔ اور اس نکتہ نگاہ سے سب سے مبارک وہ ہیں۔ جو نیکیوں کو اپنا قبلہ بناتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی فضیلت یا فوقیت کا موجب یہی ہیں۔ اور کامیابی یا منزل مقصود تک یہ یقینی طور پر یہی پہنچاتی ہیں۔ ایک لفظ مسجد الحرام کا سرسری نظر پر کھٹکتا ہے۔ لیکن چونکہ آسمان علویت کی طرف مائل لوگ مسجدوں کی قید سے آزاد ہیں۔ اور قرآن حکم دے چکا ہے۔ کہ کسی مخصوص عمارت یا سمت کی طرف خیال نہ کر کے جدھر چاہو اپنا رُخ کر کے عبادت کر لو۔ نیز یہاں بھی آیت ۱۴۲ میں مشرق مغرب سب طرف اللہ کو بتایا ہے۔ اس لئے مسجد الحرام کسی عمارت کی طرف نہیں۔ انسان کے اندر والی مسجد کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے۔ حرم کے معنے ہی اندرون مکان ہے۔ اسی کے مطابق شاعر کہتا ہے۔

ع خانۂ دل میں چھپا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا

۱۹۸۔ تبدیل قبلہ کی غرض

بیت المقدس اور خانہ کعبہ کے دو قبلے ماننے اور ان میں تبدیلی ہونے کا مفہوم لینے والے لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ تبدیلی اس لئے ضروری ہوئی۔ کہ امتحان ہو جاوے۔ کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون اس سے پھر جاتا ہے۔ (آیت ۱۴۳) لیکن جو نادیل ہس کی عام تفسیروں کی بحث میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ وہ تمسخر آمیز ہے۔ تمام سوسائیٹیوں میں لوگ اپنی اپنی اغراض لے کر شامل ہوتے اور جدا بھی ہوتے رہتے ہیں۔ گورنمنٹ کے کارکن مخالف لوگوں کو بغیر قبلہ بدلنے وغیرہ کے معلوم کرتے۔ اور دیس نکالا تک بھی دیتے ہیں۔ تمام مذہبی اور ملکی ریفارمروں کا خود غرض غداروں سے پالا پڑتا ہے۔ عرب میں اس کے بعد اہل مکہ یا حکمرانانِ مکہ کو بارہا ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر قبلہ بدلنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ اور کیا جو لوگ دھوکے سے گھس کر بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے تھے۔ وہ کعبہ کی طرف نمائشی نماز پڑھ کے دھوکے کو جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ اور کیا قرآن صاف طور پر واضح نہ کر سکتا تھا۔ کہ فلاں لوگوں نے فلاں دھوکہ دیا۔ اور اس کا واحد علاج قبلہ بدلنا ہی ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ جو حکم کسی خاص سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے خلاف ہوا تھا۔ کیا اس حکم سے یہ آزمائش نہ ہو سکتی تھی۔ ہم تو سمجھتے ہیں۔ آزمائش کا ذریعہ فی الحقیقت وہی حکم ہو سکتا تھا۔ اور وہی ہوا۔ آیت ۱۴۳ میں جو مسلمانوں کو لوگوں کے لئے اور رسُول کو مسلمانوں کے لئے نمونہ بن دکھانے کی ہدایت ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ توحید کو ہر لحاظ سے خالص کریں۔ اور کسی سمت میں خدا کو یا اس کے دھیان کی قید نہ سمجھنا اس اعلےٰ توحید کے لئے نہایت ضروری عمل ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ کہ جس قبلے کی طرف تم رُخ کرتے ہو۔ وہ خدا نے نہیں بنایا۔ ہاں وہ محض ایک امتحان ہے۔ یعنی جو سچی توحید پر اعتقاد لا کر اس قبلے کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ رسُول کا پیرو ثابت ہوتا ہے۔ اور جو نہیں چھوڑتا۔ وہ اس سے منحرف ہے۔ اس ملک کی مذہبی دنیا میں وہی تاریخ دُہرائی جا رہی ہے۔ اور گو مسلسل کوشش سے مباحثے اور وید کے حوالہ جات سُن کر بہت لوگ بُت پرستی کے قبلہ کو نہیں چھوڑتے۔ تاہم جو قلیل التعداد لوگ چھوڑتے ہیں۔ ان کا عمل انہیں آریہ سماج کا خیر خواہ ثابت کرتا ہے۔ اور ہم لوگوں کو کہتے سنتے ہیں۔ کہ بیوقوف مُورتی پوجا چھوڑنے والوں کو بُرا مناتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ بیوقوف لوگ اس تبدیلی پر چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ اور آیت ۱۴۴ میں کہا ہے۔ کہ جن لوگوں کو ایشور کی عنایت سے نیک ہدایت ملی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں پر یہ تبدیلی شاق گذری ہے۔ پس مطلب یہی ہے۔ کہ لوگ پہلے ایک قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت نے انہیں اس سے روک دیا۔ اور اپنے دل میں اس کی عبادت کرنے کی ہدایت دی۔ تاکہ لوگ کوئی اعتراض نہ کر سکیں۔ چونکہ بُت پرستی وغیرہ چھوڑنے کے باوجود۔ ایک مقام یا سمت کی طرف رُخ کرنے سے بھی لوگوں کو اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس لئے قدیم رشیوں کا طریق عبادت ہی سب اعتراضوں سے بچا سکتا تھا۔

۱۹۹۔ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ

اس حصۂ آیت کا مطلب حضرت صاحب کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے یا اُوپر توجہ کرنے سے لیا جاتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے۔ حضرت صاحب کو قبلے کے متعلق تشویش تھی۔ اس لئے وہ حکم کی انتظاری میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ آسمان کی طرف دیکھنا اس لئے تھا۔ کہ وہ خدا سے دُعا کرتے تھے۔ کہ خانہ کعبہ بتوں سے پاک ہو۔ یہ دعا یا انتظار یا توجہ اس لئے تھی۔ کہ خانہ کعبہ مشرکین کے قبضے میں ہے۔ دیکھیں کب بُت پرستی سے پاک ہو۔ اور مسلمانوں کے قبضے میں آوے۔ ایسے خیالات والے اگلے الفاظ سے اپنے دعوے کی تائید بتاتے ہیں۔ کہ خدا نے کہا ہم تجھے اس قبلے کا متولی بنائیں گے۔ جسے تو پسند کرتا ہے۔ لیکن اس سے تو حضرت محمد صاحب جیسے بے غرض رسول پر الزام آتا ہے۔ کہ وہ متولی بننے کے خواہشمند تھے۔ اور اسی لئے دعائیں مانگتے تھے۔ یا کم سے کم خدا انہیں اس کے قبضے کا طالب اور خواہشمند سمجھتا تھا۔ اور اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کیا مقامی قبلہ کا بدلنا ہی کچے اور پکے مسلمانوں کی تمیز کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یا ایک طرف اور سب طرف خدا کو ماننے کا اعتقاد ساتھ ہی یہ کہ بیت المقدس بھی خاص جگہ اور خانہ کعبہ بھی خاص جگہ حضرت محمد صاحب خدا کی عبادت سے کسی خاص جگہ کی طرفداری کا تعلق منسوب نہیں کرتے۔ تب وہ بیت المقدس کو ترک اور خانہ کعبہ کو قبول کریں۔ اس کی وجہ کیا۔ بالخصوص ایسی حالت میں

کہ خانہ کعبہ بتوں سے پر اور شرک کا مرکز بنا ہوا تھا۔ پس اختلاف تاویل محض مفسرین یا اسلامی فرقوں کے کشیدہ تعلقات اور عام تنگ خیالیوں کا نتیجہ ہیں۔ آیات زیر بحث میں ہرگز ہرگز سمت یا مقام مخصوص کی قید کا اشارہ نہیں۔ بلکہ ویدک تعلیم کی علویت ہی یہاں ہر ایک لفظ کے اندر بھری پڑی ہے۔ تقلب وجھک فی السّماءِ کے الفاظ صاف طور پر آنحضرت کی بلند خیالی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور لوگ جہاں مخصوص مقاموں میں الجھ رہے تھے۔ وہاں رسول صاحب شان ایزدی کے آسمان پر بلند پروازی کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی مرضی کے مطابق ہر طرف قبلہ ہی قبلہ سمجھنے کا حکم دیا گیا۔ اور ہر طرف یعنی پورب۔ پچھم۔ اُتر۔ دکھن اوپر نیچے جس طرح ویدک دھرمی من سے طواف کرتے یعنی منسا پرکرما کے منتروں سے وچار کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے اندر کی مسجد میں دھیان کرنے کی ہدایت دی گئی۔ یہ الفاظ کہ تجھے تیرے حسب پسند قبلہ دیا جاتا ہے۔ محض ہر طرف موجود قبلہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا۔ کہ مسجد الحرام کی طرف توجہ کر۔ اور پھر یہ کہنا۔ کہ جہاں کہیں بھی ہو اسی کی طرف توجہ کرو۔ محض من مندر پر ہی اطلاق پا سکتا ہے۔ وہ قدیم دھرم بھی جس کے مطابق تعلیم دینے کا قرآن دعویدار ہے۔ یہی کہتا ہے۔ کہ تم کہیں بھی جاؤ۔ کسی بھی حالت میں ہو۔ بیرونی تعلقات کو چھوڑ کر من کے اندر بلکہ آتما میں ایشور کا دھیان کرو۔ اور آیت ۱۴۴ کے یہ لفظ کہ قدیم اہل کتاب بھی خدا کا یقینی طور پر یہی ارشاد سمجھتے ہیں۔ اور بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ آیت ۱۴۵ میں اہل کتاب کا باوجود حقیقت کا علم ہونے کے خاص جگہ کی طرف منہ کرنا مذکور ہے۔ اور اپنے اپنے اعتقاد پر ہٹ۔ ضد اور طرفداری کرنے کے مرض کا بیان کر کے یہ کہا ہے۔ کہ اگر رسول بھی ایسے توہمات کا شکار ہو۔ تو اس کا صحیح علم کس کام کا۔ وہ بھی انہی ظالموں میں شمار ہوگا۔ یہ مہرشی دیانند کی اس سپرٹ کے مطابق ہے۔ کہ میں ملک یا قوم یا مذہب کی طرفداری نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میں بھی کسی مخصوص مت کا طرفدار بن جاتا۔ اس کے علاوہ اگلی آیات میں ہر ایک کے جدا جدا مذاق اور رجحان کا خیال دلا کر نیکیوں کو اپنا قبلہ بنانے کی جو تحریک کی گئی ہے۔ وہ تو اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہنے دیتی۔ کہ آنحضرت کی توجہ اونچے آدرش کی طرف ماننا ہی تقلب وجھک فی السّماءِ کا اصل مفہوم ہے۔ آنحضرت خدا کو ہر جا حاضر ناظر مانتے ہوئے دعا کے لئے آسمانوں کی طرف دیکھیں۔ یا یہ انتظار کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھیں۔ کہ کب اوپر سے حکم اترتا ہے۔ یہ محض تمسخر آمیز ہی نہیں۔ غیر معقول بھی ہے۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں ان کے اونچے نصب العین کو مدنظر رکھنا ضروری سمجھا ہے۔

۲۰۰۔ رسول کا خاص وصف

لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ

آیت ۱۵۰ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں پر ہی خدا کی نعمت تمام ہوتی ہے۔ اور یہ نعمت سچی ہدایت یا علم کی ہے۔ یہ امر ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ اور یہاں بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ نعمت مذکورہ کی غرض لوگوں کا ہدایت پانا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نعمت کسی مقام یا سمت سے نہیں خدا سے ملتی ہے۔ اسی لئے کہا۔ کہ لوگوں سے نہیں۔ مجھ سے ہی ڈرو۔ یا مجھ پر ہی بھروسہ رکھو۔ جس سے علم اور ہدایت کی نعمت پوری ہو۔ اسی اعلیٰ نعمت سے وہ عظمت ملتی ہے۔ جو رسول صاحب کی مثال سے آیت نمبر ۱۵۱ میں بیان ہوئی ہے۔ کہ وہ بھی

تم میں سے ہی ہے۔ مگر تم کو آئیتیں سناتا۔ تمہیں نیک پاک بناتا۔ اور تمہیں کتاب الٰہی اور حکمت سکھاتا۔ اور وہ باتیں تمہیں بتاتا ہے۔ جو تم جانتے نہ تھے۔ اس سے تمام لوگوں کو یہ تحریص دی گئی ہے۔ کہ تم بھی اس لیاقت کو حاصل کرو۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ رسول کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ سچے علم کو حاصل کرے۔ اور لوگوں کو اس سے فیض پہنچاوے اور یہ امر کہ رسول لوگوں کے لئے نمونہ ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے علم پر پورا عامل بھی ہو۔ آیت ۱۵۲ میں اسی موضوع کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ میرا ہی ذکر کرو۔ یعنی میری اوصاف اور میرے علم و ہدایت کا خیال رکھو۔ اسی کا چرچا کرو۔ نیز میرا شکر کرو۔ ناشکر گذاری سے بچو۔ گویا نیکیوں کا قبلہ ہو یا سچے عالم با عمل رسولوں یا اپدیشکوں کو اپنا رہنما سمجھا جاوے۔ اس کے علاوہ کسی مقام یا سمت کی طرف رُخ کرنے کا یہاں قطعاً ذکر نہیں۔ پھر رسول کے اوصاف وہی بتائے ہیں۔ جو ویدک برہمن یا سنیاسی وغیرہ کے ہو سکتے ہیں۔

۲۰۱۔ یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

آیت نمبر ۱۴۶ میں یہ ذکر ہے۔ کہ جن لوگوں کو کتاب (الہامی) ملی ہے۔ وہ اسے اس طرح سمجھتے یا پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنے بیٹے کو۔ ایک مفسر صاحب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ مراد آنحضرتؐ کو پہچاننے سے ہے۔ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اس میں یعرفونہ میں جو ضمیر ہے۔ اس کا مرجع اس خیال والے مفسر رسول کو قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہودی لوگ آنحضرتؐ کے نبی ہونے میں ایسا ہی یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ اپنے بیٹے کو جانتے تھے۔ یعنی جیسا بیٹے کو پہچاننے میں شک نہیں ہوتا۔ ویسا ہی انہیں کوئی شک نہ تھا۔ مگر دیدہ دانستہ حق کو چھپاتے تھے۔ دوسرا فریق اس ضمیر کو قبلہ کے حکم کی طرف راجع کرتا ہے۔ کیونکہ مضمون قبلہ کا چل رہا ہے۔ لیکن ہم نے ایسی کسی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ سوال یہاں یہودیوں کے سمجھنے یا پہچاننے کا نہیں۔ بلکہ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یعنی جن لوگوں کو الہامی علم خدا سے ملا ہوا ہے۔ ان کے پہچاننے کا ہے۔ اور وہ ویدک دھرمی ہیں جیسا کہ الکتٰب کی بحث میں کئی جگہ لکھا جا چکا ہے۔ یہودیوں کا رسول کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننا کسی طرح بن نہیں سکتا۔ جن لوگوں نے رسول کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ رسول کو دیکھ کر اپنے بیٹے کی طرح پہچان ہی کیسے سکتے تھے۔ اور اگر اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ ان کو وہ بیٹوں کی طرح سمجھتے یا ان سے محبت رکھتے تھے۔ تو یہ ان کی مخالفت کے بہت سے بیانات سے رد ہوتا ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ خواہ ان کو ساری آئیتیں کیوں نہ بتاؤ۔ وہ تمہارے کہنے کو ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔ پس بیٹے کی طرح پہچاننے کا مطلب کیا۔ کئی کہتے ہیں۔ توریت میں آنحضرتؐ کے متعلق پیشگوئیاں تھیں۔ ان کے مطابق وہ انہیں نبی برحق سمجھتے تھے۔ مگر مذہبی طرفداری سے اس بات کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ لیکن نہ قرآن اور آنحضرت پیشگوئی کے قایل ہیں۔ نہ بہ فرض محال توریت میں پیشگوئیاں درج ہونے پر بھی وہ سوائے تحریف یا غلطی ترجمہ کے کچھ اور نام پا سکتی ہیں۔ خود بحث طلب امر دوسری بحث میں ثبوت کا کام نہیں دے سکتا۔

ایسے ہی یہ کہنا۔ کہ مرجع تحویل قبلہ ہے۔ غلط ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ کا قبلہ بنایا جانا ان آیات کا ہرگز ہرگز اصل مقصود نہیں۔ یہ ہم اچھی طرح ثابت کر آئے ہیں۔ نہ یہ کوئی موزوں کلام ہو سکتی ہے۔ کہ کسی حکم کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھا یا پہچانا جاوے۔ پس اصل مرجع یہاں رسول کا علم ہے۔ کیونکہ آیت ۱۴۵ کے آخری الفاظ میں کہا ہے۔ کہ

اگر علم مل چکنے کے بعد بھی تو مخالفین کے ظنیات کی پیروی کریگا۔ تو تو گناہگار ہوگا۔ اس کے علاوہ بیٹے کی طرح پہچاننے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ باوجود اس کو صحیح سمجھنے کے حق کو دیدہ دانستہ چھپاتا ہے۔ یہ حق کو چھپانا بھی ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا کے سب سمتوں میں موجود ہونے کے علم حق کو علی الاعلان جرأت سے قبول نہیں کیا جاتا۔ اہل کتاب کا رسول کے علم کو حق اور بیٹے کی طرح سمجھنا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ جیسے آج کل یہ کہا جاتا ہے۔ کہ سب مذاہب کا سرچشمہ ایک دہرم ہے۔ یا سب مذہبی فرقے ویدک دہرم کی ہی سچائی حاصل کرتے آرہے ہیں۔ یا فلاں مت کا جنم داتا بھی ویدک دھرم ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جیسے بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ ویسے ہی ویدوں کے عالم آنحضرت کی مذہبی تعلیم کو ویسے ہی پیدا شدہ مانتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو تعصب کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے۔ آریہ لوگ آجکل عام طور پر کہتے ہیں۔ کہ سوامی دیانند نے جو بت پرستی کا رد کیا۔ اسے سناتنی عالم جانتے تو ہیں۔ کہ وید کے مطابق بے شک یہ قابل تردید ہے۔ لیکن اپنی آمدنی کے بند ہونے کے اندیشے سے لوگوں سے اس سچائی کو چھپاتے ہیں۔ یہی پوزیشن آنحضرت کے علم حق کی اس وقت کے لوگوں کے تعلق سے قرآن میں بتائی گئی ہے۔

۲۰۲۔ ہمارے ترجمے کی خوبی

اس کل بحث کو غور سے پڑھ چکنے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں۔ کہ ہم نے ان آیات کا جو ترجمہ دیا ہے۔ وہ سلسلہ مضمون کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید کے عالمگیر اصول توحید کے مطابق اور اسی کی معقول توضیح پیش کرتا ہے۔ یہ الفاظ آیات کے علاوہ کسی کے ذاتی خیالات پر مبنی الفاظ کی ایزادی کے بغیر آنحضرت کی سپرٹ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ قدیم ویدک دھرم کی تصدیق کا مقصد جو جابجا قرآن سے منسوب کیا گیا ہے۔ بغیر اس ترجمے کے پورا ہونا نہایت مشکل ہے۔

۲۰۳۔ انسان کا امتحان

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

۱۵۳ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ① وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

۱۵۴ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ② وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

۱۵۵ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ③ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ

وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿٤﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿٥﴾

۱۵۶
۱۵۷

اے ایمان لانے والو! صبر اور عبادت کرتے ہوئے اللہ سے دعا مانگو۔ تحقیق اللہ قانع لوگوں کے ساتھ ہے۔ ۱ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔ انہیں مرا ہُوا نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ مگر تم سمجھتے نہیں۔ ۲ = اور تحقیق ہم کچھ خوف سے کچھ بھوک سے اور کچھ مال و جان اور پیداوار کے نقصان سے تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔ مبارک ہیں۔ جو قانع ہیں۔ ۳ - ان لوگوں پر جب مصیبت آتی ہے۔ تو یہی کہتے ہیں۔ کہ ہمارا تو بس خدا ہے۔ اور ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۴ - انہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی رحمت اور عنایت ہوتی ہے۔ اور یہی صحیح معنوں میں ہدایت پانے والے ہیں۔ ۵

۴۰۲ - سنتوش اور تپ

ان آیات میں ہُوبہُو ویدک دھرموں کے مسلمہ دو نیموں یعنی سنتوش اور تپ کا بیان کیا گیا ہے۔ سنتوش نام ہے قناعت کا۔ اور تپ نام ہے ریاضت کا۔ ہدایت یہ ہے۔ کہ انسان دعا کرنے یا خدا سے مدد مانگنے کا مستحق جب ہوتا ہے۔ کہ اس مدعا کے لئے خود پوری کوشش بھی کرے۔ اس کوشش یا تپ کا آدرش یہ ہے۔ کہ اپنے علم اور اپنی تمام طاقت سے کوشش کرتے ہوئے جو بھی مصیبتیں آئیں۔ انہیں برداشت کرے۔ گھبرا کر استقلال کو کھو نہ بیٹھے۔ سکھ دکھ۔ نفع و نقصان۔ تعریف مذمت سب کو یکساں سمجھتا ہُوا ثابت قدمی سے کام کرتا جائے۔ اور جو بھی پھل یا نتیجہ ملے۔ اس پر قناعت کرے۔ اسی ویدک تعلیم کا ان آیات میں ذکر ہے۔ صبر بھی ہو۔ اور خدا کی عبادت و ریاضت بھی ہو۔ تبھی دعا قبول ہوتی ہے۔ تکلیف یا مصیبت کی انتہا موت ہے۔ اسے بھی آیت ۱۵۲ میں کہا ہے۔ کہ راہِ حق میں اگر موت آوے تو وہ زندگی ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد نیک لوگوں کے نام جو ہمیشہ قائم ہو جاتے ہیں۔ اسے زندگی کہا جا رہا ہے۔ مگر یہ محض کسی محدود حد تک صحیح ہے۔ اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ کہ لڑائی یا جہاد میں مرنا یا مذہبی خدمت وغیرہ میں مخالفوں سے شہید کیا جانا اس مرنے سے مراد ہے۔ لیکن یہ بھی محض ایک حد تک صحیح ہے۔ ورنہ راہ حق میں مرنا اپنی زندگی کو وسیع معنے میں احکام الٰہی کے مطابق گذارتے یا فنا فی اللہ رہتے ہوئے ختم کرنا ہے۔ یا اس طرح کہ نجات مل سکے۔ سچے علم اور عمل اور وصال باری کے وقف رہنا اس نجات کے لئے شرط ہے۔ ایسے ہی فیض عام میں زندگی گذارنا بھی آتمنہ کی اعلےٰ زندگی کی گارنٹی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ کہ مصیبتیں محض تمہارا امتحان ہیں۔ جو کامیابی کا دروازہ ہے۔

۲۰۵- قانع لوگوں کی پہچان

خدا انسان کا دشمن نہیں۔ جیسے مصیبت کہا جاتا ہے۔ وہ خدا کے ظلم کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس سچے دوست اور مددگار کی طرف سے تمام مصیبتوں میں ہماری راحت نہاں ہے۔ اس اعتقاد سے قانع لوگ مصیبت کے وقت بھی اسی پر بھروسہ رکھتے اور اسی کا دھیان کرتے ہیں۔ سنسکرت لٹریچر میں کہا گیا ہے۔ کہ جس طرح آگ میں تپانے سے سونے کا تمام میل دُور ہو کر وہ کُندن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مخالفتوں کے خوف وخطرات اور جان ومال وغیرہ تک کے نقصانوں میں استقلال سے کام کئے جانے والا عالم کیرکٹر کے لحاظ سے کُندن ہو جاتا ہے۔ قانع لوگوں کو فارسی شاعر اصلی دولتمند گنتا ہے۔

اے قناعت تونگرم گرداں کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

واقعی اصلی دولت سنتوش یا قناعت ہے۔ سونا چاندی کی دولت تو انسان کے حرص وطمع کو بڑھا کر اسے غریبوں کی طرح زیادہ سے زیادہ دولت کے پیچھے بھٹکاتی ہے۔

۲۰۶- صفا اور مروہ کا طواف

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ⑥ ۱۵۸

تحقیق صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو شخص حج یا عمرہ کرے۔ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔ تو اس پر گناہ نہیں۔ کیونکہ جو نیت سے نیک کام کرتا ہے خدا اس کی قدر کرتا اور اسے جانتا ہے۔ ۶

۲۰۷- اصُولی مخالفت

حج وغیرہ میں صفا اور مروہ کا طواف کرنے اور ان کے درمیان دوڑ لگانے کا رواج ہے۔ لیکن اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قرآن اس طواف کی بہ طور اصُول ہدایت نہیں دیتا۔ کیونکہ اس میں بھی خاص مقام کا تعلق ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں محض اللہ کا ہی دھیان کرنے کی ہدایت ہے۔ اور اس سے پہلے مقام یا سمت کا خیال چھوڑ کر کعبہ دل میں عبادت کرنا ہی مقدم فرض ٹھہرایا ہے۔ کسی بھی مادی شے یا مقام کی تعلیم میں قرآن کچھ نہ کچھ شرک ضرور سمجھتا ہے۔ اور یہی حالت صفا اور مروہ والے طواف کی ہے۔ لیکن ایک خیال ضرور وزندار ہے۔ کہ صفا اور مروہ بھی خدا کی خاص نشانیاں ہیں۔ اور اگر کوئی عقلمند حاجی خیال کرتا ہے۔ کہ اوہ! کہاں میدان اور ریگستان اور کہاں آبادی کے پاس کی یہ دو پہاڑیاں

واقعی عجیب ہی قدرت وشان الٰہی ہے۔ تو بجائے شرک کے اس کا عمل توحید سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صورت میں حج یا عمرہ والا شخص طواف کرے۔ تو اس میں گناہ نہیں۔ عام مقولہ ہے۔ کہ نیت پر مراد۔ قانون فوجداری میں بھی جرم کا مدار نیت پر ہے۔ اور ویدک دھرم میں بھی فعل کا مدار حواس پر نہیں۔ بلکہ من پر سمجھا جاتا ہے۔ ہندو لوگ تو اس امر کو اس حد تک لے جاتے ہیں۔ کہ وہ بت پرستی کے گناہ عظیم کو بھی بھاونا کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔ حالانکہ بھاونا جہالت کا جواب نہیں۔ غرضیکہ طواف کرنے والا اگر صفا اور مروہ کو دیکھ کر خدا کا نام لیتا ہے۔ تو گناہ نہیں۔ ورنہ شرعی اور اصولی طور پر ان بے جان پہاڑیوں کی تعظیم اور ان کا طواف شرک سے خالی نہیں۔

۲۰۸- حج اور عمرہ

حج اور عمرہ کی تمیز کے لئے واضح رہے۔ کہ حج نویں ماہ ذی الحج کو ہوتا ہے۔ مگر عمرہ میں یہ پابندی نہیں۔ عمرہ میں احرام باندھنا۔ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ہوتا ہے۔ اور حج میں ان کے علاوہ عرفات میں ٹھہرنا منا میں کنکریاں پھینکنا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا ہے۔ مگر یہ رسمیات ہیں۔ قرآنی اصول نہیں۔ حج کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اس کا بیان سورۃ الحج میں آنا ہی مناسب ہے۔ اس لئے یہاں نہیں لکھا گیا۔

۲۰۹- رواج

صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شہر مکہ میں ایک دوسرے سے قریباً ۷۶۰ گز کے فاصلے پر واقع ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کی طرح ان پہاڑیوں پر بھی بت رکھے تھے۔ اور انہی کی وجہ سے ان کے طواف کا رواج پڑا تھا۔ ایک اور بیان یہ ہے۔ کہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگانے کا رواج حضرت ابراہیم کے واقعہ سے چلا ہے۔ جب وہ اپنی بی بی ہاجرہ اور بیٹے اسمٰعیل کو یہاں لائے۔ تو بی بی ہاجرہ پانی کی تلاش میں انہی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی پھریں۔ کچھ ہی ہو۔ قرآن اس رواج کے لئے ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ رواج ڈالنے والے اور ہیں۔ اور اس کو قائم رکھنے والے بھی اور ہیں۔ بیان القرآن کے الفاظ اس کے متعلق خاص شہادت دیتے ہیں۔

"بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انصار سعی بین الصفا و المروہ میں کچھ مضایقہ کرتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ صفا اور مروہ پر دو بت اساف اور نائلہ تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اس رکن حج کو بجا لانے میں ہرج نہیں۔ گویا یہ ایک پیشگوئی تھی۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ سعی بین الصفا و مروہ نہ کرے۔ تو بھی ہرج نہیں۔ کہ اس کا ارکان حج میں سے ہونا احادیث صحیحہ اور تعامل امت سے ثابت ہے۔ پس اشارہ صرف یہی ہے۔ کہ سردست ان حالات میں بھی ارکان حج کو نہ چھوڑو۔ عروہ نے جب حضرت عایشہ سے کہا۔ کہ اس آیت کی رو سے اگر سعی بین الصفا و مروہ نہ کی جاوے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں اگر یہ منشا ہوتا۔ تو عبارت یوں ہوتی۔ فلا جناح علیہ ان لا یطوف حضرت ہاجرہ کے قصّے کی طرف اشارہ کر کے پھر مضمون کو عام کر دیا۔ کہ جو کوئی بھی شوق سے نیکی کرتا ہے۔ اس کو بہتر بدلہ ملتا ہے۔ کسی انسان سے اس کی خصوصیت نہیں۔"

مفسر صاحب یہ ثبوت نہیں دیتے۔ کہ قرآن اس سعی بین الصفا و مروہ کو فلاں آیت میں لازمی قرار دیتا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ احادیث صحیحہ اور تعامل امت سے یہ ارکان حج میں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ معنی نہ لینے چاہئیں۔ کہ اگر نہ کیا جائے۔ تو بھی ہرج نہیں۔ ہماری رائے میں غرض یہ تھا۔ کہ وہ تحقیق کرتے۔ کہ آیا حدیث اور تعامل امت والا بیان قرآن کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ قرآن کے الفاظ کو تمام عوارضات سے الگ رکھ کر ان سے اصول اخذ کرتے۔ اور پھر دیکھتے۔ کہ حدیث کے الفاظ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یا متابعت۔ لیکن آپ نے الٹا الفاظ قرآن کے گلے میں حدیث کا طوق باندھا ہے۔ اور یہی نقص ہے۔ جس کی وجہ سے خاص توحید کا خیال دلانے اور مشرق اور مغرب کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کی قید کو ہٹانے والی آیات میں بھی خاص طرف رخ کرنے کے معنے لگائے گئے ہیں۔ یہ فرمان کہ اگر طواف کر لیا جاوے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ واقعی علے الاعلان اس کو فرض نہ سمجھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور مفسر صاحب کو یہ الفاظ کھٹکتے بھی ہیں۔ مگر بجائے حق کو ظاہر کرنے کے آپ اپنی کمزوری پر پردہ ڈالتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ چونکہ ان پہاڑیوں پر بت رکھے تھے۔ اس لئے ایسی نرم صورت بیان اختیار کی گئی ہے۔ کہ اس حالت میں بھی طواف کرنا گناہ نہیں۔ لیکن قرآن میں ان بتوں کے ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔ اور مفسر صاحب ان کا تعلق خود جوڑتے ہیں۔ تو طواف بتوں کا ہونے سے گناہ شرک کا ارتکاب لازمی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس الزام سے بچنے کے لئے یہ اختراع کی گئی ہے۔ کہ خدا کے اس فرمان سے پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ کہ بت نہیں رہیں گے۔ لیکن نہ قرآن پیشگوئی وغیرہ توہم پرستی کا شکار ہے۔ نہ پہاڑیوں پر بت ہونے کا ذکر آتا ہے۔ نہ اصولاً جگہ یا سمت یا پہاڑیوں کی تعظیم کا قائل ہے۔ وہ تو ایک ہی شرط لگاتا ہے۔ جس سے یہ طواف گناہ نہیں رہتا۔ اور وہ شرط یہ ہے۔ کہ صفا اور مروہ کو شعائر اللہ مانا اور ان کو مدنظر رکھ کر خدا کا ذکر کیا جاوے۔ پس اس رواج کو قرآن نہیں۔ بلکہ اس کے اصل معانی کو نہ سمجھنے والے مفسرین اور علماء جاری رکھا رہے ہیں۔

۲۱۰۔ تَطَوَّعَ خَیْرًا

اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ خوشدلی کے ساتھ کوئی نیکی کا کام کرنا۔ لیکن یہ معنے غلط ہیں۔ کیونکہ تطوّع کے لغوی معنے یہ ہیں۔

"توانائی نمودن از خود و آنچہ فریضہ باشد آوردن (صراح) حکم ماننا۔ فرمانبرداری و عبادت کرنا۔ جو فرض و سنت نہ ہو یعنی مستحب و نفل" (لغات سعیدی) نیکی کا کام کوئی بھی ہو۔ وہ خدا کی طرف سے ہمارا فرض اور عین سنت ہے۔ پس اس کا کرنا یہاں مقصود نہیں۔ بلکہ فرض یا سنت نہ ہوتے ہوئے جو انسان خود اپنے دل سے اچھا کام سمجھ کر کرتا ہے۔ وہ مراد ہے۔ اور اس لفظ سے بھی سعی بین الصّفا و المروہ فرض یا سنت نہیں۔ ہاں کسی خاص صورت میں انسان اپنی نیت میں اسے اچھا کام سمجھتا ہے۔ تو اس کے مواخذہ میں وہ آ نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نیت کو جاننے والا اور نیک نیتی کی قدر کرنے والا ہے۔ بیان القرآن کے دفعہ ماسبق والے اقتباس کے اخیر میں یہ لفظ ہیں۔ کہ حضرت ہاجرہ کے قصے کی طرف اشارہ کر کے پھر مضمون کو عام کر دیا۔ کہ جو کوئی بھی شوق سے نیکی کرتا ہے۔ اسی کو بہتر بدلہ ملتا ہے۔ کسی انسان سے خصوصیت نہیں۔ یہاں

بھی شوق سے نیکی کرنے کی بجائے اپنی نیت یا علم کے مطابق نیکی کرنے کا مفہوم موزوں ہے۔ قطع نظر اس کے یہ ظاہر ہے۔ کہ مفسر صاحب نے آخر اسے عام اصول پر مان لیا۔ لیکن جب نہ ہاجرہ کے قصے کی طرف آیت زیر بحث میں اشارہ ہے۔ اور نہ کسی اور حدیث کی طرف۔ تو شروع والا وہ تمام بیان جو آیات کو عام اصول سے جدا کرتا ہے۔ مفسرین کی اپنی اختراع ہے۔ قرآن کی آیت تو شروع میں ہی ویسی ہی عام اصول کو بیان کرتی ہے۔ جیسی اخیر میں۔

۲۱۱ - کتمان ہدایت کی سزا

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ⑦ ۱۵۹ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ⑧ ۱۶۰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑨ ۱۶۱ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ⑩ ۱۶۲

لوگوں کے لئے کتاب الہی میں صاف صاف بیان کرنے کے بعد جو سچے مسلمہ اصول اور ہدایت کی باتیں ہم نے نازل کیں۔ ان کو جو لوگ چھپاتے ہیں۔ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور تمام لعنت کرنے والے اس کو ہی لعنتی بتلاتے ہیں۔ ۷ مگر جو پچھتاتے۔ اپنی اصلاح کرتے اور غلطی کا صاف اقبال کرتے ہیں۔ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم تواب اور رحیم ہیں۔ ۸ - تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور حالت کفر میں ہی مر گئے۔ ان پر کیا اللہ۔ کیا فرشتوں اور کیا آدمی سب کی لعنت ہے۔ ۹ - ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے نہ ان پر عذاب ہلکا کیا جاویگا۔ اور نہ ان کو مہلت ملے گی ۱۰

۲۱۲ - سب سے بڑے لعنتی

خالص توحید و عبادت کے راستے میں حائل ہونے والی رکاوٹوں

مثل جگہ یا سمت مخصوص کا خیال اور طواف وغیرہ کو اصولاً ممنوع قرار دینے کے بعد ان آیات میں ایک قسم کا اظہارِ افسوس کیا گیا ہے۔ کہ حالانکہ عالمگیر سچائیاں اور کامل ہدایت کی باتیں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کتاب الہی (وید) میں صاف بیان ہو چکی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان مسلمات وہدایات میں سے ضروری امور واضح ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بھی ان کو چھپانے والے لوگ موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو لعنتی کہا ہے۔ نہ صرف اللہ کے ہاں۔ بلکہ تمام انسانوں کے ہاں بھی جو لعنت کے مفہوم اور موقعہ استعمال کو سمجھتے ہیں۔ پھر آیت ۱۶۱ میں کہا۔ کہ تعلیم حق کے چھپنے کا نتیجہ لوگوں کا کفر کرنا ہوگا۔ اگر کوئی زندگی بھر اسی کفر میں رہے۔ اور اسی حالت میں مرے۔ تو کیا خدا کیا عالم اور کیا عام لوگ۔ سب کی اس پر لعنت ہے۔ نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی۔ اور نہ انہیں اپنی اصلاح کرنے کی مہلت ملے گی۔ اس ہدایت سے قرآن نہایت زور سے تمام اہلِ علم کا فرض ٹھہراتا ہے۔ کہ وہ علم الہی کی کسی بھی بات کو چھپائیں نہیں۔ بلکہ اشاعت حق کے فرض کو مستعدی استقلال اور بے خوفی سے بجالائیں۔ ورنہ وہ گنہگار اور ملعون ہوں گے۔

۲۱۳- توبہ

باوجود ارتکاب ایسے گناہ عظیم کے خدا نے اصلاح کا دروازہ بند نہیں کیا۔ آیت ۱۶۰ میں صاف کہہ دیا ہے۔ کہ جو لوگ ایسی غلطی کر کے پچھتائیں گے۔ اور آئندہ اس کے ارتکاب سے باز رہیں گے۔ یعنی عملاً اپنی اصلاح کریں گے۔ اور ہمیشہ قصور کا صاف طور پر اقبال کریں گے۔ اسے چھپائیں گے نہیں۔ ان کی توبہ قبول ہوگی۔ اس آیت سے صاف عیاں ہے۔ کہ یہ اعتقاد کہ توبہ سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ قرآن کے مطابق نہیں۔ کیونکہ پشچاتاپ اور اصلاح اور آئندہ اس غلطی سے ہمیشہ بچنے کی احتیاط کا نام توبہ ہے۔ زبانی لفظ توبہ بولنا مقصود نہیں۔

۲۱۴- معبود حقیقی کا ثبوت عین الیقین

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱﴾ ع ۱۹ ۱۶۳ ۲

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآ بَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱﴾ ۱۶۴

اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے۔ اس کے سوائے کوئی قابل عبادت نہیں۔ وہ رحمان اور رحیم ہے۔ ۱۱-
تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش۔ رات دن کی تبدیلی۔ لوگوں کے منافع کی چیزیں لئے پھرنے والے سمندری
جہاز۔ آسمان سے برسائے گئے مینہ جن کے ذریعے مردہ زمین پھر زندہ ہوتی ہے۔ نیز تمام قسم کے جانداروں
میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ اور ادھر ادھر اڑتی پھرنے والی ہواؤں اور آسمان و زمین
میں گھرے ہوئے بادلوں غرض ان سب چیزوں میں اہل عقل کے لئے بڑے سبق ہیں (یعنی خدا کی صنعت و حکمت کے)

۲۱۵- خدا کی ہستی

ہدایت الٰہی کو چھپانے والوں کی سزا کا بیان کر کے اب ہدایت دی
گئی ہے۔ کہ یاد رکھو محض خدائے واحد ہی تمہارا معبود ہے۔ اور
وہ نیائے کاری اور دیالو ہے۔ جہاں گناہ کے لئے تمہیں سزا دیتا ہے۔ وہاں تم اصلاح کرلو۔ تو دیالو ہونے سے
درگذر بھی کرتا ہے۔ اس ۱۶۳ آیت پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ خدا نظر تو آتا نہیں۔ وہ سزا کیا دیگا۔ اور درگذر
کیا کریگا۔ یہ وہ سوال ہے۔ جو وید اور دوسرے سچے شاستروں میں بڑی اچھی طرح حل کیا گیا ہے۔ کہ دنیا کا
ہر ایک ظہور خدا کی ہستی کا ثبوت ہے۔ اور وہ اپنے کاموں سے ہر کہیں ظاہر ہو رہا ہے۔ وہی بیان قرآن
میں دیا گیا ہے۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش ظاہر کرتی ہے۔ کہ جیسے ہر فعل کا فاعل ضروری ہے۔ ویسے ہی
اس خلقت کا خالق بھی ہے۔ ایسے ہی رات دن کی تبدیلی۔ زمین کا مردہ ہونا۔ بارش کا برسنا۔ پھر زمین کا زندہ
ہونا وغیرہ کے عمل جو ایک اعلےٰ قانون کے عملدرآمد کا ثبوت ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی خاص ہستی بھی ہے۔
ایسے ہی ہوا۔ جہاز۔ بادل وغیرہ تمام سے خدا کی ہستی یقینی طور پر ثابت ہے۔ یہ مضمون بھی عمدہ طریق پر وید
کے منتروں میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا مختصر اشارہ سام وید ۱-۳-۱۱ یا اتھرو ۲۰-۴۷-۱۳-
ہیں ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

उदु त्यं जातवेदसं देवं वहन्ति केतवः।

یعنی کل اشیائے عالم اس خالق عالم پرمیشور کو سب انسانوں کو ظاہر طور پر دکھا رہی ہیں۔

۲۱۶- شرک

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

۱۶۵ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۲﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ

۱۶۶ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۳﴾

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ

۱۶۷ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۴﴾ ع ۲۰

اور بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک ٹھہراتے۔ اور ان سے یہ محبت کرتے ہیں جو محض اللہ کا حق ہے۔ مگر جو مومن ہوتے ہیں۔ ان کی اللہ سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اور کاش کہ ظالموں کو عذاب کے ہوتے پر جو بات سوجھ پڑتی ہے۔ اب سوجھتی۔ یعنی یہ کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ۲۔ خیال کرو۔ اس وقت کہ گورو اپنے چیلوں سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور عذاب کو دیکھیں گے۔ اور ان کے تعلقات قطع ہو جائیں گے۔ ۳۔ اور ان کے پیرو کہیں گے۔ کاش ہم کو لوٹ جانا ہے۔ تو ہم بھی ان سے دست بردار ہو جائیں۔ جیسے یہ ہم سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان کو حسرتوں کی صورت میں دکھاتا ہے اور وہ دکھوں کی آگ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۴۔

۱۲۱۷۔ جھوٹے گورو اور چیلوں کا حشر

جہاں خالص توحید کا بیان کیا۔ وہاں ان آیات میں اب شرک کا ذکر کیا ہے۔ کہ آیت ۱۶۴ میں بتایا تھا۔ کہ دنیا کے تمام نظارے اہل بصیرت کے لئے خدا کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ اسی لئے مومنوں کے دلوں میں خدا کے لئے محبت ہے۔ لیکن غیر مومن بتوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اور جس خلوص عقیدت کا مستحق صرف خدا ہے۔ وہ ان جھوٹے معبودوں کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ بتوں کے علاوہ مردم پرست لوگ فانی انسانوں کو اپنا نجات دہندہ مان بیٹھتے ہیں۔ اور جو عزت اور تعظیم خدا کی کرنی چاہیے۔ وہی اپنے اس گورو کی کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر جب بڑا عذاب یا موت سامنے آتی ہے۔ اور وہ جھوٹے گورو نہ ساتھ دیتے نہ کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ تب انہیں ہوش آتی ہے۔ کہ ہم نے بڑی بھول کی جس طرح چوری کا راہ بتانے والے اکثر لوگ پولیس کے سامنے کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ ہم نے تو اسے دیکھا ہی آج ہے۔ یا کم سے کم اس سے بے تعلقی یا بیزاری یا دستبرداری اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹے گورو موت یا مصیبت کے وقت کنارہ کرتے ہیں۔ اس حقیقت حال کے نظر آنے پر بیوقوف بنا ہوا شخص اپنے اعمال پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے۔ اور اس کے اندر ایک جوش اور ولولہ اٹھتا ہے۔ کہ کاش اب کے موقع مل جاوے۔ تو ان سے قطع تعلق کر کے اس خدائے واحد

سے ہی ناطہ جوڑیں۔ لیکن گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ قانون الہی اٹل ہے۔ جو تیر ہاتھ سے نکل گیا۔ اب واپس کیسے آوے۔ لہذا عذاب کا بھگتنا امیٹ تقدیر ہے۔ قرآن آیت ۱۶۵ میں یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ اے لوگو! اس وقت کف افسوس ملنے کی نسبت بہتر یہی ہے۔ کہ ابھی سمجھ جاؤ۔ تاکہ عذاب کی نوبت ہی نہ آوے۔

۲۱۸۔ قانونِ غذا

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⓵ (۱۶۸) اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⓶ (۱۶۹) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ⓷ (۱۷۰) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ⓸ (۱۷۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ⓹ (۱۷۲) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⓺ (۱۷۳) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ

...بیر کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں جو گوشت خوری کا رواج بڑھ رہا ہے۔ وہ ان آیات

۱۷۴ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٧ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

۱۷۵ الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝٨

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ

الربع ع ۱۷۶ ۵ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝٩

اے لوگو! وہ چیزیں کھاؤ۔ جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور حلال (قابل خوردنی) اور طیب (پاک یا ساتوک) ہیں۔ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ ۱۔ وہ تمہیں بدی اور گناہ کے کاموں کی ہی ترغیب دیتا ہے۔ اور اس بات کی کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو۔ جو تم جانتے نہیں۔ ۲۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو اللہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو اسی طریق پر چلتے ہیں۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے پایا۔ مگر کیا ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے اور راہ راست پر نہ چلتے رہے ہوں۔ تو بھی۔ ۳۔ اور ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے۔ جو اس (جانور) کو آواز دے رہا ہے۔ جو بغیر پکار اور آواز کے سنتا ہی نہیں۔ گویا ایسے گونگے بہرے اور اندھے ہیں۔ کہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۴۔ اے حق پسندو تم وہ پاک (ساتوک) غذا کھاؤ۔ جو تمہیں دی گئی ہے۔ اور تم اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ ۵۔ تحقیق اس نے تم پر مردہ جانور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے۔ اور وہ بھی جو غیر اللہ پر چڑھایا گیا ہے۔ ہاں جو مجبوری (آپت کال) میں ہو۔ بغیر خیال حکم عدولی و ہنسا (ایذا رسانی) کے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۶۔ جو لوگ اس بات کو چھپاتے ہیں۔ جو کتاب الٰہی میں سے ان پر اتاری گئی ہے۔ اور اس اخفا سے کچھ ٹکے کماتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں بس آگ بھرتے ہیں۔ اور قیامت میں اللہ ان سے بات تک نہ کریگا۔ اور نہ انہیں پاک کریگا۔ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ ۷۔ یہی ہیں۔ جو ہدایت کی جگہ گمراہی اور مغفرت کی جگہ عذاب خریدنے والے ہیں۔ پس انہیں غضب کی آگ برداشت کرنی ہوگی۔ ۸۔ یہ اس لئے۔ کہ اللہ نے تو سچے علم سے معمور کتاب نازل فرمائی۔ اور جو لوگ اس سے انحراف کرتے ہیں۔ وہ یقیناً انتہائی سرکش ہیں۔ ۹۔

۱۵ | ۱ نظم ... ۱ | اس قرانت ... غذا کے متعلق تین امور مدنظر رکھنے ضروری

کے اندر ایک جوش اور ولولہ اٹھتا ہے۔ کہ کاش اب کے موقع مل جاوے۔ تو ان ... ہدایت دی ہے۔ کہ فی الارض

یعنی زمین سے حاصل ہو۔ یعنی کھیتی کرنے سے یا قدرتی طور پر جو زمین سے پیدا ہو۔ وہ کھاؤ۔ یعنی اَن اناج پھل وغیرہ گویا چرند پرند وغیرہ کا کھانا بالکل خلاف شرع ہے۔

دوم۔ حلال یعنی شرعاً جائز ہو۔ حلال کے اصل معنے مشکل کا کھولنا ہے۔ اور مفہوم یہ ہے۔ کہ جو چیز انسان کی کسی مشکل کو حل یا ضرورت کو پورا کرے۔ وہ حلال ہے۔ گویا عیاشی وغیرہ سے غذا کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ حلال کے لغوی معنے سے ہدایت ملتی ہے۔ پس ایک تو زمین سے پیدا شدہ ہو۔ اور دوسرے جسم کی حفاظت نیز صحت کے لئے واقعی ضروری اور مفید ہو۔ زمین سے اکثر چیزیں یا زہریلی بوٹیاں ایسی بھی پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسان کو کھانے سے صحت و طاقت کے متعلق کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ اور ایسی بھی ہیں۔ جو انسان کے لئے الٹا تکلیف بلکہ موت کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اس لئے حلال کی شرط واقعی لازمی تھی۔ اسی طرح ایک چیز ظلم سے یا دوسرے کو دکھ دے کر یا مار کر حاصل کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دوسرے انسان کی مشکل کو بڑھاتی ہے۔ اور پہلے کو گناہ کا مرتکب اور سزا کا مستحق بناتی ہے۔ گویا دونوں فریق کے لئے نقصان دہ ہے۔ اسی لئے حرام کی کمائی کو متروک مانا گیا ہے۔ تیسری شرط ہے۔ طیب یا پاک ہونے کی۔ یعنی ایک تو صاف ستھری ہو۔ دوسرے صحیح طور پر پکی ہوئی۔ یا اس حالت میں کہ اس کا کھانا فائدہ ہی دے سکے۔ تیسرے اس سے اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہو۔ جذبات کو بھڑکانے والی غذائیں انسان کو اخلاق کے لحاظ سے غیر معتدل رویہ پر چلا کر گرا دیتی ہیں۔ اس لئے وہ بھی حلال نہیں۔ ویدک ساہتیہ میں حلال کو بھکشیہ یعنی قابل خوردنی اور طیب کو ساتوک بھوجن کہا ہے۔ یعنی پاک غذا جو جسم کو پاکیزگی صحت اور طاقت دے۔ اور اخلاق کو ترقی۔ یہ تینوں صفات گوشتخوری کی پرزور تردید کرتی ہیں۔ اور آیت کے دوسرے حصے میں جو شیطان کی پیروی کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ کہہ کر کہ وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے۔ صرف تردید گوشتخوری کی تائید ہی نہیں کرتی۔ بلکہ اس عمل کو شیطان یا نفس امارہ کی پیروی کا نام دیتی اور اسے حرام ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ غذا کے مضمون میں ان تین صفات کے علاوہ جو غذا ہے۔ وہی شیطان کی پیروی سے منسوب ہو سکتی ہے۔

۲۲۰۔ غلط استدلال

باوجود اس کے ان الفاظ سے الٹے ہی مطالب اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آیت ۱۶۹ میں شیطان کی طرف سے بدی اور ناپاک کاموں کی ترغیب منسوب کی گئی ہے۔ یعنی حلال کی تمیز اگر شیطان کے زیر اثر ہو کر انسان نہیں کرتا۔ تو وہ بدی اور گناہ کی کمائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے زیر اثر طیب غذا کے اصول کو توڑتا ہے۔ تو فحش یا گندے اور بدچلنی کے عملوں پر مائل ہوتا ہے۔ چونکہ تمام مفسر بالاتفاق قبول کرتے ہیں۔ کہ غذا کا اثر دل اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور ہندی میں عام کہاوت ہے۔ کہ جیسا کھائیے اَن ویسا ہی بنتا ہے من۔ اور قدیم بزرگوں کے تاریخی واقعات سے بڑی بڑی ہستیوں کو ہم یہ اقبال کرتے پاتے ہیں۔ کہ ہم سے فلاں پاپ اس لئے ہوا۔ کہ فلاں پاپی کا اَن پانے سے ہمارے من کی حالت بدل گئی تھی۔ اس لئے غذا کا اثر مسلمہ ہے۔ بالخصوص گوشت خوری سے نفسانیت یا شہوت کا غلبہ ہونا اور انسان کا اعتدال سے گرنا لازمی ہے۔ تو بھی ایسے طریق پر مفسر صاحبان ان آیات کی تعبیر کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں جو گوشت خوری کا رواج بڑھ رہا ہے۔ وہ ان آیات

کی زد سے بچ سکے۔ مثال کے لئے بیان القرآن صفحہ ۱۴۹ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

" اسلام نے ان تین چیزوں (مردار۔ خون۔ سؤر کا گوشت) کے علاوہ جن کا اثر صحت جسمانی کے علاوہ اخلاق پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ ایک چوتھی چیز حرام قرار دی ہے۔ یعنی ہر جانور جو ویسے حلال ہو۔ مگر ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ اور یوں شرک کو عملی رنگ میں جڑ سے کاٹا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کی وجہ دوسری جگہ خود کلام پاک میں دی ہے۔ دیکھو الانعام ۱۴۵۔ جہاں پہلی تین چیزوں کو رجس کہا ہے یعنی پلیدی۔ ان کا اثر جسم اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ اور ما اھل بہ لغیر اللہ کو فسق کہا ہے۔ مردار اور خون اور سؤر کے گوشت میں زہروں کا ہونا آج ایک مسلم امر ہے۔ اور اخلاق پر جو بد اثر پڑتا ہے۔ اس پر خود واقعات شاہد ہیں۔ مردار خوار قومیں جیسے ہمارے ملک میں چوہڑے ہمیشہ سے نہایت رذیل حالت میں رہی ہیں۔ خون پینا درندوں کا کام ہے۔ اس سے درندگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے ذبح کرنے کو بھی ضرور قرار دیا ہے۔ کہ خون بہہ جائے۔ سؤر کے گوشت کے کھانے سے جو دیوثی اور بے غیرتی انسانوں میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ آج کل کی مہذب قوموں کے فحش تعلقات اور عورتوں کے ننگے جسموں سے خود ظاہر ہے۔

سؤر کا گوشت عرب کے لوگ اسی طرح محبوب رکھتے تھے۔ جس طرح آج یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام لحم الخنزیر اسی لئے کہا ہے۔ ورنہ جس طرح اس کا گوشت حرام ہے۔ اسی طرح دوسری اشیاء بھی۔ مئیتہ سے مچھلی کو حدیث میں مستثنےٰ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں خون نسبتاً اس قدر کم ہوتا ہے۔ کہ اس کا اثر بد صحت پر نہیں پڑ سکتا"۔

اھل بہ لغیر اللہ کے معنے یہ کئے ہیں۔ کہ جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے۔ یعنی ذبح کرتے وقت بجائے اللہ کا نام لینے کے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ جیسے کسی بت کا یا اور کسی کا سوائے اللہ کے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کر لیا جاوے۔ تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔

۱۲۲۔ محض غیر معقول

ہم پوچھتے ہیں۔ کہ (۱) جب آیت ۱۶۸ کے تینوں الفاظ اور ان کے علاوہ دیگر آیات میں کہیں بھی براہ راست یا صاف طور پر کسی جاندار کا گوشت انسانی غذا قرار ہی نہیں دیا گیا۔ تو اس استدلال کے لئے آپ نے قرآن میں سے کونسی وجہ پائی ہے۔ بے بنیاد بیان یا قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی اس استدلال کے لئے استعمال میں لانے کا کسی کو حق نہیں۔

۲۔ کیا خون بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اور گوشت اخلاق پر اچھا اثر ڈالتا ہے؟ ایسا ہوتا تو مردار حرام کیوں ہوتا۔ آخر وہ بھی تو گوشت ہی ہے۔

۳۔ اگر کہیں گوشت بُرا اثر نہیں ڈالتا۔ تو سؤر کے گوشت کے اثر کا نام لے کر عرب کی سابقہ اور امریکہ کی حال کی عیسائی اقوام پر بُرا اثر کیوں مانا ہے؟

۴۔ جب مردار حرام ہو گیا۔ تو کیا ذبح کیا ہوا جانور جو مردار ہی ہے۔ حرام نہ ہوا۔

۵۔ اگر ذبح کرنے سے خون کا ہی تدارک مقصود ہے۔ تو اللہ کا نام لئے بغیر یا اور بتوں کا نام لے کر ذبح کرتے

سے بھی تو خون نکل سکتا ہے۔ پس اس قسم کی تذبیح پر اعتراض کیسا؟

۶۔ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لینا شرک ہے۔ تو کیا اللہ کی پیدا کردہ ہستیوں اور خدا کی قدرت کاملہ کا ثبوت مہیا کرنے والے حیوانات کو ذبح کرنا خدا سے کامل بغاوت اور سرکشی کرنا نہیں؟

۷۔ اور خون پینا اگر درندوں کا کام ہے۔ تو گوشت کھانا کیا چرندوں کا کام ہے۔ یا انسانوں کا۔ اس کا ثبوت قرآن میں کہاں موجود ہے۔

۸۔ کیا دیوثی اور بے غیرتی محض سور کا گوشت کھانے والوں میں ہی ہے؟ کیا دوسرے حیوانوں کا گوشت کھانے والوں میں دیوث اور بے غیرت لوگ نہیں ہیں۔

۹۔ کیا ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لینے سے گوشت کے اثر میں کوئی خاص تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور کیا کبھی اس فرق کا امتحان کیا گیا ہے۔ یعنی کبھی اللہ یا غیر اللہ کے نام سے ایک ہی قسم کے دو جانداروں کو ذبح کر کے عملاً ان کے گوشت کا فرق معلوم کیا گیا ہے۔

۱۰۔ "جانور جو ویسے حلال ہو۔ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حرام ہوتا ہے"۔ اس سے پہلے تو یہ بتانا تھا۔ کہ کس جانور کا گوشت حلال ہے۔ جب کسی کے گوشت کی اجازت ہی نہیں۔ تو اللہ یا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کی بحث کیسی؟

۱۱۔ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے شرک ہوتا ہے۔ تو ان تمام کاموں کو شرک کیوں نہ مانا جائے۔ جو دوسروں کا نام لے کر کئے جاتے ہیں۔ کوئی کام برہمن نام سے مخصوص ہے۔ کوئی کھشتری سے۔ سکہ راجا کے نام پر چلایا جاتا ہے۔ مندر یا مکان کسی انسان کے نام پر بنایا جاتا ہے۔ کوئی انسٹی ٹیوشن کسی کے نام پر جاری ہے۔ کوئی کسی کے نام پر۔ ان کو شرک کیوں نہیں مانتے

۱۲۔ مچھلی کو حدیث الا المیتۃ سے مستثنےٰ کرتی ہے۔ تو قرآن کے کس حکم کے مطابق ہے۔

۱۳۔ اور یہ امر کہ چونکہ مچھلی میں خون نسبتاً کم ہونے سے اس کا گوشت صحت پر برا اثر نہیں ڈالتا۔ اس لئے مچھلی میتہ لفظ کے اطلاق سے باہر ہے۔ کیا اس نتیجہ کو پیدا نہیں کرتا۔ کہ جن انسانوں یا حیوانوں کا خون مرنے سے پہلے بوجہ بیماری سوکھ یا بہت کم رہ گیا ہو۔ ان کو مرنے پر بغیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے مردار نہ سمجھ کر بخوشی کھا لیا جاوے۔

ہماری رائے میں ایسی تاویلات محض غیر معقول اور تمسخر آمیز حجت بازی ہے۔ جو محض گوشت خوری کے عیب پر پردہ ڈالنے اور قرآن کے فیصلہ کی زد سے بچنے کے لئے کھینچا تانی سے کام لے کر کی جا رہی ہیں۔

۲۲۴۔ یک نہ شد دو شد

ایک اور مفسر ... ... کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں

"مشرکین عرب سانڈ وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ تو خدا نے فرما دیا۔ یہ شیطانی اغوا ہے۔ اور یہ لوگ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے دھڑے پر چلے جاتے ہیں۔ ورنہ خدا نے تو

مرے ہوئے جانور اور خون وغیرہ کے سوا جن کی صراحت آگے آرہی ہے۔ کچھ حرام نہیں کیا۔ اور لاچاری میں تو مردار بھی حلال ہے :۔

اوہ کیسا بھولا پن ہے۔ کہ معمولی سی پیچیدگی اپنی کلام میں داخل کر کے قرآن کو اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپ کا مُدعا یہ ہے۔ کہ سانڈ ہے تو حلال۔ مگر شیطان کے اغوا سے حرام سمجھا جا رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ قرآن میں سانڈ کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کی اجازت ہے کہاں۔ جس آیت میں بقرۃ کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں بقرۃ لفظ نفس امارہ کے معنے میں ہے۔ سانڈ یا گاؤ پر ہرگز ہرگز اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم پختہ ثبوتوں اور دلیلوں سے واضح کر چکے ہیں۔ اور پھر جو لوگ اسے گائے یا بیل کے ذبح کرنے پر لگاتے ہیں۔ وہ بھی انسانی خوراک کے لئے اسے ذبح کرنے کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ اُس مقتول کو اس ذبیحہ کا ٹکڑا چھوانے کے لئے کہتے ہیں۔ جس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں۔ تاہم یہ تذبیح بقر کا مقصد گوشت خوری کو ہرگز ہرگز قرار نہیں دیتی۔ اور نہ بقرۃ یا سانڈ یا گائے کو ہمیشہ مارتے رہنے کا اس میں کوئی مفہوم ہے۔ اور پھر یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ ذبح شدہ سانڈ بھی مردار ہی ہے۔ اور نیز یہ کہ مردار کو حرام کرنے کے بعد کسی بھی جاندار کا گوشت جائز نہیں ہو سکتا۔ سوائے زندہ جانداروں کے۔ مگر زندہ کو نہ کوئی کھاتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔

ہم لغوی اور مصدری معنے حلال کے اُوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور وہ ہیں مشکل کا حل کرنا یا کھولنا۔ نہ یہ کہ ذبح کر کے کسی کا گوشت کھانا پھر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا تو اور بھی غلط ہے۔ کیونکہ زندہ جانور کو دیکھ کر خدا کی حکمت کاملہ کا یقین ہوتا اور اس جانور سے فائدہ ملنے پر بھی خدا کا نام لینے یا اس کا شکر بجا لانے کا خیال آتا ہے۔

لیکن بے زبان کو ذبح کرنے کے گناہ کے وقت خدا کے پاک نام کا کیا تعلق ہو۔ اس کے متعلق حمائل التفسیر میں ۵/۴ و ۶/۱۴۶ و ۶/۱۲۲ ان تین آیات میں آیت نمبر ۱۷۳ کی تفصیل بتا کر لکھا گیا ہے۔ "پس میتۃ سے اس جگہ مراد وہ تمام جانور ہیں۔ جو معمولی طور پر ذبح نہ کئے گئے ہوں۔ خواہ خود بخود مر گئے ہوں۔ یا حلقوم کو نہ کاٹا ہو یا بلندی پر سے گر کے مرا ہو۔ دم پر جو ال ہے۔ وہ خصوصیت کا ہے جس کو دوسری آیت مسفوح کے لفظ سے ظاہر کرتی ہے۔ (اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا) پس وہ خون حرام ہے۔ جو جاری ہو۔ اہلال کے معنے ہے آواز سے پکارنا۔ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے مراد یہ ہے۔ کہ غیر اللہ کا نام پکارا جائے جیسے عرب کے لوگ اپنے بتوں کا نام پکار کر ذبح کرتے تھے۔ یا غیر اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہو۔ جیسا ہندوستان میں شیخ سدو کے نام کا بکرا۔ سید احمد کے نام کی گائے اور مدار کے نام کا مُرغ کرا دیتے ہیں۔ یا جیسے ہندو کالی بھوانی کے نام کا سانڈ چھوڑ دیتے ہیں۔ یا تھانوں یا دیوں یا دیوتاؤں کے تھانوں پر ذبح کئے گئے ہوں۔۔۔۔" لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ان دوسری تین آیتوں میں بھی کہیں لکھا ہے۔ کہ فلاں جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا اور کھانا حلال لفظ کے معنے میں آتا ہے۔ کیا قرآن اگر یہ کہتا ہے۔ کہ مسلمانوں پر مومنوں کی یا قدیم اہل کتاب کی لڑکیاں حلال ہیں۔ تو اس سے شادی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یا ان لڑکیوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانا۔ کیا کوئی بھی دلیل ثابت کر سکتی ہے۔ کہ اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کا جسم مُردہ یا مردار نہیں کہا سکتا۔ یقیناً کھینچا تانی چھوڑ کر محض قرآنی آیات تک محدود رہیں۔ تو قانون غذا کے

متعلق قرآن ایسے صاف احکام دیتا ہے۔ کہ گوشت خوری کا خیال بھی انسان کے پاس پھٹک نہیں سکتا۔

۲۲۳- تردید گوشتخوری

جہاں جواز گوشت خوری کی ان آیات میں کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں پُر زور تردید اس کی ضرور موجود ہے۔ آیت ۱۶۸ میں حلال اور طیب چیز کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہی وید کی ہدایت ہے۔ کہ بھکشیہ اور ساتوک پدارتھ ہی کھانے کے لئے ہیں۔ رہی گوشت خوری۔ اسے قرآن شیطانی کلم بدی فحش باتوں کا موجب اور قابل ترک قرار دیتا ہے۔ شیطان نفس کو انسان کا دشمن کہا ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ خدا نے گوشت خوری کی اجازت دی ہے۔ یا فلاں جانور ہمارے کھانے کے لئے ہی بنائے ہیں۔ تو یہ بھی شیطان کی ہی ترغیب ہے۔ اس کے پیروؤں کو سمجھائیں۔ کہ خدا سے جو اہنسا کی ہدایت ملی ہے۔ اس پر عمل کرو۔ (آیت ۱۷۰) تو باپ دادا کا نام لیتے ہیں۔ کہ وہ گوشت کھاتے تھے۔ ہم کیوں نہ کھائیں یہی دلیل بت پرستی وغیرہ کے متعلق لوگ سوامی دیانند اور آریہ سماج کے مقابلے پر دیتے ہیں۔ اور قرآن بھی اس کا وہی جواب دیتا ہے۔ جو سوامی دیانند اور آریہ سماج دیتا ہے۔ کہ کیا اگر ہمارے بڑے کسی بات کو سمجھ نہ سکے ہوں۔ یا غلط راہ پر چلتے رہے ہوں۔ تو بھی انہی کی پیروی ہو۔ اس سے تو ہٹ بیوقوفی ثابت ہوگی۔ یہ کہہ کر پھر صاف کہا ہے۔ کہ حق پرستوں کو محض طیب چیزیں کھانی اور خدا کی عبادت کے ساتھ ان چیزوں کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ پھر حلال کے بعد ان چیزوں کو حرام بتایا۔ ۱- مُردہ جانور۔ ۲- خون۔ ۳- سور کا گوشت۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ صرف زندہ جاندار ہی انسان کے لئے حلال ہیں۔ یعنی ان کو محفوظ رکھتے ہوئے ان سے وہ فوائد حاصل کئے جائیں۔ جو خدا کی طرف سے انسان اور حیوان کے باہمی تعاون کا اصل مقصود ہیں جیسے بار برداری۔ سواری۔ کاشتکاری وغیرہ ذبح شدہ جانور بھی مردار ہیں۔ ان کو ذبح کرنے کے لئے خون بہانا پڑتا ہے۔ اس لئے بھی یہ عمل حرام ہے۔ اور یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ غریب حیوانوں کے پیدا کرنے اور ان کی حفاظت و پرورش کی انسان پر ذمہ داری ڈالنے والے خدا کے ہی نام پر انہیں قتل کرنے کا رواج قائم رکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآن صریحاً اس گناہ عظیم کے خلاف ہدایت دیتا ہے۔

۲۲۴- آیات قرآنی سے ثبوت

۱- سورۃ الحج آیت ۳۷۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○

خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو تمہیں ہدایت دی ہے۔ ان کے مطابق تم اس کی مہما گاؤ۔ اور نیک عمل والوں کو بشارت دو چونکہ پرہیزگاری خدا کو منظور ہے۔ اور گوشت منظور نہیں۔ اس لئے پرہیزگار بننا اور گوشت سے بچنا چاہئے۔ اور چونکہ خدا نے کھیتی سواری بار برداری کے لئے انہیں ہمارے مطیع کر رکھا ہے۔ اور گوشت کے لئے انہیں ذبح کرنے سے یہ تمام مقاصد مٹی میں ملتے ہیں۔ اس لئے گوشت خوری کو ترک کرنا نہایت ضروری ہے۔

۲۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور یہ کہ ابراہیم نے دعا مانگی۔ کہ اے میرے رب اس نگر کو امن یعنی شانتی کا گیند رینا۔ اور یہاں کے رہنے والوں کو پھل پھلاری کھانے کو دے۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (بقر۔ ۱۲۶)

ابراہیم کی ملت کو قرآن سچا دھرم بتاتا ہے۔ اور ابراہیم غذا کے لئے ویجیٹرین غذا کی دعا کرتے ہیں۔

۳۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ ۹۳

توریت سے پہلے تمام خوردنی اشیاء بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (اس کے جواب میں) کہو۔ کہ اگر سچے ہو۔ تو ہمارے سامنے لا کر توریت پڑھو۔ ۹۳۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ ۹۴۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ ۹۵۔

پس اس پر بھی کوئی اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ ظالم یا متعصب ہے۔ ۹۴۔ اسے کہدو کہ اللہ کا فرمان سچ ہے۔ پس ابراہیم کے طریق کی پیروی کرو۔ جو خدائے واحد کے پرستار تھے۔ مشرک نہ تھے۔ ۹۵

ان آیات میں اس امر کا اعادہ کیا گیا ہے۔ کہ اسرائیل نے گوشت کو جو حرام کیا تھا۔ اس کے سوائے سب خوردنی اشیائے حلال تھیں۔ مگر توریت نازل ہونے سے پہلے مطلب یہ کہ توریت نازل ہونے پر گوشت حلال ہو گیا۔ اس پوزیشن کو آنحضرت غلط قرار دیتے ہیں۔ اور چیلنج کرتے ہیں۔ کہ ہمارے سامنے لا کر توریت پڑھو۔ تو گویا انہیں یقین ہے۔ کہ توریت میں جواز گوشت نہیں۔ اس لئے وہ سامنے آکر اور کتاب دکھا کر ثبوت نہ دینے والے کو ظالم اور متعصب وغیرہ کہتے ہیں۔ اور بعد میں اپنا مدعا واضح کرتے ہیں۔ کہ ابراہیم کے ویجیٹرین ازم کو قبول کرنا ہی مناسب ہے۔

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۔ ۱ ۔ مائدہ

اے ایمان لانے والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ نرم مزاج (اہنسک) چوپائے حیوان تم پر حلال ہیں۔ مگر اس طریق پر جو تم پر واضح کیا گیا ہے۔ اور بہ استثنائے اس امر کے کہ حج میں شکار کھیلنا بھی منع ہے تحقیق اللہ جیسا چاہتا ہے۔ حکم دیتا ہے۔ ۱۔

اس آیت میں گوشت خوری کی انتہائی ممانعت کی گئی ہے۔ مومنوں کو ان اقراروں کے پورا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جو ہر شخص فطرتی طور پر خدا کے احکام کی تعمیل یا قبول حق اور ترک باطل کے لئے اپنے ذمے لئے ہوئے ہے۔ انہی عہدوں کے ایک حصے کو بعض مذہبی کتب میں اہنسا یعنی ترکِ ایذا کا عہد بھی بنایا ہے۔ یجر وید میں کرم کانڈ کی ہدایت کا آغاز کرتے ہوئے سب سے اول پانچویں منتر (اگنے برت پتے) میں اس عہد

کو بڑے وسیع معنوں میں لیا گیا ہے۔ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ پارسی مت کی دھرم پتنک زند اوستا میں ایک نہایت قیمتی اُپدیش ہے۔ جسے پارسی مت والے کل مذاہب سے نرالی اور سب سے اعلےٰ تعلیم والا مانتے ہیں یہ اپدیش انسان اور حیوان کے مکالمے یا مقدمے کے رُوپ میں ہے۔ ہر دو فریق کی باہمی مساوات اور نیز انسان کی فضیلت دونوں کی وجوہات دے کر اخیر میں بتایا ہے۔ کہ رُوح انسان اور حیوان دونوں میں یکساں ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ انسانی قالب حیوانی قالب سے ایک درجہ اُوپر ہے۔ یہ نجات کا دروازہ ہے۔ مگر حیوانی قالب والا رُوح براہِ راست نجات نہیں پا سکتا۔ جب تک انسانی قالب میں نہ آئے۔ لیکن جو انسان دھرم سے محروم ہیں۔ وہ حیوان سے بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ مکتی پانے کی بجائے تنزل کر کے حیوانی قالب میں جاتے ہیں۔ اور ایسے گناہگار انسانوں سے حیوان ایک درجہ اُوپر ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اس قالب میں ہیں۔ غرضیکہ یہ طے ہوا۔ کہ انسان اور حیوان میں حقیقی طور پر سوائے دھرم کی صفت کے بالکل یکسانیت ہے۔ لہذا سب نے یہ عہد کیا۔ کہ ہم کیا انسان کیا حیوان باہم کسی سے بھی ایذا رسانی روا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ اس اہنسا برت (عہدِ ترک ایذا) سے دنیا میں امن اور سکھ رہا۔ مگر ضحاک کے عہد سے یہ عہد ٹوٹنے لگا۔ اور گوشت خوری اور درندگی شروع ہو گئی۔ جو اب تک ترقی کر رہی ہے۔ صرف گائے۔ گھوڑا وغیرہ کچھ حیوان اس عہد پر قائم ہیں۔ اور اکثر انسان اور حیوان گر چکے ہیں۔

غرضیکہ اہنسا کا عہد بھی جو ترک گوشت خوری کی تعلیم دیتا ہے۔ نہایت اہم ہے۔ اور اس عہد نیز عبادت الٰہی اور قبول حق کے عہد وغیرہ کی طرف "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" سے توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اور نرم مزاج چوپائے جانور انسان کے لئے حلال بتلائے گئے ہیں۔ سوال ہوگا۔ کہ حلال لفظ سے تو ذبیح اور گوشت خوری کا مفہوم نکلتا ہے۔ اس سے اہنسا کا کیا تعلق؟ ہمارا جواب ہے۔ کہ ہم قرآنی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں۔ مروجہ حلال لفظ کا نہیں۔ قرآن اگلے الفاظ میں فرماتا ہے۔ کہ یہ حیوان حلال تو ہیں۔ مگر اس طریق پر جو آگے مذکور ہے۔ اور وہ کیا ہے حیوانات کے ساتھ مفید تعاون کرنا جس خدمت کے لئے وہ مقصود ہیں۔ ان سے وہ خدمت اور فوائد حاصل کرنا۔ گوشت خوری کا تو خیال بھی یہاں ممنوع ہے۔ کیونکہ گوشت ملتا ہے۔ حیوان کی موت سے اور فوائد ملتے ہیں۔ ان کی زندگی سے اس اصول میں محض ایک امر مستثنےٰ ہے۔ اور وہ ہے شکار۔ لیکن حج کا احرام باندھنے کے دنوں میں وہ بھی منع ہے۔ یہ ساری پوزیشن ہوبہو ویدک دھرم کی ہے۔ گوشت خوری کی قطعی ممانعت۔ کھشتری کے لئے شکار کی اجازت اور خاص یگیہ وغیرہ کے موقعہ پر وہ بھی منع۔ کیونکہ یگیہ کو ادھور [illegible] یعنی ہنسا سے رہت کہا جاتا ہے۔ اور شکار مارنے کی جو اجازت ہے۔ اس کا مقصد گوشت حاصل کرنا نہیں۔ نہ کھشتری اپنے مارے ہوئے شکار کا گوشت کھا سکتا ہے۔ بلکہ انسانوں اور دوسرے حیوانوں کی ایذا رساں درندوں سے حفاظت کرنے کے لئے شکار کیا جاتا ہے۔

۵- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا

..يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اے حق کو قبول کرنے والو! اللہ کی نشانیوں۔ حرمت کے مہینوں۔ ہدیوں۔ اپنے پٹے دار جانوروں اپنے پروردگار کی برکت۔ اور رضامندی کے طالب خانہ کعبہ کے یاتریوں کی بے توقیری نہ کرو۔ ہاں جب احرام سے باہر آجاؤ۔ تو شکار کر سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ سے متحرک ہو کر ان پر زیادتی نہ کر بیٹھنا۔ نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون رکھو۔ اور گناہ اور سرکشی میں کوئی کسی کی اعانت نہ کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ المائدہ - ۲-

اس آیت میں ترک ایذا کا غیر معمولی اپدیش بھی ہے۔ اور جذبات سے اپیل بھی کی گئی ہے۔ شعائر جمع ہے۔ شعور کی۔ اور شعور کے معنے ہے سمجھ۔ وہ تمام اشیاء جنہیں دیکھ کر ایشور کی ہستی اور اس کی صفات کاملہ کی سمجھ آتی ہے۔ شعائر اللہ ہیں۔ اور اگرچہ موسموں کا تغیر و تبدل۔ سورج کا طلوع و غروب۔ رات دن کی تبدیلی وغیرہ کے تمام نظارے شعائر اللہ ہیں۔ مگر اہنسا (ترک ایذا) کے مضمون میں ان سے چرند پرند وغیرہ تمام جانور مقصود ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر کہا ہے۔ کہ ان کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس کی یاد کرو۔ یہ اس کی حکمت کے مظہر ہیں۔ انہیں حقیر سمجھنا یا انہیں مارنا اللہ کی نشانیوں کو مٹانا ہے۔ جو گناہ کبیرہ ہے۔ حج کے ایام میں شکار سے بھی قطع تعلق کر دو۔ کیونکہ ایذا رسانی کا خیال عبادت الٰہی کے منافی ہے۔ حیوانی ہدیے جو راہ حق میں دیئے جائیں۔ یا پالتو جانور جن کے گلے میں پیار اور پہچان کے لئے پٹے باندھے ہوں۔ ان کی موت کا خیال کرنا بھی انسانی حمیت کے خلاف ہے۔ کعبہ جیسی جائے امن و پناہ میں آئے حیوانوں یا اپنے رب کی یاد میں مصروف حاجیوں کی بے توقیری نہ کرو۔ یہ بھی صریحاً کفر کے مترادف ہے۔ حیوان یا انسان کو دل۔ زبان یا فعل سے کبھی ایذا نہ دو۔ خواہ حج میں ہو۔ یا نہ ہو۔ لیکن درندوں کے شکار کی جو اجازت ہے۔ وہ حج کے علاوہ اور وقتوں میں ہے۔ حیوانوں یا غیر لوگوں کے متعلق یہ ہدایت دیتے ہوئے بڑے معرکے کی بات یہ کہی گئی ہے۔ کہ جن لوگوں کو مسلمان اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ خاص کر جنہوں نے ان کو مسجد الحرام میں جانے سے روک دیا تھا۔ ان کے لئے دلوں میں جذبۂ عداوت ہونا معمولی بات تھی۔ لیکن اس ترک ایذا کے اصول کی عظمت کو سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ان دشمنوں کو بھی تکلیف یا ایذا نہ پہنچانے کے لئے پر زور ہدایت دی گئی ہے۔ کہ خبردار یہ انتقام یا کینہ کا جذبہ تم سے ان بھائیوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرانے پاوے۔ اس کے ساتھ ہی سچے دھرم کی یہ آدرش شکشا بھی دی گئی۔ کہ نیکی اور پرہیزگاری میں سب سے تعاون کرو۔ مگر گناہ یا ادھرم میں کوئی کسی کی اعانت یا حوصلہ افزائی نہ کرے۔ گویا حیوانوں سے نیکی اور پرہیزگاری کا تعاون کرنے کی صورت میں آپ یہ ہدایت دیتے ہیں۔ کہ تم ان کی حفاظت و پرورش کرو۔ اور وہ تمہیں کھیتی سواری باربرداری یا دودھ کی بہم رسانی میں مدد دیں۔ اور ان تمام فرائض کے پورا کرنے اور عہدوں کا ایفا کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب کرنے والا خدا کا خوف ہے۔ کیونکہ اسکے قانون سزا و جزا سے ہی انسان نیکی کی طرف مائل ہوتا۔ اور بدی سے پرے رہتا ہے۔ سو آیت کے خاتمہ پر یہ ڈراوا بھی دے دیا۔ کہ خدا کا خوف

دل میں رکھو۔ اگر تم نے اہنسا کے متعلقہ فرض میں کوتاہی کی۔ تو اس کے انصاف سے سخت سے سخت سزا کے مستوجب ہوگے۔

۶- یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔ مائدہ ۔ ۴۔

تم سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ ان کے لئے کیا کیا حلال ہے۔ کہدو۔ کہ تمہارے لئے سب پاک (ساتوک یا بھکشیہ) چیزیں حلال ہیں۔ یعنی وہ جو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے دنیوی کام کاج کرنے والی اپنی جسمانی قوتوں کی تربیت یا نشو و نما کرتے پر تمہیں ان کے ذریعے طیب معلوم ہوں۔ پس وہ چیزیں کھاؤ۔ جن سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ اور ان کی وجہ سے خدا کی یاد یعنی اس کا شکر کرو۔ اور اللہ کا خوف کرتے رہو۔ یقیناً وہ حساب کرنے میں تیز یا زود حساب ہے۔ ٥

پاک اور حلال غذا کی ہدایت پہلے آچکی ہے۔ اب اسی کی توضیح اس صورت میں کی گئی ہے۔ کہ خدا نے جو انسانوں کو علم دیا ہے۔ اسی کے مطابق اپنی تمام اندرونی و بیرونی طاقتوں کی تربیت کریں۔ اور انہیں نشو و نما دیں۔ تو انہی کے ذریعے معلوم ہو جائے گا۔ کہ غذائے طیب کیا ہے۔ سو برہمچریہ یا تحصیل علم کے زمانے میں سچے گوردوؤں کی زیر نگرانی جب سب اعضائے جسمانی کی ٹھیک تربیت ہوتی ہے۔ اور جسم نشو و نما پاتا ہے۔ ساتھ ہی عقل کو علمی روشنی ملتی ہے۔ تو غذائے طیب کا علم بھی آپ سے آپ ہو جاتا ہے۔ چونکہ دودھ ان اور پھل ہی ان گوردوؤں کی ہدایت کے موافق کھانے میں آتا ہے۔ اور اسی سے جسم نشو و نما پاتا ہے۔ اس لئے صحیح علم الٰہی جو گورو کی معرفت ملتا ہے۔ وہ یہی یقین دلاتا ہے۔ کہ دودھ ان پھل ہی غذائے طیب ہے۔ اور اسی لئے اس علم کا نتیجہ نکالنے سے قرآن فرماتا ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ پس کھاؤ وہ کچھ جس سے تم پر تسکین یا آرام وارد ہو۔ چونکہ گوشت وغیرہ قسم کی غذا جذبات کو بھڑکانے والی ہے۔ اور تسکین قلب کے منافی ہے۔ اور نیز چونکہ چوری وغیرہ سے حاصل شدہ غذا قلب کی بے اطمینانی کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے غذائے طیب محض ویجیٹرین اور جائز طور پر حاصل کی گئی غذا ہے۔

۷- اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ط وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ص اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ مائدہ ۔ ٥

آج سے ساتوک (طیب) غذائیں تم پر حلال کی جاتی ہیں۔ اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کا کھانا تم پر اور تمہارا ان پر حلال کیا جاتا ہے۔ اور مومن لڑکیاں نیز پہلے اہل کتاب کی عفیفہ (برہمچارنی لڑکیاں) تم پر حلال ہیں۔ اس طرح کہ ان کے حقوق پورے کرو۔ برہمچریہ کو پالتے ہوئے نہ شہوت پرستی کے یا عشق بازی سے قبول کریگا اور جو ایسے دہرم میں ادہرم کریگا۔ اس کے عمل اکارت ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں برباد یا نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ ٥

اس آیت میں مومن عورتوں کے حلال ہونے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ان سے شادی کی اجازت ہے۔
پس اوپر جو جیو ان کہے گئے۔ ان کے حلال ہونے کا مطلب ان سے تعاون کرنے کا ہے۔ ذبح کرنیکا نہیں۔

۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ ۸۷۔ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ص وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ۸۸

اے حق پرستو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو خدا نے تم پر حلال کی ہیں۔ اور بد اعتدالی سے کام نہ لو۔ کیونکہ خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۸۷۔ اور جو خدا نے حلال اور طیب رزق تم کو دیا ہے۔ اسی میں سے کھاؤ۔ اور جس خدا پر تم ایمان لاتے ہو۔ اس کا خوف رکھو۔ ۸۸۔ مائدہ

۹۔ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَۃِ ج وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۔ ۹۶۔ مائدہ

دریائی شکار اور دریائی خوردنی اشیاء تم پر حلال کی جاتی ہیں۔ تاکہ تم کو اور مسافروں کو فائدہ پہنچے۔ مگر جنگلی شکار جب تک تم احرام میں ہو۔ حرام ہی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے ہاتھ میں تمہارا حشر ہے۔

۱۰۔ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ج فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ ۱۰۰۔ مائدہ۔

انہیں کہدو۔ کہ خبیث اور طیب یعنی ناپاک (تموگنی) اور پاک (ساتوک) چیزیں ایک برابر نہیں۔ خواہ اکثر ناپاک چیزیں تمہیں اچھی ہی لگیں۔ پس اے اہلِ عقل۔ خدا سے ڈرو۔ اسی سے تمہاری فلاح ہوگی۔ ۱۰۰۔ مائدہ۔

۱۱۔ فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ بِاٰیٰتِہٖ مُؤْمِنِیْنَ۔ انعام۔ ۱۱۹۔ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ ط وَاِنَّ کَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَھْوَآئِھِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ۔ ۱۲۰۔ وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ۔ ۱۲۱۔ وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ ط وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ۔ ۱۲۲۔ انعام۔

پس اگر تم کو اس کے حکموں پر یقین ہے۔ تو انہی چیزوں کو کھاؤ۔ جن پر اللہ کے نام کی یاد کی گئی ہو۔ ۱۱۹۔ اور جس پر اللہ کا نام یاد رکھا گیا ہو۔ اس کو تم نہ کھاؤ۔ تو کیوں ؟ اور تحقیق جو کچھ اس نے حرام کر رکھا ہے۔ اس نے تم پر مفصل کھول کر کہہ دیا ہے۔ سوائے صورت مجبوری کے۔ تحقیق اکثر لوگ بلا تحقیق کئے، اپنے مظنیات کی بناء پر ہی لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ مگر خدا ایسے قانون شکن لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ ۱۲۰۔ کیا ظاہری کیا باطنی ہر گناہ سے کنارہ کش رہو۔ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں۔ ان کو جلد ان کی کرتوت کا بدلہ مل جائے گا۔ ۱۲۱۔ اور جس پر اللہ کی یاد نہ کی گئی ہو۔ اسے نہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ فسق ہے۔ اور شیطان تو اپنے ڈھب کے لوگوں میں شکوک

ڈالتے ہی رہتے ہیں۔ تاکہ تمہارے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اور اگر تم ان کے آگے جھک گئے۔ تو تم بلاشبہ مشرک ہوگئے۔ ۱۲۲۔

۱۳۔ انعام ۔ ۱۴۲ و ۱۴۳۔ وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۱۴۲ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ ۱۴۳

(ترجمہ) وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے۔ بعض تو ٹہنیوں پر چڑھائے ہوئے۔ اور بعض نہیں چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور زیتون اور انار کہ بعض تو صورت شکل اور مزے میں ملتے جلتے اور بعض نہیں ملتے۔ یہ سب جب پھل دیں۔ ان کے پھل کھاؤ۔ اور ان نعمتوں کے شکریہ میں ان کے پکنے یا فصل کے دن زکوٰۃ دیا کرو۔ اور عیاشی (فضول خرچی) نہ کرو۔ کیونکہ خدا ایسا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۱۴۲۔

(۱۴۳ کا ترجمہ) بعض چارپائے باربرداری کے کام کے لئے ہیں۔ بعض سواری کے لئے۔ پس اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ جو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۱۴۳۔

۱۴۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّــــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ انعام ۔ ۱۴۴

آٹھ قسم کے جفت ہیں۔ دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے ان سے پوچھو۔ کیا خدا نے بھیڑ و بکری کے دو نروں کو حرام کیا ہے۔ یا دو ماداؤں کو یا ان بچوں کو جو ان کے رحم میں ہیں۔ اگر تم سچے ہو۔ تو مجھے علم سے بتاؤ۔ ۱۴۴۔

۱۵۔ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ پوچھو کہ دونوں نر یا دونوں مادہ۔ یا دونوں مادیوں کے پیٹ والے بچے۔ کیا تم موجود تھے۔ جب اللہ نے تم کو یہ حکم دیا تھا۔ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو اللہ کے متعلق جھوٹ بول کر غلط فہمی پھیلاتا ہے۔ تحقیق اللہ متعصب لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔ ۔ انعام ۔ ۱۴۵

۱۶۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ انعام ۔ ۱۴۶۔

انہیں کہہ دو کہ میری طرف تو یہی وحی ہوا ہے۔ کہ تمام اشیائے خوردنی میں سے کوئی چیز حرام نہیں۔ ہاں مردہ

یا خون بہتا ہوا جانور اور سور کا گوشت حرام ہیں۔ کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ اور جو اللہ کے علاوہ بتوں پر نذر ہوئے ہیں۔ خلاف دہرم ہیں۔ ہاں صورت مجبوری میں بغیر نیت گناہ کے حد ضرورت کے اندر رہتے ہوئے اس کا استعمال ہو تو تحقیق خدا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ انعام-۱۴۶-

۱۷- وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ انعام-۱۴۷

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ایک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا۔ اور گائے و بکری ہر دو کا گوشت۔ ہاں ان کی پیٹھ پر لادنے یا جو ہڈیوں و انتڑیوں سے ملا ہے۔ (یعنی دودھ) و اولاد۔ وہ حلال ہے۔ وہ پہلی بات ان کی نافرمانیوں اور درندوں کی) باہمی عداوت سے تھی۔

۱۸- فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ انعام-۱۴۸-

اس پر بھی اگر وہ تمہیں جھٹلا دیں۔ تو کہدو۔ تمہارا رب بدرجہ غایت رحیم ہے۔ مگر گناہگار لوگوں سے اس کا عذاب ٹل سکتا نہیں۔ انعام-۱۴۸-

۱۹- سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ انعام-۱۴۹

مشرک یہ حجت کر سکتے ہیں۔ کہ اگر خدا چاہتا۔ تو ہم شرک نہ کرتے۔ اور نہ ہمارے بزرگ اور نہ ہم خود کسی چیز کو حرام کرتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگ جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عذاب کا مزہ چکھا۔ ان سے پوچھو۔ کیا تم کوئی سند بھی پیش کرتے ہو۔ یا تم ظنیات پر چلتے یا اٹکل پچو کہتے ہو۔ انعام-۱۴۹-

۲۰- قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۵۰ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۱ انعام

پس کہدو۔ کہ بس اللہ والی یہ حجت ہی انتہائی ہے۔ اگر وہی چاہتا۔ تو تم سب کو راہِ راست دکھاتا۔ انعام ۱۵۰۔ پھر کہو۔ کہ اپنے گواہ لاؤ۔ کہ اللہ نے ان کو حرام کیا ہے۔ سو اگر وہ گواہی بھی دیں۔ تو تم نے ان کی سی نہ کہنا۔ نہ ان کے ظنیات کی پیروی کرنا۔ جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جو اپنے رب کے برابر اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۱۵۱-

۲۱- قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اعراف-۳۲

ان سے پوچھو۔ کہ کس نے حرام کیا ہے۔ ان زینت کی یا آرائش کی یا ان کھانے پینے کی پاک چیزوں کو جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ انہیں سمجھا دو۔ کہ یہ ان کے لئے ہیں۔ جو دنیوی زندگی میں ایمان دار ہیں۔ اور خاص طور پر زمانۂ اتحاد۔ مانۂ امن کے لئے۔ اسی طرح ہم اپنی ہدایتیں اہل علم کے لئے مفصل بیان کرتے ہیں۔ اعراف۔ ۳۲۔

۲۲۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اعراف۔ ۳۳۔

انہیں سمجھا دو۔ کہ میرے خدا نے تو فحش عملوں کی ممانعت کی ہے۔ کیا زبان و فعل سے اور کیا دل سے۔ نیز گناہ کی یا ناحق کسی پر ظلم کرنے کی یا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی۔ جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری نیز اللہ سے وہ بات منسوب کرنے کی جس کا اس نے انہیں علم نہیں دیا۔ ۳۳۔

۲۲۵۔ چیلنج کا مطلب!

اوپر کے حوالہ جات کا گوشت کی مذمت ہی مذمت سے تعلق ہے۔ مگر بعض لوگ سوال کر سکتے ہیں۔ کہ اگر مذمت ہے۔ تو بھیڑ۔ بکری اور اونٹ اور گائے کے حرام ماننے والوں کو چیلنج دینے کا کیا مطلب ہے۔

اس کے متعلق واضح رہے۔ کہ یہ چیلنج گوشت کے حرام ماننے کے متعلق نہیں۔ بلکہ اس امر پر ہے۔ کہ لوگ خدا کے احکام کا تو خیال نہیں کرتے۔ نہ انہیں سمجھتے نہ مانتے ہیں۔ اور من گھڑت طور پر ویوستفا دیتے پھرتے ہیں۔ یا محض چند حیوانوں کے گوشت تک ہی شرع حرمت کو محدود کرتے ہیں۔ آنحضرت کا اصول یہ ہے۔ کہ ہر بات الہٰی گیان کے آدھار پر ہی مانی و منوائی جاوے۔ زیر بحث چوپایوں کی غرض وہ سواری یا بار برداری وغیرہ ہی مانتے ہیں۔ وہ گوشت خوری کے لئے انہیں مقصود نہیں مانتے۔ وہ گوشت خوری کو شیطان کی پیروی اور سخت ممنوع مانتے ہیں۔ اور ان اناج پھل یا اللہ کے دیئے ہوئے حلال کی کمائی کے رزق میں سے کھانے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن عرب میں حیوانوں کے متعلق بہت سے خیالات باطلہ مروج تھے۔ کوئی فریق خاص بتوں پر خاص حیوانوں کے نامزد ہونے سے ان کے گوشت کو حرام سمجھتا تھا۔ کوئی کسی اور وجہ سے اونٹ۔ گائے۔ بھیڑ بکری کے نر کے کوئی مادہ کے گوشت کو حرام سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت محمد صاحب حلال حرام کے متعلق ایک عالمگیر الہٰی قانون کے قائل تھے۔ وہ محض آٹھ قسم کے جوڑوں کے گوشت کو ہی حرام نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ چیلنج دیتے تھے۔ کہ وہ اپنے اس اعتقاد کا ثبوت دیں۔ اور آٹھ جوڑوں کے حرام ہونے کو بالکل بے وقعت قرار دیتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ اگر تمہیں واقعی حلال حرام کا علم ہے۔ تو بتاؤ جن حیوانوں کو حرام کہتے ہو۔ ان میں سے نر حرام ہے۔ یا مادہ یا مادہ کے پیٹ والا بچہ۔ وہ اپنے اعلےٰ منطق سے یہ واضح کرتے تھے۔ کہ محض ان آٹھ قسم کے حیوانوں کے گوشت کو حرام کہنا خدا کا حکم نہیں۔ وہ صاف کہتے تھے۔ جیسا آج کل آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ کھانے کے قابل خدا کی پیدا کی ہوئی تمام چیزیں حلال ہیں۔ اور ناخن والے یا درندے جانوروں کے

حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اور انسان کا باہمی تعاون نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر دو فریق ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور خود مرے ہوئے یا انسان سے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت اس لئے حرام بتلاتے تھے۔ کہ گوشت انسانی خوراک ہی نہیں۔ گائے وغیرہ کے حرام ہونے پر آپ کو محض اسی صورت میں اعتراض ہے۔ کہ انسان کسی مقامی یا زمانی پالیسی سے ایسا فتوےٰ دے۔ ورنہ اس زبانی فتوے پر بالکل نہیں۔ کہ بلکہ یا ناقابل خوردنی یا خدا سے ممنوع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا گوشت حرام ہے۔ یونس آیت ۵۹ میں اس امر کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ ۝

ان سے کہو غور کرو۔ اس امر پر کہ خدا نے تم پر رزق اتار رکھا ہے۔ لیکن تم حلال حرام کے مسئلے گھڑتے ہو۔ سو ان سے پوچھو۔ کہ کیا خدا نے تمہیں اجازت دی ہے۔ یا اس کے نام سے تم افترا کرتے ہو۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ کو خود ساختہ حرام حلال کا لوگوں کی طرف سے خدا کے نام پر کہا جانا ناپسند ہے۔ سورۃ انعام آیت ۱۴۸ کا جو حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ وہ صاف بتاتا ہے۔ کہ باوجود ترک گوشت کی پرزور تلقین کرنے کے اگر لوگ نہ مانیں۔ تو تم انہیں یہ دلیل دو۔ کہ اللہ چونکہ غیر معمولی یا غیر متناہی رحمت کا مجسمہ ہے۔ لہٰذا نہ وہ حیوانوں پر ظلم کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ نہ محض چند حیوانوں تک اس کی رحمت محدود ہو سکتی ہے۔ بعض آیات میں آتا ہے۔ کہ جس پر اللہ کا نام لیا جاوے۔ وہ حلال ہے۔ اور جس پر اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔ وہ حرام ہے۔ اور مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ جانور کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے۔ تو وہ گوشت حلال ہے۔ لیکن فی الحقیقت قرآن کی کسی بھی آیت میں ذبح کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کا حکم نہیں۔ بلکہ برے کام پر خدا کا پاک نام لینے کی مناہی ہے۔ خدا کا نام لینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جانداروں کے فوائد وغیرہ نیز ان کی پیدائش کے متعلق صنعت و حکمت کو دیکھ کر خدا کی یاد و تعریف کی جاوے۔ بعض موقعوں پر کام کے آغاز میں اللہ کا نام لینے کی ہدایت ہے۔ کئی جگہ کام کو خدا کے وقف کرنے کی۔ جیسا کہ یگیہ وغیرہ میں کہا جاتا ہے۔ اِدم اگنیے اِدنمم۔ کہ میرا اس نیک کام یا دان سے ذاتی تعلق نہیں۔ یہ سب ایشور کے لئے ہے۔ کیونکہ اس کی تمام سامگری اور وسائل کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ غرضیکہ کسی چیز پر اللہ کا نام لینا ایشور کی تعریف اور اس کی عبادت کا جزو ہے۔ اس لئے نہیں۔ کہ تمام مخلوق ہستیوں کو اپنے آغوش محبت میں رکھنے اور ان کی پرورش کا سامان مہیا کرنے والے کے نام پر اس کی مخلوق کی گردنیں کاٹی جاویں۔

۲۲۶ - پُرزور اعلان

سورۃ المائدہ - ۳ - حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ

وَاخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تم پر مرا ہوا خون اور جانور۔ سور کا گوشت۔ غیراللہ پر نامزد جانور۔ گلا گھٹ کر یا چوٹ لگنے سے یا گر کر یا سینگ کی مار سے مرا ہوا جانور سب حرام ہیں۔ درندہ کا شکار سوائے اس کے جسے تم بچا لو۔ بتوں پر چڑھایا گیا۔ اور تیروں کی مار سے بیندھا گیا جانور سب تم پر حرام ہیں۔ کیونکہ یہ گناہ کی بات ہے۔ آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہوئے۔ مگر تم ان کا خوف نہ کرو۔ ہاں ہم سے ڈرتے رہو۔ آج تمہارا دین ہم نے کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کیں۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ اس پر بھی بھوک سے مرتا ہوا۔ ہنسا کی نیت نہ رکھتا ہوا شخص اس سے مستثنےٰ ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں حیوانی گوشت کی قطعی ممانعت کی گئی ہے۔ جتنے بھی عام طریقوں سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ آنحضرت نے سب کا ذکر کر کے مردہ جانور کا گوشت حرام ہی حرام بتایا ہے۔ کہیں سے کوئی اشارہ نہیں نکلتا۔ کہ خدا کے نام سے ذبح کیا ہوا مردار نہیں ہے۔ اور پھر اگر خون حرام ہے۔ تو ذبح کرنا کیا خون کرنا نہیں۔ اگر یہ مطلب ہو۔ کہ خون بہتا ہوا جانور حرام ہے۔ تو خون بہ چکنے کے بعد مردہ جسم مردار ہے۔ ظالم انسان اگر خدا کی پیدا کی ہوئی گائے یا بکری کو مارتا ہے۔ تو وہ خدا کا نام لینے کا حقدار ہی کیسے ہے۔ اور لے تو اس سے فائدہ کیا۔ انسان خونی اور قاتل ہوتے ہی اس صورت میں ہیں۔ کہ خدا اور اس کے پاک ناموں کے صحیح معنوں کا علم نہیں رکھتے۔

اس آیت کے اندر نہایت زبردست با اصول ریفارمر کی سپرٹ کام کرتی ہے۔ عرب کے اس وقت کے گوشت خور لوگوں کو یہ اعلان قدرتاً ناگوار تھا۔ گوشت خوری کی ممانعت پر ان کا دین اسلام سے دور رہنا ہی اغلب تھا۔ لیکن آنحضرت اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے علے الاعلان کہتے ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا کچھ خیال نہ کرو۔ ایشور پر بھروسہ رکھو۔ وہ سچا دھرم ہی نہیں جس میں اہنسا کا اصول ہی نہیں۔ آج اس اعلان سے تمہارے دین کی کمی پوری ہوتی۔ اور ہم اسے کامل کرتے ہیں۔ اور سچی ہدایت کی نعمت تم پر پوری ہوتی ہے۔ لوگ برا مانیں یا بھلا ہمارا اعتقاد صداقت کی فتح کے زبردست اصول پر ہے۔ معمولی سا بھی غور کیا جاوے۔ تو اس آیت میں بھرتری ہری کے اس قول کی ہی بازگشت سنائی دے گی۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے خاتمے پر اپنا منتویہ بتلاتے ہوئے پیش کیا ہے۔ کہ نیتی منن (پالسی باز) لوگ تعریف کریں۔ یا مذمت۔ دولت آوے یا جاوے۔ آج ہی مرنا پڑے۔ یا یگ گزرنے کے پیچھے۔ مستقل مزاج اور با اصول لوگ راہ راست سے ایک قدم بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے۔

۲۲۷۔ سزا

نہ صرف ہدایت پر اکتفا ہے۔ اہنسا برت (عہد ترک ایذا) کو توڑنے پر سزا بھی سخت ملتی ہے۔

(سورۃ الاعراف آیت ۱۶۴ تا ۱۶۷) وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ - ۱۶۴ - وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۱۶۵ - فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۱۶۶ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ - ۱۶۷ -

اور اس گاؤں کا حال تو پوچھو۔ جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ وہ لگے سبت میں زیادتیاں کرنے کہ جب ان کے سبت کا دن ہوتا۔ تو اس دن مچھلیاں پانی پر آجاتیں۔ اور جب سبت نہ ہوتا۔ تو مچھلیاں نہ آتیں۔ یہ لوگ نافرمان تھے۔ ہم نے بھی اسی طرح ان کی آزمائش کی۔ اور جب ان میں سے بعض لوگوں نے کہا۔ کہ جن لوگوں کو خدا ہلاک کرنے یا سخت عذاب میں ڈالنا چاہتا ہے۔ تم انہیں کیوں نصیحت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ایک تو تمہارے پروردگار کی جناب میں عذر گذاری کی غرض سے اور دوسرے اس لئے کہ شاید باز آجاویں سو جب انہوں نے نصیحتوں کو بھلا دیا۔ ہم نے نصیحت کرنے والوں کو بچا لیا۔ اور شرارت کرنے والوں کو عذاب سخت میں مبتلا کر دیا۔ اور پھر جب ممنوع کاموں میں حد سے بڑھ گئے۔ تو ہم نے حکم دیا۔ کہ ذلیل و خوار بندر بن جاؤ۔ چنانچہ وہ بندر بن گئے"

ان آیتوں میں ایک تو یہ بات بتائی ہے۔ کہ انسان جو کچھ کرتا ہے۔ اس کا سامان قدرت کی طرف سے اسے مل جاتا ہے۔ جیسے سبت میں نیم کو توڑنے والوں کو مچھلیاں ملنے لگیں۔ اور وہ پرہیزگار نہ رہے۔ لیکن نیچر کی یہ مدد ان کا گویا امتحان ہوتا ہے۔ اس سامان سے گمراہ انسان گر جاتا ہے۔ اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ سبت والے انسان ذلیل بندر بنے

دوسری بات یہ بتائی ہے۔ کہ مذہبی مبلغوں کو وعظ حق کا کام ہمیشہ کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی برا ہو۔ امکان بنا رہتا ہے۔ کہ شاید اس پر کسی اچھی بات یا دلیل کا اثر پڑ جاوے۔ اور اگر وہ نہ بھی مانیگا۔ تو یہ وعظ کرنے والے کے لئے ضرور عذر معقول ہوگا کہ اس نے اپنے فرض کو پورا کیا ہے۔

۲۲۸۔ اللہ کا نام محض بہانہ ہے

یہ خیال کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے پر جانور حلال ہو جاتا ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جہاں مردار حرام ہے۔ وہاں جان کو مارنا بھی خلاف تعلیم اسلام ہے۔ شیر۔ چیتا وغیرہ درندے انسانوں اور حیوانوں کو مارتے ہیں۔ اس لئے کھشتریوں کا فرض اور حق ہے۔ کہ ان جاندار درندوں کا شکار کریں۔ انہیں موقعہ ہی نہ دیں۔ کہ وہ ایذا پہنچا سکیں۔ لیکن جو

گائے گھوڑا اونٹ وغیرہ کبھی اور کسی طرح بھی انسان پر حملہ نہیں کرتے۔ بلکہ عمر بھر خدمت کر کے انسان کے آرام و آسائش اور پرورش کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ ان کو جان سے مارنے کا انسان کو ہرگز ہرگز کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا خدا کے نام کا بہانہ لے کر اس کی پیدا کی ہوئی قیمتی جانوں کو ضائع کرنا نہایت افسوسناک ہے۔

قرآن سورۂ انعام آیت ۱۵۲ میں اس کے متعلق صاف حکم ہے

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ج ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥

ان لوگوں سے کہو۔ کہ آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ کہ اللہ نے کیا حرام کیا ہے۔ کسی شے کو خدا کا شریک بنا لینے والے ہیں۔ تو انہیں بھی پالنے والے ہیں۔ بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ نہ ظاہر سے نہ باطن سے۔ اور جان کو مارنا بغیر حق کے یہ بھی حرام ہے۔ یہ ہیں۔ وہ باتیں جن کا حکم خدا نے تم کو دیا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔"

پس ظاہر ہے۔ کہ جب قاتل انسان بھی انسان راجہ سے پھانسی پاتا ہے۔ تو کیا خدا کی مخلوق کو بغیر کسی وجہ معقول کے مارنے والا انسان خدا کی سزا سے بچ سکتا ہے۔

۲۲۹۔ مستثنےٰ صورت

ویدک دھرمی لوگ اہنسا یا ترک ایذا کو دھرم کی سب سے مقدم بات کہتے ہیں۔ پانچ یم اور پانچ نیم جو وصل خدا کی پہلی دو سیڑھیاں ہیں۔ ان میں سب سے پہلا یم اہنسا ہی ہے۔ یہ گویا بنیادی اصول یا پرم دھرم ہی ہے لیکن باوجود اس کے موذی درندوں کو مارنا مستثنےٰ ہے۔ اور انسانوں و حیوانوں کی حفاظت کی غرض سے درندوں کو مارنا بھی اہنسا ہی کہلاتا ہے۔ قرآن میں بھی اسی اصول کے ماتحت شکار کو حلال رکھا ہے۔ اور جیسے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ آپت کالے مریادا ناستی یعنی مجبوری کے وقت کا کوئی قاعدہ نہیں۔ جسے اگر صحیح یا غلط بہ ثبوت بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کہ ایک رشی نے شدت اشتہا سے تنگ آ کر جان بچانے کے لئے کتے کا مانس کھایا۔ تو اس پر کوئی مواخذہ کرنا غیر ضروری سمجھا گیا۔ اسی کے مطابق قرآن بعض جگہ حالت اضطرار کو مستثنےٰ کرتا ہے۔ مگر جہاں بھی مجبوری کے عمل کو قابل درگذر (Privileged.) کہا ہے۔ وہاں ہی ویدک سدھانت کے مطابق یہ قید لگا دی ہے۔ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ یا غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یعنی نفسانی سیری یا ہنسا کی نیت سے یا گناہ سے بچتے ہوئے اس استثنا کا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔

۲۳۰۔ کتاب الٰہی کی سند

پس قرآن گوشت خوری کی نہیں۔ رحم۔ پرہیزگاری۔ خدا کے تقویٰ اور دیگر بہترین غذا پر ہی زور دیتا ہے۔ یہی نہیں آیت ۱۷۴ تا ۱۷۶ میں اسے کتاب الٰہی کی تعلیم جتا کر صاف کہتا ہے۔ اس کو چھپا کر ٹکے کمانے والے لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ موت کے وقت انہیں خدا کی عنایت سے محروم ہونا اور عذاب بھوگنا پڑیگا۔ اگر خدا نے علم نہ دیا ہوتا۔ اور اپنی کتاب میں اس کی

۳ شرک نہ کرو - والدین سے نیک سلوک کرو - مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو - بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ

صریح ممانعت نہ کی ہوتی۔ تو بھی کوئی عذر ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا نے تو سچے علم والی کتاب یا الہام دے رکھا ہے۔ اس لئے جو لوگ انحراف کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی سرکشی کے مجرم ہیں۔ پس اب سوال ہو سکتا ہے۔ کہ کتاب الہی میں کہاں گوشت خوری کی ممانعت ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کرم کانڈ والے یجروید کے پہلے ہی صفحہ میں لکھا ہے۔ आप्यायध्व मघ्न्य: یعنی نہ مارنے کے قابل اشیاء ترقی پاویں۔ اس میں انسان حیوان تو نہ مارنے کے قابل ہیں ہی۔ ان پھل وغیرہ اشیاء کو بھی بُرے استعمال میں نہ لانے کی ہدایت ہے۔ اسی منتر میں آخری لفظ ہے पशून पाहि پشوؤں کی رکھشا کرو۔ یجروید ادھیائے ۱۲ منتر ۳۲ میں ہے

श्रेदग्नेज्योतिष्मान् याहि शिवेभिरर्चिभिः त्वम्। बृहद्भि र्भानुभिर्भासन्

मा हिं० सीस्तन्वा प्रजा:॥ پرجاؤں (خدا کی رعیت) کے شریر کو مت مار۔ ایسی ہدایت وید کے ایک دو کیا صدہا منتروں سے ملتی ہے۔ اور گوشت خوری کے خلاف جو زور دار سپرٹ قرآن کی آیات میں دکھائی گئی ہے۔ اس کا مول منتر بھی وید کے ہی انیک منتروں میں ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ اتھرو۔ ۲-۲۴-۱

श्रोर भक्र शेरभ पुनर्वो यन्तु यातवः पुनर्हेतिः कमीदिनः।

यस्य स्थ तमत्त यो वः प्रौहैत तमत्त स्वामांसान्यत्त ॥

اے دوسروں کا خاتمہ کرنے والے بیدرد قصائی! اے چور کی سی خصلت والے! تیرے پیڑا دینے والے عمل کی سزا تجھ کو ہی ملے گی۔ اور یہ تیرے ہتھیار آخر تیرے ہی گلے پر چلیں گے۔ ارے جس کا ساتھی ہونا اسی کو کھانا۔ جو تمہیں نیک راہ بتاوے اسی کو مارنا۔ ارے کوئی ساتھی نہ رہیگا۔ تو اپنے سمبندھیوں کو کھاؤ گے اور پھر اپنا ناش کروگے"۔ اگلے منتر میں کہا ہے۔ جب انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ تبھی وہ پشوؤں پر ہتھیار چلاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح ہنسا کرتا ہوا ناش کرتا ہے۔

اگر اس بیان کی صداقت کا ثبوت چاہئے۔ تو موجودہ انسانی جماعت کو دیکھ لیجئے۔ بالخصوص آج کل کے مہذب ممالک جو ساری سائینس کی طاقت کو تمام دوسرے ممالک کا خاتمہ کرنے پر لگا رہے ہیں۔ یہ گوشت خوری کے نتیجہ کے طور پر پیدا شدہ بیدردی اور ظلم کے جذبات کی کمائی ہے۔

۲۳۱- نیکی کیا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱﴾

نیکی اس کا نام نہیں۔ کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو۔ یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیک وہ ہے۔ جو خدا کو ماننے نیز عاقبت۔ فرشتوں اور کتاب الٰہی اور نبیوں کو ماننے۔ اور اس کی محبت سے قریبی لوگوں یتیموں مسکینوں مسافروں سوالیوں اور غلاموں پر دولت خرچ کرے۔ عبادت میں قائم رہے۔ زکوٰۃ دیا کرے۔ جو عہد کرے اس کا ایفا کرے۔ اور تنگی تکلیف اور مشکل کے وقت صبر او رمستقل مزاجی سے کام لے۔ بس یہی لوگ ہیں۔ جو صادق ہیں۔ اور یہی ہیں۔ جو متقی ہیں۔ ۱۔

۲۳۲۔ رسمی یا نمائشی نیکی

اس آیت میں اول تو اس بات کی تردید کی ہے۔ کہ ظاہری یا رسمی باتوں کو نیکی یا دھرم سمجھا جاوے۔ جسم پر داغ لگانا۔ ماتھے پر ٹیکا لگانا یا خاص کپڑا پہننا یا خاص طرح کے آوازے کسنا۔ یہ باتیں تو جاہل سے جاہل اور برے سے برا شخص بھی دوسروں کی نقل اتار کر کر سکتا ہے۔ اس لئے ان میں کوئی بڑائی یا فائدہ نہیں۔ بلکہ اکثر ان کی آڑ میں لوگ دھوکا دے کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اگر بھگوا کپڑا ہی قابل عزت سمجھا جاوے۔ اور سنیاسی کے اندرونی اوصاف کا خیال نہ رکھا جاوے۔ تو بڑے بڑے نالائق سست اور بدمعاش بھی بھگوا پہن اور ہر طرح کی عزت پا سکتے ہیں۔ یگیوپویت اور چوٹی کے ساتھ انسان میں وید کے مطابق علم اور عمل کا کمال نہ ہو۔ تو غیر مذہب والے عیسائی لوگ بھی ان نشانوں کو اختیار کر کے ہندوؤں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ نیشنل کانگریس کے لوگوں نے گاندھی ٹوپی کی اور کھدر کی لہر چلائی۔ تو کتنے ہی لوگوں نے ان کپڑوں کی آڑ میں گھس کر ناجائز فائدے اٹھائے۔ کئی جگہ ہند۔ وعملی طور پر ایسے دھوکے عیسائی مشنریوں سے کھا بھی چکے ہیں۔ اس لئے قرآن ان رسمیات کو نیکی قرار نہیں دیتا۔ اور مثال دیتا ہے۔ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی۔ کیونکہ عرب میں یہ مثال نہایت عمدگی سے اس مدعا کو سمجھا سکتی تھی۔

۲۳۳ - سچا ایمان

یہ رسمی یا نمائشی نیکی نتیجہ اس خرابی کا ہے - کہ لوگ بغیر وچارے کسی بات کو مان بیٹھتے ہیں - کوئی کسی انسان کا شیدائی بن رہا ہے - کوئی ایسی باتوں پر ایمان لا رہا ہے - جو فی الحقیقت توہمات باطلہ ہیں - اس لئے نیکی یا دھرم کا اصل جزو سچے ایمان کو بتایا ہے - اور وہ ہے - سب سے پہلے اس خدا کا ماننا جس میں جہالت دھوکا وغیرہ کا قطعاً کوئی تعلق نہیں - بلکہ جو تمام علموں اور نیکیوں کا مجسمہ ہے - بغیر اس پر ایمان یا رجوع لائے - انسان صحیح معنوں میں نہ کچھ جان اور نہ کچھ کر سکتا ہے - خدا کے بعد عاقبت کا ایمان ہے - کیونکہ موت کے خوف یا عاقبت کی فلاح کی غرض سے ہی نیک کام ہوتے یا ہو سکتے ہیں - اس کے بعد فرشتوں یعنی عالموں اور نیک لوگوں کی خوبیوں کی کشش ہونا ضروری ہے - اگر رجحان اس طرف نہ ہو - تو شیطان کا شکار ہونا لازمی ہوگا - غرضیکہ خدا عاقبت اور فرشتوں پر ایمان لانا نیکی کا اول جزو ہے - مگر خدا پر ایمان لانا کیا ہے - اس کے احکام اور اس کی مخلوقات کی حقیقت کو سمجھنا - اس کے لئے انسانی رہنمائی کرنے والا خدا کا الہامی علم ہے - اور جو لوگ خود اس علم کا احساس نہیں کر سکتے - وہ نبیوں یا رسولوں سے مدد پاتے ہیں - اس لئے منو نے جو یہ کہا - کہ شرتی - سمرتی - سداچار اور اپنے آتما کو پیارا یا صحیح معلوم دینا - یہ چار دھرم کے لکشن ہیں - اسی کے مطابق شرتی تو ہے الہامی علم اور سمرتی اور سداچار وغیرہ کے قائمقام نبیوں کا لفظ ہے - یا یوں سمجھا جا سکتا ہے - کہ خدا اور عاقبت کا ایمان چاہیئے - اور عالم لوگوں اور کتاب الٰہی اور نبیوں پر - کہ انہی کی طفیل خدا کا ایمان پختہ ہوتا ہے -

۲۳۴ - سچا عمل

علم اور ایمان کے بعد سلسلہ عمل کا لازمی تعلق ہے - چونکہ سچا ایمان اور علم انسان کے اندر نیک عمل کی ہی تحریک کرتا ہے - اس لئے کہا گیا - کہ اس خدا کی محبت کے زیر اثر خلق خدا کی خدمت میں اپنی طاقتوں کو لگاؤ یا دنیا کو فیض پہنچاؤ - اس کا بیان بھی خاص ترتیب سے کیا گیا ہے - اول ہیں قریبی لوگ یعنی ماں باپ بہن اور دوسرے رشتہ دار - ان کے ساتھ بطریق احسن نیک سلوک کرنا یا خدمت کی بجا آوری - ان سے اتر کر بے کس یتیموں کا خیال دلایا جو ماں باپ کے بغیر خود اپنی حفاظت و پرورش کرنے سے قاصر ہیں - ان کے بعد عام مسکین اور محتاج لوگ پھر مسافر اور دوسرے سائل لوگ اور پھر انسانی جماعت کا غلام طبقہ انسان کی توجہ کا مستحق ہے - ان پر اپنا مال خرچ کرنا یہ سبق دیتا ہے - کہ خود غرضیوں سے اوپر اٹھے رہو - اور فیض عام کو اپنا نصب العین بناؤ -

۲۳۵ - اعلٰے اخلاق

سچے ایمان اور سچے عمل کے اندر حسن اخلاق شامل ہی ہے - تاہم قرآن اس امر کو مخصوص طور پر ایفائے عہد کا خیال دلا کر بیان کرتا ہے - یہ گویا انسانی کیرکٹر کا خلاصہ ہے - کیونکہ انسان اپنی زندگی بھر میں ایفائے عہد پر عامل رہنے کا پابند ہے خدا سے عبادت نیکی اور قبول حق کا عہد ہے - گورو سے ماں باپ سے - بیوی سے - دوستوں سے سب سے متفق اور مخصوص عہد ہیں - اور آئے دن کے کام کاج لین دین وغیرہ میں عارضی اقرار کرنے پڑتے ہیں - نہ صرف باہر کے تعلقات میں انسان اپنے دل میں ہر روز نئے سے نئے فیصلے کرتا ہے - کہ یہ کروں گا اور وہ کروں گا - انہیں اپنے ساتھ عہد کہا جا سکتا ہے - قرآن ہر عہد کو پورا کرنے کی ہدایت دیتا ہے - اسی سے عزت

اور اعتبار بڑھتا اور اپنی فرض شناسی پر اپنے آپ کو اطمینانہ ہوتا ہے۔ منوسمرتی میں جو دھرم کے دس لکھشن لکھے ہیں۔ ان میں سب سے اوّل دھرتی یا مستقل مزاجی ہے۔ یہی سچے عمل کی بنیاد ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے کسی کام میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اور اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ معمولی سی مشکل ہمارے لئے وعدہ خلافی کا جائز سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے قرآن ہدایت دیتا ہے۔ کہ کچھ بھی ہو۔ وعدہ کو پورا کرو۔ بیگی تکلیف مشکل ہر حالت میں صبر اور استقلال سے کام لو۔

۲۳۶۔ قصاص

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۲ (۱۷۸) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۳ (۱۷۹)

اے حق کو قبول کرنے والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص لازمی ہے۔ آزاد کا آزاد، غلام کا غلام اور عورت کا اس عورت سے ہی۔ اگر جس کو اس کے بھائی بندوں سے کچھ معاف کر دیا جائے۔ تو طریق معروف اس کی تعمیل ہونی واجب ہے۔ اور شریفانہ طور سے ادائیگی کی جاوے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے۔ پس جو بعد میں زیادتی کرے۔ اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔ ۲۔ اے عقلمند لوگو! سمجھ لو۔ کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے تم متقی بنتے ہو۔ ۳۔

۲۳۷۔ عالمگیر قانون

قانون کو ہر زمانہ میں عموماً قتل ہی کیا گیا ہے۔ تمام مہذب گورنمنٹیں قاتل کو پھانسی کی سزا دیتی ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ اور جرموں کی طرح اس جرم کے متعلق بھی بعض اوقات طرفداری یا رعایت سے کوئی مجرم بچ جاتا ہے۔ بالخصوص مالدار یا حکومت کے کارکن یا ہم قوم۔ لیکن اس سے قصاص کے اصول پر اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ طرفداری کرنے والے خود مجرم بنتے ہیں۔ ہاں اگر یہ یقین ہو۔ کہ قاتل زندہ رہ کر آئندہ ایسے سنگین جرموں کا ارتکاب کرنے والا نہیں۔ بلکہ اس کی جان بخشی مفید ہو سکتی ہے۔ تو حکومتیں رحم کی درخواست وغیرہ کو منظور کر کے سزا کی نوعیت بدل سکتی ہیں۔ اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ منشئے اصورت کو نظر انداز نہ کیا جاوے۔ تو بھی اصولاً اس جرم کے لئے سزائے پھانسی ہی مقرر ہے۔ وید میں قاتل انسان کو ہنسک یا درندہ جانوروں کی سزائے موت کا مستحق مانا گیا ہے۔ اور یجروید ادھیائے ۱ منتر ۲ میں صاف حکم ہے۔ پتر شیشٹم دکھشہ شیشٹم اراتیو۔ دسیووں کو مار کر آریہ دہنگ... ”ہتوی دسیون آریہ ورن ماوت“۔ ایسے راکھشوں کا جڑ مول سے ناش کرو۔

طبقہ کی رکھشا کرد۔ اسی کے مطابق منو میں سخت سزا کا حکم ہے۔ منو دنڈ یا سزا کو ہی اصل راجہ کہتا ہے چوری وغیرہ تک کے لئے وہ یہ سزا تجویز کرتا ہے۔ کہ جس ہاتھ سے چوری یا ظلم ہو۔ اسے کاٹ دو۔ ادھیائے ۸ شلوک ۳۵۰ میں تو یہ نیلی حکم موجود ہے خواہ گورو ہو۔ خواہ بیٹا وغیرہ اولاد ہوں خواہ باپ وغیرہ بزرگ ہوں۔ خواہ برہمن خواہ شاستر وغیرہ کے سننے والا کیوں نہ ہو۔ جو جرم کو چھوڑ کر ادہرم میں پھنسا ہوا دوسرے کو بلا جرم مارنے والا ہے۔ اس کو بغیر تامل کے مار ڈالنا چاہیئے۔ وید میں ایسے ظالموں کی بیخکنی کا نتیجہ یہ بتایا ہے۔ کہ تمہارے ارد گرد سکھ والا کرہ مہیا رہیگا۔ یہی کچھ منو کہتا ہے۔ اور یہی سوامی دیانند نے واضح کیا ہے۔ کہ سخت سزا سے جرموں کی روک تھام ہوتی اور لوگوں کو اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اور اگر غور کیا جاوے۔ تو آیت ۱۷۹ میں اسی کے مطابق بالکل بجا کہا گیا ہے۔ کہ عقلمند لوگو اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے تم متقی بنتے ہو۔ قصاص نہ ہو۔ تو نہ خونریزی میں کوئی روک رہے نہ امن سے تعلیم و تربیت ہو کر کوئی ترقی ہو سکے۔

۲۳۸ تخفیف اور رحمت

قاتل کو سزا دینے سے تین فریقوں کے مفاد کا تعلق ہے۔ اوّل مقتول کے وارث یا قریبی لوگوں کا جو اس قتل سے تمام فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جو مقتول سے انہیں حاصل ہوتے تھے۔ دوم۔ گورنمنٹ کا اگر وہ اسے پھانسی نہ دے۔ تو وہ اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ایسی وارداتوں کے لئے دلیر ہو سکتے ہیں۔ اور تیسرے رعیت کا جس کو بڑی تشویش اور خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اگر قاتل سزا سے بچ جائیں۔ ان میں سے دوسرے فریق کو آئندہ کے متعلق اطمینان ہو۔ تو تیسرے فریق کے لئے کسی ایجیٹیشن کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دوسرا فریق اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اگر وہ رحم کر کے سزا میں کمی کرے۔ تو کر سکتا ہے۔ رہا فریق اول۔ اگر اسے قاتل کے وارثوں سے کوئی عداوت نہ ہو۔ اور نہ خطرہ تو وہ مقتول کے خون کے بدلے معاوضہ لے کر صلح کر سکتا ہے۔ ایک لائق مفسر کا خیال ہے۔ کہ بھائی بندوں کا معاوضہ لے کر دستبردار ہونا اسلام کا مستقل قانون نہیں ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب میں مختلف قبیلے تھے۔ ان میں سے انہوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا تھا۔ اور مسلمان ہونے کے وقت تک مقتول کے لوگوں نے قاتل سے بدلہ نہیں لیا تھا۔ ان کے متعلق یہاں اشارہ ہے۔ کہ اگر ان خونوں کی بابت کسی نے کچھ معاف کر دیا ہو۔ یا اس کے عوض میں کچھ دینے کا اقرار کیا ہو۔ تو وہ اسی اقرار کے موافق ادا کر دیا جاوے۔ اس رائے کی تہ میں آپ کا یہ خیال کام کرتا ہے۔ کہ قتل جیسے جرم کے مواخذہ سے مسلمان ہونے کے بعد کوئی بری نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر یہ ذکر پہلے خونوں سے تعلق رکھتا۔ تو آیت میں اس کا صاف ذکر ہو سکتا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ اغلب یہ تھا۔ کہ ان کا فیصلہ آنحضرت نے کرا دیا ہوتا۔ ضرورت اس کے ذکر کی ہی نہ رہتی۔ اور اگر فیصلہ بھی نہیں کرایا۔ اور قرآن میں لکھنا بھی ضروری سمجھا۔ تو بعد میں ان کے درمیان فیصلہ ہونے کا کوئی ثبوت ہی ہوتا۔ پھر آیت میں بھائی بندوں سے کوئی معاوضہ لینے کے لئے لکھا ہے "فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ" کہ اس میں معروف کی پیروی ہو۔ علماء اسلام لفظ معروف کے معنے نیکی کے لیتے ہیں۔ نیک نامی کے لیتے ہیں یا دستور شرع کے لیتے ہیں۔ آخری معنے یہاں اصلیت کے زیادہ قریب ہیں۔ معروف اور منکر دو لفظ شرع کے مطابق اور خلاف شرع کے لئے ہیں۔ مگر یہ لازمی نہیں۔ کہ وہ شرع تحریر میں آئی ہو۔ حکم الٰہی یا اصل اصول کو مدنظر رکھ کر کسی معاملہ کے متعلق جو بھی شرع عمل میں آوے یا جس کا رواج ہو۔ وہ معروف ہے۔ پس فریقین کا باہمی معاہدہ یہاں کسی طرح مذکور نہیں۔ بلکہ معاوضہ کے لئے طریق بتایا ہے۔ کہ جیسا کچھ پہلے سے دنیا میں مروج ہو۔ دلا دیا جاوے۔ موت کی سزا کی بجائے معاوضہ کا طریق فی الحقیقت خدا کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اگر پہلے خونوں اور معاہدوں کا تعلق ہوتا تو خدا کی تخفیف اور رحمت کا لفظ موزوں نہ ہوتا۔ اس تخفیف اور رحمت سے تو یہ ایک مستقل قانون کا جزو ہی ثابت ہوتا ہے۔

۲۳۹۔ خیالی تکے

اگرچہ آیت کا تعلق ایک صریح عالمگیر اصول کو بیان کرنے سے ہے۔ مگر مفسرین مثل اور جگہوں کے یہاں بھی خاص واقعات کا تعلق جوڑتے ہیں۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى کے معنے اس امر کو واضح کرتے ہیں۔ کہ جو قاتل ہے۔ وہی پھانسی پائے گا۔ آزاد ہو۔ تو وہی آزاد۔ غلام ہو تو وہی غلام اور عورت ہو تو وہی عورت۔ یہی بے رو رعایت تحقیقات کا تقاضا ہے۔ یہی بے رو رعایت انصاف کا تقاضا ہے۔ اور یہی دائمی قانون ہے۔ مگر مفسرین ہر آیت کے لئے مقامی یا زمانی وجہ ڈھونڈنے کے عادی ہیں۔ اس لئے وہ عرب کے ایسے حالات لکھتے ہیں۔ کہ ان آیتوں کے مضمون کے برعکس ہوں۔ اور آیت کے حق بجانب ہونے کا ثبوت چنانچہ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۶۳۱ پر لکھا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں زبردست قومیں اپنے مقتول غلام کا بدلہ دوسرے فریق کے آزاد کو مار کر لیتی تھیں۔ اور آزاد مقتول کے بدلے دو مردوں کو اور عورت کے بدلے میں ایک مرد کو مارتی تھیں معالم التنزیل صفحہ ۷۶ پر بھی یہ بیان ہے۔ اور اس بے انصافی کو دور کرنے کے لئے آزاد کے بدلے آزاد وغیرہ کا قانون بنا۔ یہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ لیکن نہ تو زمانہ جاہلیت کا یہ رواج کہیں قرآن میں مذکور ہے۔ نہ ایسے قانون کا محض کسی خاص گروہ سے تعلق ہو سکتا ہے۔ پھر یہ ترجمہ کہ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ایسی آزاد صورت میں ہر شخص کے لئے اور ہر لحاظ سے کچھ بے معنے سا اور نہایت مبہم ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آزاد قاتل کے بدلے آزاد کو پھانسی دینے کا مطلب ہے۔ یا آزاد مقتول کی وجہ سے کسی آزاد کو مارنا ہے۔ خواہ اصل قاتل کوئی غلام ہو۔ پس اصل بات یہ ہے۔ کہ قصاص خود خون کا بدلہ کے معنے رکھتا ہے۔ اور حر اور عبد اور انثیٰ تینوں کے ساتھ ال کا لفظ لگ رہا ہے۔ جو قصاص کا عمل جن پر ہونا ہے۔ ان کا پتہ دیتا ہے۔ فی القتلٰی سے قصاص کو مقتولوں کے متعلق کیا گیا ہے۔ اور جن پر عمل ہونا ہے۔ وہ ہیں قاتل ان کی تخصیص یہاں کر دی ہے۔ کہ اگر وہ آزاد ہے۔ تو وہی آزاد اور غلام ہے۔ تو وہی غلام اور عورت ہے۔ تو وہی عورت سزا پائے گی۔ اور یہ ایک عالمگیر اور مستقل قانون ہے۔ نہ کہ مقامی یا زمانی مسئلہ۔ اور انصاف کے لئے آزاد غلام۔ مرد۔ عورت سب کے لئے ایک قانون ہے

۲۴۰۔ اصلاح یا انتقام؟

لیکن قصاص کے مضمون میں بھی قرآن اس اصول کو نظر انداز نہیں کرتا۔ کہ ہر قسم کے جرم میں سزا دیتے ہوئے اصلاح کے امکان کا ضرور خیال رہے۔ اور کسی بھی وجہ کی آڑ میں کوئی کسی قسم کی بے انصافی نہ کرے۔ مقتول کے ورثا اگر معاوضہ لے کر دست بردار ہو جائیں۔ تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اور معاوضہ کے دینے دلینے میں کوئی باہمی تنگی ترشی نہ ہونے پائے اس کے لئے اخلاقی فرض بتا دیا ہے۔ کہ یہ معاوضہ عام دستور سے زیادہ طلب نہ ہو۔ اور اس کی ادائیگی شریفانہ طور پر ہو جائے غرض نہ مقتول کے قتل کے متعلق ورثا میں انتقام یا کینہ کا خیال رہے۔ نہ قاتل والا فریق آئندہ اپنی اصلاح سے غافل ہو۔

۲۴۱۔ وصیت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى

الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥﴾ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ ۱۸۱
جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦﴾ ع ۲۲/۲ ۱۸۲

جب تم میں سے کسی کی موت نزدیک ہو۔ اور وہ مال ترکہ میں چھوڑے۔ تو اس کے لئے تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مناسب طریق پر وصیت کرے۔ یہ متقی لوگوں کے لئے فرض ہے۔ ۵ ۔ مگر جو وصیت کو سن کر بعد میں اس کو بدل دے۔ تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہے۔ تحقیق اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۱۸۱۔ اور اگر کسی کو وصیت کرنیوالے کی طرف سے طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو۔ اور وہ وارثوں میں صلح کرا دے۔ تو اس پر کوئی عیب نہیں۔ یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۶ ۔

۲۴۲۔ منسوخ نہیں

وصیت کرنا قرآن کی اس آیت کے رو سے ہر مالدار کا فرض ہے۔ اس کے بعد کے تنازعات اور جائیداد کی بربادی کی روک تھام ہوتی ہے۔ اور مرنے والے کی کمائی کا اس کے اطمینان کے مطابق بجا استعمال ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک خیال یہ پھیلایا گیا ہے۔ کہ آیت ۱۸۰ اب منسوخ ہے کیونکہ سورۃ النسا میں وراثت کا حکم نازل ہوا ہے۔ لیکن تمام ملکوں اور قوموں میں جب قواعد وراثت اور وصیت ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ تو قرآن میں اسے منسوخ سمجھنے کے کیا معنے۔ اول تو کار ہائے خیر کے لئے ترکہ چھوڑنے والا آپنے خیال کے مطابق وصیت کر سکتا ہے۔ دوم۔ قانون وراثت کے عمل درآمد میں جس شخص کو اپنے بعد پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ وہ بھی بذریعہ وصیت ایسا انتظام کر سکتا ہے۔ کہ بعد کی ناچاقیاں اس کی جائیداد کی بربادی کا موجب نہ ہو سکیں۔ سوم قانون وراثت سے وصیت کا حکم جب منسوخ ہوتا۔ کہ بغیر وصیت کے کوئی مر نہ سکتا ہو۔ موجودہ صورت میں تو وصیت باوجود فرض کے موصی کی اختیاری بات ہے۔ اور بعض صورتوں میں وصیت کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ پس قانون وراثت کے ذریعے اس کمی کا علاج ہونا ضروری تھا۔ وصیت کے حکم کو منسوخ کرنے کے کچھ معنے نہیں ہو سکتے۔ چہارم جہاں مالدار متقی کا فرض بتایا گیا ہے۔ کہ وہ وصیت کرے۔ وہاں وصیت پر عمل کرنیوالوں کو بھی ایمانداری سے اس پر تعمیل کرنے کی ہدایت دی ہے۔ کمی بیشی یا تبدیلی کرنے کا انہیں اختیار نہیں۔ اگر ایسا کریں گے۔ تو وہ اس کے ذمہ وار ہونگے۔ ہاں اگر موصی سے سہو ہو جاوے۔ اور اس سہو سے کسی کی صریح حق تلفی ہوتی ہو۔ تو باہمی رضامندی سے اس کی اصلاح کی اجازت دی گئی ہے۔ لہذا ہر طرح کی معقولیت کی وجہ سے یہ آیت قابل منسوخی ہے ہی نہیں۔ اگر وصیت کی ہو گی۔ تو اس کے مطابق عمل ہوگا۔ اور نہ کی ہو گی۔ تو آیت ورثہ کے مطابق عمل ہوگا۔ ایسا ہی یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی شخص محض رفاہ عام کے لئے یا اپنے کسی خاص خیر خواہ کے لئے یا کسی مستحق رشتہ دار کے لئے ہی کچھ مال کی وصیت کرے۔ ایسی صورت میں باقی جائیداد پر قانون وراثت لاگو ہوگا۔ اور اس طرح دونوں قانون ایک ہی مدعا کو پورا کریں گے۔

۲۴۳۔ روزہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن

۱۸۳ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ① اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
۱۸۴ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ② شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
۱۸۵ هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ③ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ
قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا
۱۸۶ بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ④ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْ
هُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

۱۸۷ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۶ ۱۸۸

اے ایمان لانے والو! جیسے تمہارے بزرگوں کے لئے روزے لکھے تھے۔ ویسے ہی تمہارے لئے لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ تم متقی بنو۔ ۱۔ وہ گنتی کے چند روز ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی مریض یا سفر میں ہو۔ تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر دے۔ اور جن کو کھانا کھلانے کا مقدور ہو۔ ان پہ بدلے میں ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔ ہاں اس پر بھی خوشی سے کوئی نیک کام کر دے۔ تو اور بھی اچھا ہے۔ اور سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے واسطے بہتر ہے۔ ۲۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے۔ جس میں وہ قرآن نازل ہوا۔ جو انسانوں کے لئے رہنما اور ہدایت والی مسلمہ صداقتوں کا مخزن اور حق و ناحق کی تمیز کرنیوالا ہے۔ پس جو تم میں سے ماہِ رمضان کی حقیقت کو سمجھے۔ وہ اس میں روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی مریض یا سفر میں ہو۔ تو اور دنوں سے گنتی پوری کر دے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ مشکلات نہیں چاہتا۔ اور غرض یہ کہ تم گنتی پوری کرو۔ اور اس ہدایت یا الہام کے لئے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ تم اس کی بڑائی کرو۔ اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ ۳۔ اور جب میرا عابد تم سے میری بابت سوال کرتا ہے۔ تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اور جب کوئی ہم سے دعا کرتا ہے۔ تو ہم اس کی دعا کو سنتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ میرے حکموں پر عمل کریں۔ اور مجھ پر اعتقاد رکھیں۔ تاکہ وہ رشد (ہدایت یا نور) حاصل کریں۔ ۴۔ روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا تمہارے واسطے حلال ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں۔ اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ (تمہارا چولی دامن کا ساتھ ہے) اللہ جانتا ہے۔ کہ تم نفس کی وجہ سے خیانت کر سکتے ہو سو اس لئے اس نے تم پر توجہ کی۔ اور تمہیں اس کے لئے معافی دی۔ پس ان سے مباشرت کرو۔ مگر اسی خواہش سے جس کے لئے یہ مباشرت مقصود ہے۔ اور کھا اور پی سکتے ہو۔ حتےٰ کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے جدا دکھائی دینے لگے۔ اس کے بعد رات تک روزہ پورا کرو۔ مگر جب مسجد میں اعتکاف میں ہو۔ تو مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ لہٰذا ان کی صحبت میں نہ جاؤ۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں صاف صاف واضح کرتا ہے۔ تاکہ وہ متقی بنیں۔ ۵۔ اور ایک دوسرے کا مال آپس میں جھوٹ سے خورد برد نہ کرو۔ اور نہ اس لئے حکام کے پاس جاؤ۔ کہ لوگوں کے مال میں سے کچھ مارنے کا موقعہ ملے۔ ۶۔

۲۴۴- الصّیام اور شہر رمضان

آیت ۱۸۳ میں الصّیام لفظ دے کر روزوں کا رکھنا فرض بتایا گیا ہے۔ اور آیت ۱۸۵ میں رمضان کا مہینہ مذکور ہے۔ اس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ رمضان کے روزے جدا تھے اور آیت ۱۸۳ والے جدا۔ یہ ہر مہینے کی ۱۳-۱۴ اور ۱۵ کو رکھے جاتے تھے۔ اور ایک روزہ دسویں محرم کا تھا۔ معالم التنزیل وغیرہ میں اس امر کا بیان بھی موجود ہے۔ لیکن یہ اعتقاد محض خام خیالی ہے۔ کیونکہ ایک ساتھ لگتی

ہوئی آیات میں دو طرح کے حکم ہوں۔ یہ کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر اس خیال والوں کا یہ بیان تسلیم کیا جاوے۔ کہ رمضان کے مہینے کا حکم نازل ہونے سے پہلے یہ روزے سترہ مہینے تک رکھے گئے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ آیت ۱۸۵ سے یہ روزے منسوخ ہو گئے۔ مگر ایسی صورت ہوتی۔ تو قرآن میں پہلے روزوں والی آیت رکھی ہی نہ جاتی پھر اگر یہ صحیح ہے۔ کہ آیت ۱۸۴ کے لفظ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے آیت ۱۸۳ والے صیام کو ہی گنتی کے دن کہا گیا ہے۔ تو یہ بھی صحیح ہے۔ کہ آیت ۱۸۵ میں شہر رمضان سے مراد آیت ۱۸۳ والے صیام ہی ہیں۔ اور اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے لفظ سے بھی صیام کی تعداد میں جو ابہام تھا۔ وہ شہر رمضان کے لفظ سے دور کر دیا گیا ہے۔ پھر آیت ۱۸۵ میں یہ نہیں کہا گیا۔ کہ ماہِ رمضان کے روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں۔ بلکہ ماہِ رمضان کی خوبی و خصوصیت بتائی گئی جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ پہلی آیتوں میں الصیام اور اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے لفظ ماہ رمضان کو ہی انٹروڈیوس کر چکے ہیں صرف اس کی عظمت بتانا باقی ہے۔

۲۴۴۔ پہلے لوگ

آیت ۱۸۳ میں واقع شدہ لفظ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے مراد یہود اور نصاریٰ لینے میں مفسرین غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہودیوں سے پہلے بھی جو امتیں گذری ہیں۔ وہ بھی مِنْ قَبْلِکُمْ کے لفظ سے ہی بیان ہو سکتی ہیں۔ اور اگر اس لفظ سے کوئی اہل کتاب کی مراد لیتا ہے۔ تو بھی یہود و نصاریٰ ہی مذکور نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اہل کتاب سے مراد قرآن میں ویدک دھرمی لوگ ہیں۔ یہ ہم کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ چنانچہ معالم التنزیل میں اگر اس سے مراد "من الانبیا و الامم" لی جاتی ہے۔ تو بھی ویدک دھرمی رشی اور آریہ لوگ اس کے معنے کے اندر ہیں۔ اور اگر بیضاوی میں الانبیا و الامم من لدن آدم کی مراد لی جاتی ہے۔ تو سب سے مقدم تعلق یہاں ویدک دھرمی لوگوں کا ہے۔

۲۴۵۔ مطابقت کس پہلو؟

آیت ۱۸۳ میں واقع شدہ "کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" سے روزوں کے اس حکم کی پہلے لوگوں پر ڈالے گئے فرض سے مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق مفسرین بڑی طویل بحث میں پڑ رہے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ مطابقت تعداد کی ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ نصاریٰ نے مہینہ بدل دیا تھا۔ اور تبدیلی کے معاوضہ میں دس روزے بڑھائے تھے۔ پھر ایک بادشاہ کے بیماری سے صحت پانے کی تقریب میں اپنی منت کے موافق سات روزے اور بڑھائے۔ ایک اور بادشاہ نے ۳ کی کمی کو پورا کرنے کو کہا۔ تو کل ۵۰ روزے ہو گئے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ نصاریٰ رمضان کے پہلے اور پیچھے ایک ایک روزہ رکھتے تھے۔ پھر ایک ایک اور بڑھاتے گئے۔ حتیٰ کہ پچاس ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے۔ کہ نصاریٰ کے دو بادشاہ مر گئے تھے۔ اس لئے دس روزے رمضان سے پہلے اور دس روزے رمضان سے پیچھے بڑھا کر پچاس روزے کئے گئے۔ یہودیوں نے اس کی بجائے سال بھر میں صرف فرعون کے غرق ہونے کے دن کا ایک روزہ اختیار کیا۔ سر سید احمد صاحب ایسے بیانات پر کیا بجا فرماتے ہیں۔

"یہ تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو اور بیہودہ ہیں۔ جیسے کہ ان کی اور باتیں متعلق قصص اور حکایات کے بے بنیاد ہوتی ہیں۔ جن کی نہ کوئی سند ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے"!

واقعی اگر بائیبل سے روزوں کی تعداد مقرر کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو "کوشش بے فائدہ است وسمہ بر ابروے کور" والی بات ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ بیسیوں جگہ پر روزے کا ذکر ہے۔ اور ایک دو تین وغیرہ سے لے کر چالیس چالیس تک اور اس سے بھی بہت زیادہ روزوں کا ذکر ملتا ہے۔ پس تعداد کی مطابقت والا خیال غلط ہے۔ اور اسی طرح امت اور طریق کے خیال میں بھی غیر مطابقت ہے۔ اور روزہ رکھنے کی وجہ یا سبب میں بھی یہاں مطابقت مقصود نہیں۔ کیونکہ اس

کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ مختلف وجوہات سے مختلف لوگوں میں مختلف تعداد کے روزوں کو قرآن صحیح مانتا ہے۔ لہٰذا شہر رمضان کی اسلام کے لئے کوئی خصوصیت نہیں۔

نظر بریں وجوہات آیت ۱۸۳ میں کما لفظ سے محض ہدایت یا حکم کی مطابقت مقصود ہے۔ کہ یہ تمہارے لیے ہی نہیں ہمیشہ سے تمام قوموں کو ایسی ہدایت دی گئی ہے روزے قوموں میں کم و بیش رکھے جاسکتے ہیں مختلف فرض موسموں میں رکھے جاسکتے ہیں اور مختلف طریقوں سے رکھے جاسکتے ہیں اسلئے آیت ۱۸۳ میں محض اصولی طور پر روزوں کا فرض مذکور ہوتا ہے۔ اور اگلی آیت میں اَیَّامًا مَّعْدُوْدَات کہا۔ تو معلوم ہوا۔ روزوں کے اصول کے پہلے لوگ گنتی کے روزے مقرر کرکے عمل میں لاتے رہے۔ اور اسی اصول کی شکل اسلام میں رمضان کے مہینے کی صورت میں ہے۔ پس محض اصولی مطابقت مذکور ہے۔ رمضان کا مہینہ آغاز عالم سے ہو یا نہ ہو۔ روزوں کا اصول آغاز عالم سے مروج رہا ہے۔

۲۴۶۔ ماہِ رمضان کی خصوصیت

آیت ۱۸۵ میں کہا ہے۔ رمضان کا مہینہ ہے۔ جس میں انسان کو ہدایت اور رہنمائی دینے والا قرآن نازل ہُوا۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ کہ رمضان کے ہی دنوں میں یہ عربی قرآن نازل ہُوا ہو۔ کیونکہ آیات کا نزول سالوں پر پھیلتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص علماء کے نزدیک سورۃ القدر میں لکھا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کہ اس کا نزول شب قدر میں ہُوا۔ اب یہ دونوں بیان باہم متضاد ہیں۔ ایک سے نزول میں مہینہ لگتا اور ایک سے زیادہ سے زیادہ ۱۲ گھنٹہ لگنا پایا جاتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے۔ کہ شب قدر چونکہ ماہِ رمضان میں ہے۔ اس لیے مہینہ کا نام لیا ہے۔ عرصہ کے لئے نہیں۔ انزال تو شبِ قدر میں ہی تھا۔ تو پھر یہ امر بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک رات کی بجائے سالوں میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ اس کے لئے یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ شبِ قدر کو آیات کا نزول شروع ہُوا تھا۔ لیکن یہ تاویل قرآن کی کسی آیت سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ اور جب یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ نہ قرآن میں شب قدر کا تاریخ کے لحاظ سے صحیح تعین ہے۔ نہ کسی اور اسلامی کتاب میں اور مفسر صاحبان کچھ اور ہی کہتے سنائی دیتے ہیں۔ تو شبِ قدر میں آیات کے نزول کا شروع ہونا بھی ناقابل تسلیم ہو جاتا ہے۔ دعوے کے ساتھ کوئی یہ نہیں کہتا۔ کہ واقعی ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان ہی شب قدر ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ صحیح تاریخ کونسی ہے۔ یہ تو معلوم نہیں ہُوا۔ مگر اٹکل سے ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان مقرر کی گئی ہے۔ ایسی شکیہ صورت میں بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ سے یہ مطلب نہیں۔ کہ ماہِ رمضان میں قرآن نازل ہُوا۔ بلکہ یہ کہ قرآن میں روزوں کا حکم نازل ہُوا ہے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

یہی معنے صحیح طور پر یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ تفسیر کبیر میں بھی اس کا ماخذ موجود ہے۔ لیکن اس خیال کی تردید خود اسی آیت کے الفاظ کرتے ہیں۔ کیونکہ کہا ہے۔ کہ اس قرآن میں ہی ایسا حکم نازل نہیں ہُوا۔ پہلے کے لوگوں پر بھی ہُوا تھا۔ چنانچہ ایک مفسر لکھتا ہے۔ حضرت موسےٰ نے چالیس روزے رکھے جس سے اس کو کوہ طور پر توریت ملی۔ اور خدا نے ان سے کلام کیا۔ حضرت موسےٰ نے چالیس روزے رکھے۔ ویسے ہی حضرت محمد صاحب نے غار حرا میں روزے رکھے۔ ان پر وہاں ماہِ رمضان کی شب قدر میں قرآن نازل ہُوا۔ لیکن نہ ایک رات میں نہ ایک مہینہ میں نازل ہونا امر واقعہ ہے۔ نہ اصل شب قدر کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ تو ماہِ رمضان کی خصوصیت نزول قرآن کی تسلیم ہی کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ شب قدر والے اس بیان کی سورۃ القدر میں پوری تردید موجود ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ ۱۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ ۳۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ ۴۔ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ ۵۔

تحقیق ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ ۱۔ اور کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ کیا ہے۔ ۲۔ لیلۃ القدر ہزار

وہ تو ہزاروں (بے شمار) مہینوں سے بڑی ہے - ۳- جس میں تمام مخلوق قسم کے فرشتے اور روح حکم الٰہی سے (اپنی اپنی علت میں) تنزل کر جاتے ہیں - ۴- اور اس میں سلامت رہتے ہیں - حتے کہ پھر دنیا کی صبح (آغاز پیدائش) کا طلوع ہوتا ہے -

اس میں لیلۃ القدر کا پتہ تو دیا ہے - مگر ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان کا اس سے اشارہ یا کنایہ سے بھی ذکر نہیں آتا - ۲۴ گھنٹے والے تیس دنوں کا ماہ رمضان یا ۱۲ گھنٹے کی شب قدر کہاں یہاں تو ہزاروں مہینوں سے بھی شب قدر کو بڑا کہا گیا ہے - اگر کہا جاوے - کہ لیلۃ القدر کے ساتھ وقت کی لمبائی کے لحاظ سے خیر (و) کا لفظ نہیں آیا - بلکہ ان کی خوبیوں کا بیان مقصود ہے - تو ہزاروں مہینوں سے کیا ایک مہینے سے بھی لیلۃ القدر کو بہتر نہیں کہہ سکتے - کیونکہ اس صورت میں لیلۃ القدر تو ایک ماہ رمضان میں ہی شامل اور اس کا جزو ہوگی - غرضیکہ لیلۃ القدر اور ماہ رمضان کا صحیح پتہ دینا مفسرین کی طاقت سے باہر ہے ہاں جیسے اصل رنگ روپ اشیاء کا سورج کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے - ویسے ہی الہامی علم (وید) کی روشنی میں علمی مشکلات حل ہوتی ہیں - چنانچہ ویدک سدھانتوں کے جانکار کے لئے سورۃ القدر والے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں - کہ لفظ لیلۃ القدر یا لیلۃ المبارک برہم راتری یا مہاپرلے کی جگہ قرآن میں آیا ہے - تمام مادی اشیا پرلے ہونے پر حالت علت میں بدل جاتی ہیں - اور وہ کارن پرکرتی (علت مادہ) اور روح برہم میں لین ہو جاتے ہیں - اور جب پھر دنیا کی پیدائش ہوتی ہے - تو معلول صورت میں رونما ہوتے ہیں - تنزل کے معنے ہی یہ ہیں - کہ جس حالت سے ترقی کی تھی - پھر اسی کو عود کیا جائے - یہ پرلے والی رات واقعی ہزارہا مہینوں سے بڑی ہے - الف یا ہزار ہا کا لفظ وید کے سہسر لفظ کی طرح بے شمار یا اننت یا غیر معمولی لمبے عرصہ کے لئے استعمال ہو رہا ہے - اب دیکھنا یہ ہے - کہ سوال زیر بحث کی اصلیت کیا ہے - جب ماہ رمضان یا اس کی موہومہ ۲۳ یا ۲۷ تاریخ والی شب قدر میں قرآن نازل نہیں ہوا - تو کیا آیت کے الفاظ غلط ہیں - اور رمضان کی یہ خصوصیت نہیں - ہم کہتے ہیں - اصل مفہوم کو سمجھا نہیں جا رہا - جیسے رات سے دن نکلتا ہے - ویسے ہی برہم راتری (پرلے) سے برہم دن (نئی پیدائش) کا ظہور ہوتا ہے - اور اسی برہم راتری یا لیلۃ المبارک میں نئی پیدائش کا ظہور ہوتا ہے - اور اسی برہم راتری یا لیلۃ المبارک میں وید یا سچے علم کا ظہور ہوتا ہے - تو وہ رات ختم ہوتی ہے - اس وید کی جگہ عربی میں قرآن کا لفظ ہے - جیسا سورۃ الرحمٰن میں ہے - الرحمٰن - علم القرآن - یہ وید قرآن کے رو سے اعلےٰ ترین نعمت ہے - اور اس کی یادگار اور شکریہ کے طور پر رمضان کا مہینہ بطور یادگار ہے - جیسے آج بھی خاص واقعات اور خاص کاموں اور خاص شخصوں کی یادگار کے لئے دن ہفتے اور مہینے وقف کئے جاتے ہیں

۲۴۷ - وید ماس

یہ ظاہر ہے - کہ روزوں کا طریق قرآن سے جاری ہوا - یہ دعویٰ قرآن کا نہیں - بلکہ اس کو قائم رکھنا آنحضرت کا کام ہے - پس قرآن کا نازل ہونا اس ماہ کی خصوصیت ہونے سے ثابت ہے - کہ عجمی قرآن یا وید کے نزول کی یہ یادگار ہے - اور اس لئے اگر اسے وید کا مہینہ کہا جاوے - تو بالکل بجا ہے - مگر واضح رہے - کہ یہ ہماری کوئی قیاسی بات نہیں - قرآن کے الفاظ سے ہی یہاں وید کا مقصود ہونا یقینی امر ثابت ہوتا ہے - آیت میں بتایا یہ ہے - کہ وہ قرآن نازل ہوا - جو لوگوں کے لئے ہدایت - تمام سچے اصولوں کا مخزن اور قول فیصل یا حق کو باطل سے جدا دکھانے والا (فرقان) ہے - اور یہ صفات آغاز عالم سے ملے ہوئے الہامی علم کی ہی کیا یہاں اور کیا اور جگہوں میں بیان ہو رہی ہیں - جب رمضان کا مہینہ نزول عربی قرآن سے پہلے ہے - اور اس کی خصوصیت ان صفات والے قرآن کی وجہ سے ہے - اور قرآن میں آغاز عالم سے اس قرآن (وید) کا ظہور ہر کہیں مذکور ہے - تو معاملہ بالکل صاف ہے - چنانچہ آیت ۱۸۵ میں اس مہینے کا مقصد بھی یہی بتایا ہے - کہ اس ہدایت یا علمی نعمت کے لئے خدا کی بڑائی اور اس کا شکریہ کرو - اور پھر آیت ۱۸۶ میں خدا کے متعلق اس کے بھگتوں کے سوالات پوچھنے - خدا کو ماننے اور نیک ہدایت پا کر متقی بننے کے کل بیانات سے

ظاہر ہے۔ کہ ماہِ رمضان کا ہر دن وید کے وچار اور پرچار اور ایشور کے گن گان کے لئے وقف تھا۔ کھانا پینا وغیرہ سب کام رات کے لئے چھوڑ کر دن بھر دھرم چرچا کا رہنا۔ اس مہینے کی واقعی بڑی بھاری خوبی تھی۔ او یہی سچا روزہ تھا۔ یہ روزہ کیا ہوا۔ کہ کام کاج دنیا کے کرتے رہے۔ اور رات کو کھانے سے پیٹ بھرتے رہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (آیت ۲) میں وید کو ہی متقی لوگوں کو ہدایت دینے والا مانا ہے۔ ذالک الکتاب میں وید کی طرف اشارہ ہے۔ آیت نمبر ۲۱۳ میں بھی ابتدائی الہام کا ظہور اس غرض سے مانا ہے۔ کہ انسانوں کے باہمی امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہونا رہے۔

حضرت محمد صاحب سے پہلے روزوں کا مدعا کچھ اور ہی سمجھا جانے لگا تھا۔ خیال تھا۔ کہ یہ غم و رنج وغیرہ پر مبنی ہیں۔ جیسے کسی خاص بڑے پیارے یا پُر فیض انسان کی موت پر عام لوگ کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن آنحضرت اس خیال کی بالکل تائید نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انہیں نہایت قدیم زمانے سے مروج مانتے اور ان کی غرض متقی بننا مانتے تھے۔ اور جو کچھ خدا کی عبادت۔ اس کے متعلق سوال و جواب۔ اور علم کی اشاعت یا قرآن کا پرچار وغیرہ ان روزوں کی مصروفیات بیان ہوئی ہیں۔ فی الحقیقت وہ یقینی طور پر یہی نتیجہ لا سکتی ہیں۔ کہ لوگ متقی ہو جائیں۔

۲۴۸۔ مستثنےٰ صورت

ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ ہر قاعدہ میں مستثنےٰ یا مجبوری صورت ہوتی ہے۔ اس میں قاعدہ کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ چنانچہ روزہ کے متعلق بھی آیت ۱۸۴ میں کہا ہے۔ کہ گنتی کے کچھ دن روزوں کا رکھنا کوئی بڑی تکلیف دینے والی بات نہیں۔ تو بھی مریض کمزور آدمی یا سفر میں گیا ہوا آدمی مستثنےٰ ہو سکتا ہے۔ چونکہ دن کے وقت بالکل کھانا وغیرہ سے الگ رہنا خاص مریضوں کے لئے ناقابل برداشت اور نقصان دہ ہے۔ نیز مریض اور لوگوں کے ساتھ وعظ یا وچار کرنے کرانے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جو آدمی مسافرت میں ہو۔ وہ بھی شامل نہیں ہو سکتا۔ یا رات کے وقت کھانے وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایسے تمام لوگوں پر روزہ لازمی نہیں۔ تاہم ذمہ واری کا احساس بنا رہے۔ اس کے لئے فدیہ کا طریق بھی بتا دیا ہے۔ کہ مقدور ہونے کی صورت میں محتاج کو کھانا کھلا دے۔ اور فرض کی طرف مائل بھی رکھا گیا ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو روزہ رکھنا ہی چاہئے۔ بہتری اسی میں ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ اچھا ہو کر یا سفر سے واپس آ کر بھی انسان روزوں کی کمی پوری کر سکتا ہے۔ چونکہ خدا کی یاد اور علمی اصولوں کا غور و فکر وغیرہ سب سے زیادہ مفید کام ہیں۔ اس لئے ان میں حتےٰ الوسع ہر حالت میں انسان کو دلچسپی لینی چاہئے۔ اور جو رمضان کی اس حقیقت کو سمجھتا ہے۔ وہ ہر مجبوری میں بھی اس فرض کو پالیگا ہی تو بھی اگر طاقت سے باہر ہو۔ تو صورت مجبوری ہے۔

۲۴۹۔ رمضان اور مباشرت

آیت ۱۸۷ کے الفاظ میں اجازت ہے۔ کہ میاں بیوی روزوں کے دنوں میں مباشرت کر سکتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو اس آیت سے ہدایت یہی دی گئی ہے۔ کہ حتےٰ الامکان مباشرت سے پرہیز کیا جاوے۔ اجازت کے لئے پہلی وجہ تو یہ بتائی۔ کہ میاں بیوی ایک ہی جگہ رہتے۔ اور ان کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ان کا باہم راغب ہونا ان دنوں میں بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر شرعاً اس کو ممنوع کریں۔ تو اس کی تعمیل ہونی محال ہے۔ اور ان کا شرعی حکم کے خلاف خیانت کرنا اغلب ہے۔ اس لئے مصلحت اسی میں ہے۔ کہ درگذر یا معاف کیا جاوے۔ لیکن اس درگذر کے ساتھ بھی شرط یہ ہے۔ کہ مباشرت اولاد پیدا کرنے کی خواہش سے ہی ہو۔ گویا روزوں میں عیاشی و شہوت پرستی تو شل اور روقوں کے برابر ممنوع ہے۔ ہاں اولاد کی غرض سے مباشرت ہو ہی تو اس میں کوئی خلاف ورزی نہ سمجھی جاوے

۲۵۰۔ رمضان کے فوائد

اگر محض رسمی طور پر رمضان میں روزے رکھ دیئے جاویں۔ تو ان سے کوئی خاص قابل ذکر فائدہ ہو۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں اگر قرآن کی ہدایت کے مطابق عمل ہو تو مہینہ بھر کا دن کو نہ کھانا اور خواہشات کو نظر انداز کرنا انسان کو جسم اور حواس پر قابو رکھنے کے قابل بناتا ہے۔ اور دل اور عقل اور رُوح کو نیا جیون دینے والی تعلیم بھی انسان کو اس کے ساتھ مہینہ بھر اور دن بھر بلا ناغہ ملتی رہے۔ تو انسان کا اپنے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے قابل ہونا یقینی بات ہے۔ علم الٰہی کا چرچا اور نیک صحبت سچا پارس پتھر کہا جا سکتا ہے۔ اور سچی انسانیت اور حقیقی عظمت اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ آیت ۱۸۸ میں جو ناجائز طور پر یا حکام کی مدد سے ایک دوسرے کا مال نہ مارنے کی ہدایت ہے۔ یہ بظاہر جدا مضمون معلوم دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت اور موقعوں کی نسبت مذہبی تقریب کے ایسے خاص موقعوں پر اس ہدایت پر عمل کا ہونا زیادہ یقینی ہو سکتا ہے۔ اور مہینہ بھر کا یہ عمل اس بات کا عادی بھی بنا سکتا ہے۔ کہ مقدمہ بازی یا بد دیانتی سے اور دن کا مال مارنے سے انسان ہمیشہ پرہیز کرتا رہے۔

۲۵۱۔ چاند

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ①

۱۸۹

تم سے ہلالوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہدو۔ کہ یہ لوگوں کے لیئے اور حج کے لئے مقررہ وقت بتاتے ہیں۔ اور نیکی اس میں نہیں۔ کہ تم گھروں کے پچھواڑے سے آؤ۔ بلکہ بھلائی تو اس کی ہے۔ جو تقوی رکھتا ہے۔ اور گھروں میں کھلے دروازے سے آتا ہے۔ پس اللہ پر تقوی رکھو تاکہ تمہارا کلیان ہو۔ ۱۔

۲۵۲۔ وقت کا حساب

اَھِلَّۃ لفظ ہلال کی جمع ہے۔ مہینے کی پہلی رات کا چاند عام طور پر ہلال مانا جاتا ہے۔ مگر عرب میں چار ہلال مانے جاتے تھے۔ مہینے کی پہلی دو اور آخری دو راتوں کا چاند ہلال۔ باقی راتوں کا قمر اور پورا چاند بدر کہاتا ہے۔ پس یہاں چاند کے گھٹنے بڑھنے وغیرہ کے لحاظ سے اس کو اَھِلَّۃ لفظ سے جمع میں ظاہر کیا ہے۔ اور اس سے مہینے کے آغاز کا حج کے آغاز یا روزوں یا عید وغیرہ کا ہی پتہ نہیں لگتا۔ ہر رات کو تجربہ کار لوگ اس سے وقتوں کا حساب لگاتے ہیں۔ آج کل گھڑی سے وقت کا پتہ لگتا ہے۔ تاہم جہاں گھڑی کا رواج نہیں یا جن وقتوں میں گھڑیوں کا رواج نہیں تھا۔ اور جن جگہوں میں گھڑیوں کے رواج ہونے پر قدرتی گھڑی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہاں دن کو سورج سے اور رات کو چاند سے پتہ ملنا مسلمہ ہے۔ اور لا کلام گھڑیوں میں وقت کا فرق ہو جاتا ہے۔ مگر قدرتی گھڑی میں منٹ کیا سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔ اسی لئے کٹر مذہبی لوگ اس پر ہی انحصار رکھتے ہیں جتنے

کہ مسلمان توحید کا یقینی اعلان کرتے ہی اس وقت ہیں۔ کہ چاند نظر آجاوے۔

۲۵۳ - انسان کے لئے خاص سبق

چاند کا گھٹنا بڑھنا اور وقت کا اس سے صحیح علم ہونا خدا کی طرف سے ایک خاص انتظام ہے۔ کہ انسان اس سے وقت کی پابندی کا سبق لیں اور ہر نشیب و فراز میں (راستباز) رہ کر کام کئے جائیں۔ جیسے نیک لوگ کھلے دروازوں گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور چور یا نقب زن پچھواڑے سے اسی طرح اپنی پوزیشن کتنی بھی کم ہو یا زیادہ اس کا خیال نہ کرکے زندگی کے وقت کا بہترین استعمال کرنا چاہئے۔ چاند ہلال کی حالت میں کتنا کم ہو اور بدر کی حالت میں کتنا بڑا۔ قدرت کے انتظام کے مطابق دنیا کے سامنے آنے میں کبھی نہیں جھجکتا۔ اس لئے اے انسانو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور سچی فلاح کے مستحق بنو۔ بہ قول

Build thou upon Omnipotense & have a firm foundation

یعنی ہمیشہ اس ہر جا حاضر ناظر خدا پر توکل رکھو۔ تو بنیاد پختہ ہے اور کامیابی یقینی۔

مفسرین نے الفاظ آیت سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر گھروں میں آنا ہوتا۔ تو پچھواڑے کی طرف سے آتے۔ سو خدا نے اس چوری یا توہم پرستی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل کی۔ مگر قرآن میں اس تعلیم کو محض حج کے احرام سے مخصوص کرنے والا کوئی لفظ نہیں۔ اور نہ ایسا ہونے سے اصولی طور پر اس میں کوئی خاص خوبی پائی جاتی ہے۔

۲۵۴ - دھرم یدھ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

۱۹۰ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٢﴾

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

۱۹۱ حَتّٰى يُقٰتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قٰتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿٣﴾

۱۹۲ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣﴾ وَقٰتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ

۱۹۳ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿٥﴾

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ

اِعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷﴾

۱۹۴

۱۹۵

اور راہِ حق میں جنگ کرو۔ ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں۔ مگر زیادتی نہ کرو۔ تحقیق اللہ زیادتی کرنیوالوں سے محبت نہیں کرتا۔ ۲۔ اور جس طرح تم انہیں سیدھا کر سکو۔ ان سے لڑو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا۔ تم انہیں وہاں سے نکالو۔ اور فتنہ رہنا اس جنگ سے زیادہ خراب ہے۔ اور مسجد الحرام کے پاس ان سے نہ جھگڑو۔ حتیٰ کہ وہ اس میں تم سے لڑیں۔ مطلب یہ کہ وہ تم سے جھگڑیں تو تم ان سے جھگڑو۔ یہی کافروں کی جزا ہے۔ ۳۔ اور اگر وہ باز رہیں۔ تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ ۴۔ اور ان سے لڑتے رہو۔ تاکہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لئے ہی ہو جاوے۔ پھر اس طرح اگر بات ختم ہو تو کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو سوائے ظالموں کے۔ ۵۔ حرمت والے مہینے کے بدلے میں حرمت والا مہینہ اور تمام ادب والی چیزوں میں ادلے کا بدلہ۔ پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے۔ تو جس طرح کی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ تم بھی اسی طرح کی اس پر کرو۔ مگر اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ اور سمجھ لو۔ کہ اللہ متقیوں کا ساتھی ہے۔ ۶۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت نہ خریدو۔ ہاں احسان مروت کئے جاؤ۔ بے شک اللہ محسنوں سے پیار کرتا ہے۔ ۷۔

۲۵۵- جہاد تبلیغی یا علمی جنگ ہے

مفسرین نے قرآنی جہاد کو خونریزی والے جنگ کے معنوں میں لیا ہے۔ اور ایسا ہی ان آیات میں بھی اصل مفہوم کو سخت مشتبہ بنا دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ کھشتری لوگوں کا کام ہی یہ ہے۔ کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے جنگ کریں۔ اور ان کا خاتمہ تک کر دیں۔ لیکن یہ ہم نہیں مان سکتے۔ کہ آیات بالا میں اسی کھشاتر دھرم کا بیان ہے۔ یا کسی اور مخالفانہ جسمانی جنگ کا۔ بلکہ جس طرح آج کل مذاہب کی باہمی جنگ جاری ہے۔ اور تلوار و توپ و بندوق کی بجائے زبان اور قلم کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے مذہبی مبلغ اپنے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور مسلم مبلغ کہتا ہے۔ اس وقت چاروں طرف سے دشمن اسلام پر حملہ کر رہے ہیں۔ اے مسلمانو! مقابلے کے لئے کمریں کس کر تیار ہو جاؤ۔ اور کفر اور شیطان کی فوجوں کا خاتمہ کر کے چھوڑو۔ اس جنگ میں تمہاری فتح اسی دن ہوگی۔ کہ ہر طرف اسلام کا ہی جھنڈا لہراتا نظر آئے۔ اور دشمنانِ دین کا قطعی خاتمہ ہو جائے وغیرہ یہ خاص طرزِ بیان سے اپنے لوگوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں ہر طرح کی مدد دینے کی ترغیب ہے۔ نہ کہ جسمانی جنگ اور قتل وغیرہ کی۔ ہم حیران ہیں۔ کہ سارے قرآن میں کہیں ہتھیاروں یا ہتھیار بند فوج یا جنگی قواعد کا ذکر نہیں۔ (گو کھشاتر دھرم کا اصولی بیان موجود ہے۔) تبلیغ حق کے لئے

کہیں اشارہ تک موجود نہیں۔ کہ جسمانی جنگ یا خونریزی سے اسلام کی اشاعت کی جائے۔ بلکہ خدا کا بھروسہ رکھے۔ بے خوف ہو کر لوگوں تک سچ کا پہنچانا ہی رسول کا فرض ہے۔ اور وہ بھی نہایت بردبار مشنری کی طرح کہیں بھی یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ جسمانی جنگ سے تسخیر قلوب ہو سکتی ہے۔ ہاں ہر کہیں تبلیغ پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً

۱۔ سورۃ المائدہ۔ ۹۸۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ رسول پر سوائے تبلیغ کے کچھ فرض نہیں۔ باقی سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو کچھ تمہارے باطن میں ہے۔ (۲) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ سورۃ التوبہ۔ ۳۲۔ خدا ہی ہے۔ جو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول بھیجتا ہے۔ کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کریں۔ خواہ مشرک بُرا ہی مناتے رہیں۔

۳۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ ۱۲۸۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۸ بتحقیق تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آتے ہیں۔ تمہاری تکلیف اُن پر شاق گذرتی ہے۔ تمہاری بہبود کا ہی فکر انہیں دامنگیر رہتا ہے۔ مومنوں پر وہ نہایت مہربان اور شفیق ہیں۔

۴۔ آل عمران آیت ۱۰۳۔ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ اس پر بھی اگر انحراف کریں۔ تو کہدو۔ کہ میرا تو بس خدا ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اسی پر توکل رکھتا ہوں۔ جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

۵۔ آل عمران ۳۔ ۱۰۲۔ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت کرے جائز باتوں کا حکم دے اور ناجائز سے منع کرتا رہے۔ اور یہی ہیں جو فلاح کے مستحق ہیں۔

۶۔ آل عمران آیت ۱۰۹۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ تم ان میں سے بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوئیں۔ جو معروف کی ہدایت دیتے۔ منکر سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۷۔ آل عمران آیت ۱۱۲۔ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اور اللہ پر ایمان رکھتے نیز عاقبت پر۔ اور معروف کا حکم دیتے اور منکر سے ہٹاتے۔ اور نیک کاموں میں سرعت سے سعی کرتے ہیں۔ یہی لوگ صالح (برہمن وغیرہ) ہیں۔

۸۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝ انعام۔ ۸۹۔ یہی لوگ ہیں۔ جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔

۹۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝ ۔ اعراف ۱۸۱۔ ہماری مخلوقات میں ایک گروہ ہے۔ جو حق بات کی ہدایت کرتا۔ اور حق سے ہی انصاف کرتا ہے۔

ان آیات میں تمام وہ باتیں جو سچے برہمن یا سنیاسی کے لئے ویدک دہرم میں فرض کی گئی ہیں۔ رسول یا نبی کے لئے لازمی بیان کی گئی ہیں۔ حوالہ نمبر ۱ میں سنیاسی کا ہی یہ دہرم بیان کیا ہے۔ کہ وہ لوگوں کے کانوں تک حق کی آواز پہنچاتا جائے۔ اس کے علاوہ دنیا کے لوگ کیا کچھ کرتے ہیں۔ اور کیا ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا خیال نہ کرے یہ خدا کے تعلق کی بات ہے۔ سوامی دیانند کو

ایک جگہ یہ جان کر تعجب ہوا۔ کہ باوجود بت پرستی کا اس زور سے کھنڈن کرنے کے لوگ مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ خاطر تواضع ہو رہی ہے۔ اور مٹھائیاں و پھل آ رہے ہیں۔ انہوں نے تحقیق کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ میں لکچر سنسکرت میں دیتا ہوں۔ اور لوگ اسے سمجھتے نہیں ہیں۔ اور خود غرض برہمنوں نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ اگر مخالفت کریں گے۔ تو پول اور کھلیگا۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ حکمت سے اس بلا کو ٹال دیا جائے۔ چنانچہ ہم کھنڈن کرتے ہیں۔ مگر برہمن دوسروں کو کہہ دیتے ہیں۔ کہ خوب ہی مورتی پوجا کا منڈن کیا ہے۔ بڑے عالم شخص ہیں وغیرہ۔ اس پر سوامی جی نے کہا۔ میری آواز کو لوگوں کے کانوں تک پہنچنے سے روکا جا رہا ہے۔ لہذا اب میں ہندی کا ابھیاس کر کے اسی میں لکچر دوں گا۔ چنانچہ جب بعد میں دہیں انہوں نے ہندی میں لکچر دے کر ہلچل پیدا کی۔ اور مخالفت زور سے ہونے لگی۔ تو کہا کچھ پرواہ نہیں۔ میں تو اس میں خوش ہوں۔ کہ میری آواز تو لوگوں کے کان تک پہنچ گئی ہے۔ سو یہی آنحضرت فرماتے ہیں کہ رسول کو اور کچھ فکر نہ چاہیئے۔ کہ لوگ مانتے ہیں یا نہیں۔ دہرم پر چلتے ہیں یا نہیں۔ اس کا کام لوگوں کے کانوں تک حق کا پہنچا دینا ہے۔ اور بس! اس سے آگے خدا جانے اور ان کے فعل۔ دوسرے حوالے میں بھی یہی کہا ہے۔ کہ رسول کا کام سچے دہرم کو تمام مذاہب سے بڑھیا ظاہر کرنا اور دلیل و ثبوت سے سب پر اس کو غالب کرنا ہی ہے۔ تیسرے حوالے میں رسول کی سپرٹ بتائی ہے۔ کہ اسے لوگوں کی تکلیفوں کے خیال سے دکھ ہوتا ہے۔ اور وہ حق کی تبلیغ سے ان دکھوں کے دور ہونے۔ اور لوگوں کے فلاح و بہبود کی بنیاد ڈالتا ہے۔ حضرت محمد صاحب کی زندگی اس آیت سے اکثر ایسے واقعات سے پر ثابت ہوتی ہے۔ جیسے سوامی دیانند کی تھی۔ لکھا ہے۔ کہ آپ براری گھاٹ پر آئے۔ بابو نندن اوجھا پر آپ کے قول کا بڑا اثر پڑا۔ شام کو اس نے بھوجن کے لئے کہا۔ تو سوامی جی نے فرمایا۔ ہم جنگی بنگن کھا لیتے ہیں۔ اور اب رات بھی زیادہ گذر گئی ہے۔ اس لئے تکلیف نہ کیجئے۔ صبح آئے تو معلوم ہوا۔ کہ وہ آدھی رات کو ہی چلے گئے تھے۔ مگر سوامی جی کچھ دیر بعد یوگا بھیاس کر کے ڈیرے پر واپس آ گئے۔ اور شام کو آپ نے بابو جی کا بھوجن پانا منظور کر لیا۔ چنانچہ وہ پریتی سے بھوجن بنوا کر لائے۔ مگر اس وقت پھر سوامی جی کو موجود نہ پایا۔ وہ پجاری کے ہاں بھوجن چھوڑ اور اسے سمجھا کر چلے گئے۔ صبح آئے تو بھوجن وہیں کا وہیں پڑا تھا۔ اور کیڑیاں چڑھ رہی تھیں۔ پجاری نے کہا۔ رات بھر آئے ہی نہیں۔ اور جب سوامی جی آئے۔ تو اوجھا جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ مہاراج! آپ نے بھوجن نہیں پایا۔ کیا مجھ سے کچھ اپرادھ ہوا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ بھائی گنگا پار پرب کا میلہ تھا۔ وہاں کئی لوگ اپنی بیٹیاں سنکلپ کر کے برہمنوں کو دے رہے تھے۔ ایسی جہالت سے دنیا میں وبھچار اور دکھ پھیل رہا ہے۔ اس وچار میں مجھے بھوجن کا خیال نہیں آیا۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو زہر تک دینے والوں کو قید سے چھڑانے۔ ان کی جان بچانے تک کے واقعات بھی تو عام مشہور ہیں۔ پس سورہ توبہ آیت ۱۲۸ میں آنحضرت کو بھی اسی طرح لوگوں کی تکلیفوں کا شاق گزرنا یہی معنے رکھتا ہے۔ کہ ان کے اندر ایک سچے سنیاسی کی آدرش اعلےٰ اسپرٹ تھی۔ حوالہ ۴ میں بھی وہی سپرٹ ہے۔ کہ ہدایت دینے پر بھی لوگ نہ مانیں تو کہے اچھا بھائی میرا تو بس اللہ پر ہی توکل ہے۔ تم مانو نہ مانو۔ برا کہو۔ تکلیف دو۔ مجھے تو حق کے سنانے سے باز رہنا ہی نہیں۔ اس کے بعد کے تمام حوالوں میں وعظ حق کے انتظام کا ہی ذکر ہے۔ کہ ایک گروہ یعنی برہمن سنیاسی ہمیشہ معروف یا حکم الہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا رہے۔ اور گناہوں سے روکتا رہے۔ اس گروہ کو سب سے افضل اور قابل تعظیم کہا گیا ہے۔ اور اسی کو علم حکمت اور نبوت ملنے کا ذکر ہے۔ اس کا حق ہی حق کہنا اور حق ہی سے انصاف کرنا اور ان کو صالح جماعت کہنا سب سے ظاہر ہے۔ کہ تبلیغ حق کی وجہ سے ہی آنحضرت کو علم اور حکمت اور نبوت ملی۔ اور یہی کچھ انہوں نے ساری عمر کیا۔ جنگ و جدل سے ان کے جہاد کو جوڑ کر دانا کی سعی درست نہیں وہ

کی گئی۔ اور یہ بھی حوالہ ۸ میں کہا ہے۔ کہ لوگ انکار کریں۔ تو کریں۔ ہم نے تو ایک قوم کو اس پر مقرر کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ برہمن یا سنیاسی یا بنی لوگ خدا کے حکم کی تعمیل میں تبلیغ کا فرض انجام دیئے جانے کے ذمہ وار ہیں۔ لوگ مانیں گے تو پھل پائیں گے۔ نہیں تو دکھ اٹھائیں گے۔

۲۵۶ - قتل و خونریزی مقصود نہیں

۱- ان آیات کے ترجمہ میں بھی لڑائی کے ساتھ قتل اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو کے الفاظ استعمال کر کے مفسرین نے لوگوں کو سخت غلط فہمی میں ڈالا ہے۔ مذہبی اور مشنری مبلغ اور اکساد کے قتل کے لئے یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ قتل کے معنے مار ڈالنے کے بھی ہیں۔ لیکن کسی کو بالکل مغلوب کرنا۔ ذلیل کرنا یا مغرور کو انتہائی طور پر نیچا دکھانا سب مفہوم اس کے اندر شامل ہیں۔ قتال کے معنے لڑائی اور جنگ کے ہیں۔ تقتیل کے معنے بہتوں کو مارنے کے علاوہ نہایت ذلیل کرنا ہیں۔ مقاتلہ کے معنے لڑائی جنگ۔ باہم قتل کرنا اور لعنت کرنا بھی ہیں۔ "مقتل الرجل بمعنی نکیہ و نیکو دانستن چیزے را۔ قول تعالےٰ و ما قتلوہ یقیناً ای لم یحیطو بہ علماً (صراح) اس سے کسی چیز کو اچھی طرح جاننا بھی قتلو کے معنے ہیں۔ جس سے بے علمی کا قتل ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی بھی کھیل میں یا بازی ہارنے میں عاجز آ گئے۔ فریق کو مارا گیا کہا جاتا ہے۔ کشتی میں ہارا ہوا اگر ایک دفعہ چاروں شانے چت گرایا جاوے۔ تو کہتے ہیں۔ بس اب یہ ہمیشہ کے لئے مارا گیا۔ مطلب یہ کہ آگے اسے مقابلے کی جرأت نہ ہوگی۔ اسی طرح مباحثہ میں اگر ایک فریق کو اپنی غلطی کا اچھی طرح علم ہو جاتا ہے۔ تو وہ بھی اپنے دعوے کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور مباحثہ کے لئے بھی سچا فریق شکست کھانے والے کو بالکل مار دیا گیا کہا جاتا ہے۔ پس ایسے عام رواجی نکات اس امر کے مانع ہیں۔ کہ قتل اور خونریزی کے معنے لگانے میں جلدی کی جاوے۔

۲- ان کل آیات میں جسمانی جنگ کے لئے کسی ضروری ہتھیار کا ذکر تک نہیں۔

۳- آیت ۱۹۰ میں سب سے پہلا لفظ ہے۔ قاتلوا اس کے معنے سب مفسرین جنگ کے لیتے ہیں۔ اور وہ ایک مذہبی مبلغ یا مشنری کے لئے علمی اور تبلیغی جنگ ہو سکتا ہے۔

۴- اس کے آگے ہے لڑو راہ حق میں۔ اب راہ حق پھیلانا سوائے تبلیغ اور مذہبی مباحثوں کے ہو نہیں سکتا۔ اگر توحید راہ حق ہے تو شرک کو کچلنے کے لئے تبلیغ حق کام دیگی۔ جسمانی لڑائی سے توحید و شرک کا کیا تعلق ایسے ہی دیگر مذہبی صداقتوں کے لئے بھی خونریزی کبھی کام نہیں دے سکتی۔

۵- آگے کہا ہے۔ لڑو ان سے جو تم سے لڑیں۔ اس سے بھی جسمانی جنگ کی بو نہیں آتی۔ کیونکہ جب تک دوسرا فریق عملاً حملہ یا لڑائی نہ کرے۔ تب تک مسلمان تیار ہو نہیں سکتے۔ اور یہ حکم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ یا یہ مطلب آیت کا ہو سکتا ہے۔ کہ تیار تو ہر وقت رہو۔ مگر لڑو تب کہ فریق مخالف تم سے لڑے۔ لیکن یہ امر بھی مشنری سوسائٹی کے لئے قابل تسلیم نہیں۔ جسمانی جنگ کے لئے تیار رہنے والوں کا تبلیغی کام سے تعلق نہیں رہ سکتا۔

۶- اسی آیت میں کہا ہے۔ لڑو مگر زیادتی نہ کرو۔ اب یہ ظاہر ہے۔ کہ جسمانی جنگ میں اس ہدایت کا کیا تعلق۔ جنگ سیف میں تو مخالف سپاہ کے گلے کاٹنے تک میں پھرتی سے کام لینا ہوتا ہے۔ پھر زیادتی سے منع کرنے کا کیا مطلب ؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دوسرے سے تقریری یا تحریری جنگ میں مذہبی لوگ جو نا ملائم الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ یا مجلسی تعلقات میں مذہبی مخالفت سے جو زیادتی ہو سکتی ہے محض اسی کا تدارک یہاں مقصود ہے۔

۷- خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کہنے کا اثر بھی حسن اخلاق تک ہی محدود ہو سکتا ہے۔ ورنہ دوسرے

جنگ میں تو خدا کی طرف سے مخالفوں کے کشتوں کے پشتے لگا دینے کی ہی ہدایت ہو سکتی ہے۔

۸۔ آیت ۱۹۱ کے الفاظ "وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ" اور بھی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ مفسرین اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو" لیکن ثَقِفْتُمُوْ لفظ کے معنے پاؤ ہرگز نہیں لگ سکتے۔ غرائب القرآن میں اس کے متعلق نوٹ ہے۔ "ثَقِفْتُمُوْ صیغہ جمع مذکر۔ حاضر ماضی باب سمع صحیح مادہ ثقف۔ لغت میں ثقف کہتے ہیں۔ کسی چیز کے پا لینے میں جلدی اور تیزی سے کام لینے کو۔ اور اس میں غلبے کے معنے پائے جاتے ہیں" لغات سعیدی میں ہے۔ ثقاف بالکسر۔ تیر و نیزہ سیدھا کرنے کا آلہ۔ اور ثقافت بفتحتین۔ عقلمند ہونا۔ ہلکا ہونا۔ صراح میں ہے۔ ثقف۔ ثقافۃ۔ زیرک شدن۔ سبک شدن۔ پس اس کے معنے یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ جہاں سے انہیں سمجھ یا عقل آ سکے۔ یا جہاں سے وہ ہلکے ہو سکیں۔ یعنی ان کا غرور دور ہو۔ وہیں سے ان کو مارو۔ یا ان سے لڑو یا ان پر وار کرو۔ عقلمند ہونا کے لغوی معنے یہ کبھی اجازت نہیں دے سکتے۔ کہ ان کو پاؤ یا پکڑ پاؤ کا مفہوم لیا جاوے۔ ایسا ہی غرائب القرآن میں جو غلبہ کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اس سے بھی محض مذاہبی مباحثہ وغیرہ والا جنگ ہی مقصود معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں سے یا جس طرح غلبہ ہو سکے۔ انہی نکات تک اصولی جھگڑا رکھو۔

۹۔ اگلے الفاظ ہیں انہیں نکالو۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔ اگر پہلے الفاظ کا مطلب قتل کر دینے کا ہوتا تو ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جو قتل ہو چکا۔ اس کا نکلنا کیا باقی رہا۔ پس جن دلائل یا اثبات سے مخالف فریق تمہیں ہرانا یا نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ انہی سے ان کو میدان سے نکالو۔ اس کے سوا اور مطلب نہیں ہو سکتا۔ جب سورۃ المایدہ میں یہ حکم ہے۔ کہ خبردار جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا۔ ان کی عداوت کا جذبہ تمہیں ان پر زیادتی کرنے پر مائل نہ کرے۔ تو قتل کرنا وا اس طرح نکالنا والا سلوک کس طرح روا ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اس کے معنے بھی صاف ہیں۔ کہ باہمی پھوٹ یا فتنہ زیادہ برا ہے بہ نسبت اس طرح کے قتل یعنی مذہبی جد و جہد سے قطعی فیصلہ کرنے اور غلط اعتقادات کا صفایا کر دینے کے۔ یہ معنے کہ فتنہ یا فساد رہنا قتل سے برا ہے۔ اگر جنگ سیف کی طرف منسوب ہوں۔ تو پھر ایک تو زیادتی نہ کرنے کا حکم غلط ہوتا ہے۔ اور دوسرے مخالفوں کو قتل کرنے سے فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ بڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ فریق مخالف کے لوگ بدلہ لیں گے۔ پس مشتعل کرنے والا عمل مذہبی امن کا مکتفی نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ مسجد الحرام میں جنگ نہ ہو۔ حتے کہ وہ اس میں تم سے جنگ کریں۔ اس فقرہ پر غور کرنے سے بھی جنگ سیف مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چھوٹی سی جگہ کہاں اور اسے میدان کارزار سمجھنا کہاں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مسجد الحرام میں تمام فریقوں کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اسے مذہبی جھگڑے یا مباحثے کے لئے مسلمان استعمال کریں۔ تو دوسرا فریق اعتراض کر سکتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ وہ اس میں تبلیغی یا مباحثے کا کام ہونے ہی نہ دے۔ اس لئے کہا۔ کہ اگر وہ اس میں مباحثہ کریں۔ تو کرو۔ ورنہ نہیں۔ دوسرا فریق جنگ سیف کے لئے مسجد الحرام کو رزمگاہ بنا ہی نہیں سکتا۔ ہاں یہ آنحضرت کی فراخدلی کا معمولی ثبوت ہو سکتا ہے، کہ مشترکہ جگہ پر فریق ثانی کی رائے کو ترجیح دی جاوے۔

۱۲۔ آیت ۱۹۱ کے اخیر میں ہے۔ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔ پس اگر وہ تم سے مسجد الحرام میں جنگ کریں۔ تو تم ان سے کرو۔ یہ آیت ۱۹۱ کے پہلے الفاظ کی ہی تائید ہے۔ فقط محل وقوع جدا ہونے سے یہ ہدایت دوہرائی گئی ہے۔ مفسرین یہ معنے لیتے ہیں۔ کہ اگر وہ تم سے مسجد الحرام میں جنگ کریں۔ تو تم ان کو قتل کر دو۔ یہی کافروں کی سزا ہے۔ لیکن ایک تو جیسا اوپر کہا۔ مسجد الحرام کو کوئی شخص میدان کارزار بنا ہی نہیں سکتا۔ دوسرے پہلے قتلو کے معنے جنگ کرنا اور دوسرے کے معنے قتل کرنا لئے جانے صحیح

نہیں۔ یا تو "جنگ کرنے پر تم بھی جنگ کرو" یا یہ کہ اگر وہ تمہیں قتل کریں۔ تو تم بھی قتل کرو، لیکن دوسرے معنے مذہبی مبلغ اور مذہبی مقدس مقام کے ساتھ موزوں نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ممنوع زیادتی کے متعلق حکم عملی ہے۔ پس ہر دو طرف کی مذہبی جدوجہد کا ہی یہاں تعلق ہے۔

۱۳- آیت ۱۹۲ میں جو یہ کہا۔ کہ اگر وہ باز رہیں یا ختم کر دیں۔ تو اللہ غفور اور رحیم ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جا رہا ہے۔ کہ اگر وہ لڑائی سے رک جائیں۔ تو تم بھی خدا کی مغفرت اور رحم کا خیال رکھو۔ اگر جنگ سیف ہو۔ اور فریق مخالف جنگ سے دستبردار ہوتا نظر آئے۔ تو غالب فریق کا ہٹنا لازمی طور پر مفید نہیں ہو سکتا۔ پس مذہبی مباحثہ میں چڑانا وغیرہ کا طریق چھوڑ کر فراخدلی کا ثبوت مہیا کرنا ہی اس کا مقصد ہے۔ اگر وہ آج مذہبی مباحثہ کرتے ہوئے کل نہیں آنا چاہتے۔ تو اس پہ زور دینا یا ذلیل کرنا یا اشتعال دلانا وغیرہ کی حرکات فضول ہیں۔

۱۴- آیت ۱۹۳ میں کہا ہے۔ کہ جب تک فتنہ یعنی مذہبی اختلافات بالکل مٹ نہ جاویں۔ تب تک مذہبی جدوجہد یا کھنڈن منڈن اور مباحثہ وغیرہ جاری رہنا چاہئے۔ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ یعنی دین اللہ کا ہی ہو جاوے۔ یہ ہے وہ منزل مقصود جس کی طرف اس جنگ نے لے جانا ہے۔ پس جنگ سیف اور قتل و غارتگری کا آیات قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۵- اس آیت کے آخیر میں پھر کہا ہے۔ کہ اگر اس طرح معاملہ ختم ہو جاوے۔ یعنی مذہبی اختلاف دور ہو جائے۔ تو کوئی عداوت نہ رہے گی۔ سوائے ان کے جو ظالم یا احکام الہی کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب سچے دہرم کو قبول کر لیں۔ تو تمدن محض ان ہی لوگوں پر سوسائٹی الزام لگا سکتی ہے۔ جو مذہبی حدود یعنی فرائض کو نظر انداز کرتے ہیں۔

۱۶- آیت ۱۹۴ میں کہا ہے۔ کہ جن جن مہینوں کو دونوں فریق پاک اور عزت والے سمجھتے ہیں۔ اور جن چیزوں کا دونوں فریق ادب کرتے ہیں۔ دونوں ان کی ایک دوسرے کے بدلے میں عزت و ادب کو روا رکھیں۔ اور اگر فریق ثانی زیادتی کرے۔ تو تم بھی اس قسم کی کر سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی لفظ جذبات کو ٹھیس پہنچانے والا یا کسی بزرگ کی توہین کرنیوالا یا کسی کرنیوالا دوسرا فریق استعمال کرے۔ تو تم بھی اسی قسم کے الفاظ ان کے متعلق کہہ سکتے ہو۔ اس میں زیادتی کرو گے۔ تو پھر پھوٹ بڑھیگی۔ اگر جسمانی جنگ ہوتا تو یہ حکم کبھی نہ دیا جاتا۔ کیونکہ جنگ میں قتل ممنوع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی فریق یہ اندازہ لگاتا یا فیصلہ کرواتا پھرتا ہے۔ کہ انصاف سے اس زیادتی کے مقابل پر مجھے اتنی ہی زیادتی کرنی چاہئے۔

۱۷- اسی آیت میں اخیر میں یہ کہا ہے۔ کہ زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے بھی اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ کہ اللہ متقیوں کا ساتھی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر برداشت کر جاؤ تو بہتر ہے۔ خدا ان کا ساتھی ہے جو بدلہ وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جنگ سیف سے اس کا کیا تعلق۔ مذہبی مباحثہ میں ہی یہ صحیح ہے۔ کہ اگر کسی کی زیادتی کا بدلہ لے تو اتنی ہی زیادتی کرے۔ جتنی دوسرے نے کی ہے۔ اور اگر برداشت سے کام لے۔ تو یہ سچے متقیوں کی شان کے عین شایاں ہے۔

۱۸- آیت ۱۹۵ میں ہدایت ہے۔ کہ راہ حق میں خرچ کرو۔ علم اور دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے کا مفہوم بھی تبلیغی سرگرمیوں کی اعانت ہے۔

۱۹- اس کے آگے کہا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت نہ خریدو۔ اس کا مطلب بعض لوگ یہ لیتے ہیں۔ کہ اگر جہاد نہ کرو گے۔ تو دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔ اور تمہاری ہلاکت کا موجب ہوں گے۔ کئی کہتے ہیں۔ کہ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر جہاد میں اپنے مال نہ خرچ کرو گے۔ تو دشمنوں کے مقابلے میں مغلوب ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ اور بعض یہ مطلب بتلاتے ہیں۔ کہ خدا کے راہ میں خرچ تو کرو۔ مگر نہ اس قدر کہ خود محتاج ہو جاؤ۔ اور تمہارا محتاج ہونا تمہاری ہلاکت یا بربادی کا باعث ہو۔ لیکن فی الحقیقت

مقصود یہ ہے۔ کہ اپنی ساری طاقتوں کو یا تن من اور دھن کو اشاعتِ حق میں لگا دو۔ ایسا نہ کرو گے۔ تو دھرم یا سچائی کا خون کرو گے۔ اور اصول یہ ہے۔ کہ دھرم ہی اگر مارا جائے۔ تو وہ مار دیتا ہے۔ اور دھرم کی حفاظت کی جائے۔ تو وہ رکھشا کرتا ہے پس اشاعتِ حق میں اپنی طاقتوں کا نہ لگانا اس امر کا مترادف ہے۔ کہ آدمی نیک عملوں سے کنارہ کش رہے۔ اور بد عملوں کا شکار ہو۔ یعنی اخلاقی روحانی جسمانی ہر لحاظ سے برباد ہو۔

۲۔ آخری ہدایت یہ ہے۔ کہ احسان مروت کئے جاؤ۔ یقیناً ایسا کرنے والے ہی اللہ کے پیارے ہیں۔ یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں۔ کہ مقصود تسخیر قلوب ہے۔ اپنی طاقتوں کو فیضِ عام میں لگانا یہ ہے مطلب اس کل جنگ کا۔ اور واقعی یہی سپرٹ ہے۔ جو دلوں پر قابو پا کر کسی رسول کو یا اس کے پیرووں کو کامیاب کر سکتی ہے۔

۲۵۷۔ بہ فرضِ محال

اگر ان آیات کو اس قسم کے جہاد پر لگایا جاوے۔ جو غلط العام صحیح کے طور پر آج کل سمجھا جا رہا ہے۔ تو بھی قرآن کے الفاظ سے کوئی خطرناک صورت اس کی نکل نہیں سکتی۔ پہلا اصول اس کا یہ ہو سکتا ہے۔ جنگ ان سے ہو۔ جو تم سے لڑیں۔ مطلب یہ کہ خواہ مخواہ کسی سے لڑائی کی سلسلہ جنبانی نہ کرتے پھرو۔ امن پسند رہو۔ دوسرا اصول یہ کہ لڑائی دھرم کی حفاظت کے لئے یعنی راہِ حق میں ہو۔ کسی ملکی یا قومی حقوق یا کسی علاقے کے لالچ کے زیر اثر نہ ہو۔ کیونکہ مخالفین حق کے آگے جھک جانا ان کو اور دلیر کر سکتا ہے۔ تیسرے زیادتی یا ظلم نہ کیا جاوے محض حفاظتِ حق میں کامیابی ہونے تک ہی جنگ ہو۔ موجودہ زمانہ کے مہذب ممالک جو ہزاروں لاکھوں کا خون بلا وجہ کرتے اپنے حریف کو نیچا دکھاتے ہیں۔ مکانوں۔ قصبوں کو جلاتے۔ قابل حفاظت کو الٹا قتل کرتے بے زبان جانوروں اور راشن کے گوداموں تک کو برباد کرتے ہیں محض اس لئے کہ حریف کو نقصان پہنچے۔ ان کے مقابلے پر قرآن اس قسم کی زیادتیوں سے بزور منع کرتا ہے۔ چہارم آیت ۱۹۱ میں یہ واضح کیا ہے۔ کہ اگر جنگ کرنی ہی پڑے۔ تو پھر کمزوری یا بزدلی ظاہر نہ ہونے پاوے۔ بلکہ مخالف کو کچل دیا جاوے۔ یا جہاں سے اس نے تمہیں نکالا ہو۔ وہاں سے تم اسے نکال دو۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ اگر وہ وہیں طاقت میں یا زندہ رہیں گے۔ تو فساد جاری رہیگا۔ اور لوگوں کو تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا۔ فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ ہو سکیگا۔ لہذا فساد رکھنے سے مار دینا اچھا ہے۔ پنجم یہ کہ مذہبی مقامات مثل مسجد الحرام کے پاس نہ لڑنا چاہیے۔ تاہم فریق مخالف اس امر کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔ تو بے شک تم بھی اس ممانعت کو منسوخ سمجھو۔

ششم:۔ اسی طرح حرمت والے مہینے جنگ کے لئے مقصود نہیں ہو سکتے۔ اور حرمت والی اشیاء کی بے ادبی سے بچنا بھی لازمی ہے۔ لیکن اگر فریق ثانی ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا تو تم بھی بدلے کا بدلہ دو۔ عزت و ادب کے جذبات کی وجہ سے صداقت کی تذلیل ہونے دینا صحیح نہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جہاد مذہبی اشاعت کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ سچ کو نیچا دکھانے کے ظالمانہ منصوبوں کے خلاف حق پسندی کے جذبات کی طرف سے پروٹسٹ کے طور پر اسے روا رکھا گیا ہے۔ علم کی کمی سے اصل اصول نظر انداز کئے اور قائلین جہاد بجا طور پر بدنام ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن کی سپرٹ قابل اعتراض نہیں جچتے۔ دھرم یدھ کا مدعا محض سچ کی فتح ہو سکتا ہے۔ اور امن کو برقرار رکھنا۔ پس جونہی فتنہ و فساد کا خاتمہ اور سچ کا بول بالا ہو۔ جنگ بند ہو جاوے۔ اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے باز آجائے یا فتح ہونے کے بعد صدقِ دل سے فساد وغیرہ سے کنارہ کش رہے۔ تو تم بھی انتقام کشی۔ کینہ پروری یا عداوت کے جذبات سے ظلم نہ کرو۔

ساتویں۔ زیادتی نہ کرنے کا یہ مفہوم ہے۔ کہ جس قسم کی زیادتی فریق مخالف نے کی ہو۔ اسی قسم کی اس کے ساتھ کی جائے

گویا جہاد محض مدافعانہ عمل ہے۔

آٹھویں۔ اس مدافعانہ کارروائی کے ساتھ بھی آیت ۱۹۵ میں بڑی پر احتیاط ذمہ داری کا احساس کرایا گیا ہے۔ کہ مدافعت میں بھی خدا کا خوف دل میں رکھو۔ اور سمجھ لو۔ کہ فتح خدا ان کو دیگا۔ جو متقی ہوں گے پس اگر تم ذرا بھی زیادتی کروگے۔ تو خدا تمہارے ساتھ نہیں ہوگا۔

نویں۔ اخیر میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ اپنا علم اور اپنی دولت راہ حق میں خرچ کرو۔ یعنی حفاظت دھرم میں۔ اگر ایسا نہ کروگے تو یہ گویا تم اپنی ہلاکت کا ہی سامان کروگے۔

دسویں۔ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے۔ کہ احسان مروت کئے جاؤ۔ تو خدا کے پیارے ہوجاؤ گے۔ اور کامیابی پاؤ گے۔ یہ گویا تسخیر قلوب کا نسخہ ہے۔ اور جہاد سے تمام معیوب خیالات کو دور رکھتا ہے۔ یہ تمام اصول ہو بہو وہی ہیں۔ جو ویدک دھرم کی تعلیم سے کھشتری کے لئے موزوں سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں مشنری سپرٹ ان میں بالخصوص اس لئے ملادی گئی ہے۔ کہ جہاد میں مذہبی جنگ کا تعلق ہے۔ ملکی کا نہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۸۷ میں کہا گیا ہے۔ کہ جب رعایا پرور راجہ کو کوئی اپنے سے چھوٹا خواہ برابر خواہ بڑا جنگ کے لئے طلب کرلے۔ تو کھشتریوں کے دھرم کو یاد کرکے میدان جنگ میں جانے سے ہرگز پہلوتہی نہ کرے۔ بلکہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان سے اس طرح جنگ کرے جس سے اپنی فتح ہو۔

اسی طرح جنگ سے باز رہنے۔ صلح کی خواہش کرنے یا اطاعت قبول کرتے پر مخالف فریق سے جو سلوک ویدک دھرمی روا رکھتے ہیں۔ وہی کچھ یہاں بیان ہوا ہے۔

اس طرح جہاد کی اصل نوعیت سچے کھشتریوں کے کام سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ لیکن دفعہ ماسبق میں جو اشارات الفاظ کے اصل مفہوم کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے جو قرآن کی سپرٹ علمی اور تبلیغی جنگ پر زور دینے کی ثابت کی گئی ہے۔ وہ اس امر میں مانع ہے۔ کہ ان آیات کو نرم سے نرم قسم کے جسمانی جنگ پر بھی لگایا جاوے۔ اور قرآن کو فضول کے اعتراضات کا نشانہ بنایا جاوے۔ پس صحیح مفہوم وہی ہے۔ جو ہمارے ترجمے سے اور بعد کی دو دفعات سے صحیح اور معقول ثابت ہو رہا ہے۔

۲۵۸۔ حج اور عمرہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ (۸)

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ
تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُونِ يٰأُولِي الْأَلْبَابِ (۱) لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ
قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (۲) ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳) فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ رَبَّنَا
آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۴) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۵)
أُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (۶) وَاذْكُرُوا
اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ
۲۰۳ تُحْشَرُوْنَ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
۲۰۴ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ⑧ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
۲۰۵ الْفَسَادَ ⑨ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
۲۰۶ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ
۲۰۷ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
۲۰۸ فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑫
۲۰۹ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑬
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ
۲۱۰ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑭ ۲۵ ع ۹

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ مگر کہیں اگر بارک جاؤ۔ تو جو ہدیہ میسر آئے بھیجدو۔ اور جب تک ہدیہ اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے۔ اپنا سر نہ منڈواؤ۔ مگر مریض یا سر میں تکلیف ہونے کی صورت میں بال ... اتنے کی عوض میں روزہ یا صدقہ یا عبادت ادا کرو۔ پھر جب امن وامان میں آجاؤ۔ اس وقت اگر عمرہ اور حج کو ملا کر فائدہ اٹھانا چاہو۔ تو جیسا میسر ہو ہدیہ دو۔ اور جس کو میسر نہ ہو۔ ایام حج میں تین روزے رکھے۔ اور سات واپسی پر یہ پورا عشرہ ہوا۔ یہ اس کے لئے ہے۔ کہ جس کے اہل مسجد الحرام میں نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور جان لو کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ۸۔ حج کے مہینے مشہور رہی ہیں۔ مگر جو کوئی ان مہینوں میں حج فرض کرے۔ وہ جب تک حج میں رہے۔ نہ شہوت کی بات کرے۔ نہ خلاف حق جھگڑے کی۔ اور جو نیکی کے کام کرتا ہے۔ خدا اسے جانتا ہے۔ اور زادراہ ساتھ لو۔ مگر بہتر زادراہ تقویٰ ہے لہذا اے عقلمندو۔ مجھ ہی سے تقویٰ رکھو۔ ا۔ اگر تم اپنے پروردگار کا فضل چاہو۔ تو اس میں تم پر کوئی گناہ کی بات

نہیں پھر جب عرفات کی طرف پھرو۔ تو مشعر الحرام میں خدا کی عبادت کرو۔ یعنی اس طریق کی عبادت جس کی اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اس صورت میں کہ پہلے تم گمراہوں میں سے تھے۔ ۲۔ پھر تم ان سے فیض پاؤ۔ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ اور اللہ سے گناہوں کی دوری کے لئے دعا کرو۔ تحقیق اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ۳۔ پھر جب اپنی سب عبادتیں پوری کر چکو۔ تو خدا کا ہی چرچا کرو۔ جس طرح تم اپنے باپ دادوں کی باتیں کرتے تھے۔ بلکہ خدا کا چرچا اس سے زیادہ زور سے کرو۔ مگر کوئی آدمی تو ایسا ہے۔ کہ وہ یہ دعا مانگتا ہے۔ کہ اے ہمارے رب! مجھے دنیا میں ہی دے۔ سو ان کا عاقبت میں حصّہ نہیں۔ ۴۔ اور کوئی کوئی ایسا ہے کہ وہ یہ دعائیں مانگتا ہے۔ کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و عافیت دے۔ اور عاقبت میں بھی اور ہم کو دکھوں کی آگ سے بچا۔ ۵۔ یہی لوگ ہیں۔ جو اپنے اعمال کے بدلے میں خوش نصیب ہوں گے۔ بے شک اللہ نقد پھل دینے والا ہے۔ ۶۔ گنتی کے ان دنوں میں خدا کی عبادت کرو۔ اور جو دو ہی دن میں جلدی کرے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اس صورت میں کہ پرہیزگار رہو۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور جان لو۔ کہ تمہارا حشر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ۷۔ پھر کوئی کوئی ایسا بھی ہے۔ کہ اس کی باتیں تمہیں دنیا میں عجیب معلوم ہوں گی۔ وہ اپنے دل کی باتوں کا گواہ اللہ کو ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ خصومت والا۔ ۸۔ اور جب اس کی حالت پلٹا کھاتی ہے۔ تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ ملک میں فساد کرے۔ اور کھیتی اور مویشی کو نقصان پہنچاوے۔ مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ۹۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے۔ کہ خدا کا خوف کرو۔ تو عزت یا پوزیشن کا خیال اسے گناہ میں گرفتار کراتا ہے پس اس کے لئے جہنم ہی کفایت کریگا۔ جو بہت بری حالت ہے۔ ۱۰۔ مگر کوئی کوئی ایسا بھی ہے۔ جو اللہ کی رضا جوئی میں اپنے آپ کو بھی بیچ ڈالتا ہے۔ بے شک اللہ ایسے بندوں پر مہربان ہے۔ ۱۱۔ اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کی پیروی چھوڑ دو۔ تحقیق وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے۔ ۱۲۔ پس اللہ کی طرف سے سچے اصولوں کی تعلیم مل چکنے پر بھی اگر تم پھسل جاؤ۔ تو جان لو۔ کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۱۳۔ کیا یہ لوگ یہی انتظار کرتے ہیں۔ کہ اللہ ان کے لئے سفید بادلوں کے سائے میں فرشتوں کے ساتھ آئیگا۔ اور معاملات کو نپٹائے گا۔ اور اللہ ہی سب کاموں کا مرجع ہے۔ ۱۴

۲۵۹۔ اسلام کا حج سے تعلق

حج اور عمرہ کی رسم حضرت محمد صاحب سے پہلے جاری تھی۔ یہ کب سے جاری ہوئی۔ یہ بحث غیر متعلق ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ عموماً تمام بڑے بڑے میلے جو مروج ہیں۔ ابتدا میں کسی خاص اصلاح کی غرض سے یا غیر معمولی پبلک مفاد کے لئے جاری کئے گئے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ وہ رسمی اور غیر مفید بلکہ بعض حالتوں میں نقصان رساں صورت اختیار کر گئے۔ حج بھی عرصہ بعد حضرت محمد صاحب کے وقت میں محض ایک میلہ یا دنیوی فوائد اور دل لگی کا سامان بنا ہوا تھا۔ مگر آنحضرت نے کمال دانشمندی سے اس کی اصلاح کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ پھر علم اور عبادت الٰہی کی طرف عوام الناس کا رجحان کرنے کا ذریعہ سمجھا گیا۔ بطور رسم تو حج وہی حیثیت رکھتا ہے۔ جو ہندو لوگوں کی تیرتھ یاترا رکھتی ہے۔ یعنی درشن (دیدار) پردکھشنا (طواف) اسنان (غسل) دان (خیرات) بھدن (سر منڈانا) وغیرہ۔ حج میں بھی ماہ شوال۔ ذیقعد اور ذی الحج کے دس دن مقرر ہیں۔ دور دور سے لوگ مکہ پہنچتے۔ اور رسمی طور پر احرام باندھتے۔ عرفہ کے دن عرفات جا حاضر ہوتے۔ وہاں سے فارغ ہو کر لوٹتے ہوئے مزدلفہ یا مشعر الحرام میں رہتے ہیں اور پھر یہ قاعدہ ہے کہ اگلے دن عید کی صبح کو منا جا کر کنکریاں

پھینکیں - بال اتاریں اور احرام اتار دیں پھر خانہ کعبہ میں پہنچ کر طواف کریں - صفا مروہ کے درمیان دوڑیں - پھر دوبارہ منا میں جا کر تین دن یا دو دن رہیں - اور ہر روز کنکریاں پھینکا کریں - پھر لوٹ کر خانہ کعبہ کا طواف کریں - اور رخصت ہوں - عمرہ یہ ہے کہ جب چاہا - احرام باندھ کعبے کا طواف کیا صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے اور بال منڈا کر احرام اتار دیا - مگر قرآن ان رسمیات کی بجائے زور اور ہی امور پر دیتا ہے - اور ان جملہ امور کو اس ہدایت میں بند کرتا ہے - کہ حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو - یعنی دل لگی کے یا رسمی طور پر حج نہ کرو - بلکہ خدا کے لئے یعنی اس لئے کہ ہم خدا کے متعلق یا اس کے وصل کے طریقوں کے متعلق علم پا سکیں - سورۃ المائدہ آیت نمبر ٢ میں ان حاجیوں کے لئے یہ لفظ استعمال کئے ہیں۔

آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا

یعنی اپنے رب کی برکت اور رضا کے طالب خانہ کعبہ کے یاتری - اس سے بھی آیت زیر بحث کے لفظ للّٰہ کا مفہوم ہی ظاہر ہوتا ہے - پھر آیت نمبر ١٩٨ میں کہا ہے - کہ خدا کی عبادت اس طریق پر کرو جس کی تمہیں ہدایت دی گئی ہے - اس صورت میں کہ پہلے تم گمراہوں میں سے تھے - یعنی آنحضرت سے پہلے اکثر لوگ صحیح طریق عبادت سے گمراہ ہو کر حج میں محض رسمیات پر ہی عمل کرتے تھے - اور حج میں عام میلوں والی خرابیاں آ گئی تھیں - جن کی اسلام نے اصلاح کی - پس اسلام کا تعلق محض حج کی مفید اور خدا کی طرف لے جانے والی صورت سے ہے - اسی لئے آیت ١٩٨ میں کہا ہے - کہ اگر تم اپنے خدا کے فضل کے طلبگار رہو تو حج میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں۔

٢٦٠ - حج کا مقصد

آیات بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ حج ان تمام ممالک میں ایک ویسا ہی بڑا دھرم میلہ تھا - جیسا ہندوستان میں کمبھ وغیرہ کے میلے ہیں - یہ تمام نیک اور عالم لوگوں کا بڑا بھاری اجتماع تھا - جن سے عوام الناس کو خدا اور اس کے صراط مستقیم کی ہدایت ملتی تھی - ہندوؤں کے کمبھ وغیرہ میں کبھی گنگا کے کنارے سارے ملک بھر کے لاکھوں سادھو - مہاتما اور عالم لوگ جمع ہو کر عوام الناس کو بڑے بڑے اہم مسائل کے متعلق راہ دکھاتے اور غیر معمولی علمی اخلاقی اور روحانی فوائد پہنچاتے تھے - ویسے ہی عرب میں یہ ایک عظیم الشان مذہبی انسٹی ٹیوشن تھا - رشی منی یا رسول نبی وغیرہ کے پاس اطمینان قلب حاصل کرنے یا عالمگیر اصلاحات پر غور کرنے کے لئے حج مقرر تھا - قرآن اس کا کیسا پاکیزہ اور اعلیٰ روحانیت سے وابستہ معیار پیش کرتا ہے - اس کا اندازہ قرآن کے ان فرمانوں سے لگ سکتا ہے۔

١ - آیت ١٩٧ میں کہا ہے - کہ جب تک حج میں رہے - شہوت یعنی عورت مرد کے جنسی تعلقات کی بات تک نہ کرے یہ برہمچریہ کی پرزور ہدایت ہے - ویدک دھرم میں اسے تمام ترقیوں اور راحتوں کی جان مانا ہے - اور قرآن بھی حج میں سب سے پہلی شرط اسی کی لگاتا ہے - سورۃ نور میں بھی گیان کا مضمون ہے - اور اس کے لئے پہلے مرد اور عورتوں کو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا خیال دلایا ہے - یہ بھی گویا برہمچریہ کو ہی سچے گیان کا نور ملنے کی بنیاد ٹھہراتا ہے - وید کا فرمان ہے۔

ब्रह्मचर्य्येण तपसा राजा राष्ट्रं वि रक्षति

ब्रह्मचर्य्येन तपसा देवा मृत्यु मुपाघनत ॥

یعنی برہمچریہ کی ریاضت سے ہی راجا اپنے راج کو محفوظ رکھتا ہے - اور برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم لوگ موت پر فتح یعنی نجات پاتے ہیں - پس ایک طرف حج کا خدا کے علم اور وصل کے لئے مقصود ہونا - اور دوسری طرف برہمچریہ کے عہد کا عملی ایفا

دونوں یقینی کامیابی کا موجب ہیں۔ دوسری شرط ہے خلاف حق جھگڑے کی مناہی کی۔ یعنی دنیوی تعلقات اور خواہشات پر مبنی جھگڑے قضیئے ٹنٹے سب سے الگ رہے۔ کیونکہ یہ اس اطمینان قلب کے منافی ہیں جس کے لئے حج مقصود ہے تیسری شرط ہے نیکی کے کاموں میں ہی لگا رہے۔ یعنی خدا کی یاد اور اس کی ہدایات کی نقل سننا اور اس پر غور کرنا وغیرہ اور پر تہی شرط ہے زادراہ یا توشہ ساتھ رکھنے کی۔ یہ بھی امن و اطمینان سے خدا کی یاد وغیرہ میں لگا رہنے کا موجب ہے۔ لیکن اس کو قرآن خاص اہمیت بھی دیتا ہے۔ بلکہ فرماتا ہے۔ کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ قول پنجابی شاعر

"پلے خرچ نہ بنھدے پنچھی تے درویش
جنہاں تقویٰ رب دا اوہناں رزق ہمیش"

اسی لئے تقویٰ پر زیادہ زور دیا ہے پانچویں شرط آیت ۱۹۸ میں یہ بتائی ہے۔ کہ عرفات کی طرف پھرو۔ تو مشعرالحرام میں اس طریق کی عبادت کرو۔ جس کی ہدایت خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی مروجہ طریقوں کی رسمی عبادات کی جگہ ضبط نفس وغیرہ سے تعلق رکھنے والی عبادت جس کا بیان پہلے آ چکا ہے۔ یہ عرفات اور مشعرالحرام کے دونوں الفاظ معنے خیز ہیں۔ اور آنحضرت کے حج کے نقطہ نگاہ پر خاص گواہ ہیں۔ عرفات ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس حج کا تعلق معرفت یا عرفان سے ہے۔ چنانچہ اس میدان میں ذی الحج کی ۹ تاریخ کو جو یوم الحج ہے۔ تمام حاجی اکٹھے ہوتے اور معرفت کے سبق سیکھتے ہیں۔ اور مشعرالحرام بھی خدا کی یاد کرانے والے پاک ظاہری نشان کے ہی معنے رکھتا ہے۔ چھٹی بات آیت ۱۹۹ میں کہی ہے۔ کہ ان لوگوں سے فیض پاؤ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ اور یہ ہے وعظ حق سننے اور ست سنگ یعنی نیک صحبت سے فیض پانے کی ہدایت بات ہے۔ خدا کی صفات مغفرت اور رحیمیت کا خیال کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی۔ جیسے وید منتر میں دعا ہے۔

विश्वानि देव सवितु दुरितानि परासुव

آٹھویں بات آیت نمبر ۲۰۰ میں کہی ہے۔ کہ جملہ عبادات مذکورہ بالا ادا کر چکو۔ تو پھر بھی خدا یا دھرم کا ہی چرچا کرو۔ عام عادت لوگوں کی یہ ہے۔ کہ رسمیات پوری کیں۔ اور ادھر ادھر کی فضول باتیں لے بیٹھے یا اپنے باپ دادوں کے کارنامے یا قصے سن سنا کر وقت گذارتے۔ یہ گویا اس امر کا ثبوت ہوتا تھا۔ کہ حج سے انہوں نے حقیقی سبق کوئی نہیں سیکھا۔ محض ایک ناٹک یا دل لگی کے طور پر رسمی کارروائی کر دی ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ حج سے پورا فائدہ پانے والے لوگ وہ ہیں۔ جو بعد میں بھی خدا کا ہی چرچا کرتے اور اسی کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اس لئے اس کا معمولی نہیں بلکہ بزرگوں سے بھی زیادہ چرچا کرو۔ وہ بزرگ اپنی بزرگی خدا سے ہی پاتے ہیں۔ ان کے تعلقات عارضی ہیں۔ مگر خدا کا تعلق دائمی ہے۔ غرضیکہ قرآن کا سارا بیان حج کا مقصد ایک عالمگیر دھرم کے پاک مشن کی اشاعت کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

۱۷۲۔ سچی دعا

حاجی کی دعا کیسی ہو۔ اس کے لئے آیت ۲۰۱ میں ہدایت موجود ہے۔ یہ دعا کہ دنیوی نعمتیں ملیں جس سے زندگی بہ آرام گذرے صحیح قرار نہیں دی گئی۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو عاقبت یا پرلوک کا خیال ہی نہیں۔ حالانکہ حج وغیرہ کا خاص نشانہ عاقبت کی بہتری ہے۔ اس لئے دعا۔ جائز سمجھی گئی ہے جس میں دنیا کے ساتھ آخرت کا بھی تعلق ہو۔ وشیشک درشن میں دھرم کا لکھشن یہ کیا گیا ہے۔ کہ جس سے ابھیودے اور نشریس۔ یعنی لوک اور پرلوک یعنی دنیوی سکھ اور نجات دونوں کے لحاظ سے کامیابی ہو۔ اور یہی دعا اس آیت میں سکھائی گئی ہے۔ اور آیت نمبر ۲۰۲ میں اس قسم کے لوگوں کو اپنے اعمال کے عوض میں

خوش نصیب تسلیم کیا گیا ہے۔

۲۶۲-کامیاب اور ناکامیاب حاجی

جہاں حج کے مقصد کی تکمیل اور اس کی خلاف ورزی کے گر بیان ہوئے وہاں قرآن نتیجہ کے لحاظ سے واضح کرتا ہے۔ کہ کونسا حاجی کامیاب ہے۔ اور کونسا ناکامیاب۔ آیت نمبر ۲۰۳ میں کہا ہے۔ کہ حج کے چند یوم خدا کی ہی یاد اور اسی کا تذکرہ ہو۔ مگر کوئی شخص عشرہ کی بجائے محض دو دن میں ہی حج سے لوٹ پڑے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور زیادہ ٹھہرے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ وہ پرہیز گار ہو۔ خدا سے ڈرتا ہو۔ اور سمجھتا ہو۔ کہ سب کا حشر اللہ کی ہی طرف ہے۔ گویا یہ صفات کامیاب حج کی ہیں۔ پس عرصۂ حج پر انحصار نہیں۔ پرہیز گاری وغیرہ کی عمدہ صفات پر کامیابی کا مدار ہے۔ اگلی آیت میں ناکامیاب شخص کی تعریف بتائی ہے۔ کہ جو شخص باتوں سے ہی اپنی بڑائی اور اعتبار قائم کرتا ہے۔ اور اپنی نیکدلی کی بابت اسی پر زور دیتا ہے۔ کہ خدا میرے دل کا گواہ ہے۔ مگر عملاً بہت جھگڑے لے بیٹھتا ہے۔ اور جب اس کی حالت پلٹا کھاتی یعنی وہ برسر اقتدار ہوتا ہے۔ تو ظلم فتنہ فساد۔ کھیتی انسان حیوان کی تباہی کے کام اختیار کرتا ہے اور اگر اسے ظلم یا زیادتی سے باز آنے کو سمجھایا جاتا ہے۔ تو ایسے بہانے بناتا ہے۔ کہ میں نے تو فلاں کام فلاں وجہ سے اچھا ہی کیا ہے۔ اگر آپ کی رائے میں اس میں نقص ہے۔ تو بھی کیا اگر میں اب اس کے خلاف کہوں یا کروں تو اس میں میری عزت رہ سکتی ہے۔ آخر (Self respect) یا پوزیشن بھی تو کچھ چیز ہے۔ برخلاف اس کے دوسری قسم کے شخص جو حج سے صحیح رہنمائی پاتے ہیں۔ اپنا سب کچھ مرا حق میں لگاتے ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر تو اسلام میں حج کی بدولت پورے طور پر داخل اور عنایت الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور اول الذکر شیطانوں کے پیرو۔ یہ سچا علم پا کر بھی شیطان نفس کا شکار راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور جہنم یا دکھ کے حقدار ہیں۔ اور آخری حاکم اللہ ہی ان کو ان کے حسب حال سزا دینے والا ہے۔

۲۶۲-الھدی

الھدی ہدیہ کی جمع ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ تحفہ یا بھینٹ۔ اکثر مفسر صاحبان اسے قربانی کے معنے میں لیتے ہیں۔ یعنی بھیڑ بکری اونٹ یا گائے یا وہ جانور جو قربانی کے لئے خانہ کعبہ لے جائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ معنے صریحاً غلط ہیں۔ ہر چیز جو کسی نیک غرض سے نذر یا بھینٹ کی جائے۔ ہدیہ ہے ہم قرآن کی کثیر التعداد آیات سے حیوانات کی قربانی اور زیادہ بہت سے حوالہ جات سے گوشت خوری کی ممانعت واضح کر چکے ہیں۔ حج کا زمانہ بالخصوص معرفت اور یاد خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ ایام حج میں درندہ جانوروں تک کا شکار تو ممنوع ہے۔ پھر غریب بھیڑ بکری گائے وغیرہ گھریلو اور نرم مزاج چوپایہ حیوانوں کو مارنا چہ معنے مکہ یا مسجد الحرام میں حیوانوں کا خون بہانا خاص طور پر ممنوع ہے۔ مکہ کو قرآن نہایت وسیع معنے میں جگہ امن قرار دیتا ہے۔ اس لئے ہدیہ کے صریح اور عام معنے یعنی نذرانہ یا بھینٹ کی بجائے اسے قربانی کے معنے میں لینا صحیح نہیں۔

۲۶۳-نسک

آیت نمبر ۱۹۶ میں جو نسک کا لفظ ہے۔ اس کے معنے بھی اکثر لوگ قربانی کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی وجوہات مذکورہ بالا سے صریحاً غلطی ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ گداختہ یعنی پگھلائی گئی چاندی کے ٹکڑے۔ مفرد نسکہ۔ سچے عابد کو ناسک کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح چاندی سونا وغیرہ کو پگھلا کر اور تپا کر ان کی میل کچیل کو دور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عبادت گذار بھی اپنے نفس کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف کرتا ہے غرائب القرآن کی یہی رائے ہے۔ لیکن ذرا مزید غور سے کام لیں۔ تو اس سے ایک نہایت قیمتی رمز آشکار ہوتی ہے۔ ویدک دھرم

ہیں وصال باری کے جو آٹھ انگ ہیں۔ ان میں سے یم نیم اور آسن کے پہلے تین ارکان تو ابتدائی تیاری کے ہیں۔ در حقیقت عبادت کا آغاز چوتھے رکن یعنی پرانایام سے شروع ہوتا ہے۔ دل کو ٹکانے سے پہلے پرانوں یعنی دم لینے کے عمل پر حاوی ہونے کی ضرورت ہے۔ اور پرانوں کو زور سے باہر پھینکنے روکنے۔ دھیرے دھیرے اندر کھینچنے کی مشق سے پران پر ضبط حاصل کیا جاتا ہے۔ جس سے تزکیہ نفس کی پختہ بنیاد پڑتی ہے۔ اور منوسمرتی میں اس کی عظمت کو ادھیائے ۶۔ شلوک ۷۱ میں یوں ادا کیا گیا ہے۔

दह्यन्ते ध्मायमानानां धातुनाम हियथामला: ।
तथेन्द्रियाणां दह्यन्ते दोषा: प्राणस्य निग्रहात् ॥

جیسے آگ میں تپانے سے دہاتوں کا کھوٹ دور ہو کر وہ خالص ہو جاتی ہیں۔ ویسے ہی پرانوں کو وش میں کرنے سے حواس کے نقص رفع ہوتے اور انسان پاک صاف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ویدک عبادت کا تعلق پرانایام سے ہے۔ اور پرانایام کا تعلق ناسیکا (ناک) سے ہے۔ اس لئے پرانایام کرنے والے عابد کو ناسک اور اس عبادت کو نُسک کہا جانا بہت اغلب ہے۔ اور چونکہ منوسمرتی میں دہاتوں کی میل دور ہونے کی مثال پہلے سے دی ہوئی ہے۔ اور وہی مفہوم نُسک سے قرآن میں منسوب کیا گیا ہے۔ اس لئے حقیقت بالکل صاف ہے۔ کہ نسک سے خالص ویدک بھگتی مراد تھی۔ اور اس سے پرانایام کا تعلق تھا۔ مگر زمانہ گذرنے اور دوری بڑھنی جانے پر یہ خیال ہی اجنبی ہو گیا۔ اور خالی عبادتؔ ہی اس کا مفہوم رہ گیا۔ اس پر اور غضب ہوا۔ تو قربانی کے لئے اسے استعمال کر دیا گیا۔ لیکن حج جیسے پاک اور عظیم الشان موقعہ کے لئے موزوں معنے کو چھوڑ کر مروجہ قربانی کا مفہوم لینا غلط ہی نہیں گناہ عظیم ہے۔ غرائب القرآن جو نُسک کے معنے ہمارے اصول کے مطابق بتاتا ہے۔ وہ بھی آخر الٹی تاویل کرتا ہے۔ کہ "ذبیحے کو نسک اس لئے کہنے لگے۔ کہ جن عبادتوں سے جناب الہی میں تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ان سب میں اشرف و اعظم ہے۔" جائے غور ہے کہ قرآن کی شہادت سے قربانی کے معنے کو صحیح کوئی ثابت نہیں کرتا۔ نہ یہ دعوٰے کرتا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب کے دل میں نُسک کا کیا مفہوم تھا۔ محض قیاسی طور پر خاص رواج پڑنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس پر اور لطف یہ ہے۔ کہ قرآن جہاں للکار للکار کر تذبیح حیوانات و گوشت خوری کی تردید کرتا اور اسے گناہ عظیم قرار دیتا ہے۔ وہاں غرائب القرآن اسے تقرب الٰہی کا خاص الخاص ذریعہ بیان کر رہا ہے۔ سورۂ الحج میں آنحضرت تو صاف اعلان کرتے ہیں۔ کہ خدا تک نہ تمہارا گوشت پہنچتا ہے۔ نہ قربانی بلکہ تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ مگر غرائب القرآن اس فرمان کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ نہ صرف قربانی ہی خدا کو پہنچتی ہے۔ قربانی کرنے یعنی اس کو کھانے والا بھی تقرب الٰہی حاصل کرتا ہے۔ کاش کہ مفسرین حقیقت کو سمجھیں۔ اور قرآن کے اصل مفہوم کو محفوظ رکھ سکیں۔ قربانی فی الحقیقت قرب سے ہے۔ اور قرب الٰہی کا ذریعہ محض تقوی ہے۔

۲۶۴ - فروعی اختلافات

ا۔ عرب میں لڑائی اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔ مگر ذیقعدہ ذی الحج محرم اور رجب کے چار مہینے ادب کے سمجھے جاتے تھے۔ ان میں لوٹ مار بند ہوتی تھی۔ تاہم حاجیوں کے لئے اگر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آئے۔ اور وہ رستے میں ہی گھر یا رک جائیں۔ تو ہدایت ہے۔ کہ وہ حج کے ہی دنوں میں جو نذر یا ہدیہ ان کو میسر ہو سکتے الامکان مقررہ وقت تک پہنچا دیویں۔ اور یہ ہے بھی معقول۔ کہ خود رک جانے پر اگر کوئی طریق ہدیہ پہنچانے کا نکل سکے۔

توکیوں نہ اس سے فائدہ اُٹھایا جاوے - جو کام ہو سکے - وہ کر گزرنا ہی صحیح ہے - آج کل بھی تمام ملکوں میں بالخصوص ہندوستان میں مذہبی یا قومی یا پولیٹیکل جلسے عام ہوتے ہیں - اور اکثر یاتری گھر سے ہی روپیہ یا اناج یا زمین یا اور سامان کے دان دینے کا ارادہ کر کے چلتے ہیں - لیکن کئی بار ایسا ہوتا ہے - کہ رستے میں کسی خاص مجبوری کی وجہ سے یاتری رُک جاتا یا لوٹ آتا ہے - اور بعض صورتوں میں گھر سے چلنے کی تیاری ہو چکنے پر بھی ارادہ بدلنا پڑتا ہے - تو ایسی صورت کے لئے یا نہ آسکنے والوں کے لئے کارکنان جلسہ کی طرف سے پہلے ہی یہ درخواست کر دی جاتی ہے کہ وہ چندہ بذریعہ ڈاک یا کسی کے ہاتھ

پہنچا دیویں - سو یہی مدعا آیت ۱۹۶ کے الفاظ کا ہے - لیکن ہدیہ کے معنے جن مفسروں نے قربانی والے حیوان لئے ہیں - وہ فیصلہ نہیں کر سکتے - کہ یہ قربانی کہاں ہو - اور کب ہو - امام ابو حنیفہ کی رائے ہے - کہ حرم میں کی جائے یعنی وہ شخص قربانی کے جانور کو کسی اور شخص کے ہاتھ خانہ کعبہ بھیج دے - اور اس کے قربانی کئے جانے کا حج کی صورت میں یوم نحر یعنی دسویں ذی الحج اور عمرے کی صورت میں اور کوئی دن مقرر کر دے - اور اس دن یہ شخص اپنی جگہ سر منڈوا کر احرام اتار دے - مگر امام شافعی کہتے ہیں کہ اس قربانی کا حرم میں ہونا کچھ ضرور نہیں جس جگہ وہ شخص روکا گیا ہے - وہیں قربانی کر کے احرام اتار دے جیسا حضرت محمد صاحب نے کیا - کہ عمرے کو جاتے ہوئے حدیبیہ میں کافروں نے آپ کو روک دیا - تو آپ نے وہیں قربانی کرا کر سب کے احرام اتروا دیئے - لیکن نہ ہدیہ کے معنے قربانی کا جانور لیا جا سکتا ہے - نہ تذبیح حیوان والی قربانی کا قرآن میں جواز ہے - نہ خلاف تعلیم قرآن کوئی حدیث سچی سمجھی جا سکتی ہے - لہذا مفسرین اور محدثین ایسے مسائل کی بحثوں میں پڑ کر اپنا وقت گنواتے اور قرآن کی اعلےٰ اصولی تعلیم کو مشتبہ بناتے ہیں - ساتھ ہی خانہ کعبہ کے دار الامان ہونے کی عملی تردید کرتے ہیں -

۲ - مسجد الحرام کا لفظ بھی کسی مخصوص معنے میں تعین نہیں ہو سکا - بعض کہتے ہیں - اس کا اطلاق اس مسجد پر ہونا چاہئے جس کے اندر خانہ کعبہ ہے - احاطہ مسجد ۲۵۰ × ۲۰۰ قدم ہے - اور خانہ کعبہ ۱۸×۱۴ قدم مگر بعض کے نزدیک تمام حرم مراد ہے - یعنی وہ تمام علاقہ جس میں مکہ معظمہ - میدان مینا اور عرفات واقع ہیں - نیز خطیب کے خطبہ پڑھنے والا بلند مقام مشعر الحرام - اور جس کے اندر جنگ کرنا یا ہتھیار اُٹھانا یا شکار کھیلنا یا گھاس وغیرہ کاٹنا منع ہے - اور بعضوں کا خیال ہے - کہ مسجد الحرام سے مراد شہر مکہ ہے

۳ - اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ، اس کا ترجمہ ایک صاحب یہ کرتے ہیں "تم وہاں سے ہو کر آؤ - جہاں سے لوگ ہو کر آتے ہیں - دوسرے صاحب کہتے ہیں " جس جگہ سے لوگ چلتے ہیں - تم بھی وہیں سے چلو - تیسرے صاحب یوں فرماتے ہیں - (عرفات سے چلو تو) جس جگہ سے (اور) لوگ چلیں تم بھی وہیں سے چلو - چوتھے صاحب لکھتے ہیں - پھر پھرو جہاں سے لوگ پھرتے ہیں - پانچویں صاحب کہتے ہیں - پھر (یہ بات بھی ضرور ہے کہ) جس جگہ (تک جا کر) لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں - تم (اہل مکہ) بھی وہیں سے لوٹو - لیکن افاضہ کے معنے صاف طور پر فیض پہنچانا ہے - اور چونکہ حج سے خاص طور پر فیض پانے و پہنچانے کی ہدایت منسوب کرنا رسول صاحب کا نصب العین ہے - اور پہلی آیت کے اخیر میں اصل مدعا سے گمراہ ہونے کا ذکر ہے - اور ما بعد کے الفاظ میں مغفرت کی ہدایت ہے - اس لئے ہم نے فیض پانے کا ہی بیان ترجمہ میں کیا ہے - اور عرفات سے تعلق جوڑنے پر بھی معرفت کا فیض ہی اصل مفہوم معلوم ہوتا ہے - اور یہ تاویل عربی آمن گھڑت

ہے۔ کہ امیر لوگ عرفات میں نہ جاتے۔ اور مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

۴۔ آیت نمبر ۲۰۳ میں ہدایت ہے۔ کہ ان گنتی کے دنوں میں اللہ کی یاد کرو۔ مگر کوئی جلدی کر کے دو دن میں لوٹے۔ تو بھی گناہ نہیں۔ اور زیادہ ٹھہرے تو بھی گناہ نہیں۔ گویا نصب العین محض تقویٰ ہے۔ وقت نہیں۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے۔ کہ عرصہ قیام کے لئے ہر شخص اپنے حالات کے مطابق مختار ہے۔ لیکن دوسرا خیال یہ ہے۔ کہ اشارہ ایام تشریق یعنی عید کے بعد کے تین دن کی طرف ہے۔ لیکن موخرالذکر صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں پیچھے رہنے کا حکم محض ایک دن کی میعاد سے محدود ہوتا ہے۔ اور اصولی اطلاق قائم نہیں رہتا۔

۵۔ آیت نمبر ۲۰۸ میں جو ہدایت ہے۔ کہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً ''یعنی اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بعض یہودی اسلام لا کر بھی سبت کی تعظیم اور یہودیوں کے رواج کے مطابق اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے جیسا کہ ہندو نو مسلم گوشت بالخصوص گائے کے گوشت سے کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ مذہب کو آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ بناؤ۔''

گویا ان لوگوں کی رائے میں گوشت خوری اور قربانی وہ جزو ایمان ہے۔ کہ اسلام اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر باوجود اس کے یہی صاحب اوروں کی رائے اس کے متعلق یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ اس آیت کے شروع میں ہی الفاظ خطاب یہ ہیں۔ کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے ایمان لانے والے لوگو! پس یہ محض عام ہدایت ہے۔ جس سے سب مسلمانوں کو حج کے فیضان سے حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلام سے پختہ محبت ہو سکتی ہے۔ رہا گوشت خوری اور قربانی کا تعلق۔ یہ محض قرآن کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں کی ایک عام عادت کا نتیجہ ہے۔ قرآن اس کے لئے ذمہ وار نہیں۔ جیسا کہ جابجا ہم واضح کرتے آ رہے ہیں۔

۶۔ حج میں تذبیح حیوانات یا گوشت خوری تو کہاں شکار تک بھی ممنوع ہے۔ اور حج کے متعلقہ تمام علاقے میں خون بہانے یا ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر اس کے باوجود ہدیہ سے قربانی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر رستے میں ہی رکنا پڑ جائے۔ تو قربانی کر دو۔ بیماری وغیرہ کی وجہ سے قبل از وقت بال منڈوانے پڑ جائیں۔ تو قربانی کر دو۔ اگر حج اور عمرہ اکٹھا کرنا چاہو تو قربانی کر دو۔ غرضیکہ قربانی ہی قربانی کی رٹ لگائی جا رہی ہے۔ حالانکہ قرآن میں تذبیح حیوان یا قربانی یا گوشت خوری کی سخت ترین ممانعت موجود ہے۔ بالخصوص حاجی احرام باندھ چکا ہے۔ گوشت کھانا تو کجا وہ شکار بھی نہیں کھیل سکتا۔ تپ اور تقوے کے بغیر اس کا ان دنوں کچھ سروکار نہیں۔ تب انتہائی انحراف تعلیم قرآن کے بغیر کون سی وجہ اس خلاف ورزی کی ہو سکتی ہے۔ ہدیہ کے معنے بھینٹ و نذرانہ کے بھی ظاہر ہیں۔ اور حیوانات کو مارنا کہیں بھی تقویٰ میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ اور یہ بات مفسرین بھی مانتے ہیں۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ گھڑ کر اپنی توہم پرستی کو قائم کر ہی لیتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ''حج ہو یا عمرہ کسی میں قربانی کرنی نہیں پڑتی مگر ہاں چار صورتوں میں۔ ایک یہ کہ حج یا عمرہ کو جاتے ہوئے کسی عذر بیماری یا خوف دشمن کی وجہ سے رک جائیں دوسرے یہ کہ سر میں جوئیں پڑ گئے۔ پھوڑے پھنسی ہونے وغیرہ سے بالوں کو اتروایا جائے۔ تیسرے یہ کہ حج اور عمرہ ایک ساتھ ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے مکہ والوں کے لئے ایسی اجازت نہیں۔ ہاں دور والوں کے لئے ایسی اجازت ہے۔ کہ وہ بار بار نہیں آ سکتے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ وہ اکٹھا کرنے کے لئے قربانی دیں۔

چوتھے یہ کہ احرام کی حالت میں کوئی ممنوعہ حرکت سرزد ہو۔ جیسے شکار کھیلنا۔ خوشبو لگانا۔ سر ڈھانکنا۔ بال منڈوانا۔ ناخن کٹوانا مگر یہ منطق سارے کا سارا ہے عجیب۔ اول تو خطا اسے سمجھا جا رہا ہے۔ جو معقول کام ہے۔ دوم علاج وہ کیا جا رہا ہے جو صریحاً بڑی خطا اور گناہ ہے۔ مگر ہم اسے محض بے سمجھی پر مبنی دھینگا مشتی سمجھتے ہیں۔ قرآن اس سے پاک ہے۔

۷۔ سرسید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ حج میں اتنی چیزیں ہیں۔ احرام و نیت۔ طواف قدوم۔ سعی بین الصفا والمروہ۔ خروج منیٰ۔ وقوف مزدلفہ۔ منیٰ اور رمی جمار۔ طواف الزیارت۔ طواف الصدر۔ ان میں سے ہر ایک کی توضیح کرکے آپ قرآن مجید میں بیان شدہ ارکان حج کا ذکر کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ ۲۔ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کا ذکر قرآن میں نہیں۔ احرام کے وقت تہ بند باندھنے اور بغیر قطع کیا ہوا کپڑا پہننے کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ ہاں احرام میں داخل ہونے اور حج کی نیت کا ان لفظوں میں ذکر ہے۔ کہ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ۔ شکار کی ممانعت ہے۔ لڑائی اور فساد اور عورت کے پاس جانے کی نیز اختتام حج تک سر منڈانے کی ممانعت ہے۔ طواف کا ذکر ہے۔ مگر سات دفعہ پھرنے کا ذکر نہیں۔ ہاں سعی بین الصفا والمروہ عرفات میں جانا۔ مزدلفہ میں رہنا منیٰ میں ایام تشریق میں ٹھہرنا۔ قربانی کرنا ضرور مذکور ہے۔ حجر اسود اور رمی جمار کا بھی ذکر نہیں۔ سرسید صاحب نے قربانی کو قرآن میں حج کے متعلق جو مذکور مانا ہے۔ اس کی وجہ محض وہی غلط فہمی ہے۔ جو خاص الفاظ کے معانی کے متعلق پھیل رہی ہے۔ اور جس کے خلاف ہم پہلے ثبوت پیش کر چکے ہیں

تاہم یہ واضح رہے۔ کہ جو جو باتیں غیر معقول سی ہیں۔ ان کی تاویلات بھی معقول ہو رہی ہیں۔ اسلام کا فرقہ باطنیہ تو ہر رسم اسلام میں اندرونی مفہوم اصلاً موز اور ہی بتاتا ہے۔ اور حج کے متعلق ہر حرکت کی بھی سبق آموز تاویل پیش کرتا ہے۔ بیان القرآن میں بتایا ہے۔ کہ کنکریاں پھینکنا تک کی تاویل بدی سے نفرت اور اسے اپنے پاس تک نہ پھٹکنے دینا صفا اور مروہ میں دوڑ لگانا سے مدعا ہر قسم کی کامیابی کا انحصار جد وجہد پر ہونا ہے۔ توحید کے گھر کے طواف سے مراد نیکیوں کے اصل مرکز کے گرد پھرتے رہنا ہے۔ حجر اسود کو جہاں بعض لوگ محض ایک قدیم بت خانہ کی یادگار سمجھتے ہیں یا اور تاویل کرتے ہیں۔ وہاں سرسید صاحب اس کا یہ مقصد بتاتے ہیں ؛ طواف کی تعداد معلوم رہے۔ اسی کونے سے طواف شروع ہوتا ہے۔ اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ اور حجر اسود کو چھو لیا جاتا ہے۔ یا بوسہ دیا جاتا ہے۔ یا اس کی طرف اشارہ کر لیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو۔ کہ ایک طواف ختم ہوا۔ مگر جب زیادہ طواف مذکور ہی نہیں تو یہ تاویل بھی قرآن سے تعلق نہیں رکھتی۔ اور زیادہ طواف صحیح ماننے پر حجر اسود کو چھونا یا چومنا یا دیکھنا سے ایک طواف کا ختم ہونا تو مانا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ طوافوں کا شمار تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس ایک طواف کے ختم ہونے کا ذکر بھی معقول نہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے خیال کے لوگ اسے بوسہ دینے یا چھونے کی وجہ اس کے متبرک ہونے کو بتاتے ہیں۔ سرسید صاحب نے مزدلفہ میں رہنے اور منیٰ میں ایام تشریق میں ٹھہرنے کا اشارہ ان آیات سے لیا ہے۔

"ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ... وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ"

لیکن جب أَفِيضُوا کے معنے پھر آیا لوٹنا یا جانا کے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ فیض پانا کے ہیں۔ اور جب اگلے حصّہ میں محض عبادت الٰہی کا ذکر ہے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ محض دو دن ٹھہرنے یا زیادہ دن ٹھہرنے کا تعلق نہیں۔ بلکہ تقویٰ

اور زہد کا ہی مقدم خیال رہنا چاہئے۔ تو منٰی کا ذکر ماننا چہ معنے۔ ہاں اشارہ نکل سکتا ہے۔ تو یہ کہ منٰی ابیں ٹھہرنا قرآنی حج کی رو سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

حج کی حقیقت واضح کرتے ہوئے سرسید صاحب اس کی غرض زیادہ تر تجارتی ترقی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دوسرے خیال والے روحانیت وغیرہ کی غرض کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن کچھ ہی ہو۔ فائدے دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ مگر توہم پرستی اور باطل پرستی ان دونوں اغراض کو دبا سکتی ہے۔ اس لئے سرسید صاحب کہتے ہیں۔ "یہ سمجھنا کہ بانئے اسلام نے کعبہ شریف کو مثل پارس پتھر کے قرار دیا تھا۔ کہ جس نے اس کو چھوا۔ اور سونا ہو گیا۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ اس کے بعد ایک اور جگہ کہا ہے۔ "جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے۔ کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے۔ اسی کا نام مقدس ہے۔ اور اسی کا نام مقدس رہیگا۔ اور اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں۔ وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی جانیں۔ ہاں جو حقیقتاً حج کرے۔ وہ حاجی ہے"۔

اس کے بعد آپ ارکان حج کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ کہ احرام باندھنا ابراہیم کے زمانہ کی صورت کا بنانا ہے۔ طواف کرنا کعبہ کی دیواروں کے گرد صدقے ہونا نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ اس طریقہ پر نماز ہے۔ جو ابراہیمی زمانہ میں اس چوکھونٹے گھر کے گرد پڑھی جاتی تھی۔ صفا و مروہ میں سعی کرنا اسمعیل اور ہاجرہ کے استقلال اور خدا پر کامل یقین کو یاد کرنا ہے۔ کہ جو اس اضطرار اور اضطراب کی حالت میں بھی جو پانی کی تلاش میں وہاں ان پر گذری تھی۔ انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ اور ایسی حالت میں بھی انہوں نے خدا ہی پر انہوں نے بھروسہ کیا۔

بخوف طوالت ہم زیادہ نہیں لکھتے۔ محض یہ اشارہ دینا کافی ہے۔ کہ بظاہر تمام تاویلات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی اصل اصول کے لحاظ سے سب اس پر متفق ہیں۔ کہ قرآن میں بیان شدہ حج سے عالمگیر علمی اور روحانی فوائد مل سکتے ہیں۔ مساوات اتحاد اور اصول حقہ کی اشاعت کا بہ مؤثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لاکھوں انسان بن سلی ہوئی چادر اور تہمد میں ملبوس ایک جگہ اکٹھے ہو کر معرفت الٰہی اور انسانی فلاح و بہبود کے وسائل پر غور اور عمل کرنے پر مائل ہوں۔ تو یہ حج انسانیت کی ترقی میں بھاری مدد دے سکتا ہے۔

۲۶۵۔ حج کے بنیادی احساسات

میقات کا اگرچہ قرآن میں ذکر نہیں۔ تاہم جوں جوں حج میں آنے کا رواج بڑھتا گیا۔ خاص مقام مقرر ہوتے گئے۔ جہاں حاجی لوگ ٹھہر کر غسل وغیرہ کرتے اور احرام باندھتے۔ مکہ کے رہنے والوں کے لئے خاص حرم کعبہ میقات ہے۔ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کو ذوالحلیفہ اور عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذات عرق اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے جحفہ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے قرن اور یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے جس میں ہندوستان کے جانے والے بھی داخل ہیں۔ یلملم۔ جو لوگ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے آتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے ان مقامات پر غسل یا وضو کے بعد نیت کر کے احرام باندھتے۔ نئے کپڑے بدلتے خوشبو لگاتے۔ اور دو رکعت نماز پڑھ کر تلبیہ یعنی لبیک کہنا شروع کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے۔ لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک

لبیک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لک لا شریک لک" بار خدایا میں تیری خدمت میں حاضر ہوں - تیرا شریک کوئی نہیں بار خدایا میں تیری خدمت میں حاضر ہوں - تعریف تجھی کو سزاوار ہے اور نعمت اور ملک تیرا ہے - تیرا کوئی شریک نہیں"! یہ جملہ ہر نماز کے بعد یا جب اونچی جگہ پر چڑھے یا نیچے اترے - کہنا ہوتا ہے - پوشاک محض ایک چادر بطور تہ بند اور ایک چادر اوپر اور کلمہ یہ لبیک کا - دونوں سے ان پاک احساسات و جذبات کا ہی علم ہوتا ہے - جو حج کی مہم کی بنیاد ہیں۔

سر سید صاحب نے ارکان حج میں قربانی کا ذکر کیا - اور تین قسم کی قربانی کے لئے قرآن سے حوالہ جات پیش کئے - ان کے معانی کی غلطی ہم کئی جگہ لکھ چکے ہیں - اس لئے اس پر مزید نہ لکھ کر ہم محض ان کے اس مضمون سے متعلق آخری الفاظ نقل کر دیتے ہیں - اور ہم یقین رکھتے ہیں - کہ یہ الفاظ ان کی ذاتی رائے میں قربانی کے فی الحقیقت امر منکر ہونے کا ہی ثبوت ہوں گے

" حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی - مکہ ایک بیابان غیر ذی ذرع تھا - اس قدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا - اس لئے اکثر لوگ خوراک کے لئے جانور اپنے ساتھ لے جاتے تھے - جو بُدن اور قلائد کے نام سے مشہور رکھے - اور جو نہ لے جاتے تھے - مکہ ہی خریدتے تھے - ان کو ذبح کر کے خود بھی کھاتے تھے - اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے - حج میں صرف یہی اصل قربانی کی قرآن مجید سے پائی جاتی ہے - جہاں خدا نے فرمایا ہے -" فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر" لکم فیھا منافع الی اجل مسمی ثم محلھا الی البیت العتیق" و البدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکر اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا و اطعموا القانع و المعتر"

وہاں پر نہ کوئی دیوتا ہے نہ دیوی ہے - نہ یہاں ٹھاکر کوئی چیز ہے - جس پر بکرا یا مینڈھا یا اونٹ چڑھایا جاوے - نہ خدا کو اس کی بو خوش آتی ہے - نہ ان کا خون پیتا ہے - نہ ان کی جان لینے سے خوش ہوتا ہے - بلکہ وہ تو صرف نیکی اور بھلائی چاہتا ہے - جیسے کہ خود اس نے کہا ہے -" لن ینال اللہ لحومھا و لا دماءھا و لاکن ینالہ التقوی منکم - پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہے - اور لاکھوں جانور ذبح کر کے جنگل میں ڈالتے ہیں جن کو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے - اس کا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہے"۔

ان الفاظ میں سر سید صاحب نے علے الاعلان تسلیم کیا ہے - کہ قرآن میں حج کے موقعہ پر قربانی کرنا بطور مذہبی فرض کے ہرگز ہرگز جائز نہیں - مگر تین حوالوں میں کھانے اور کھلانے کے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کا عمل بھی مذکور ہے - صرف اس لئے کہ مکہ کا علاقہ زراعت کے لحاظ سے مجمع کثیر کی خوراک بہم نہیں پہنچا سکتا تھا - اس لئے لوگ از خود ساتھ لے جاتے اور انہیں کاٹ کر کھاتے تھے - یہ گویا اکثر دوسرے مفسروں سے بالکل مختلف رائے ہے - لیکن ہم ان تینوں حوالوں کے معانی پر بحث کر کے ثابت کر آئے ہیں - کہ نہ مطلب یہاں قربانی سے ہے - نہ ان کا گوشت کھانے کھلانے سے - پس جہاں ایک نہایت قابل اسلامی مفسر کی رائے میں قربانی ناجائز ہے - وہاں قرآن میں قربانی و گوشت خوری کی مذہباً قطعی ممانعت ہونے کی بھی یہ زبردست شہادت ہے -

۲۶۶ - شدید العقاب اور سریع الحساب

آیت ۱۹۶ میں خدا کو شدید العقاب کہا گیا ہے - جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں - کہ خدا گناہ معاف کر دیتا ہے - وہ قرآن پر غور کریں گے تو نہیں ہر کہیں یہ معلوم ہوگا - کہ خدا پورا انصاف کرتا ہے - اس کے یہاں تل برابر بھی بے انصافی نہیں ہوتی - توبہ کا مطلب محض آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر کے گناہ سے بچنا ہے

بغیر پچھتانے اور اصلاح کرنے وغیرہ کے خالی توبہ کہنے سے بھی معافی نہیں ہوتی۔ خواہ ہزار بار توبہ کرے۔ برخلاف اس کے اسے شدید العقاب یا سخت سزا دینے والا کہا ہے۔ فی الحقیقت رُدر روپ دھارن کئے یا شدت کی سزا دیئے بغیر ظلم اور گناہ سے لوگوں کا بچنا محال ہے۔ دوسرا لفظ ہے سریع الحساب جو آیت نمبر ٢٠٢ میں آیا ہے۔ اس کے معنے ہیں تیزی سے حساب کرنیوالا یا زود حساب یا نقد حساب والا۔ اس سے وہ خیال جو آج کل مشہور ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے مردے اٹھیں گے۔ تب انصاف ہوگا۔ غلط ثابت ہوتا ہے۔ شدت کی سزا اور جلد حساب کا ہونا یہ دو امور انسان کو برائی سے بچنے کی طرف مائل رکھتے ہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالنا کیا معمولی سی حرکت ہے۔ لیکن سزا کس شدت کی ہے۔ اور ملتی کس قدر جلدی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہی ہے۔ اس کے مقابلے میں جل میں غسل کرنے سے فوراً ہی گرمی کا احساس دور ہوتا ہے۔ اس سے بھی خدا سریع الحساب ثابت ہوتا ہے۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ بعض گناہوں کی سزا خاص حس کے مردہ ہو جانے سے محسوس نہیں ہو سکتی۔ لیکن انصاف الٰہی کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ جب جس ملک میں گورنمنٹ مجرموں کو سخت سزائیں دیتی ہے۔ جرم گھٹ جاتے ہیں۔ یہ سبق خدا کے شدید العقاب سے ہی انسان نے سیکھا ہے۔

بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ اس کا جلدی حساب لینا یہی ہے۔ کہ جو فعل انسان کرتا ہے۔ اس کا حساب ساتھ ساتھ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کو ایک کا حساب لینا دوسرے کے حساب لینے سے روکتا نہیں۔ کہ ایک کے معاملے میں تاخیر کرنی پڑے صرف یہ معنی نہیں۔ کہ قیامت کے دن حساب لینے میں اسے بہت دیر نہ لگے گی۔ اسے دنیا میں بھی دیر نہیں لگتی۔ یہاں یہ بتانا ہے۔ کہ وہی محاسبہ ہر آن جاری ہے۔ کوئی فعل نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ ساتھ ساتھ ہی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہاں قیامت کے دن وہ محاسبہ جو بوجہ اپنی لطافت کے یہاں نظر نہیں آتا۔ کھلے طور پر محسوس ہونے لگیگا۔ ..." کاشکہ راقم قیامت کو موت کے معنے میں لیکر ان الفاظ کو وزن دار کر دیتا۔ تاہم موجودہ صورت میں بھی گناہ کے نتیجے کا ساتھ کے ساتھ پیدا ہوتا جانے کا اعتقاد بھی گناہ کے روکنے کا خاص ذریعہ ہے۔

٢٦٧- علم حق اور الہام الٰہی

سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ① زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ ٢١١

كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ② كَانَ النَّاسُ ٢١٢

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ
فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ
۲۱۳ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۳ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ
مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ
۲۱۴ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۴ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْ
وَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
۲۱۵ مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۵ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ
وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ
۲۱۶ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۶

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ
عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ

كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ① إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجٰهَدُوا فِي ۲۱۷
سَبِيلِ اللّٰهِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ② يَسْـَٔلُونَكَ ۲۱۸
عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن
نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ③ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ ۲۱۹
عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ ④
يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۲۰
وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ
وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن
مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلَى
الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِۦ ۖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ⑤ ۲۲۱ ۲۷ ع ۵

بنی اسرائیل سے پوچھو۔ کہ ہم نے کتنی ہی سچے علموں والی آیتیں ان کو دیں۔ مگر جب کوئی شخص خدا کی اس نعمت کو اس کے ملنے کے بعد بدل دے۔ تو یقیناً اللہ بھی سخت عذاب دیتا ہے۔ ۱۔ کافروں کو دنیوی زندگی ہی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایمان لانے والوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ مگر انصاف کے وقت متقی لوگوں کا درجہ بلند ہوگا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ۲۔ سب لوگ پہلے ایک ہی دھرم میں تھے۔ اللہ نے نبی مبعوث فرمائے تھے۔ جو (نیکوں کو نیک اجر کی) بشارت دیتے اور (بدوں کو دکھوں کا خوف دیکر) ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے علم کی کتابوں کا ظہور ہوا تھا۔ تاکہ انسانوں کے

مابین امور متنازعہ فیہ کے متعلق فیصلہ ہوتا رہے۔ اور ان صاف اور سچے اصولوں کا علم ملنے کے بعد بھی اگر ان اہل کتاب میں باہمی اختلاف ہوا۔ تو باہمی تعصبات و عداوت سے ہوا ہے۔ مگر اللہ نے ایمان لانے والے لوگوں کو اپنی عنایت سے امور متنازعہ فیہ کے متعلق حق کی ہدایت دی ہے۔ کیونکہ وہ جسے چاہے راہِ راست دکھائے۔ ۳۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تم پر وہ حالت آئی ہی نہیں۔ جو تم سے پہلوں پر آئی تھی۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں۔ اور (ان کے دل) ڈول گئے۔ یہاں تک کہ کیا رسول اور کیا ان پر ایمان لانے والے لوگ چلا اٹھے۔ کہ اللہ کی مدد اور کب آئیگی۔ ارے اللہ کی مدد یقیناً قریب ہی ہے۔ ۴۔ تم سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں۔ ان سے کہو (اس کا کیا پوچھنا) جو کچھ بھی بھلائی میں خرچ کرتے ہو (کرو) سو وہ تمہارے والدین کے لئے ہے یا قریبی رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ ۵۔ تم پر جنگ فرض کیا گیا ہے۔ مگر وہ تم کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی بات تم کو ناگوار ہو۔ اور (در اصل) اس میں تمہارے لئے بہتری ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ تم کسی بات کو پسند کرو۔ اور وہ ہو تمہارے لئے بری۔ کیونکہ اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔ ۶۔ تم سے حرمت والے مہینے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہ اس میں یہ جنگ کیسا ہے۔ کہدو اس میں یہ جنگ بڑا برا ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا اور مسجد الحرام سے کفر کرنا اور اس کے لوگوں کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اور بھی زیادہ خراب ہے۔ اور فساد یا پھوٹ رہنا جنگ سے زیادہ خراب ہے۔ نیز وہ تم سے جھگڑتے ہی رہیں گے۔ جب تک کہ وہ لگے قابو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔ مگر (یاد رکھو) جو تم سے مرتد ہو جائیگا۔ اور مرتے دم تک کفر میں رہیگا۔ سمجھ لو۔ کہ اس کے فعل دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ یہی دوزخ کے بندے ہیں۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے۔ ا۔ تحقیق ایمان لانے والے اور راہِ حق میں جہاد اور ہجرت تک کرنے والے لوگ ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ غفور اور رحیم ہے ۲۔ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ سو کہدو۔ کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہے۔ مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ نیز یہ پوچھتے ہیں۔ کہ (راہِ حق میں) کیا خرچ کریں۔ کہو جو اخراجات سے فاضل ہو۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی ہدایتیں واضح کرتا ہے۔ کہ تم غور و فکر کرو۔ ۳۔ دنیا اور آخرت کے متعلق۔ نیز تم سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہو ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ان کو اپنے ساتھ ملا رکھو۔ تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تمکو ایسی مشکل میں ڈالتا بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۴۔ اور مشرک عورتیں جب تک حق کو نہ مانیں۔ ان سے نکاح نہ کرو۔ مشرک عورت خواہ تمہیں کتنی پسندیدہ معلوم ہو۔ اس سے مومن لونڈی بہتر ہے۔ ایسے ہی مشرک مردوں کو (عورتیں) نکاح میں نہ دیں۔ جب تک وہ حق کو قبول نہ کریں۔ بے شک مشرک خواہ تمہیں کیسا ہی اچھا لگے۔ اس سے مومن غلام اچھا۔ کیونکہ مشرک تو لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ اپنی عنایت سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنی ہدایات لوگوں کو صاف صاف سمجھاتا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ۵۔

۲۶۸۔ انسانی جماعت کی گراوٹ

آیت نمبر ۲۱۱ میں بنی اسرائیل کا لفظ صریحاً انسانی جماعت کے لئے ہے۔ جسے آغاز عالم کے رشیوں کا جانشین ہونے سے بنی اسرائیل یا آریہ سنتان

کہنا بجا ہے۔ یہاں سے عالمگیر صداقتوں اور الہامی علم کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جن کا تعلق کل انسانی جماعت سے ہے۔ اس لئے اس لفظ کے متعلق ہماری مختصر بحث جو نمبر ۲، میں پیش کی گئی ہے۔ بہت درزندار ہے۔ سل کے لفظ سے سوال کرنا یا پوچھنا کا مفہوم خاص اس خبر یا علم کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا نے فی الحقیقت بہت بین آیات یعنی صریح سچائیاں عطا کیں مگر ان کو حاصل کرنے کے بعد ان کو انسانوں نے بدل دیا۔ یعنی ان کو اور کا اور سمجھا۔ اور بیان کیا۔ اور اُلٹے عمل کئے۔ اس کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ سخت عذاب الٰہی کا شکار رہوئے۔ کیونکہ اصول ہی یہ ہے۔ کہ خدا کی علمی نعمت کا احساس نہ ہونے پر جہالت انسان کو گرا دیتی ہے۔

۲۶۹ - بَیِّنَۃٍ آیات

آیات بینات کے معنے کوئی تو کھلے معجزے کرتا ہے۔ کوئی صاف دلیلیں کوئی صریح ہدائیتیں۔ کوئی صاف احکام۔ کوئی روشن یا ظاہر نشانیاں یا کھلی نشانیاں وغیرہ۔ لیکن آیت کے لغوی معنے ہے۔ نشان۔ علامت۔ چونکہ علامت ہمیشہ کسی شے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے اس کے معنے دلالت کرنے والے کے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور آیات بینات سے خدا کی حدود اور اس کے احکام وغیرہ کی تفاصیل و توضیحات بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ لیکن اصل حقیقت آیت لفظ کی یہ ہے۔ کہ وید گیان میں تین حصے تھے۔ شبد ارتھ اور سمبندھ یعنی الفاظ معنی اور تعلقات۔ اصل علم تو معانی اور تعلقات کا نام ہے۔ اور شبد یا الفاظ اس علم کی بیرونی یا ظاہری نشانی ہیں۔ وید میں اسے منتر بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا تعلق منن یعنی غور و فکر کرنے سے ہے۔ یا جو صحیح وچار پر دلالت کرتا ہے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر قرآن میں آیت کا لفظ عموماً آیا ہے۔ اور بیّن کے معنے ظاہر و آشکارا کے ہیں۔ یعنی جن کو نیچر ہر وقت بیان کر رہی ہے۔ عالمگیر سچائی یا مسلمہ صداقت۔ پس آیات بینات کے معنے ہیں۔ مسلمہ صداقتوں یا سچے اصولوں کو ظاہر کرنے والی علامتیں (وید کے منتر) اور اسی معنے میں قرآنی آیات کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ مگر بیان القرآن آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "آیۃ بینۃ، یہ کھلے نشان کیا تھے؟ اول وہ کھلی پیشگوئیاں۔ جو آنحضرت صلعم کے ظہور کے متعلق ان کی کتابوں میں تھیں۔ اور جو خود ان میں مشہور چلی آتی تھیں۔ دوسرے نبی کریم صلعم کی صداقت کے نشان۔ جو وہ خود دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ یہ اہل کتاب تھے۔ اور سنت انبیاء سے واقف تھے۔" لیکن یہ خیال کسی طرح بھی الفاظ قرآن سے پیوست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعد کے الفاظ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ (جو اللہ کی اس نعمت کو بدل دے) میں ان آیات کو نعمت الٰہی کہا ہے۔ اور نعمت الٰہی سے قرآن کی کثیر التعداد آیات میں خاص طور پر الہامی علم یا کتاب بالحق مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ غرائب القرآن میں اس آیت کے ترجمے میں نعمت کے ساتھ لکھا ہے۔ مثلاً کتاب آسمانی۔ ساتھ ہی خود بیان القرآن میں صفحہ ۱۸۰ پر جو الفاظ لکھے ہیں۔ یہ تاویل اس کے بھی خلاف ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "قرآن کریم کے عام الفاظ کو خاص خاص لوگوں پر محدود کرنا کلام الٰہی کی بے قدری کرنا ہے۔" یقیناً اوروں کو نصیحت دینے والے خود قرآن کی بے وقری کرتے ہیں۔ نہ قرآن میں کہیں پیشگوئیوں کو صحیح مانا گیا ہے۔ نہ آنحضرت کا اس مسئلے پر اعتقاد ہے۔ بلکہ وہ اُلٹے اس کے خلاف ہیں۔ ایسا ہی یہ خیال بھی غلط ہے۔ کہ واقعی وہ پیشگوئیاں ہی ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ من مانی تاویلوں نیز طرفداری اور کھینچا تانی پر مبنی تفصیلوں کو مذہبی کتب کے گلے مڑھ کر توہمات باطلہ کی ترقی کی جا رہی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ مصنف بیان القرآن غور تو فرماویں۔ کہ پیشگوئی کا نام نعمت کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر ایک دو کی بجائے لاکھ دو لاکھ پیشگوئیاں بھی بنی اسرائیل کو دیدیتا۔ جو آج کے انگلینڈ۔ جرمنی۔ جاپان انڈیا وغیرہ دنیا کے کل ممالک

کے متعلق ہوتیں۔ تو اس وقت کے بنی اسرائیل کا اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ ان کی بھوک مٹ جاتی یا وہ عالم ہو جاتے؟ موجودہ لوگوں میں اخبارات پڑھنے کا رواج ہے۔ یہ کل خبریں تازہ واقعات کے متعلق ہیں۔ لیکن ان خبروں کو ساری عمر پڑھنے والوں کو ان کی بدولت علمی ترقی نصیب ہوئی ہو۔ یہ کبھی سنا نہیں گیا۔ تاش۔ پتنگ۔ شطرنج۔ کبوتر۔ گنجفہ کی طرح یہ بھی محض دل لگی ہے۔ اگر علمی فائدہ کا کچھ امکان ہے۔ تو محض علمی مضامین سے ہے۔ خبروں سے نہیں۔ اگر کسی واقعہ سے کوئی سبق اخذ کیا جاتا ہے۔ تو وہ پڑھنے والے کے سابقہ علم اور عقل پر منحصر ہے۔ اور وہ سبق مختلف لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق لے سکتے ہیں۔ وہ خبر نہ بذات خود علم ہے نہ اس کا تعلق کسی خاص خیال سے محدود ہو سکتا ہے۔ تاہم اخباری خبروں سے پھر بھی کسی اصول پر غور کرنے کا موقعہ تو مہیا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ خبر دی جاوے۔ کہ ہزار یا دو ہزار سال بعد فلاں واقعہ ہوگا۔ تو اس کا فائدہ کیا؟ کیونکہ جب تک واقعہ نہ ہو۔ اس کے متعلق شکوک رہیں گے۔ یقینی علم ہوگا نہیں۔ اور جب وہ واقعہ ہوگا۔ اس وقت وہ لوگ موجود نہ ہوں گے۔ جنہیں خبر دی گئی تھی۔ پھر یہ بات کہ نعمت الٰہی کو بدلنے پر عذاب ہوا۔ اور بھی اس تاویل کو غیر معقول ثابت کرتی ہے۔ رسول صاحب کے ظہور سے پہلے تو کبھی تبدیلی وغیرہ کا اس قسم کی پیشگوئیوں کے متعلق جھگڑا ہی نہیں ہوا۔ اور آپ کے ظہور ہونے پر کسی نے اس کو بدلا نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ پہلے کبھی یہ ذکر ہی نہیں ہوا۔ ہاں آپ کے ظہور پر ان کتابوں کے الفاظ کو بطور پیشگوئی چسپاں کرنے والے لوگ نکل سکتے ہیں۔ یہ تو قابل تسلیم ہے۔ آپ کہتے ہیں تبدیلی کا مطلب پیشگوئیوں کے انکار کرنے سے ہے۔ لیکن ایسی کوئی مثال موجود نہیں۔ کہ آنحضرت کے ظہور سے پہلے آپ کی موہومہ پیشگوئی کو کسی نے بدلا ہو۔ یا یہ کہا ہو۔ کہ میں اسے نہیں مانتا۔ ایسا ہرگز واقعہ نہ ہوگا۔ اور اگر ظہور کے بعد پیشگوئیوں سے انکار کرنا جرم ہو۔ تو اس سے سچی ہدایت مفقود ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جھوٹی باتیں آئندہ کے متعلق اڑا کر سچا سمجھا جاویگا۔ اور جھوٹ سے انکار کرنے والا قابل سزا ہوگا۔ غرضیکہ یہ تاویل ہر لحاظ سے غلط ہے۔ ایک بات آپ نے یہ بھی عجب ہی لکھی ہے۔ کہ "اہل کتاب سنت انبیا سے واقف ہونے کی وجہ سے صداقت کے نشان خود دیکھ سکتے تھے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ کہ عملی ظہور کے بنا صداقت کے نشان دیکھے ہی کس طرح جا سکتے ہیں۔ کتاب علمی طور پر صداقت پر مبنی علمی اصول سکھا سکتی ہے۔ اس کے عمل کی طرف اشارہ کر سکتی ہے۔ لیکن غیر موجود کے متعلق وہ صداقت کے نشان کس طرح دکھا سکتی ہے۔ اور اگر وجود میں آنے کے بعد نشان دیکھے جائیں تو پیشگوئی کے کچھ معنے نہیں رہتے۔ پس آیتہ بینتہ کے معنے سوائے عالمگیر سچے اصولوں یا علموں کے ہو نہیں سکتے۔ لفظی معنے مسلمہ صداقتوں والی آیتیں ہوگا۔ مگر آیت دلالت کرے گی علم پر۔ اس لئے مراد سچے علوم ہی ہوں گے۔ جو عقل کے لئے ہدایت دینے والے ہیں۔ خدا کی طرف سے ان کا ظہور نیچر میں ہونے سے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس پر بھی اگر اس سے انحراف کر کے یا انسانی دستبرد سے ان کو بدل کر منشائے الٰہی کے مطابق ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ تو انسانی تنزل و دکھ ایک امیٹ تقدیر ہے۔ اسی طرح حواس خمسہ (گیان اندریاں) اور عقل بھی علم کا ذریعہ ہوتے سے آیات بینات ہیں۔

۲۷۰۔ معجزہ

آیت لفظ کے معنے معجزہ کرنے میں مفسرین غلطی کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کہیں خرق عادت وغیرہ کی تائید نہیں کرتا۔ سر سید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "ہم آیات بینات سے جہاں کہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہے۔ وہ چیز مراد نہیں لیتے۔ جس کو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں۔ گو مفسرین نے اکثر مقامات میں بلکہ قریباً کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لئے ہیں۔ مگر یہ

غلطی ہے۔ معجزہ پر آیت یا آیات کا اطلاق ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ معجزہ امر مطلوب پر یعنی اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اور نہ وہ بہ صفت بینات موصوف ہو سکتا ہے"۔ اس پر سر سید صاحب کی تفسیر میں طویل بحث ہے۔ لیکن ہم محض اشارہ دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ سائینس یا نیچر کے خلاف انسان کچھ کر یا دکھا نہیں سکتا۔ اور اگر یہ کہا جاوے۔ کہ فلاں شخص نے فلاں ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ تو اول تو یہ اس لئے کفر ہے۔ کہ خدا کا قانون آج تک جو بھی انسانوں کے علم میں آیا ہے۔ وہ ممکنات کی ہی ذیل میں آتا ہے۔ خدا کے مقابل انسان کی ہستی ہے ہی کیا۔ کہ وہ کچھ کر دکھاوے جو اس کی دنیا میں نہ ہؤا نہ ہو سکتا ہے۔ پھر معجزہ کسی حقیقت کو تسلیم کرانے کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنے والوں کو آج تک کسی معجزہ کی سمجھ نہیں آئی۔ اگر سمجھ آتی تو وہ خود کر کے بھی کبھی دکھا سکتے۔ یہ کہنا کہ چونکہ ایک ناممکن بات دکھائی گئی ہے۔ اس لئے اسے نبی یا خاص خدا کا بھیجا ہؤا مانا جاوے۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو لوگ کسی کے کوئی معجز نما عمل دکھانے پر بھی اس عمل کو سیکھ کر کے دکھا نہیں سکتے۔ وہ خدا کو یا اس کے بھیجنے کو یا بھیجے ہوؤں کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں خدا کی طرف سے انسان کو کبھی یہ تعلیم کسی بھی کتاب کے ذریعہ نہیں ملی۔ کہ فلاں فلاں کام نیچر کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ اور وہ میرے بھیجے ہوئے ہونے کا ثبوت ہوں گے۔ اس کے علاوہ جہاں آیت کے لفظ کو معجزے کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں غور کرنے پر معلوم ہوا ہے۔ کہ مضمون موقع محل اور لغوی معنے وغیرہ کے لحاظ سے غلطی کھائی گئی ہے۔ بالخصوص جہاں آیات بینات کا تعلق ہو۔ وہاں معجزہ کا کیا تعلق۔ کیونکہ بیّن اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ امر ظاہر یا روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ کسی بھی معجزہ دیکھنے والے کو اس کی سمجھ نہیں آئی۔ کہ اس کی تہ میں کیا راز ہے۔ سر سید صاحب ذاتی ہی نہیں۔ قاضی ابن رشد کی تحریر کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ کہ

تم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے ظاہر ہوگا۔ کہ آنحضرت نے نہ کسی ایک شخص کے اور نہ کسی ایک گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہیں کیا۔ کہ اس سے پہلے اس کے سامنے کوئی خرق عادت کی ہو۔ اور ایک چیز کو دوسری چیز میں بدل دیا ہو۔ یعنی لکڑی کا سانپ اور سانپ کی لکڑی۔ اور سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا ہو۔ اور اسلام لانے کی دعوت کے وقت کوئی کرامات اور کوئی خوارق عادت آنحضرت سے ظاہر نہیں ہوئی"۔ ابن رشد نے اتنا صحیح لکھ کر ایک اڑنگا بھی لگا یا ہے کہ

" اگر ظاہر ہوئی ہے۔ تو معمولی حالات میں بغیر اس کے کہ کرامات اور خرق عادات کا دعوٰے کیا ہو"۔ لیکن یہ لفظ اگرچہ کسی موہومہ معجزہ رسالت سے تعلق نہیں رکھتے۔ تو بھی ناقابل پذیرائی ہیں۔ کیونکہ ان کا امکان بھی ویسا ہی ناممکن ہے جیسا دعوے کرنے کے متعلق ہو سکتا ہے۔ دوسروں کی نسبت علم اور عقل کا کمال ہونے سے جو بھی عجوبہ کام ممکن ہوں ہو سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ ان کے مقابلے پر اپنا عجز تسلیم کر سکتے ہیں۔ مگر خرق عادت کا اس سے کیا تعلق۔ قانون الٰہی کے خلاف کون کچھ کر سکتا ہے۔ باوجود اس کے ابن رشد صاحب قرآن کا یہ حوالہ بر وقت پیش کرتے ہیں۔

کافر کہتے ہیں۔ کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لئے چشمے نہ نکال لے۔ یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ نہ ہو۔ جس کے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نہ نکالے۔ زور سے بہتی یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا ڈالے۔ یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ نہ لاوے۔ یا تیرے لئے کوئی مزین گھر نہ ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ نہ جاوے۔ اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لانے کے۔ جب تک کہ ہم پر ایسی کتاب نہ اترے جو ہم پڑھ لیں۔ (اس پر خدا

فرماتے ہے) تو ان سے کہدے۔ کہ پاک ہے۔ میرا پروردگار۔ میں تو کچھ نہیں ہوں۔ مگر رسول (اور خدا نے فرمایا کہ) نہیں روکا ہم کو آیات کے بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے"۔

غرضیکہ قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہیں دیا۔ اور اس کے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہے۔ اور اس امر کی دلائل دی ہیں۔ کہ اگر معجزات کا وقوع قبول کر لیا جاوے۔ تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ شخص خدا کا رسول ہے۔

۱۔ جو امر کہ واقع ہوا۔ اس کی نسبت اس امر کے لزوم کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ جس شخص سے وہ واقعہ ہوا وہ رسول ہے

۲۔ کوئی خرق عادت ایسی معلوم نہیں ہے۔ جو بطور خاصہ رسولوں سے مخصوص ہو۔

۳۔ کچھ ثبوت نہیں ہے۔ کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے۔

۴۔ اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ اس کا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہیں ہوا۔ کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ فی الحقیقت ان کا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔ مگر وہ قانون الہی لامعلوم ہے۔ ۵۔ اس کا کچھ ثبوت نہیں ہوتا۔ کہ جو امر واقع ہوا۔ وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان میں ہے۔ کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

۶۔ غیر انبیا سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں۔ اور جو انبیا سے واقع ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے۔

۷۔ یہاں تک کہ اہل سحر سے جو امور واقع ہوتے ہیں۔ اُن میں و خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے

پس ہر لحاظ سے آیت یا بین آیات سے معجزہ لفظ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور حسب قول سرسید احمد صاحب خدا تعالےٰ نے تمام قرآن میں کوئی حکم خاص نسبت کسی شخص کے یا خاص کسی قوم کے مخصوص نہیں کیا ہے۔ بلکہ تمام انسانوں کے لئے یکساں حکم ہیں۔ اور نہ کسی حکم میں کوئی خاص بات یا کسی امر کی نشانی کا ہونا بتایا ہے۔

۲۷۱۔ برکت ایمان

آیت ۲۱۲ میں بتایا ہے۔ کہ علمی نعمت سے فائدہ نہ پانے پر انسان کفر یا جہالت کا شکار ہوتا ہے۔ اور اس عارضی دنیوی زندگی میں عیاشی کو اختیار کرتا ہے۔ اسے نفسانی خواہشات ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ ایمان لانے والوں پر اُلٹا تمسخر کرتا ہے۔ لیکن حق پرست لوگ متقی ہوتے ہیں۔ اور انصاف الہی کے مطابق وہ بلند درجہ پاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بے حساب یا غیر معمولی رزق ملتا ہے۔ دنیوی دولت۔ آٹا اناج۔ سونا چاندی زمین وغیرہ ہی رزق نہیں! اولاد طاقت صحت دولت نیک چلنی۔ علم۔ اطمینان قلب وغیرہ سب خوبیاں رزق یا نعمت ہیں۔ اور یہ محض علم حق اور تقوی کی برکت سے حاصل ہوتی ہیں۔ کفر کی حالت میں کسی کو دولتمند یا با اختیار دیکھ کر بعض لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ کفر کی بدولت وہ بڑھ رہے ہیں۔ لیکن قرآن بار بار کہتا ہے۔ کہ گناہگاروں کو جو کچھ مل رہا ہے۔ بطور امتحان ہے۔ اور ان کو دکھ دینے کے لئے ملتا ہے۔ چنانچہ وہ بیماریوں۔ بیٹوں کی نالائقیوں۔ چوریوں وغیرہ وغیرہ سے نالاں ہی نظر آتے ہیں۔

۲۷۲۔ مذہبی تاریخ پر اجمالی نظر

آیت نمبر ۲۱۳ میں پہلی دو آیتوں میں اشارہ کی گئی عالمگیر صداقتوں اور کفر و ایمان کی یوں وضاحت کی گئی

ہے۔ کہ فطرتاً سب انسان یکساں ہیں۔ اور آغاز عالم میں ایک ہی امت تھے۔ یعنی موجودہ زمانے کی مذہب وملت کی تفریق کی بجائے ایک ہی دہرم میں تھے۔ وہ دہرم کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ خدا نے نبی یا رشی ظاہر کئے تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ لوگوں کو یہ بتائیں۔ کہ نیک عمل والے سکھ پائیں گے۔ اور بُرے عمل والے دُکھ۔ یعنی وہ خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے تھے۔ اب سوال ہو سکتا تھا۔ کہ خوشخبری اور خوف دلانے کا انحصار کس قانون پر تھا۔ جواب دیا۔ کہ اس کتاب یا قانون پر جو خدا نے ان کے ظہور کے ساتھ ہی انہیں دیا تھا۔ کیونکہ قانون نہ ہو۔ تو سکھ یا دُکھ کا پھل کیسا اور سکھ یا دُکھ کا پھل نہ ہو۔ تو خوشخبری اور خوف کے کیا معنے۔ رہی یہ بات۔ کہ اس الہام کی ضرورت کیا تھی۔ بتایا گیا یہ کہ انسانوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ ہونا رہے۔ چونکہ انسان فطرتاً محدود العلم اور محدود العقل ہے۔ اور اس وجہ سے اختلاف رائے کا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے اختلاف رائے کو دور کر کے انسانوں کے باہم متحد رہنے کے لئے کامل علم ملا۔ چنانچہ آریہ سماج اور سناتن دہرم سبھا کے مابین کسی بھی مضمون مثل بت پرستی وغیرہ پر مباحثہ ہو تو ہر فریق دوسرے سے ابتدائی الہام وید کا منتر پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مگر عملاً دنیا میں ظاہر یہ ہوا۔ کہ رفتہ رفتہ بہت سے مذاہب جاری ہونے لگے۔ سوال یہ ہوا۔ کہ جب الہامی کامل علم بھی ملا۔ اور لوگوں تک مسلمہ صداقتوں اور سچے اصولوں کا پرچار بھی ہوگا۔ پھر مذہبی تفریق ہونے کے کیا معنے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس میں علم الٰہی کی ذمہ واری نہیں۔ انسانوں کی باہمی ضدیں یا تعصبات اس پھوٹ کی علت ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ واضح کیا ہے۔ کہ نہ یہ پھوٹ پائدار ہے۔ اور نہ مذہب۔ کیونکہ خدا اہل ایمان کو اپنی عنایت سے پھر وہی راستہ دکھانے والا ہے۔ چنانچہ یہ بھی اسی کی عنایت کا ثبوت ہے۔ کہ عرب میں حضرت محمد صاحب کی معرفت پھر اسی ابتدائی الہام کی تعلیم کی اشاعت ہوئی۔ اور اسی کی سوامی دیانند کی معرفت ہندوستان میں غرضیکہ اس آیت میں دنیا کے آغاز سے انجام تک کے مذہبی اتہاس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

۲۷۲۔ ستیارتھ پرکاش کا بیان

آیت ۲۱۳ کے الفاظ پر مزید غور کریں۔ تو معلوم ہوتا ہے جو باتیں سوامی دیانند نے وید کے الہام کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں لکھی ہیں۔ ہو بہو وہی قرآن میں عموماً اور اس آیت میں خصوصاً آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت محمد صاحب نے لکھی تھیں۔

اول یہ کہ الہام آغاز عالم میں ہوا۔ دوم یہ کہ سب انسانوں کا اصل دہرم ایک ہی ہے۔ سوم۔ یہ کہ وہ دہرم اس الہام پر مبنی تھا۔ جو اولین رشیوں کو ملا۔ چہارم یہ کہ وہ الہام ان رشیوں کے ظہور کے ساتھ ہی ہوا (اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ) پنجم یہ کہ ان رشیوں نے اور لوگوں کو اس دہرم کی تعلیم دی۔ یعنی نیکوں کو بشارت اور بدوں کو خوف دینا ان کا کام تھا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے وید کی اس ہدایت پر عمل کیا کہ

यथेमां वाचं कल्याणी मावदानि जनेभ्यः।

ब्रह्मराजन्याभ्यां शूद्राय चार्याय च स्वाय चारणाय च।

جس طرح میں نے وید کی کلیان کاری بانی کا برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر۔ استری نوکر چنڈال تک کے لئے ظہور کیا ہے۔ ویسے ہی نیک لوگ سب انسانوں کو اس کی ہدایت دیویں ششم یہ کہ وید مستند بالذات ہے۔ کیونکہ انسانی اختلافات کے لئے وہ مستند مانا گیا ہے۔ اس کے لئے کسی سند کا ہونا تسلیم نہیں کیا گیا متو سمرتی میں بھی یہی

ہدایت ہے۔ کہ :

धर्मं जिज्ञासमानानां प्रमाणं परमं श्रुतिः ॥

یعنی متلاشیان حق کے لئے پرم پرمان (آخری سند) وید ہی ہے۔ ہفتم یہ کہ اس عالمگیر دہرم کے بعد دنیا میں باہم مختلف جس قدر انسانی مذاہب چلتے ہیں۔ باہمی تعصبات یعنی جہالت وعداوت سے چلتے ہیں۔ ہشتم یہ کہ اس عالمگیر دھرم کا ناش نہیں ہوسکتا۔ خدا کی عنایت سے وقتاً فوقتاً سچے اُپدیشکوں کا ظہور ہوکر اسی قدیم دہرم کا پرچار ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ سارے جہاں کو آریہ یا نیک بناؤ۔ कृण्वन्तो विश्वमार्यं کے حکم کی تعمیل میں اپنا جیون لگا دیتے ہیں۔

۲۷۳ - انسانی جماعت

اس آیت سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے۔ کہ انسانوں نے مذہبی یا ملکی یا مجلسی طور پر یعنی ذات پات کی صورت میں جو تقسیم کر رکھی ہے۔ وہ محض تنگ خیالی یا تعصب کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سب انسانی جماعت کی ایک ہی امت ہے۔ جیسے حیوانات کی ایک نوع ہے۔ ویسا ہی انسان کی ایک نوع ہے۔ حیوانوں میں گائے۔ گھوڑا اونٹ وغیرہ کے الگ الگ گروہ بھی ایک مخصوص جاتی ہیں۔ ان کی جسمانی بناوٹ وشکل وغیرہ سے حیوانوں میں مختلف جاتیاں ظاہر ہیں۔ ایسے ہی ایک جاتی انسان ہے۔ تمام پیدا شدہ بچوں کو اکٹھا کیا جاوے۔ اور انہیں باہم ملایا جاوے۔ تو کوئی بھی کہہ نہیں سکتا۔ کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان۔ یہ عیسائی ہے۔ یہ بدھ وغیرہ مطلب یہ کہ سب کی شکل وبناوٹ ایک ہے۔ اور وہ نوعیت کے لحاظ سے ایک ہی جاتی ہیں۔ اور اسی کا مفہوم یہ ہے۔ کہ قدرتاً سب کا دہرم ایک ہے۔ اور قرآن اسی مستقل مساوات کو ظاہر کرنے کے لئے اس ازلی ابدی اور عالمگیر دہرم کی عظمت بیان کرکے سب کو پھر متحد ہونے کی تلقین کرتا ہے۔

۲۷۴ - ہمت مرداں مددِ خدا

آیت ۲۱۴ میں اشاعت حق کے لئے غیر معمولی جدوجہد کی تحریک کی گئی ہے۔ موجودہ کوشش کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اور اشاعت حق کے لئے جوش دلانے کو کہا گیا ہے۔ کہ کیا اسی برتے پر جنت کے امیدوار بنے بیٹھے ہو۔ تمہارے بزرگوں نے جو جنت کو پایا۔ تو بڑے تپ سے پایا۔ تم کیا خالی باتوں سے ہی جنت لینا چاہتے ہو۔ خیال کرو۔ بزرگوں نے کیا کیا اذیتیں پائیں۔ تکلیفیں جھیلیں۔ مخالفتوں کے پہاڑ ان پر گرے۔ حتیٰ کہ باوجود انتہائی مستقل مزاج ہونے کے وہ بھی بارہا گھبرا جاتے تھے۔ اور کیا ان کے رسول اور کیا وہ چلا اٹھتے تھے۔ نہ جانے مدد الٰہی کب ملیگی۔ یہ سب کچھ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ حق پر چلنے والے فریق کو انتہائی قربانی سے کام لے کر حق کی اشاعت کرنی چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ کتنی بھی مصیبتیں آئیں۔ گھبرائیں نہیں۔ پورا اعتقاد رکھیں۔ کہ خدا کی مدد اب آئی کہ آئی۔ بہ قول ہمت مرداں مددِ خدا۔ سنسکرت لٹریچر میں انسان کی جدوجہد کے لئے دو طریق مذکور ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان ریاضت یا تپ سے گیان یا علم حق حاصل کرتا ہے۔ اور تمام دکھوں سے چھوٹ کر اس گیان کی بدولت نجات کو پاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان تپ یا ریاضت کرکے راج کو پاتا ہے۔ اور اس راج کی نعمتوں میں غرق ہوکر نرک کو جاتا ہے۔ یعنی ایک سلسلہ ہے۔ تپ سے گیان اور گیان سے مکتی ورودوسرا سلسلہ ہے۔ تپ سے راج اور

راج سے نرک۔ قرآن خالص مذہبی جدوجہد کی تلقین کرتا ہُوا انسانوں کو انتہائی جدوجہد کی تحریک دیتا ہے۔ لیکن اس جدوجہد کا نصب العین الہامی علم یا سچّا گیان ہے۔ اور اس کا پھل جنت یا نجات ہے۔

۲۷۵۔ خرچ کا سوال

چونکہ ساری جدوجہد کا مرکز عالمگیر دھرم کی اشاعت کو بنایا گیا۔ اس لئے قدرتاً سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ اس کے لئے خرچ کیا اور کس طرح کریں۔ آیت ۲۱۵ میں اس کا جواب دیا گیا۔ کہ اوّل تو خرچ کرو۔ مِنْ خَیْرٍ یعنی نیک کمائی سے اور پھر یہ یاد رکھو۔ کہ وہ والدین۔ قریبی رشتہ داروں۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں (اتتھیوں) کے لئے ہے۔

قرآن گویا اس سب قسم کے خرچ کو دھرم میں ہی شمار کرتا ہے۔ ہر جگہ خرچ کرنے کے ساتھ راہ حق مذکور یا محذوف ہے۔ اور اس آیت میں بالتفصیل واضح کیا گیا ہے۔ کہ راہِ حق والے خرچ سے کیا مراد ہے۔ ویدک دھرم میں یہ سب خرچ دھرم کا خرچ ہیں۔ اور اشاعت حق کا کام اطمینان سے ہو بھی تبھی سکتا ہے۔ جب اس طرح تمام متعلقین کی ضروریات کا انتظام سوسائٹی میں جاری ہو۔ ویدک دھرم میں تبلیغی کام کا مستقل انتظام یہ ہے۔ کہ عالم لوگ دنیا داری کی زندگی کے بعد علیحدگی اختیار کریں۔ اور بان پرست میں ۲۵ سال رہ کر بعد میں تبلیغ حق کے لئے نکلیں۔ یا سنیاسی بنیں۔ اور ہر کہیں سفر کر کے پہنچیں اور اپنے عمر بھر کے علم اور تجربے سے سب گرہستیوں کی رہنمائی کریں۔ اور تمام خانہ داروں کا فرض تھا۔ کہ دنیا کی بہبود میں دلچسپی لینے والے جو راہِ حق دکھانے کو ہر وقت سفر کر کے جہاں تہاں پہنچتے ہیں۔ ان کو ہرگز ہرگز جسمانی حفاظت کے لئے کسی بھی ضروری سامان کے متعلق تکلیف نہ ہو۔ ان لوگوں کو اپنی آمد کی تاریخ تک کی اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہر کہیں اتتھیوں کی انتظار کا مستقل حکم ہے۔ سو وہ لوگ پھرتے ہوئے جہاں بھی کسی شہر قصبہ یا گاؤں میں پہنچتے تھے۔ لوگ صدق دل سے ان کا خیر مقدم کرتے اور ہر ایک دست بستہ یہی دعا کرتا نظر آتا تھا۔ کہ میرے گھر کو پاک کیجیئے۔ اس طرح اشاعت حق کا کام مستقل طور پر بغیر چندوں اور فنڈوں کے ہوتا رہتا تھا۔ اور اسی کو مد نظر رکھ کر قرآن ابن السبیل کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور گو اس کا ترجمہ مسافر کیا جاتا ہے لیکن دوسرے لوگ جو تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہیں۔ ان کے لئے خرچ کا انتظام مذہبی طور پر سوچنا ضروری ہی نہیں۔ اس لئے یہاں ابن السبیل مراد ان اتتھیوں سے ہی ہے جو پبلک کو اپنی قابلیتوں سے مستفیض کرنے کو ہی دورہ کرتے پھرتے ہیں۔ اسی سوال کو آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کا ذکر کرتے ہوئے دوہرایا گیا ہے۔ کہ شراب اور جوئے میں تو خرچ نہ کریں۔ پر راہ حق میں کیا خرچ کریں۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جو کچھ ضروری اخراجات کے بعد بچے۔ یا ان ضروریات سے زائد ہو۔ وہ راہ حق میں خرچ کرو۔ مطلب یہ کہ یا جسمانی ضروریات پر خرچ کرو یا اشاعت حق میں عیاشی یا گناہ میں کچھ خرچ نہ ہو۔ اور جیسے آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ سب کام دھرم کے مطابق بھلائی برائی کو وچار کر کے جاویں۔ اسی طرح آیت ۲۱۹ میں کہا گیا ہے۔ کہ خدا تم پر دھرم کی ہدایت ظاہر کرتا ہے۔ اس پر غور و فکر کر کے عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ جس سے دنیا اور آخرت یا لوک اور پرلوک دونوں سدھریں۔ ضروریات سے زائد دھن کے متعلق منوسمرتی وغیرہ میں ہدایت ہے کہ تارک الدنیا عالم سنیاسی لوگوں کو دو۔ دنیا دار لوگ اسے بجز فیض عام میں نہیں لگا سکتے۔ قرآن اس کے مقابلے پر اس آیت میں اور سورۃ انفال میں یہی ہدایت دیتا ہے۔ زائد مال خدا اور رسول کا۔ اور اس میں حصہ دار تمام قریبی اور یتیم نیز اتتھی لوگ ہیں۔

۲۷۶۔ جہاد بمعنے جدوجہد

آیت ۲۱۶ تا ۲۱۸ میں جہاد کا ذکر ہے۔ مفسرین اس کو جنگ سیف اور خون خرابہ کے معنے میں لیتے ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے۔ جہاد یہاں بھی محض اشاعت حق کے متعلقہ جدوجہد کی طرف ہی اہلِ ایمان کو متوجہ کرتا ہے۔ کسی خونریزی کی طرف نہیں۔

۱۔ مضمون علم حق اور اس کی اشاعت کا ہے۔ اور جنگ سیف سے اس کے کسی پہلو کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ جن گذشتہ لوگوں کے عمل کو قابل تقلید اور جنت کے لئے ضروری بتایا ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ ذکر نہیں۔ کہ انہوں نے کبھی کشت وخون والے جنگ میں حصہ لیا ہو۔ یہی کہا ہے۔ کہ مصیبتیں اذیتیں انہوں نے جھیلیں ان پر مشکلات کے پہاڑ گرے۔ اور گھبراہٹ سے ان کے دل ڈگمگا بھی گئے۔ مگر انہوں نے خدا کی مدد کے لئے ہی پکار کی، خود جنگ وخونریزی کبھی نہیں کی۔ گویا مشنری کام میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہے۔ یا خدا کے توکل کی۔ جنگی جہاد کی ہرگز ہرگز نہیں۔

۳۔ اگر کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ سے یہ مراد ہے۔ کہ کشت وخون والا جنگ تمہارا فرض ہے۔ تو مذہبی تبلیغ کے لئے کونسی جگہ ہے۔ عالیس تقریری وعظ یا مباحثہ جات سے ہی جھوٹے مذاہب کا نام تک مٹانے کو یہاں قِتال کہا گیا ہے۔

۴۔ جنگ سیف کے لئے علیحدہ فوج چاہیئے سچے مذاہب پر ایمان لانے والے لوگ اس کے لئے مقصود ومخاطب ہی نہیں ہو سکتے۔

۵۔ اگر ان آیات پر معمولی بھی غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب حرمت والے مہینے میں بھی اس دھرم یدھ کو پوری طاقت سے جاری رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ مفسرین آیت ۲۱۷ میں شَهْرُ الْحَرَام کے متعلق کئے گئے سوال کے جواب میں قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ کے ظاہری معنے کے لحاظ سے ہمارے اس دعوے پر تعجب کر سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سلسلۂ مضمون پر غور کئے اور اس سے دفاع کئے بغیر وہ محض یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ "حرمت والے مہینے میں جنگ بہت برا ہے"۔ دراصل یہ پوزیشن فریق مخالف کی بتائی ہے۔ جیسے پہلی آیت میں قِتال کے لئے کہا گیا تھا۔ کہ "هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ" مطلب یہ کہ خواہ یہ تمہارے لئے مکروہ ہے۔ یا تمہیں برا لگتا ہے۔ تو بھی تمہارا یہ فرض ہے۔ اسی طرح شَهْرُ الْحَرَام میں جنگ کے متعلق سوال کرنے والے وہ ہیں۔ جو اس جدوجہد میں حصہ لینے کے متعلق متشکی سے ہیں۔ اور مخالف مذاہب کے مجمع کی کثرت سے خوفزدہ یا عام امن پسندی کے جذبہ کے زیر اثر وہ اس مذہبی جنگ سے برے نتائج کے امکان کا خیال کر کے اسے بہت برا سمجھتے ہیں۔ سو ان کی پوزیشن کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ آنحضرت کی نہیں۔

۶۔ سلسلۂ مضمون کا مقصد قِتال کے لئے لوگوں کو جوش دلانا ہے۔ اس لئے آنحضرت کی طرف سے اسے بڑا گناہ کہا جانا صحیح نہیں ہو سکتا۔

۷۔ ترغیب یہ دی ہے۔ کہ تمہیں حکم خدا کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ دوسرے نشیب وفراز کی چنتا نہ کرنی چاہیئے۔ اکثر ہوتا ہے۔ کہ انسان کو وہ بات بری لگتی ہے۔ جس میں اس کی حقیقی بھلائی ہو۔ اور وہ اچھی لگتی ہے جو فی الحقیقت اس کے لئے بری ہو۔ پس اپنی رائے کو چھوڑ کر تعمیل حکم میں ہمت کرنی چاہیئے۔ اسی سلسلے میں اگلی آیت میں قِتال کے گناہ کبیرہ ہونے کا تعلق مخاطب فریق کی رائے سے ہے۔ متکلم سے نہیں

۸۔ آنحضرت کو حکم ہے۔ کہ لوگوں کو کہہ دو۔ کہ حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنا جیسا کہ تمہاری رائے ہے بہت برا ہے۔ مگر راہ

حق سے روکنا یعنی اشاعت حق کی مخالفت کرنا۔ خدا سے انکار کرنا۔ مسجد الحرام میں نہ آنے دینا وہاں سے خدا کے لوگوں کو نکالنا کیا اس سے کم برا ہے؟ نہیں۔ خدا کے ہاں یہ کام اس سے بھی برے ہیں۔ اور یہ مذہبی پھوٹ کا فتنہ ایک دوسرے سے قتل یعنی حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے مباحثہ سے زیادہ برا ہے۔ اور پھر جب مخالف لوگ بلا ناغہ یا مسلسل برابر جھگڑے جاری رکھتے ہیں۔ اور تمہیں تمہارے سچے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے انتہائی کوشش کئے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمار احرمت والے مہینے میں اپنے کام کو بند رکھنا چاہئے۔ یہ بھی واضح رہے۔ کہ قرآن میں ایک خاص مہینہ شہر الحرام نہیں مانا گیا۔ بلکہ سارے مہینوں کو ایک سا قابل ادب مانا گیا ہے۔ اور کسی مہینے میں بھی برا کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس لئے حرمت والے مہینے کی خصوصیت کا تقاضا دوسرے فریق کا دعویٰ ہے آنحضرت کا نہیں۔

۹- آیت ۲۱۸ میں کہا ہے۔ کہ حق کو قبول کرنے والے اور راہِ حق میں ہجرت کرنے والے اور جہاد کرنے والے لوگ ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ یہاں صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ حق کو قبول کرنے پر مخالفتوں اور اذیتوں کی وجہ سے ہجرت کریں۔ اور جہاد کریں ان پر خدا کی رحمت ہو گی۔ اس میں مشنری سپرٹ کا تقاضا یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ سچے لوگ اذیتیں ملنے پر اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ رہائش اختیار کر لیں۔ خود ان سے مقابلہ پر فساد نہ کریں۔ ہاجرو کے آگے جاھدو لفظ جدو جہد کرنے کے معنے میں ہے۔ اور یہ بتانا ہے۔ کہ اذیتیں ملنے پر ہجرت کریں۔ اور باوجود بے وطن ہونے کے بھی کوشش برابر کرتے رہیں۔ تو وہ بلاشبہ رحمت الٰہی کے مستحق ہیں۔ اگر ہجرت اور موہومہ جہاد کے دو فرض بتائے جاتے۔ تو یہ دونوں ناقابل عمل ہوتے۔ ایک ساتھ یہ دو رہ ہی نہیں سکتے۔ اور دو باہم مخالف حکم ایک ہی وقت میں کسی عالم سے مل نہیں سکتے۔ غرضیکہ آنحضرت اشاعت حق کے لئے ہر حالت میں جدوجہد باہمت اور پورشا رکھنے کے حق میں ہیں۔ کشت و خون والے جہاد کے حق میں نہیں۔

۲۷۷- شراب اور جوا

آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوا کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے۔ مگر نقصان فائدے سے زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں بحیثیت مجموعی نقصان رساں ہیں۔ فائدہ تو کسی بیماری میں شراب کی قلیل مقدار سے ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں تو زہر بھی دوائیوں کا کام خاص بڑے بڑے مرضوں میں دیتی ہیں۔ شراب پلا کر مختلف طریق سے لوگ اپنے کام بھی نکال لیتے ہیں۔ تھوڑی سی برانڈی خاص قسم کے مریضوں کو بڑی بڑی نازک حالت میں فائدہ پہنچاتی ہے۔ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے روپیہ کما لیتا ہے۔ لیکن شراب سے عقل کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور شراب اور جوئے دونوں سے بڑے بڑے گھر برباد ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ صرف شرابی اور جواری خود ان کے بچے ان کی بیوی اور دیگر متعلقین ہر طرح کی ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ روپیہ زیور پارچہ سامان مکان سب کچھ ان بری عادتوں میں مبتلا لوگ برباد کرتے اور عقل و دماغ پر برا اثر پڑنے سے سنبھلنے کے ناقابل ہو کر آخر بھیک مانگتے دیکھے جاتے ہیں۔ ان نقصانوں کے مقابلے پر ان کے فائدے کسی شمار قطار میں نہیں۔

۲۷۸- عیسائی مذہب اور شراب

بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے وید اور منوسمرتی اور عیسائی مذہب کے متعلق مے نوشی کے جواز کا الزام لگایا گیا ہے۔ حالانکہ درحقیقت شراب اور جوا

عموماً تمام مذاہب میں ممنوع ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ

" عیسائیت نے حد ہی کر دی۔ کہ مذہب کی بنیاد ہی گویا شراب پر رکھ دی۔ انجیل یوحنا میں حضرت مسیح کا سب سے پہلا معجزہ ایک شادی میں پانی کے مٹکوں کو شراب میں بدل دینا تھا۔ یہ گویا آئندہ کی خبر تھی۔ کہ یہ قوم پانی کی جگہ شراب پیئے گی۔ پھر یہ لکھا ہے۔ کہ کوئی شخص عیسائی نہیں رہ سکتا۔ جب تک سال بھر میں ایک دفعہ شراب نہ پیئے۔ کیونکہ عید فسح میں شراب جزو لازم ہے۔ بلکہ اسی شراب کے گھونٹ کو مسیح کے خون کا قائمقام قرار دے کر اتحاد عیسائیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے"۔ ہماری رائے میں ان الفاظ میں عیسائیت سے بے انصافی کی گئی ہے۔ کیونکہ عیسائی کتب مقدسہ سے شراب کی ممانعت کے بڑے بڑے ثبوت ملتے ہیں۔ اور جو ثبوت بیان القرآن نے دیئے ہیں۔ ان کی تعبیر ایسی ہو سکتی ہے۔ کہ مفہوم ہی اور نکلے یا کم سے کم عیسائیت سے جواز شراب کی ذمہ واری دور ہو۔ (قاضیوں $\frac{13}{4}$) منوحہ کی بیوی کو فرشتہ نے لڑکے کی بشارت دے کر کہا۔ سو اب خبردار رہو۔ اور مئے یا نشے کی کوئی چیز نہ لیجیو۔ امثال سلیمان $\frac{20}{1}$) مئے مسخرہ بناتی ہے۔ اور مست کرنے والی ہر ایک چیز غضب آلود کرتی ہے جو ان کا فریب کھاتا ہے۔ وہ دانشمند نہیں ہے۔ (امثال سلیمان $\frac{1}{20 و 21}$) تم ان لوگوں میں شامل مت ہو۔ جو مے خوار ہیں۔ ورنہ ان میں جو اپنے جسم کو شہوت سے رسوا کرتے ہیں۔ کیونکہ جو شرابی اور اوباش ہیں۔ کنگال ہو جائیں گے۔ اور نیند انہیں چیتھڑے پہنائے گی۔ (امثال سلیمان $\frac{23}{35-26}$) میں شراب نوشی کے عادی کو افسوس۔ غم۔ لڑائی یا وہ گوئی کا شکار بے سبب گھائل کہا ہے۔ اور شراب کو سانپ کی طرح کاٹنے اور بچھو کی طرح ڈنگ مارنے والا کہا ہے۔ (امثال $\frac{3}{8-4}$) بادشاہوں کو مے خوری زیبا نہیں۔ اور نشے والی چیزیں شہزادوں کے لائق نہیں۔ نہ ہو کہ پیویں اور شریعت کو بھلا دیں۔ اور مظلوموں میں سے کسی کا انصاف کرتے ہوئے بھٹک جاویں۔ (یرمیاہ $\frac{35}{1-7}$) میں نے مے سے بھرے ہوئے قدح اور پیالے ریکابیوں کے گھرانے کے بیٹوں کے آگے دھرے اور ان سے کہا۔ کہ مے پیو۔ پر انہوں نے کہا۔ کہ ہم مے نہ پیئیں گے۔ کیونکہ ہمارا باپ یوندب بن ریکاب نے یہ کہہ کے ہم کو حکم دیا۔ کہ تم مے نہ پینا۔ نہ تم نہ تمہارے بیٹے ہمیشہ تک (حبقوق $\frac{2}{15}$) اس پر واویلا ہے۔ جو اپنے ہمسائے کو مے پلاتا ہے (افسیوں $\frac{5}{}$) اور شراب پی کر متوالے نہ ہو۔ کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ محض اپنے عقیدہ یا مذہب کی فضیلت جتانے کے لئے دوسرے مذہب سے بے انصافی کرنا مذہب کی اصل غرض کو نقصان پہنچاتا ہے۔ چنانچہ موجودہ حالت میں عیسائیت کو جواز شراب کے حق میں بتانا یہی نتیجہ لا سکتا ہے۔ کہ بعض شراب نوشوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور جس قرآن کی فضیلت جتائی جاتی ہے۔ اس کی تعلیم کے خلاف عملی انحراف کرنے کے لئے انہیں جرأت ہو۔ اس لئے ہمیں انجیل سے بھی ثبوت پیش کرنا پڑا۔

۲۷۹ - ویدک دھرم اور شراب

قرآن میں جو شراب اور جوئے کی ممانعت ہے۔ وہ قدیم کتاب یا شریعت کی ہی تصدیق ہے۔ قرآن کا دعوےٰ ہی یہ ہے۔ کہ وہ قدیم قرآن کی صداقتوں کی ہدایت دیتا ہے۔ بائیبل بھی یہی کہتی ہے۔ کہ مے نوشی سے شریعت بھول جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس ممانعت کے لئے قدیم شریعت قابل تعریف ہے۔ یا بعد کے لوگ جو اس شریعت کے فیضان سے نیک و بد کو سمجھ کر اصلاح کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یقیناً سب

سے اوّل شراب اور جوئے کی ممانعت ویدنے کی اور اسے حکم الٰہی سمجھ کر بعد کے ریفارمر اس کی تائید کرتے آئے۔ لہٰذا بیان القرآن کے یہ لفظ کسی صداقت معقولیت یا دور اندیشی پر مبنی نہیں۔ کہ "ہندوؤں میں بھی شراب کا استعمال کتب مقدسہ کی بناء پر جائز مانا گیا ہے۔ یجروید میں جو چیزیں دیوتاؤں کو پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک شراب بھی ہے۔ منوسمرتی میں ہے۔ کہ ماس اور شراب ان دونوں کے کھانے میں کچھ دوش نہیں" منوسمرتی سے ہی یہ ثابت ہے۔ کہ بعض مذہبی تیوہاروں میں شراب پینے میں کوئی دوش نہیں" بغیر دلیل یا ثبوت کے یہ الفاظ لکھ کر ویدک دھرم سے ہی بے انصافی نہیں کی گئی۔ حد اعتدال سے متجاوز تعصب کا ثبوت دے کر راقم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا ہے۔ ویدمنوسمرتی وغیرہ میں تو شراب کی وہ مذمت ہے۔ کہ باید و شاید۔ سنسکرت گرنتھوں میں سے حوالہ جات قلمبند کئے جائیں۔ تو بڑی ضخیم کتاب میں بھی نہ سمائیں۔ لہٰذا بطور نمونہ وید و منوسمرتی کا ایک آدھ حوالہ دے دینا بیان القرآن کے بے ثبوت دعوے کے لئے کافی ہے۔ اتھروید کانڈ ۶- سوکت ۷۰ منتر ۱

यथा मांस यथा सुरा यथाक्षा अधिदेवने।
यथा पुंसो बृषण्यत स्त्रियां निहन्यते मनः
एवा ते अघ्न्ये मनोऽधि वत्से नि हन्यताम् ॥ १॥

جیسے ماس جیسے شراب جیسے جوا (پرانی اپرانی سے داؤ لگانا) اور جیسے زنا سے من ہنن ہوتا ہے۔ ایسے ہی تیرا من بھی پرپرش میں ہنن ہوتا ہے۔" گویا ایک ہی منتر صرف شراب ہی نہیں۔ گوشت خوری جوا زنا سب کی تردید کرتا ہے۔ اسی ہدایت کو منودھرم شاستر ادھیائے ۷ شلوک ۵۰ میں بیان کرتا ہے۔

पानमक्षाः स्त्रियश्चैव मृगया च यथाक्रमम्।
एतत्कष्टतमं विद्याच्चतुष्कं कामजे गणे ॥ ५०॥

نشہ پینا جوا کھیلنا زنا شکار کھیلنا یہ چاروں کام سے پیدا ہونے والی خرابیاں ایک سے ایک بڑھ کر دکھدائی ہیں۔ منو ادھیائے ۲ شلوک ۱۷۷ میں کہا ہے۔

वर्जयेन्मधुमांसंच गन्धंमाल्यंरसा न्स्त्रियः।
शुक्तानियानिसर्वाणि,प्राणिनां चैव हिंसनम् ॥ १७७॥

ان چیزوں کو چھوڑ دیوے۔ شراب، گوشت خوشبو۔ مالیہ۔ اچھے میٹھے رس۔ استری (سرکا وغیرہ) جو کھٹی چیزیں ہیں اور پرانیوں کی ہنسا

رگوید ۸-۲-۱۲ میں ہے۔

हृत्सु पीतासो युध्यन्ते दुर्मदासो न सुरायाम्। ऊधर्न नग्ना जरन्ते ॥

بڑے شراب خور بدمستوں کی طرح لڑتے ہیں۔ اور رات کو ننگوں کی طرح شور اور بکواس کرتے ہیں وغیرہ

۲۸۰۔ یتیموں سے سلوک

آیت ۲۲۰ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ یتیموں کی بہتری ہی سب کو مدنظر رہے۔ حتیٰ کہ انہیں اہل قبیلہ کی طرح ملا جلا رکھا جاوے۔ بطور اپنے بھائی یا ممبر قبیلہ کے۔ ان کو سوسائٹی کے لوگ جتنا بھی علیحدہ رکھتے

ہیں۔ اتنا ہی ان کے دل کے اندر اپنی یتیمی بے بسی اور حقیر سمجھا جانے کا خیال بنا رہتا ہے۔ جو ان کو ترقی نہیں کرنے دیتا۔ اس لئے قرآن ان سے بھائی بندوں کا سا سلوک کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ خیال دلاتا ہے۔ کہ ان سے نفرت نہ کرو۔ بلکہ خدا کا شکریہ ادا کرو۔ کہ اس نے تمہیں اس مصیبت میں نہیں ڈالا۔ اور اس شکریہ میں ان سے حسن سلوک بھی ہو۔ سورۃ النساء میں یتیم لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے۔ کہ ان کے مال خورد برد نہ کرو۔ بُرے مالوں کو ان کے اچھے مالوں سے خلط ملط کر کے بدلو۔ اور ساتھ ہی کہا ہے۔ کہ اگر یتیم لڑکیوں کو برابری کا درجہ دینے کی ہمت نہ ہو۔ تو ان سے نکاح نہ کرو۔ خواہ دوسری دو دو۔ تین تین چار چار۔ اپنی حسب پسند عورتوں سے شادی کر لو۔ گویا یتیم لڑکی سے شادی کر کے اسے مساوی درجہ نہ دینا اتنا بڑا گناہ ہے۔ کہ دو تین اور چار دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے گناہ سے بھی بڑا ہے۔

۲۸۰۔ نکاح میں بھی ایمان کی شرط

قرآن ان آیات میں الہامی علم کی عظمت کا احساس کرانے کے علاوہ اس کی اشاعت کے لئے اہل ایمان کو ہر ممکن طریقہ استعمال میں لانے کی ہدایت کرتا ہے۔ عالمگیر اتحاد یا کل انسانوں کی ایک اُمت۔ عالمگیر سچائیوں کا علم۔ معجزہ وغیرہ ناممکنات سے اجتناب۔ علم یا الہام الہی کی تبلیغ استقلال بھری جدوجہد۔ راہِ حق میں مالی امداد۔ حق و باطل کے فیصلے کے لئے مذہبی مباحثے۔ شراب جوآ وغیرہ خرابیوں سے بچنا اور ان میں خرچ نہ کرنا۔ کا بیان کر کے اخیر میں نکاح کے متعلق بھی یہی رائے دیتا ہے۔ کہ اس میں ایمان کو خصوصی درجہ دیا جاوے۔ ویدک دھرم میں شادی کے لئے صفات اعمال اور عادات کی مطابقت پر ہی شادی کا انحصار ہے۔ نیک ایماندار انسان کا بری عورت سے یا نیک عورت کا برے آدمی سے وواہ ہونا جائز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قرآن ہدایت دیتا ہے۔ کہ کوئی مومن مرد مشرک عورت سے نکاح نہ کرے۔ اور نہ مومنہ مشرک مرد سے۔ کہا ہے۔ خواہ مشرک عورت تمہیں کتنی بھی پیاری اور اچھی لگے۔ اس سے نکاح نہ کرو۔ مومن لونڈی اچھی پر مشرک آزاد عورت بُری۔ ایسے ہی مشرک مرد کی نسبت۔ ایک مومن غلام عورت کے لئے اچھا ہے۔ یہ ہے اس توحید کا جذبہ جس کی اشاعت ہر امر میں حتےٰ کہ نکاح میں بھی سب سے مقدم سمجھی گئی ہے۔ واقعی آج کل کے نکاح یا بیاہ جو صورت شکل دولت یا شہوت پرستی کے زیر اثر نکاح ہوتے ہیں۔ قرآن کے آدرش کے خلاف ہیں۔ وید میں ایشور و وید کے نندک ناستک کو برادری و دیش سے خارج مانا گیا ہے۔ ایشور کے نہ ماننے والے سے نکاح کیا۔ ہر قسم کا ویوہار ممنوع مانا گیا ہے۔ منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۶ و ۷ میں ہدایت ہے۔ کہ چاہے کتنی بھی دولت اجناس گائے۔ بکری۔ ہاتھی۔ گھوڑے حکومت وغیرہ سے مالا مال خاندان ہو۔ تو بھی اگر نیک عملوں سے گرا ہوا۔ نیک اور خدا پرست وید کے عامل وغیرہ انسانوں سے محروم ہو۔ تو اس کے لڑکے یا لڑکوں سے شادی نہ کرے۔ ایسے ہی ادھیائے ۹ شلوک ۸۹ میں ہدایت ہے۔ کہ خواہ لڑکا لڑکی عمر بھر مجرد رہنا منظور کریں۔ مگر وصف عمل اور فطرت باہم مخالف ہوں تو بیاہ نہ کریں۔ چونکہ مرد عورت میں سے ایک موحد ہو۔ اور دوسرا مشرک۔ تو ان کے باہمی اختلافات سے گھر دوزخ کا نمونہ بن سکتا ہے۔ اس لئے ایسا انمیل نکاح واقعی ممنوع ہونا چاہیئے۔

آیت کے آخری الفاظ کہ مشرک دوزخ کی طرف بلاتا ہے۔ اور اللہ جنّت کی طرف۔ واقعی وزندار ہیں۔

مشرک کی صحبت دہریہ پن اور دہریہ پن نیک عملوں سے بے پرواہی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بے پرواہی گناہوں اور دکھوں کا موجب ہے۔ اور یہی دکھ دوزخ ہیں۔ برخلاف اس کے خدا کی سچی توحید سچے علم اور نیک عمل کی نعمت دیتی ہے۔ اور اس علم اور عمل کے نتیجے میں جنت یا نجات دلاتی ہے۔

۲۸۱۔ جنسی تعلقات

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ
وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَ
كُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ① نِسَاۗؤُكُمْ ۲۲۲
حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ② وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ ۲۲۳
عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ③ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ ۲۲۴
بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ④ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ۲۲۵
تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ ۲۲۶
عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑥ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ ۲۲۷
بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧﴾
الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ
اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ
بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ
النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ
وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾
وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ① وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۲۳۲
لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ
وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ
تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۲۳۳
يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ③ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ ۲۳۴
اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْ
هُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ

۲۳۵ واعلموا ان الله غفور حليم ④

لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن
فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا
بالمعروف حقا على المحسنين ① ۲۳۶ وان طلقتموهن من قبل ان تمسو
هن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون
او يعفوا الذي بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى
ولا تنسوا الفضل بينكم ان الله بما تعملون بصير ② ۲۳۷ حافظوا على
الصلوت والصلوة الوسطى وقوموا لله قنتين ③ ۲۳۸ فان خفتم فرجالا
او ركبانا فاذا امنتم فاذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون ④ ۲۳۹
والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم متاعا
الى الحول غير اخراج فان خرجن فلا جناح عليكم في ما فعلن في
انفسهن من معروف والله عزيز حكيم ⑤ ۲۴۰ وللمطلقت متاع بالمعروف
حقا على المتقين ⑥ ۲۴۱ كذلك يبين الله لكم ايته لعلكم تعقلون ⑦ ۲۴۲

تم سے حیض کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ کہدو کہ وہ ناپاکی ہے۔ لہذا ایام حیض میں ان سے الگ رہو۔ اور تاوقتیکہ وہ
پاک نہ ہولیں۔ ان سے صحبت نہ کرو۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں۔ ان کے پاس اس طریق سے جاؤ۔ جس کا کہ خدا نے
حکم دے رکھا ہے۔ تحقیق اللہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ا۔ تمہاری
بیویاں مثل تمہاری کھیتی کے ہیں۔ پس اپنی کھیتی میں اس طریق سے جاؤ۔ جو تمہارے لئے شایاں ہے۔ اور اپنے لئے

آئندہ (عاقبت) کا بھی بندوبست کرو۔ اور اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ اور جان رکھو۔ کہ تم نے اسی کے حضور میں جانا ہے
پس بشارت ہے مومنوں کے لئے۔ ۲۔ اپنی قسموں سے اللہ کو اس امر میں مانع نہ بناؤ۔ کہ نیکی کرو۔ اور پرہیز گار رہو۔ اور
انسانوں میں صلح کراؤ۔ اللہ ہر بات کو سنتا اور جانتا ہے۔ ۳۔ اللہ تم پر تمہاری لغو یا بیہودہ قسموں کے متعلق مواخذہ
نہیں کرتا۔ ہاں اس کمائی پر تم سے مواخذہ کرتا ہے۔ جو تمہارے دل نے کی ہے بے شک اللہ بخشنے والا اور علیم ہے۔ ۴۔
جو لوگ اپنی عورتوں کے متعلق قسم کھا بیٹھیں۔ سو اگر وہ ارادے سے باز آجائیں۔ تو بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے
۵۔ اور اگر طلاق کا مصمم ارادہ ہو۔ تو بھی اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۶۔ مطلقہ عورتیں تین حیض کی میعاد تک رکی
رہیں۔ اور اگر ان کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے۔ تو جو کچھ خدا نے ان کے رحموں میں پیدا کر رکھا ہے۔ اُسے چھپائیں
نہیں۔ اگر اس عرصہ میں خاوند کی خواہش صلح کی ہو جاوے۔ تو اس کا حق زیادہ ہے۔ اور جیسے عورتوں پر مردوں کا حق
ہے۔ ویسے ہی شرعی طور پر ان کا مردوں پر حق ہے۔ ہاں مردوں کا ان پر درجہ فائق ہے۔ ۷۔ طلاق دو دفعہ ہو چکا ہو۔
تو دو میں سے کوئی سا طریق اختیار کیا جاوے یا تو بدستور رکھ لیا جاوے یا بہ طریق احسن رخصت کیا جاوے۔ مگر
تمہارے لئے یہ حلال نہیں۔ کہ جو کچھ دے چکے اس میں سے کچھ واپس لو۔ سوائے اس کے کہ اندیشہ ہو۔ کہ میاں بیوی اللہ
کے باندھے ہوئے قاعدوں پر عمل نہیں کر سکیں گے۔ سو ایسی صورت ہو تو ان پر اس میں کچھ گناہ نہیں۔ کہ عورت فدیہ دیدے
یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ پس ان سے تجاوز مت کرو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں۔ وہی ظالم ہیں۔ ۱۔
پھر اگر طلاق ہی دی جاوے۔ تو وہ اس پر حلال نہیں رہتی۔ حتے اکہ بذریعہ نکاح غیر کی زوجہ بن جاتی ہے۔ اب تو وہ
دنیا خاوند ہی طلاق دے۔ تو اس کے پہلے خاوند کی طرف رجوع کر لینے میں گناہ نہیں بشرطیکہ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں
پر قائم رہ سکنے کی امید ہو۔ اور یہ حدیں اللہ سمجھداروں کے لئے بیان فرماتا ہے۔ ۲۔ پس جو طلاق دے دیوے۔ اور میعاد
پوری ہونے کو آوے۔ تو یا تو بدستور اسے زوجیت میں رکھے۔ یا اس کو شریفانہ طریق پر وداع کرے۔ مگر ان کو اس لئے نہ
روکے۔ کہ ان کو نقصان پہنچائے۔ یا ان پر زیادتی کرے۔ اور جو ایسا کریگا۔ کچھ اپنا ہی کھوئیگا۔ پس اللہ کے حکموں کو دل
لگی نہ سمجھو۔ ہاں اس نے تم پر جو عنایتیں کی ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ اور بالخصوص یہ کہ اس نے تم پر علمی کتاب اور حکمت ظاہر
کی۔ کہ تمہیں اس سے نصیحت ملے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ اور یاد رکھو۔ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ۳۔ اور جب تم عورتوں
کو طلاق دے چکو۔ اور ان کی میعاد پوری ہو جائے۔ تو تم ان کو اس بات سے نہ روکو۔ کہ وہ شرعی طور پر باہمی رضامندی
سے اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں۔ یہ ہدایت اس کے لئے ہے۔ جو تم میں سے اللہ اور آخرت کو مانتا ہے۔ نیز
یہ تمہارے لئے عقل اور پاکیزگی کی بات ہے۔ جو اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔ ۱۔ اور اگر کوئی شخص
بعد میں پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ تو اس کی خاطر مائیں پورے دو سال تک انہیں دودھ پلائیں۔ اور
باپ کا فرض ہے۔ کہ حسب دستور ماؤں کے نان نفقے کا انتظام رکھے۔ کسی پر بوجھ نہ پڑنا چاہیئے۔ سوائے اس کے جو
اس کی طاقت کے مطابق ہے۔ نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے
تکلیف دی جاوے۔ اور وارث پر بھی ویسی ہی ذمہ واری ہے۔ (جیسی کہ نان نفقے کی باپ پر ہے۔) ہاں دونوں
فریق باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں۔ تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا تھا۔ مناسب
طریق سے پورا ادا کر دو۔ اور اللہ کا تقوی رکھو۔ اور جان لو۔ کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۲۔

تم میں جو لوگ فوت ہو جاویں۔ ان کی بیوائیں چار ماہ اور دس یوم تک اپنے تئیں روکے رکھیں۔ اس میعاد کے بعد وہ اپنے لئے جو کچھ کریں۔ اس کے متعلق تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو تم کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ ۳۔ ایسا ہی تم اگر کسی بات کی آڑ میں ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اس امر کو اپنے دل میں چھپائے رکھو۔ تو اس کے لئے بھی تم پر الزام نہیں آسکتا۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ تم کو ان کا خیال آئیگا۔ مگر ان سے نکاح کا فیصلہ خفیہ طور پر نہ کرو۔ ہاں ان سے مناسب بات کہہ دو۔ اور جب تک شرعی میعاد گذر نہ لے۔ عقد نکاح کی بات کو پختہ نہ کرو۔ اور جان لو۔ کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ پس اس سے حذر کرو۔ اور جانتے رہو۔ کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ ۴۔ تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر تم ایسی عورت کو طلاق دے دو۔ جس سے تم چھوئے تک نہیں۔ اور نہ جس کا مہر مقرر کیا ہے ہاں ان کو کچھ سامان دے دو۔ صاحب حیثیت ہو تو اپنی حیثیت کے موافق اور غریب ہو تو اپنا قدر دیکھ کر۔ اہل مروت پر یہ بھی ایک حق ہی ہے۔ ۱۔ اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو۔ مگر تعلق نہ ہوا ہو۔ تو مقررہ کا نصف دینا ہوگا۔ سوائے اس صورت کے کہ عورت اپنا حق چھوڑ دے۔ یا مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ مگر تم معاف کر دو۔ تو یہ پرہیزگاری کے لحاظ سے موزوں تر ہے۔ غرضیکہ باہمی شرافت کو کبھی نہ چھوڑو۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ ۲۔ اپنی عبادتوں خاص کر سندھیا والی نماز کی حفاظت کرو۔ اور اللہ کی فرمانبرداری میں مستعد رہو۔ ۳۔ لیکن خطرہ کی حالت میں پیدل یا سوار جیسے بھی ہو۔ نماز پڑھ لو۔ بعد میں جب حالت پرسکون ہو جاوے۔ تب اس طریق پر اللہ کی یاد کرو۔ جو تمہیں اللہ نے لاعلمی کی صورت میں سکھایا ہے۔ ۴۔ جو لوگ تم میں سے بیویاں چھوڑ مریں۔ وہ ایک سال تک کے ان کے گذارے اور نکالے نہ جانے کی وصیت کر جائیں۔ لیکن اگر عورتیں گھر سے خود چلی جائیں۔ تو جو بھی اپنے لئے عمل معروف وہ کریں۔ اس کے متعلق تم پر کچھ الزام نہیں۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ۵۔ اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریق پر مال دینا متقی لوگوں پر ایک حق ہے۔ ۶۔ غرضیکہ اللہ اپنے احکام واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تمہیں سمجھ آجائے۔

۲۸۲۔ حیض

آیت ۲۲۲ میں حیض کو ناپاکی کہا ہے۔ اور حالت حیض میں عورت سے ہمبستری کی ممانعت ہے۔ اور حیض سے پاک ہو کر غسل کر چکنے کے بعد صحبت کی اجازت دی ہے۔ اور اس پر بھی یہ پابندی ہے۔ کہ صحبت اس طریق پر ہو۔ جو خدا کا فرمودہ ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ اللہ کے پیارے وہی ہیں جو اس کے حکم کی طرف ہی رجوع رکھتے اور پاک رہتے ہیں۔ یہی ہدایت ستیارتھ پرکاش اور سنسکار ودھی میں سوامی دیانند نے لکھی ہے۔ کہ گربھادھان جب ہو۔ کہ عورت رجسولا ہو کر پاک ہو چکے۔ منوسمرتی ادھیائے ۴ شلوک ۴۰ و ۴۱ میں اس امر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

नोपगच्छेत्प्रमत्तोऽपि स्त्रियमार्तवदर्शने।
समानशयने चैव न शयति तया सह ॥ ४० ॥
रजसाभिप्लुतां नारीं नरस्य ह्युपगच्छतः ।
प्रज्ञा तेजो बलं चक्षुरायुश्चैव प्रहीयते ॥ ४१ ॥

مطلب یہ کہ صحبت کا خواہشمند آدمی حیض والی عورت کے پاس نہ جاوے۔ اور اس کے ساتھ ہر از چھونے پر بھی نہ ہووے۔ حائضہ کے پاس جائیگا۔ تو عقل۔ تیج آنکھ اور عمر نشٹ ہوگی۔

ایک مفسر صاحب محض جماع کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور مہمل سا حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے مجامعت کے سوا سب کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور یہود میں جو یہ رواج تھا۔ کہ حائضہ کو علیحدہ مکان میں رکھتے اس کو سخت ناپاک سمجھ کر اس کے ہاتھ کا نہ کھاتے۔ اور کھانے پینے کی چیز کو اسے چھونے نہ دیتے۔ یہ بیہودہ رسم ہے۔ لیکن یہ استدلال صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ منو کا حوالہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ اور قرآن میں حکم ہے۔ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ اس سے محض جماع کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ قربت کی مناہی سے ان سے تمام ضروری امور میں پرہیز کرنا مطلوب ہے۔ ورنہ لفظ ہوتا لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ یعنی ان سے مباشرت نہ کرو۔

۲۸۲۔ طریق مباشرت

اسی آیت کے یہ الفاظ بڑے معرکے کے ہیں۔ "فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ" ترجمان القرآن اسے ان الفاظ میں ادا کرتا ہے "اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے۔ اسی کے مطابق ہونی چاہئے۔ (اس کے علاوہ کسی دوسری خلاف فطرت بات کا خیال نہ کرو) سرسید صاحب لکھتے ہیں "ان کے پاس جاؤ۔ جس طرح کہ خدا نے تم کو حکم کیا ہے"۔ غرایب القرآن میں ہے "جدھر سے اللہ نے تم کو بتایا ہے۔ ان کے پاس آؤ"۔ اسی طرح ایک اور تفسیر میں ہے "ان کے پاس جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ آؤ"۔ مگر ان میں سے کوئی بھی ترجمہ کوئی خاص مفہوم پیش نہیں کرتا۔ اللہ نے جو بات جس طرح ٹھہرا دی۔ اسی طرح ہونی چاہئے۔ اس پر سوال ہے۔ کہ مباشرت کس طرح پر خدا نے ٹھہرائی ہے۔ اس کا جواب ندارد ہے۔ لہذا طریق مباشرت نامعلوم ہے۔ سرسید صاحب نے ترجمہ تو ٹھیک کیا۔ مگر اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ کہ خدا نے کس طرح مباشرت کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے ترجموں میں بھی واضح نہیں کیا۔ کہ کدھر سے ان کے پاس آنے کو خدا نے بتایا ہے۔ یا کہاں سے اُن کے پاس آنے کو حکم دیا ہے۔ اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس کو بتایا یا حکم دیا ہے۔ ورنہ اس سے پوچھ لیتے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ آنحضرت ہر اصول کی حقیقت یا اس پر عمل کے طریق کو قدیم ویدک دھرم سے مخصوص کرتے ہیں۔ خدا نے الہام وید میں جو طریق بتایا۔ یا وید کے مدعا کو مدنظر رکھ کر جو کسی رشی نے کوئی ودھی بتائی۔ اور وید وغیرہ سچے شاستروں کے مطابق جو عمل ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ان کی طرف ہی لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔ اور اس مدعا سے کہیں حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ لکھتے ہیں۔ کہیں بالمعروف کہیں اَنّٰى شِئْتُمْ وغیرہ۔ گویا طریق عمل کو جہاں مشہور اور معلوم سمجھا ہے۔ وہاں اس کا خود بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ یا اتنا کہنا کافی سمجھ کر یقین کر لیا ہے۔ کہ یہ قدیم مذہبی کتب وغیرہ سے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جیسا اللہ کا حکم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آغاز عالم سے اس کی ایک خاص ہدایت لوگوں کے علم میں آئی ہوئی ہے۔ بالمعروف کے معنے بھی مشہور۔ پہچانا ہوا۔ بھلا۔ مشروع۔ خدا کا حکم وغیرہ۔ ایسا ہی شِئْتُمْ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ جو اہل ایمان کے لئے شایاں ہے۔ اور وہ محض خدا کے حکم کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ پس قرآن ہر عمل کے طریق کے لئے قدیم دھرم کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ طریق معروف ہے کیا۔ اس کا جواب وید و منوسمرتی کے حوالہ جات معہ ترجمہ کے دینے پر بڑا طویل ہوگا۔ اس لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ وید نے جیسے اور تمام علوم پر روشنی ڈالی ویسے ہی عورت مرد کے جنسی تعلقات اور طریق مباشرت کو بھی نہایت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ منوسمرتی نے اس کی اور بھی توضیح

کی ہے۔ اور سوامی دیانند نے اپنی کتب میں کئی جگہ اس کا بیان کیا ہے۔ چنانچہ خلاصہ اس طریق مباشرت کے متعلق بیان دیا جاتا ہے۔

۱۔ عورت و مرد کی عمر و صحت وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے رتو کال میں ہی صحبت ہو۔

۲۔ اپنے خاوند اور اپنی بیوی کے بغیر کوئی عورت یا مرد کسی غیر سے مباشرت نہ کرے۔ ۳۔ اولاد کی پیدائش کی مقدم غرض سے ہی یہ مباشرت ہو۔ ۴۔ حیض کے ظاہر ہونے سے ۱۶ دن صحبت کا عرصہ ہے۔ ۵۔ حیض کے چار دن صحبت ہی ممنوع نہیں۔ عورت سے چھونا اور اس کے ہاتھ سے لے کر کھانا بھی ممنوع ہے۔ ۶۔ گیارھویں اور تیرھویں یہ دو راتیں ہی ممنوع ہیں۔ باقی ماندہ دس راتوں میں استقرار حمل ہونا چاہئیے۔ ۷۔ بیٹا چاہنے والے چھٹی آٹھویں۔ دسویں بارھویں۔ چودھویں اور سولھویں رات میں صحبت کریں۔ اور بیٹی کے خواہشمند پانچویں۔ ساتویں۔ نویں اور پندرھویں رات میں (۸) صحبت کا وقت پہر رات گئی کے بعد اور پہر رات رہی تک۔ ۹ جس رات سماگم ہونا ہو۔ اس سے پہلے دن گربھادھان سنسکار ہو۔ ۱۰۔ رات کو سماگم ہونے پر ویرج کے رحم میں گرنے کے وقت عورت مرد دونوں بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم رکھیں مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے عورت اپان وایو کو اوپر کھینچے وغیرہ ۱۱۔ ۲۵ سال میعاد خانہ داری میں دس اولاد پیدا کرے۔ یعنی دس بار ہی عورت سے ہم صحبت ہو۔ پس قرآن خدا کے فرمودہ طریق کا اشارہ کرنے میں حق بجانب ہے۔

۲۸۳۔ عورت تمہاری کھیتی ہے

آیت نمبر ۲۲۳ میں اللہ کے حکم دیئے گئے طریق کی بجائے شِئْتُمْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عورت کو کھیتی کہا گیا ہے۔ اور اَنّٰی شِئْتُمْ کے لفظ سے یہ ہدایت دی ہے۔ کہ جب جہاں اور جس طرح شایاں ہو۔ گویا مباشرت کے لئے وقت مکان اور طریق سب کے لئے حکم الہی کا خیال دلایا گیا ہے۔ دوسری بڑی بات یہ ہے۔ کہ عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی وید کا طریق بیان ہے۔ جو کہیں سورج کو زمین میں کرن روپی نطفہ ڈالنے والا کہتا ہے۔ کہیں اوشا میں اور کہیں عورت کو زمین کہیں کھیتی کہتا ہے۔ اسی کی تقلید میں منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۳۳ میں کہا گیا ہے۔

क्षेत्रभूता स्मृता नारी बीज भूतः स्मृता पुमान ।

क्षेत्र बीज समायो गात्सं भवः सर्वदे हिनाम् ॥

عورت بمنزلہ کھیت اور مرد بمنزلہ بیج ہے۔ لہذا کھیت اور بیج کے ملنے سے تمام جسموں کی پیدائش ہوتی ہے۔ پس حضرت صاحب کا فرمان بھی موجود ہے۔ اور اللہ کا فرمان یا طریق معروف بھی ظاہر ہے۔

۲۸۴۔ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اس کا ترجمہ ایک مفسر صاحب یوں کرتے ہیں۔ "آگے بھیجو اپنے لئے (یعنی نیکی)" دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔ "اپنے لئے مستقبل کا سرو سامان کرو (یعنی اولاد کی پیدائش کا سرو سامان کرو)" تیسرے صاحب لکھتے ہیں "اپنے لئے آئندہ (یعنی عاقبت) کا بھی بندوبست رکھو۔ اور آئندہ کا بندوبست کرنے سے ایک مطلب تو عاقبت کے تعلق کا بتایا ہے۔ کہ دنیاداری کے کاموں میں اتنے بھی مصروف نہ ہو۔ کہ دین کے کاموں میں لگو غفلت کرتے۔ اور ایک اشارہ اس میں

یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ عورتوں کے ساتھ اس نیت سے ہم بستر ہو۔ کہ خدا اولاد دے۔ اور وہ دنیا میں تمہارے کام آئے۔ اور خدا ان کو نیکی دے۔ تو آخرت میں بھی ان کی استغفار وغیرہ سے ماں باپ کو نفع پہنچے۔ یہ خیال ہو بہو وہی ہے۔ جو اولاد کے متعلق موجودہ ویدک دھرمیوں میں پایا جاتا ہے۔ کہ اولاد کے بغیر گتی نہیں ہوتی۔ ان میں کچھ توہم پرستی آ گئی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ موت کے بعد بیٹے خاص فعلوں (کریا وغیرہ) سے اچھی گتی کراتے ہیں۔ بہر حال اپنے نفسوں سے مراد اپنی ذات بھی ہو سکتی ہے۔ اور اپنی اولاد بھی۔ اور چونکہ قرآن میں مباشرت کا مقصد اولاد کو ہی ٹھہرایا ہے۔ روزے کے دنوں میں آیت ۱۸۷ میں مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے بھی یہ شرط لگائی ہے۔ کہ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی ان سے مباشرت تو کرو۔ مگر اس مقصد کے لئے جو اللہ نے تم پر مقدر کیا ہے۔ یعنی پیدائش اولاد۔ پس نہ یہاں کسی اور نیکی کا تعلق ہو سکتا ہے۔ نہ عاقبت کے نکتہ نگاہ سے ہی پیدائش اولاد کے علاوہ کوئی اور معنے یہاں موزوں ہو سکتے ہیں۔

۲۸۵ - اے روشنئ طبع تو برمن بلا شدی

ہم آیات قرآن پر غور کرتے ہوئے ناقابل بیان خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صاحب کو نہایت ناموافق حالات میں بھی خدا کے فضل سے ویدک عالمگیر اصولوں کی صداقت کا احساس ہوا۔ اور وہ نہایت ہی خوش نصیب تھے۔ کہ انہیں ان اصولوں کی اشاعت کرنے کا بھی خدا نے موقع دیا۔ لیکن ہم حیران ہیں۔ کہ اس وقت آپ کے ہی پیرو آپ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور جو روشنی آپ کے دل کو منور کر رہی تھی۔ وہی آریہ سماج کے لئے موجب عذاب بن رہی ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے۔

"بائیبل جسے عیسائی دنیا مقدس کتاب کہہ کر اسے تمام دنیا سے منوانا چاہتی ہے۔ اس کے اندر ایسے مضامین محض قصوں کے رنگ میں ہیں۔ کہ جن کو تنہائی میں بھی ایک شخص پڑھ کر شرم سے پسینہ پسینہ ہو جائے۔ اس تہذیب کے زمانہ میں سوامی دیانند جی نے جو کچھ نیوگ کے بارے میں ستیارتھ پرکاش کے چوتھے باب میں لکھا ہے۔ اور پھر اسی باب کی دفعہ ۴۳ میں جن خیالات کا اظہار گربھادھان سنسکار کے نیچے کیا ہے۔ وہ مرد عورت کے تعلقات میں ایسے ننگے الفاظ ہیں جن کو ایک عامی آدمی بھی کسی مہذب مجلس میں ہرگز استعمال نہیں کر سکتا"

۲۸۶ - سوامی دیانند اور طریق گربھادھان

اوپر کے الفاظ میں بلاوجہ سوامی دیانند پر حملہ کیا گیا ہے۔ بلکہ سچ کہا جائے تو حضرت محمد صاحب اور قرآن مجید کی تعلیم کے متعلق غلط فہمی پھیلائی گئی ہے۔ اگر ان الفاظ کا راقم یہ بتا سکتا۔ کہ آنحضرت نے طریق مباشرت کے متعلق جس حکم یا امر الٰہی کا بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے جو فلاں کتاب یا فلاں آیت میں لکھا ہے۔ اور وہ سوامی دیانند کے بیان سے مختلف ہوتا۔ تو راقم کو حق تھا، دلیل و ثبوت دے کر نکتہ چینی کرتا۔ مگر حالت یہ ہے۔ کہ نہ راقم قرآن کی آیت میں بیان شدہ حکم الٰہی کی توضیح کرتا ہے۔ نہ کوئی طریق خود پیش کرتا ہے۔ نہ قرآن کے خلاف یہ کہتا ہے۔ کہ کیوں حکم الٰہی کا اشارہ کیا۔ نہ یہ تحقیق کر سکتا ہے۔ کہ اس حکم الٰہی کا پتہ کہاں سے لگ سکتا ہے۔ ہاں سوامی دیانند نے جو طریق لکھا اس پر چھوٹتے ہی برے ریمارک دیتا ہے۔ اور اس کے دل میں اس امر کا خیال بھی نہیں آتا۔ کہ میں طریق مباشرت کا بیان کئے بغیر کس طرح دوسروں کی تکذیب کا مستحق ہوں۔ بہر حال آنحضرت کا فرمان تو یہ ہے۔ کہ حکم الٰہی جو تم کو ملا ہوا یا تمہارا جانا ہوا ہے۔ اس کے مطابق صحبت کرو۔ وہی صحیح شریعت ہے۔ اور وہ سوائے وید اور منوسمرتی یا سوامی دیانند کی تحریر کے اور ہو ہی نہیں سکتی۔ خود بیان القرآن جو کوئی ودھی پیش نہیں کرتا

یہی شہادت دیتا ہے۔ کہ اس کو اور کوئی طریق آج تک معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ لہذا قرآن نے جس تعلیم کو جاننے کے لئے ہی نہیں۔ اس پر عمل کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔ مولانا صاحب اس پر تاریکی ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن آخر کوئی وجہ؟ اس کے لئے آپ کے یہ لفظ قابل غور ہیں۔ "جن خیالات کا اظہار گربھادھان سنسکار کے ضمن میں کیا ہے۔ وہ مرد عورت کے تعلقات میں ایسے ننگے الفاظ ہیں۔ جن کو ایک عامی آدمی بھی کسی مہذب مجلس میں ہرگز استعمال نہیں کر سکتا"۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر واقعی کوئی بیان خلاف تہذیب ہو۔ تو ہم آریہ سماج کو اس کے ترک یا اس کی مذمت کرنے کو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ذرا خود بھی تکلیف کر کے بلکہ جتنے بھی اور علماء کو ساتھ ملا سکیں۔ ان سب کی مدد سے راقم صاحب طریق مباشرت کا واضح بیان پیش تو کریں۔ پھر معلوم ہوگا۔ کہ سوامی دیانند یا دید یا منوسمرتی کا بیان تہذیب کے اعلےٰ معراج پر ہے۔ یا آپ کے فتوے کے مطابق قابل مذمت ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ یہ عریانی کی شکایت محض راقم کے تعصب کا ثبوت ہے۔ اور دیدہ دانستہ موجودہ فرقہ دارانہ مغایرت کی وجہ سے بے انصافی کا مظاہرہ ہے۔ ورنہ وہ کسی اپنی یا پرائی مو ہومہ تہذیب میں ملبوس کر کے مباشرت کا کوئی بھی طریق نہ لکھ سکے ہیں نہ لکھ سکیں گے۔ آپ خود اسی صفحہ پر فرماتے ہیں "قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ اور اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ تمام حالات انسانی کے متعلق ضروری ہدایات دیتا۔ انہی میں عورت و مرد کے تعلقات بھی ہیں"۔ ہم کہتے ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات میں طریق مباشرت بھی تو کہا ہے۔ اور اس طریق کو آنحضرت آغاز عالم سے ملا ہوا حکم الٰہی اور امر معروف مانتے ہیں۔ اور وہ تمام تہذیب اور اخلاق سکھانے والی کتب میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔ جس طرح سوامی دیانند نے پیش کیا ہے۔ تب قرآن کو کامل کہتے ہوئے آپ اس کی نافرمانی اور تکذیب کیوں کریں؟

جائے غور ہے۔ کہ انسانی جسم کی بناوٹ کے بیان میں ہر ایک عضو کا صاف ذکر ہونا ضروری ہے۔ میڈیکل کالج میں نظام جسم کی تعلیم دینے کے لئے کتابوں میں نقشوں و تصویروں میں اور بورڈوں پر عورت مرد کی شرمگاہوں تک کے متعلق جو بیان اور تصویریں ہیں۔ وہ ننگے الفاظ میں ہیں یا مہذب۔ اور کیا طلبا و طالبات کے مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہونے کے نتائج کے خلاف کبھی مولانا صاحب نے کوئی پروٹسٹ کیا ہے؟ یقیناً یہ اعتراض موجودہ انسانی جماعت کی گراوٹ وغیرہ کا نتیجہ ہے معقولیت پر مبنی نہیں۔ کتے کو ایک شخص خود روٹی کا ٹکڑا پھینکتا ہے تو وہ اس کے سامنے اطمینان سے اسے کھاتا اور اس کے منہ کی طرف دیکھتا ہوا زبانِ حال سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی گھر میں عورت یا مرد کی غیر حاضری میں روٹی چرانے کا موقعہ کتے کو ملے۔ تو وہ جلدی سے بھاگتا اور دور جا کر اور نظر بچا کر اسے کھاتا ہے۔ یہ فرق روٹی میں نہیں کتے کے اندرون میں آیا ہے۔ پس سچے علمی اصول واضح کرنے والے الفاظ بھی موجب شرم معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو انسان کی اپنی گناہگار ضمیر اس کی محرک ہے نہ کہ وید یا قرآن کے الفاظ۔

۲۸۷۔ نیوگ

سوامی دیانند نے نیوگ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی آپ کو بہت شکایت ہے۔ لیکن کسی دلیل یا ثبوت کی عدم موجودگی میں خالی دعوے کس کام کا۔ پھر نیوگ اور عقد ثانی و طلاق کی شرع کا خلاصہ محض یہ ہے کہ سوامی دیانند لکھتا ہے۔ کہ عورت اور مرد میں سے ایک فریق مر جائے یا اور طرح سے اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تو دوسرا ایشور کی بھگتی وغیرہ کے لئے وقف ہو جاوے۔ اور اگر جائیداد کے انتظام وغیرہ کی وجہ سے اولاد کی ضرورت ہو تو کسی لائق لڑکے کو متبنےٰ کر لیوے۔ اور اگر ہر طرح سے لاچاری ہو۔ تب نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ نیوگ گویا مجبوری اور مستثنےٰ صورت ہے۔ لہذا کوئی بھی معقول پسند اس پر اعتراض

نہیں کرسکتے۔ قرآن میں ہر امر کے متعلق مستثنٰے صورت کو ناقابل گرفت یاموا خذہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جب قرآن میں طلاق کا مفصّل بیان موجود ہے۔ تو نیوگ بھی تو اسی ضمن میں آتا ہے۔ طلاق کی صورت میں مرد یا عورت کے حین حیات میں ہی بار بار اور نکاح ہو سکتا ہے۔ اور سوامی دیانند بھی شودروں کے لئے ضرورت ہونے پر پنر بیواہ کی ہی اجازت دیتا ہے۔ نیوگ کی نہیں۔ برہمن۔ کشتری اور ویش کے لئے بھی بعض صورتوں میں شادی کی اجازت ہے۔ اور بعض مجبوریوں میں نیوگ کی۔ فرق محض یہ ہے۔ کہ نیوگ میں بیاہے خاوند کے گھر اور خاندان سے تعلق بنا رہتا ہے۔ مگر طلاق کی صورت میں خاوند اور اس کے گھر و خاندان سے بھی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں نیوگ پر اعتراض اور بھی بے وزن ہو جاتا ہے ہمیں افسوس ہے۔ اپنی کتب مقدسہ کا علم یا اس پر غور و فکر نہ ہونے سے لوگ بے بنیاد بیانوں سے جھگڑے۔ اور منافرت پھیلاتے ہیں۔ ورنہ اگر انصاف سے غور کیا جائے۔ تو دونوں طریقوں سے خاص انتظام گرہست کی بہتری کے لئے مقصود ہے۔ کاشکہ قرآن کی تفسیر میں آپ ایسے غیر ذمہ دارانہ ریمارک درج نہ کرتے۔

۲۸۸- اِنّٰی شِئْتُمْ

آیت ۲۲۳ کے ترجمے میں بعض مفسر کہتے ہیں۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ ان میں جاؤ جدھر سے تم چاہو۔ کوئی کہتا ہے جاؤ جب چاہو کوئی کہتا ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔ مصنّف بیان القرآن اس کی تشریح کرتا ہوا ثابت کرتا ہے۔ کہ جب جہاں اور جس طرح تینوں معنے ہو سکتے ہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ یہ تینوں معنے جم غفیر سے ثابت ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر ابن عباس کی شہادت یہ پیش کی ہے۔ کہ جب چاہو رات کو یا دن کو۔ اور اپنے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ہم نے ترجمے میں یہی معنے اختیار کئے ہیں۔ چہ خوب۔ قرآن نے جہاں حکم الٰہی اور طریق معروف کی شرط لگائی۔ وہاں انّٰی شِئْتُمْ لفظ کی حقیقت کو نہ سمجھ کر ان دونوں حکموں سے انحراف کیا گیا ہے۔ جب چاہو کا لفظ لکھ کر وقت کی قید اڑائی گئی ہے۔ کہ چاہو رات کو صحبت کرو چاہو دن کو۔ پھر چاہو جدھر سے اور چاہو جس طرف سے آؤ کی اجازت دیکر انتہائی درجہ کی بے لگام شہوت پرستی کی عادت کا موقعہ مہیا کیا گیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ الزام اوروں پر دیتے ہیں۔ کہ نجاست پسند لوگ خواہ مخواہ اس مضمون کو محل اعتراض بناتے ہیں۔ کاشکہ راقم خود سوچتا کہ "جب چاہو" کے لفظ سے وہ صحبت کا مدار شریعت یا حکم الٰہی پر نہ رکھ کر انسان کے جذبۂ شہوت کے تابع کرتے ہیں۔ پس صحیح ترجمہ محض یہ ہے۔ کہ جس طریق سے تمہارے لئے شایاں ہو۔ اس میں حکم الٰہی اور امر معروف کے مطالبات کی بھی تصدیق ہے۔ اور وقت جگہ اور طریق نیز آئندہ اولاد کی خوبی وغیرہ وغیرہ کے جملہ لوازمات میں قرآن کے مُدعائے پرہیز گاری کا مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔

۲۸۹- اولاد کا نکتہ نگاہ

خدا کے حکم یا شایاں طریق کا خیال جہاں جنسی تعلقات کا صحیح رہنما ہے وہاں اولاد کا نکتہ نگاہ اور بھی اس طریق کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ وہ مرکز ہے جس پر تمام اخلاقی خوبیوں اور گرہست کی کامیابی کے دائرے کا انحصار ہے اولاد کی نعمت ہی اس جوڑے کے میل کا اصل نشانہ ہے۔ اور جس شہوت کے جذبہ کی آج ایک دنیا غلام ہے۔ اس کی غرض قدرت کو محض یہ تھی۔ کہ اولاد پیدا کرنے کے فرض کی انسان کو تحریک ہو۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان سلسلۂ تولید سے غافل ہو جاتا۔ پھر اس میل کے قواعد یا اس جذبہ کے بجا استعمال کو نظر انداز کرنا ہی نعمت اولاد کی محرومی کا موجب ہے۔ حیض سے پاک ہونے کی شرط کو توڑو تو اولاد کا مقصد حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر استقرار حمل کی غرض کو چھوڑ کر مباشرت

ہو۔ تو اولاد پیدا کرنے کی ناقابلیت کے علاوہ خوفناک بیماریوں اور کمزوریوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ پھر فریقین کی عمر اور صحت وغیرہ کے قواعد کا خیال نہ رکھا جاوے۔ تو نہ صرف دونوں کو خطرات ہیں۔ اولاد کو بھی کمزوری اور بیماری اور والدین کو بھی مصیبت سشرت شریر ستہان ادھیائے ۱۰ اشلوک ۴۷ میں کم سے کم ۲۵ و ۱۶ سال کی عمر شادی کی بتائی ہے اس سے کم عمر کی صورت میں اوّل تو پیٹ میں ہی حمل خراب ہو جاتا ہے ۱۰ ورنہ ہو تو بھی نتیجہ بُرا ہے۔ جیسا کہ شلوک ۴۸ میں لکھا ہے:۔

ऊ नषोड शवर्षा याम प्राप्त: पञ्चविं शतिम ।
यद्या धत्ते पुमान गर्भं कुक्षि स्थः सविपद्यते ॥ १॥
जातोवान चिरं जीवेज्जीवे द्वा दुर्बलेन्द्रियः ।
तस्मा दत्यन्त वालायां गर्भाधानं न कारयेत ॥ २॥

سولہ برس سے کم عمر عورت میں پچیس برس سے کم عمر والا مرد اگر حمل کو ٹھہرائے۔ تو اس کا اسقاط ہو جاتا ہے۔ یا پیدا ہو تو بہت دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اگر زندہ رہے۔ تو کمزور اعضا والا ہوتا ہے۔ اس لئے صغیر سن عورت میں حمل نہ ٹھہرائے:۔

پس اولاد کی غرض کے لئے نیک چلنی عمر صحت طاقت وغیرہ کے متعلقہ سب شرائط کو پورا کرنا لازمی ہے۔ اور اگر کھیتی کے لفظ پر غور کیا جاوے۔ تو وہ تمام محنت اور پر احتیاط حفاظت جو پیداوار اراضی کے لئے کی جاتی ہے۔ اولاد کی پیدائش کے لئے اور بھی دور اندیشی اور عقلمندی سے ملحوظ رکھنی لازمی ہو جاتی ہے۔

۲۹۰۔ بیہودہ قسمیں

آیت ۲۲۴ میں لغو قسموں کی عادت کو روکنے کی ہدایت ہے۔ ایک شخص ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا اور عورت کو طلاق دینے یا اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتا ہے۔ اور کچھ دیر بعد اس کا غصہ فرو ہوتا اور قسم بھی اڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی قسمیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کہ ان سے نیکی اور تقوی وغیرہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ مثلاً اوپر والی قسم لغو ہونے پر بھی مرد کا پارہ کچھ وقت تک چڑھا رہ سکتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر عورت کو تکلیف ہو تو اس کی نگہداشت اور غور و فکر سے وہ بے توجہ رہتا ہے۔ حالانکہ قطع نظر طلاق وغیرہ کے یہ ایک انسانی فرض ہے۔ کہ نیکی پرہیزگاری اور اصلاح کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ ایک ڈاکٹر کسی سے ناراض ہو کر کہہ دیتا ہے۔ کہ میں ہرگز ہرگز فلاں شخص کے گھر نہ جاؤنگا۔ حسن اتفاق سے ایک نہایت نیک اور عالم فاضل شخص جس سے عوام الناس کو بڑا فیض پہنچتا ہے۔ اس شخص کے ہاں آتا ہے۔ کیونکہ ان میں باہم رشتہ داری ہے اور وہ شخص بیمار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کی بیماری کا علاج بڑی قابلیت سے کر سکتا ہے۔ مگر جب اسے آدمی بلانے کو آتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے۔ میں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے۔ اس گھر میں جانا نہیں۔ گویا اس کی لغو قسم اس کو اپنے فرض کے ادا کرنے اور ایک نہایت نیک فیاض اور عالم شخص کی زندگی بچانے اور اس سے بدستور لاکھوں کو فیض پہنچانے سے روک رہی ہے۔ قرآن کی ہدایت یہ ہے۔ کہ اس قسم کی بیہودہ قسموں سے عورت اور مرد کو خانہ داری کے متعلقہ فرائض سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ آیت ۲۲۵ میں اسی کے لئے ہدایت دی گئی ہے۔ کہ خدا ایسی سبک مزاجی سے کھائی گئی قسم کے توڑنے پر تمہیں تکلیف نہیں دیگا۔ ہاں دل کی کمزوری یا تنگی سے نیکی پرہیزگاری اور اصلاح کا موقعہ کھو دینے کی وجہ سے ضرور

سزا دیگا۔

۲۹۱۔ قواعد طلاق

آیت ۲۲۶ سے ۲۴۲ تک میں طلاق کا جو بیان ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن طلاق کے سخت خلاف ہے۔ مگر جب عورت اور مرد کی باہم کسی طرح سے مصالحت ہونی ممکن نہ ہو۔ اس مجبوری میں اس کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی جہاں تک ممکن ہو۔ عورت اور مرد دونوں کو انصاف حسن سلوک اور شرافت سے جدا ہونے اور بعد میں بھی باہم ہر ممکن ضرر رسانی سے بچنے کی ہدایت دیتا ہے۔ خلاصہ قواعد طلاق کا حسب ذیل ہے۔

۱۔ قطع تعلق کا ارادہ یا قول ظاہر ہو۔ تو اس پر فوراً عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ایسا نہیں۔ کہ ہنسی کھیل سمجھ کر جب چاہا توڑ دیا۔

۲۔ عارضی جوش یا جلد بازی سے کام نہ لے کر چار ماہ تک کی مدت میں اپنے اس فیصلے پر بخوبی غور کرنا چاہیئے۔ اس عرصہ میں فوری جذبات کا اثر نہیں رہتا۔ سب نشیب و فراز سمجھنے کا موقعہ ملتا۔ اور اکثر صورتوں میں باہمی مصالحت ہو کر میاں بیوی دونوں پہلے سے بھی زیادہ محبت اور یگانگت کے ساتھ انتظام خانہ داری کو چلاتے ہیں۔

۳۔ مرد کے مقابلے پر عورت کو بھی تین حیض تک رکنا پڑتا ہے۔ اور اکثر اس عرصہ میں حالات بدل جاتے۔ اور وہ بدستور اپنے اسی خاوند کی زوجیت میں رہنے کو ترجیح دینے لگتی ہے۔

۴۔ دونوں فریقوں کو طلاق دے دینے کا یکساں حق ہے۔ اگر خاوند علیحدگی پر مصر ہو سکتا ہے۔ تو عورت بھی اور سے نکاح کرنے میں مختار ہے۔ اور اگر ایک فریق مقررہ میعاد کے اندر اپنے ارادہ سے باز رہتا ہے۔ تو دوسرے فریق کو بھی اس کے اس فیصلے کو ہی ترجیح دینی چاہیئے۔

۵۔ اگر حمل ٹھہر چکا ہو۔ تو عورت کو صاف طور پر واضح کرنا چاہیئے۔ اس حکم کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ اولاد کے خیال سے بھی جدائی رک سکتی ہے۔

۶۔ باوجود مساوات حقوق کے مرد کا درجہ افضل ہے۔ مگر یہ محض انتظام خانہ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مرد کو طلاق کے متعلق عورت پر ناجائز دباؤ ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔

۷۔ طلاق کا اظہار کرنے کے بعد چار ماہ کی مدت میں دو دفعہ رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری بار طلاق دیا جائے تو پھر رجوع شرعاً ممنوع ہے۔ دو بار کے بعد یا تو شرعی اور شریفانہ طور سے عورت کو رکھ لیا جاوے یا حسن سلوک اور شرافت سے ایسے وداع کر دیا جاوے۔

۸۔ حق مہر کا واپس لینا ناجائز ہے۔

۹۔ تاہم اگر دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ نرواہ نہ کر سکیں گے۔ یعنی صرف مرد ہی طلاق کے حق میں نہیں۔ یا مرد کے طلاق سے باز رکھنے کی کوشش کے باوجود عورت علیحدگی پر مصر ہو۔ تو فدیہ دے کر علیحدہ ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اختیار خاوند کو نہیں رہتا۔ اور عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے لئے مختار ہے۔

۱۱۔ اور نئے خاوند سے طلاق ملے بغیر پہلے خاوند سے اب اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

۱۲۔ چار ماہ کی عدت کے بعد خاوند حسن سلوک سے عورت کو وداع نہیں کرتا۔ اور روک و زیادتی کرتا ہے۔ تو وہ شرعاً ظالم

یا قانون شکن ہے - اور خدا کی باتوں پر مذاق اڑاتا ہے۔

۱۳ یہ قواعد خدا کے عطا کردہ علم اور حکمت کے مطابق ہیں - اور ان سے نیکی اور تقویٰ کی ہدایت دینا مقصود ہے۔ اور چونکہ خلاف ورزی کو کوئی اللہ سے چھپا نہیں سکتا - اس لئے اہلِ ایمان کو خدا اور اپنے فرض کو پورے طور پر یاد رکھنا چاہئیے۔

۲۹۲ - طلاق کے بعد

نہ صرف حسن سلوک سے مطلقہ عورت کو رخصت کیا جائے - یہ بھی ہدایت ہے - کہ اس کے آئندہ نکاح میں کوئی روک نہ پیدا کی جائے - اس سے فریقین کی بے اطمینانی باہمی رنجش - بدنامی اور مقدمات کی ذلت وغیرہ سب سے بچاؤ رہ سکتا ہے - اور خاوند اور اس کی نئی منکوحہ اور مطلقہ بیوی اور اس کے نئے خاوند یعنی ہر دو خاندانوں کے امن اطمینان اور انتظام خانہ داری کی عمدگی اور اصلاح میں بڑی بھاری مدد ملتی ہے - ایک اور ہدایت اس سے بھی بڑے کام کی ہے - اور وہ یہ کہ باوجود علیحدگی کے اولاد کی بہتری کو نظر انداز نہ کیا جاوے - اگر بچے کو ماں کا دودھ پلانا ضروری ہو - یعنی اس کی پرورش کا اور انتظام نہ ہو سکتا یا نامناسب ہو - تو ماں دو سال تک اس خدمت کو سرانجام دے - اور باپ اپنی مطلقہ بیوی کے نان نفقے کی ذمہ واری پوری کرے - اور اگر دو سال سے پہلے یہ انتظام غیر ضروری ہو جائے - تو باہمی رضامندی سے مناسب اور شریفانہ طریق پر اسے رخصت کیا جاوے - غرضیکہ قرآن کی ہدایت یہی ہے - کہ خدا کو حاضر ناظر اور جزا و سزا کا دینے والا مان کر ہر حالت میں نیکی اور تقویٰ پر عمل رہے۔

۲۹۳ - نکاح بیوگان

جہاں طلاق کے متعلق قواعد ہیں وہاں بیوہ کے متعلق بھی حسب ذیل قانون ہے۔

۱ - خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ اور دس یوم تک بیوہ کو حق نکاح حاصل نہیں یعنی دس یوم ماتم کے اور چار ماہ عدت کے۔

۲ - اس عرصہ کے بعد خواہ وہ نکاح کر لے خواہ بغیر نکاح رہنے میں بہتری سمجھے - وارثوں پر کوئی ذمہ واری نہیں۔

۳ - بیوہ سے نکاح کرانے کی خواہش کا غیر شادی شدہ یا رنڈوے مرد میں ہونا امر متوقع ہے - اور وہ تہذیب اور اخلاق کی پابندی سے بیوہ عورت تک اس پیغام کو پہنچا سکتا ہے - یا اپنی اس خواہش کو دل میں ہی رکھ سکتا ہے - لیکن خفیہ وعدہ کوئی نہیں کر سکتا - نہ میعاد مذکورہ بالا کے اندر عقد نکاح پختہ ہو سکتا ہے۔

۴ - اس میعاد کے بعد نکاح پختہ ہو سکتا ہے - اور پھر طلاق دینے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں - اگر مہر مقرر کرنے اور صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیں - تو محض نیکی اور شرافت کے تقاضا سے اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا جاوے دیدیا جاوے - اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو - مگر صحبت نہ ہوئی ہو - تو مقررہ مہر کا آدھا دیدیا جاوے - اور اگر پہلے دیا گیا ہو - تو مرد کا اختیار ہے - کہ نصف چھوڑ دے - کیونکہ مروت کا تقاضا اس کے معاف کرنے میں ہی ہے - تیسری صورت مہر مقرر اور صحبت ہو چکنے کی ہے - اس میں طلاق کے قواعد جو پہلے لکھے انہی پر عمل ہوگا۔

۵ - متوفی کے لئے ہدایت ہے - کہ مرنے سے پہلے وصیت کرے - کہ اس کی بیوہ کو ایک سال تک گھر سے الگ نہ کیا جائے - بیوہ کے لئے چار ماہ اور دس یوم کے لئے سال بھر تک کے انتظام کی معقولیت ظاہر ہے - کیونکہ اس مدت میں نکاح کا مناسب انتظام نہ ہو سکنے کا بھی امکان ہے - اور ہو جائے - تو سال سے پہلے بھی عورت کو رخصت ہو جانے کی اجازت ہے - جو لوگ سمجھتے ہیں - کہ چار ماہ دس یوم کی میعاد سے ایک برس والی بات منسوخ ہے - وہ غلطی پر ہیں - کیونکہ وارثوں کی سعادتمندی

اس میں نہیں ہو سکتی۔ کہ چار ماہ اور دس یوم گذرتے ہی بیچاری بیوہ اپنی ماں کو نکال باہر کریں۔ خواہ اس کا کہیں انتظام نہ ہوا ہو۔ دونوں آیتیں اپنا اپنا جدا جدا مفہوم رکھتی اور ایک ہی مدعا کو پورا کرتی ہیں۔

۲۹۴- حَافِظُوْا عَلَی الصَّلوٰةِ

آیت ۲۳۸ میں ہدایت ہے۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلوٰةِ وَالصَّلوٰةِ الْوُسْطٰی اپنی عبادتوں اور خاص کر سندھیا والی عبادت کی حفاظت کرو۔ اس پر اوّل تو معترض یہ کہتا ہے۔ کہ کہاں طلاق کا مضمون اور کہاں عبادات۔ لیکن واضح رہے۔ کہ عبادات کا جنسی تعلقات کی رہنمائی میں حصّہ لینا نہایت ضروری ہے۔ ویدک دھرم کی کسی کتاب کو دیکھو۔ اگر گرہست کا بیان ہوگا۔ تو ایشور کی آگیا کا پالن اس کی عبادت اور نیز تمام نیک کاموں کی جو بذاتِ خود عبادات الٰہی ہیں۔ ہدایت مقدم ہوگی۔ حتےٰ کہ استقرارِ حمل کے لئے عورت اور مرد کی مباشرت ہونے سے پہلے بھی خاص سنسکار کا ہونا اور ایشور کی یاد کرنا اور اس کی حضور میں دعا وغیرہ مانگنا ضروری ہے۔ قرآن میں ہر جگہ ویدک تعلیمات کو ہی سامنے رکھ کر ہدایت دی گئی ہے۔ اور اسی لئے منکوحہ مطلقہ اور بیوہ غرضیکہ عہد خانہ داری میں تمام عورتوں سے جنسی تعلقات میں انصاف وغیرہ کو مدنظر رکھنا اور تقویٰ یعنی خوف خدا و پرہیز گاری پر مائل رہنا مقدم فرض بتایا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو خدا۔ والدین۔ بیوی بچے۔ یتیم۔ مسکین اور واعظین سب کے تعلقات میں حکم الٰہی کو جاننا اور اس پر عمل کرنا بذاتِ خود مختلف قسم کی عبادات ہیں۔ ویدک دھرم میں روزانہ پنچ مہا یگیہ کرنے کی ہدایت ہے۔ اول برہم یگیہ یعنی ایشور کی عبادت۔ کتب مقدسہ کا مطالعہ اور غور و فکر۔ دوم۔ دیو یگیہ یعنی ہون اور عالموں کی عزت و تعظیم۔ سوم پتری یگیہ یعنی والدین اور دیگر اکرما کا ادب اور خلوص عقیدت سے ان کی خدمت۔ چہارم۔ بلی وَیشو دیو یگیہ یعنی سب جانداروں کے متعلق اپنے فرض کا خیال اور پانچویں اتھتی یگیہ یعنی خلق خدا کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے پھرنے والے عالموں کی خدمت۔ یہ سب اپنی اپنی نوع کے یگیہ ہیں۔ اور قرآن ان ہی کو صلوٰة کے لفظ سے بیان کرتا ہے۔ کیونکہ یہ خانہ داروں کے فرض ہیں۔ اور جابجا قرآن خدا اور والدین وغیرہ کے متعلقہ فرائض کی تعمیل پر زور دیتا ہے۔ اور حکم الٰہی کے مطابق سب کام نہ کرنے سے نماز وغیرہ کو بھی بے سود سمجھا جاتا ہے۔

۲۹۵- اَلصَّلوٰةِ الْوُسْطٰی

ہم نے اس کا ترجمہ سندھیا کیا ہے۔ کیونکہ اس کا مخصوص طور پر ذکر کرنا سچّی توحید کے قایل رسول سے خاص عبادت الٰہی سے ہی تعلق رکھ سکتا ہے۔ نماز عام طور پر آج کل پانچ مروج ہیں۔ لیکن قرآن میں ہر کہیں صبح اور شام کی عبادت کا ذکر ہے۔ اور علماء اسلام جب بھی غور سے کام لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ پانچ نماز در حقیقت ویدک دھرمیوں کے پانچ مہا یگیہ تھے۔ لیکن مفسرین اَلصَّلوٰةِ الْوُسْطٰی سے مراد بیچ کی نماز یعنی عصر کی لیتے ہیں۔ چونکہ صبح اور ظہر دو نمازیں دن کی اس سے پہلے ہیں۔ اور مغرب اور عشا رات کی دو نمازیں اس کے بعد ہیں۔ اس لئے عصر کو صَلوٰةِ الْوُسْطٰی سمجھا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ وقت دنیوی لوگوں کے لئے کاروبار میں خاص طور پر مصروف ہونے کا ہے۔ اس لئے اس کی طرف خاص توجہ دلانا ضروری ہوا۔ ترجمان القرآن میں لکھا ہے۔ اَلصَّلوٰةِ الوسطیٰ سے ایسی نماز مراد ہے جو اپنے ظاہر و باطن میں بہترین نماز ہو۔ لیکن چونکہ سب نمازوں کے ظاہر و باطن کی حقیقت اور ان کا باہمی مقابلہ و موازنہ نہ ترجمان القرآن پیش کرتا ہے۔ نہ قرآن اس لئے ترجمان القرآن کے الفاظ بالکل مہمل ہیں۔ ہاں عصر کو نماز وسطیٰ کس طرح

کہا گیا ہے۔ اس کا پتہ لینا ضروری ہے۔ قرآن میں تو پانچ وقت کا مشرح بیان ہے نہیں۔ ہاں بخاری و مسلم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ جب جنگ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا۔ تو آنحضرت (صلعم) نے فرمایا۔ شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس یعنی دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ چونکہ غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز سے بھی رہ گئے کا تعلق ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے ہی نماز الوسطیٰ سمجھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن میں عبادت الٰہی کی صبح اور شام کے دو وقتوں میں اجازت ہے۔ اور وہ اس ویدک دھرم میں سندھیا کہلاتی ہے۔ جس کے مصدق ہونے پر قرآن فخر کرتا ہے۔ نیز اس لئے کہ سندھیا کے معنے ہی صلوٰۃ الوسطیٰ یعنی دن اور رات کے درمیان یا میل کا وقت ہے۔ اس لئے ایک صریح حقیقت کو چھوڑ کر محض حدیثوں کے زیر اثر اور قرآن میں اس حدیث کا ذکر یا اشارہ ہونے کے بغیر کوئی نتیجہ ازخود اخذ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے وسطیٰ نماز دن اور رات کے میل کے وقت کی جانے والی ۔۔۔ ہے۔ اور چونکہ نمازیں سب ایک درجہ رکھتی ہیں۔ کسی میں کوئی خصوصیت دوسروں کے مقابلے پر مانی نہیں جا سکتی۔ اس لئے پانچ نمازوں میں عصر کو مخصوص کرنا غلط ہے۔ اور یہ کہنا کہ زیادہ مصروفیت کا وقت ہونے سے اس کا خیال دلانا ضروری تھا۔ محض ذاتی اختراع ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی جگہ یا کسی زمانہ میں دوپہر کا وقت فرصت کا رکھا جاوے۔ یا کہیں اب اور تب بھی دوپہر کو لوگ فارغ رہتے ہوں۔ جیسا پہلے سکولوں میں بھی رواج تھا۔ کہ دوپہر کو ۱۰ سے ۲ بجے تک چھٹی رہتی تھی۔ پس ذاتی قیاسات پر نہیں۔ قرآن اور اس کی مانی ہوئی الکتاب کی سند پر ہی انحصار رکھنا چاہیئے۔ اور اس صورت میں سندھیا کے مفہوم پر ہر دو کا اتفاق ہی ظاہر ہے۔ دوسرے یگیوں کے مقابلہ پر برہم یگیو سے مقدم اور ضروری ہونے سے بھی صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔

۲۹۵- بے سمجھوں کی تاویل

آیت نمبر ۲۲۹ میں حکم ہے۔ کہ طلاق دو دفعہ ہو۔ اور بعد میں تیسرے موقعہ پر یا حسن سلوک سے رکھنا یا وداع کرنا۔ عجلت پسند طبایع سے یہ امر غیر متوقع نہ تھا۔ کہ وہ اس کی الٹی ہی تاویل کریں۔ اس لئے انہوں نے یہ مطلب نکالا۔ کہ غرض تو تین بار کے طلاق سے ہے۔ اس لئے بات کو طوالت کیوں دینا۔ ایک ساتھ تین بار اعلان کر دو۔ اور چھٹی پاؤ۔ چنانچہ وہ طلاق کے پختہ ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کہ خاوند بیوی کو کہدے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ لیکن یہ محض عجلت پسندی اور ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہی نہیں۔ اس حقیقت کو بھی نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کہ قرآن میاں بیوی کو جدا کرنا نہیں بلکہ ان کو ملائے رکھنے کی انتہائی تدبیر کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس جلد بازانہ عمل سے نہ تو عدت کے اندر رجوع کرنے والا موقعہ مل سکتا ہے۔ نہ فریقین کو اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا۔ ہاں پچھتانے ہی پچھتانے کی مصیبت پیش آ سکتی ہے۔ بہ تعجیل کار شیاطیں بود۔ برخلاف اس کے ہمارا ترجمہ اور تاویل میاں بیوی اور خاندان سب کے لئے مشکل کا بہترین حل اور عہد نکاح و خانہ داری کی تضحیک کے تدارک کا صحیح طریق پیش کرتا ہے۔

۲۹۶- حلالہ کی بدعت

آیت نمبر ۲۳۰ کے ترجمہ کی خاص غلطی نے قرآن اور آنحضرت کے اعلیٰ ترین خیالات کو بھی نہایت رذیل صورت دی۔ اور اسلام کو بڑے بڑے اعتراضات و الزامات کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کا ترجمہ ایک صاحب یہ کرتے ہیں۔

"اب اگر عورت کو (تیسری بار) طلاق دیدی۔ تو اس کے بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں (ہو سکتی) ہاں اگر (دوسرا شوہر ہمبستر ہو کر) اس کو طلاق دے دے۔ تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ (پھر) ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو۔ کہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم رہ سکیں گے۔ اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں۔ جن کو ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے۔ جو (مصالح خانہ داری کو) سمجھتے ہیں۔" ایک اور صاحب یوں فرماتے ہیں۔

"اگر ایسا ہوا۔ کہ ایک شخص نے (دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا۔ اور تیسرے مہینے تیسری طلاق دیدی۔ پھر دونوں میں قطعی جدائی ہو گئی۔ اور اب) شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہو گی۔ جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔ پھر اگر ایسا ہو۔ کہ دوسرا مرد (نکاح کرنے کے بعد خود بخود) طلاق دیدے۔ (اور مرد و عورت از سر نو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔۔۔۔" تیسرے صاحب یوں لکھتے ہیں۔

"پھر اگر عورت کو طلاق دے دی۔ (یعنی تیسری بار) تو اس کے بعد اس کو حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ نکاح کرے۔ اس کے سوا دوسرے شوہر سے۔ پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے۔ تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ پھر نکاح کر لیتے ہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے ترجموں کا مطلب یہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اور یہی سمجھا گیا۔ کہ طلاق پختہ ہو جانے کے بعد خاوند پھر اس عورت کو اپنے نکاح میں نہیں لے سکتا۔ جب تک اس کا دوسرے شوہر سے نکاح وجماع نہ ہو جائے اس خیال کے زیر اثر حلالہ کا مسئلہ نکلا۔ اور اس کی یہ شرع تھی۔ کہ کسی عجلت پسند نے جوش میں آکر طلاق کا لفظ بول دیا۔ بعد میں پچھتایا تو ملا لوگوں نے اپنی خوش فہمی پر مبنی شرعی مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے ایک رات کے لئے عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرا دیا۔ اور اس سے صحبت ہو چکنے کے بعد اگلی صبح نئے شخص سے طلاق دلا کر پہلے خاوند سے اسے ملا دیا۔ نہ صرف عجلت پسند۔ کوئی بڑا دور اندیش بھی پوری میعاد چار ماہ میں بھی نہ سمجھے۔ اور طلاق پختہ کر دے تو ممکن ہے۔ بعد میں وہ بھی پچھتا کر اس سے ہی تعلق رکھنے کا خواہاں ہو۔ اور یہی تقدیر اس کے پیش آئے۔ گویا پہلے خاوند پر عورت کو پھر حلال کرنے کے لئے ایسی رسم حلالہ کی بدعت نکلی۔

۲۹۷۔ قرآن کا اصل منشا

لیکن ہماری رائے میں آیت کے الفاظ کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ اس کا یہ مطلب سمجھنا۔ کہ قرآن عورت کو بغیر دوسرے شخص سے نکاح و جماع کرائے۔ اور اس سے طلاق دلائے پہلے شخص کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔ بالکل غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جس عورت نے عفت اور عصمت کی انتہائی خوبی کی وجہ سے دوسرے خاوند کا خواب میں بھی خیال نہ کیا ہو۔ اسے بھی شرعی طور پر اس کے لئے مجبور کیا جاوے۔ تَنْكِحَ صیغہ واحد مونث غائب مضارع ہے۔ اور عورت اپنے اختیار سے نکاح کسی اور سے کرتی ہے یا کرے گی۔ دونوں کچھ اس کا مفہوم ہو سکتا ہے۔ اس میں عورت کے لئے حکم نہیں۔ کہ وہ ضرور ہی غیر سے نکاح کرے۔ اور حتیٰ کا لفظ پہلے خاوند کے حق کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی دوبارہ کے طلاق میں تو پہلے خاوند کا حق تھا۔ مگر تیسرے طلاق میں اس کا حق بالکل نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ وہ کسی غیر سے نکاح کرے۔ تو وہ مزاحمت نہیں کر سکتا۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ تیسرے طلاق کی صورت میں عورت کا خاوند سے تعلق نہیں رہتا۔ یہاں

تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور پھر تبھی پہلے خاوند کو مل سکتی ہے۔ کہ دوسرا خاوند اسے طلاق دے۔ گویا عورت اگر دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ تو باہمی رضامندی ہو جانے پر وہ پھر پہلے خاوند کے نکاح میں آ سکتی ہے۔ ورنہ دوسرے خاوند کا اختیار ہوگا۔ اس سے طلاق لئے بغیر وہ پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی۔ مفسرین کے مفہوم کا نقص حسب ذیل مثال پر غور کرنے سے ہر سمجھدار کو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ایک نہایت پاک دامن عفت پسند مومنہ عورت کہ سمجھئے۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ محبت اور امن و آرام سے گذر اوقات کر رہی ہے۔ کہ خاوند کا ایک دوست جو اکثر اس کے گھر میں آتا ہے۔ اس کی طرف بری نظر کرتا ہے۔ اور مختلف ذریعے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مگر کامیاب نہیں ہوتا۔ تو وہ شیطان سیرت بدطینت شخص اس کے خاوند کو اس سے بدظن کرنا شروع کرتا ہے۔ جتنے اگر میاں کی سادگی اور سادہ لوحی سے اس کی دال گل جاتی ہے۔ اور خاوند اپنی بیگناہ بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ وہ بیچاری تعجب کرتی ہے۔ کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ تو خدا پر توکل کر کے خاموش رہتی۔ اور صبر سے انتظار کرتی ہے۔ کہ غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ اور معاملہ ٹل جائیگا۔ لیکن اس کی خاموشی کو وہ شیطان دوست اس طریق پر استعمال کرتا ہے۔ کہ میاں آسانی سے یقین کر لیتا ہے۔ کہ بیوی کو میری پرواہ ہی نہیں۔ لہذا وہ دوسرا طلاق دیتا ہے۔ اور اسی طرح ایک ماہ بعد تیسرا طلاق دیتا ہے۔ جس پر وہ بیچاری دل ہی دل میں دکھی ہے۔ اور چاروناچار اپنے پیارے خاوند کے ظلم کا شکار ہو کر اس سے رخصت ہوتی۔ اور اپنے بھائی کے ہاں پناہ پاتی ہے۔ والدین بیچاری کے گذر چکے ہیں۔ بہن کو طلاق ملنے سے بھائی کے اندر بھی بدظنی ہے۔ لیکن وہ عصمت اور عفت اور طہارت کی مجسمہ ساری ذلتوں کو محسوس کرتی ہوئی کبھی صبر اور خدا کی یاد سے کام لیتی ہے۔ نکاح کے لئے اسے پے بہ پے پیغام پہنچتے ہیں۔ بھائی بھی مکرر نکاح کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اس کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ میرا نکاح تو ہو چکا۔ کیا ہوا مجھے انہوں نے طلاق دے دیا ہے۔ میں نے تو طلاق نہیں دیا۔ اور کیا یقین ہو سکتا ہے۔ کہ تیرے گھر میں پھر طلاق نہ ملیگا۔" اس کے جواب اور اس کے استقلال وغیرہ سے بھائی کی بدظنی دور ہوتی ہے۔ واقفکاروں کو اس کے ساتھ دلی ہمدردی ہوتی ہے۔ اس کے خاوند کے بدنیت دوست کا بھی حوصلہ پست ہوتا ہے۔ اور لگاتار دو سال تک اس کی وفاداری کا ذکر سنتے سنتے خاوند کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اس لئے اب وہ تحقیقات کرتا ہے۔ اور اس پر اپنے دوست کی چالاکی کی حقیقت کھلتی ہے۔ بس اب تو وہ پچھتاتا اور اپنی ضمیر سے سخت عذاب پاتا ہوا سیدھا اپنی مطلقہ مگر عصمت اور عفت کی مجسمہ بیوی کے پاس پہنچتا ہے۔ اور پگڑی اتار کر سر اس کے پاؤں پر رکھے معافی کا خواستگار ہے۔ آہ! کیا عجب نظارہ ہے۔ صداقت اور طہارت کی فتح ہے۔ بچھڑے ہوئے میاں بیوی کے دل پھر ایک بار ایک ہو چکے ہیں۔ پاک دامن بی بی خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ کہ اس نے اس کی بے زبانی سے اس کی کہانی کو سن لیا۔ وہ اڑھائی سال کے بعد اپنے محبوب کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چلنے کو تیار ہے۔ مگر پہلا ہی قدم اٹھانے لگتی ہے۔ کہ موہومہ ملائی شرع کا بھوت اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا۔ اور اسے حکم دیتا ہے۔ کہ خبردار بغیر دوسرے خاوند سے نکاح اور رجاع کئے اور اس سے طلاق پائے تو اس خاوند پر حلال نہیں۔ اب تو بیچاری کے دل پر وہ صدمہ گذرتا ہے۔ کہ خاوند سے طلاق دیا جانے پر بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اوہ! عصمت اور عفت کا وہ قیمتی ہیرا جو برسوں کے تپ سے خریدا تھا۔ بھوسے کے بھاؤ جا رہا ہے۔ پس یقیناً مفسرین نے غلطی کھائی ہے۔ اور قرآن کا اصل منشا محض یہ ہے۔ کہ طلاق دینے والا خاوند سمجھ لے۔ کہ اس کی بہتری مصالحت اور درگذر کرنے میں ہی ہے۔ ورنہ اگر اس نے طلاق کو پختہ

کر دیا۔ تو پھر عورت آزاد اور اس کے اختیار سے باہر ہو گی۔ اور دوسرے خاوند سے نکاح کر سکیگی۔ اور اگر وہ بعد میں چاہیگا۔ تو عورت اسے مل نہ سکیگی۔ وہ گویا دوسرے یا نئے خاوند کے رحم پر ہوگا۔ یہ محض ایک قسم کی دھمکی یا چیتا ونی دینا یا غیرت دلانا ہے۔

۲۹۸۔ طلاق حیض میں جائز نہیں

یہ امر کہ طلاق کس وقت دیا جائے۔ قرآن میں خاص طریق سے صاف واضح کیا گیا ہے حیض کو ناپاکی کہ کر اس سے الگ رہنے کی جو ہدائت دی۔ اس سے حیض میں تو علیحدگی ظاہر ہی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں۔ دوسرے خاوند کے لئے میعاد انتظار چار ماہ ہے۔ مگر عورت کے لئے تین حیض تک رُکنے کا حکم ہے۔ چونکہ میعاد کا تعلق ہر دو فریق سے یکساں ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے چار ماہ کی میعاد اور تین حیض کا انتظار دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ حالت طہارت میں یعنی حیض کے بعد طلاق دیا جائے۔ اور چونکہ اس کے بعد تین بار حیض چار ماہ میں آتا ہے۔ اس لئے دونوں طرح بات ایک ہی ہے۔

۲۹۹۔ مرد کی عورت پر فوقیت

"لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" آیت ۲۲۹ کے ان الفاظ میں مرد کا درجہ عورت سے اُوپر کہا ہے۔ اس کا مفہوم محض گھر کے انتظامی پہلو سے ہے۔ عورت اور مرد کی قدرتی مساوات کے خلاف نہیں۔ باوجود سب انسانوں کے حقوق کی مساوات کے عالم کو بے علم پر۔ اُستاد کو شاگرد پر اور افسر کو ماتحت پر مقدم درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح عورت اور مرد کی مساوات کے باوجود گھر میں مرد کو عورت پر فوقیت ہے۔ سکول میں سب اُستاد اپنی زیر تعلیم ہر جماعت کے لڑکے سے یکساں قابل تعظیم ہیں۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ بعض صورتوں میں کوئی اُستاد ہیڈ ماسٹر سے بھی زیادہ محنتی یا لائق یا تجربہ کار ہو۔ لیکن انتظامی ذمہ واری ہونے سے ہیڈ ماسٹر کو فوقیت ہے۔ خواہ نتیجہ میں انعام کا مستحق کوئی اور ماسٹر ثابت ہو۔ پس نہ تو ان الفاظ سے مردوں کو عورتوں پر کوئی مستقل فضیلت مقصود ہے۔ نہ مردوں کو طلاق یا کسی اور امر میں عورتوں کی نسبت کوئی خصوصی اختیار ہے۔ اس فوقیت کی حقیقت کو نہ سمجھنے والے لوگ یہ تعبیر پیش کرتے ہیں۔ کہ مرد کو خود طلاق دینے کا اختیار ہے مگر عورت کو قاضی کے پاس درخواست دینی اور اجازت لینی پڑتی ہے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ اس سے بڑائی چھٹائی کا کیا تعلق ہے۔ یہ درخواست دینے کی پابندی تو عورت کو اپنے مساوی حقوق کے حصول کے لئے ایک خاص مدد ہے۔ یعنی ممکن ہے۔ عورت علم اور تجربہ اور سمجھ [illegible] کی کمی سے اپنے متعلق صحیح رہنمائی قاضی کی مدد سے پا سکے۔ اور اس کے حقوق کی مساوات کے سلب ہونے کا امکان جاتا رہے۔ اور یہ قانون مرد کے لئے ایک تنبیہ ہے۔ کہ اس کے حق کو کچلیگا۔ تو اس کی پشت پر حکومت کی طاقت ہے۔ ایسا ہی وہ اچھی طرح سمجھ سکے۔

۳۰۰۔ طلاق اور ویدک دہرم

سوال ہوتا ہے۔ کہ طلاق کی رسم سے قرآن اور وید کی عدم مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ویدک دہرم میں طلاق ناجائز ہے۔ اس کے لئے ہمیں محض یہ کہنا ہے۔ کہ باوجود طلاق کے ویدک دہرم والوں میں رائج نہ ہونے کے اسے وید کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔ جیسا ویدک دہرم میں وواہ۔ پُنر وواہ اور نیوگ ہے۔ ویسے ہی

اسلام میں نکاح۔ عقد ثانی اور طلاق ہے۔ عورت اور مرد کی نیک چلنی۔ اولاد کی پیدائش اور اس کی بہتری اور گھر بار کا حسن انتظام جیسا ویدک مریاداؤں میں مقصود ہے۔ ویسا ہی اس نکاح اور طلاق وغیرہ میں مقصود ہے۔ اصول وہی ہوتا ہے۔ مگر اس کی تشریح رشی یا آچاریہ لوگ اپنے اپنے حالات وقت و زمانہ اور اپنی عقل کی پہنچ کے مطابق مختلف ہی کرتے ہیں۔ عرب کے حالات اونچے آدرش سے بہت گرے ہوئے تھے۔ جنسی تعلقات کا قانون نہایت بے ڈھنگا تھا۔ جتنی عورتوں سے مرد چاہے نکاح کرے۔ لونڈیوں سے تعلق الگ۔ پھر جب اور جتنی بار چاہے طلاق دے۔ اور رجوع کرے۔ عورت کی کچھ قیمت نہیں۔ اخلاق سوز طریقوں اور شہوت پرستی کا زور تھا۔ ایسی حالت میں گرہست کے انتظام کی بہتری کا خیال کرنا اور طلاق اور عقد ثانی کی شرع کا پابند کر کے لوگوں کے سامنے انصاف نیک چلنی تقویٰ اولاد کی حفاظت وغیرہ پر انہیں مائل کرنا وید کی شکھشا کے عین مطابق ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ ہندوستان کے انتظام خانہ داری کی موجودہ حالت میں بھی آریوں کو طلاق کی طرف مائل ہونے سے وہی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جو ایک بواہ کی جگہ چار تک کی اجازت ہونے سے ہو سکتا ہے۔ تاہم عرب کے اس وقت کے حالات میں اونچے آدرش کی طرف لانے کے لئے یہ قواعد نہایت مفید تھے۔ بھارت ورش میں جیتے جی طلاق دینے کا تو ذکر کیا مرنے کے بعد بھی عورتیں اپنے مردہ خاوند کے ساتھ ستی ہوتی رہیں اور اب تک خاوند کے گھر میں بیوگی کی صورت میں اسی کی وفاداری کے گیت گاتی ہیں۔ لیکن عرب میں طلاق اور عقد ثانی کی شرع نے اخلاق کے لحاظ سے لوگوں کو اونچا اٹھنے میں واقعی بڑی مدد کی۔ اور اگر اس وقت آریہ اور مسلمان لوگ متحد ہو کر ہندوستان تو کیا عرب میں بھی جنسی تعلقات کے اعلا معراج کا پرچار کریں۔ تو کیا عورت اور کیا مرد طلاق کی ضرورت سے اوپر اٹھ سکتے ہیں۔

طلاق کا بنیادی سبب محض باہمی ناموافقت ہے۔ اور ویدک تعلیم ہی یہ ہے۔ کہ بواہ سے پہلے صفات افعال اور عادات کی مطابقت دیکھی جاوے۔ اور بواہ ہونے پر بھی ناموافقت ہو۔ تو علیحدگی ہو جاوے۔ چنانچہ منو سمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۷۷ و ۷۸ و ۸۰ میں ہے۔ کہ دویش کرنے والی عورت کی ایک سال تک انتظار ہو۔ پھر اس کے زیور وغیرہ لے لے۔ اس کے ساتھ نہ رہے۔ (محض نان نفقہ دیتا رہے)۔ ۷۷۔ جو عورت برمادی و مدمت و انمادی وروگی پتی کی آگیا بھنگ کرے۔ وہ کپڑا زیور لے کر تین مہینے تک تیاگنے یوگیہ ہے۔ ۷۸۔ شراب پینے والی۔ برے چلن والی اور سدا بیمار اور مارنے والی اور سارا دھن کا ناش کرنے والی استری ہو۔ تو اس کے رہتے ہوئے بھی دوسری استری کرنی اُچت ہے۔ ۸۰۔ اسی طرح شلوک ۸۱ میں کہا ہے۔ کہ اپریہ (کڑوا) بولنے والی عورت سے فوراً کنارہ ہو۔ پس عورت مرد کے خاص صورتوں میں الگ ہونے کا جواز تو موجود ہے۔ اور وید کے مطابق ہے۔ لیکن بھارت ورش میں عورت اور مرد کے دل میں شادی کے تعلق کو ناشکست سمجھنے کا خیال جاگا ہوا ہے۔ اس لئے باوجود علیحدگی کی خاص صورتوں میں اجازت ہونے کے بھی مرد عورت زندگی بھر اس تعلق کو نباہتے ہیں۔ اور جب انفرادی طور پر بھی ایسا ترک شاذ و نادر ہی ہوتا یا نفی کے برابر ہے۔ تو سوسائٹی کے لئے ایسے قانون کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ گو یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ قرآن کی سپرٹ کو نہ سمجھ کر طلاق کو اپنا قانونی حق سمجھنے سے عورت اور مرد میں جلد بازی سے جدا ہو جانے کی جرأت آتی ہے۔ تاہم جتنا مذہب سے وابستگی کا خیال بڑھیگا۔ اتنا ہی طلاق کا رواج کم ہوگا۔ منو سمرتی میں جہاں عورت سے خاص صورتوں میں کنارہ کرنے کی ہدایت ہے۔ وہاں بھی گذارے کا مستقل انتظام

تدنظر رکھا گیا ہے۔ گویا محض ترک صحبت کا حکم ہے۔ اور گذارے کا انتظام پتی کے ذمہ رہنے سے جلد یا بدیر عورت کو بیٹا ملنا لازمی ہے۔ بہرحال قرآنی طلاق کا مجبوری صورت سے تعلق ہے۔ اور علیحدگی محض اسی صورت میں مناسب ہے کہ عورت مرد کے مل کر رہنے کے تمام امکانات مسدود ہو جائیں۔ اس لئے عورت مرد کے حقوق کی مساوات۔ ان کو حتی الامکان مصالحت سے رہنے کی ترغیب دینے اور انصاف اور حسن سلوک اور پرہیزگاری کی طرف مائل کرنے کی وجوہات سے قرآنی نکاح ثانی اور طلاق اصولاً ویدک تعلیم کا ہی جزو ہے۔

۱۰۳۔ جنگ طالوت و جالوت

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ
لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
۲۴۳ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ① وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ ۲۴۳
۲۴۴ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ② مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ ۲۴۴
۲۴۵ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ③ اَلَمْ تَرَ ۲۴۵
اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ
ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا
مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ
۲۴۶ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ④ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ ۲۴۶
لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ
بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۷
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ
فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۲۴۸ ع ۳۲

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ
مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ
بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ
اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۲۴۹ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۲۵۰ ؕ
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۲۵۱

۲۵۲

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۴

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا۔ جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف کے مارے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ مگر خدا نے ان کے لئے مرنے کا ہی حکم دیا۔ اور پھر انہیں زندگی دے دی۔ یقیناً اللہ لوگوں پر بڑا افضل کرتا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر گذار نہیں ۱۔ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اور سمجھ لو۔ کہ وہ یقیناً سننے اور جاننے والا ہے۔ ۲۔ کون ہے۔ جو اللہ کو خوشدلی سے قرض دے۔ اور خدا اسے کئی گنا معاوضہ پاوے۔ کیونکہ اللہ جو کچھ (نیک عمل) لیتا ہے۔ کئی گنا زیادہ (پھل) دیتا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ ۳۔ اب ذرا بنی اسرائیل کے چیدہ لوگوں کے حال پر غور کرو۔ کہ انہوں نے اپنے ایک نبی کو کہا۔ کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ (پریذیڈنٹ یا لیڈر) مقرر کردو۔ تا کہ ہم راہِ حق میں جنگ کریں۔ اس نے کہا۔ تم سے اغلب یہی ہے۔ کہ اگر جنگ تم پر فرض کر دیا جائے۔ تو تم جنگ نہ کرو۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم راہِ حق میں جنگ نہ کریں۔ جبکہ اپنے گھروں اور بیٹوں سے ہم الگ ہو چکے ہیں۔ مگر جب ان کے لئے جنگ کا حکم ہوا تو باستثنائے ایک قلیل تعداد کے سب پھر گئے۔ بے شک اللہ ان ظالموں کو جانتا ہے۔ ۴۔ ان کے نبی نے ان کو کہا۔ کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بطور بادشاہ کے مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسے ہم پر بادشاہت کس طرح مل سکتی ہے۔ اس سے تو ہم ہی بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس کے تو مال و دولت کی بھی تنگی ہے۔ جواب ملا۔ یقیناً اللہ نے اسے تم پر فضیلت دی ہے۔ اور علم اور جسم کے لحاظ سے بہت بساط دی ہے۔ بے شک اللہ جسے مناسب سمجھتا ہے۔ اپنا ملک دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ فراخی والا اور علیم کل ہے ۵۔ نیز ان کے نبی نے ان سے یہ کہا۔ کہ ان کے بادشاہ ہونے کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ تمہارے سامنے وہ قلب لے کر آتا ہے جس میں تمہارے رب کا اطمینان بخش علم (شانتی دایک گیان) اور موسیٰ اور ہارون کے لوگوں والی وہ میراث ہے۔ جو فرشتوں کے ذریعے محفوظ رہتی ہے۔ یقیناً اس میں تمہارے لئے صاف ثبوت ہے۔ اگر تم مومن ہو۔ ۶۔ پس جب طالوت نے اپنے لشکر سے سچی کلام کی۔ کہا خدا اس نہر سے تمہارا امتحان لیتا ہے۔ یعنی جو اس کا پانی پیتا ہے۔ ہم سے اس کا سروکار نہیں اور جو نہیں پیتا۔ ہمارا ہے۔ ہاں اپنے ہاتھ سے چلو بھر لینے کا مضائقہ نہیں۔ مگر سوائے چند اُنے گنے لوگوں کے سب نے اس سے پی لیا۔ پھر جب وہ اور اس کے ایمان لانے والے ساتھی اس نہر سے آگے ہوئے۔ تو وہ کہنے لگے۔ ہم میں تو آج جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن جنہیں اللہ کے ملنے کا یقین تھا۔ بول اُٹھے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ خدا کی عنایت ہو تو تھوڑے سے لوگ کثیر التعداد گروہ پر غالب آتے ہیں۔ بے شک اللہ صابروں کا ساتھی ہے۔ (بہ قول ہمتِ مرداں مددِ خدا) ۱۔ اور جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے۔ انہوں نے خدا سے دعا کی۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہمیں فتح نصیب کر۔ ۲۔ پس اللہ کے حکم سے انہوں نے ان کو بھگا دیا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اور اللہ نے اسے حکومت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ چاہئے تھا۔ اس کو سکھایا۔ اور اللہ بعض نیکوں کے ذریعہ دوسروں (بدوں) کو مٹاتا نہ رہے۔ تو دنیا تو پر فتنہ ہی رہے۔ مگر اللہ اہل عالم پر فضل کرنے والا ہے۔ ۳۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ جو صحیح معانی کے ساتھ تم پر واضح کی گئی ہیں۔ اور یقیناً تو مرسلوں میں سے ہے۔ ۴۔

۳۰۱۔ راہِ حق میں جی جان کی بازی

آیت ۲۴۳ میں ہدایت یہ ہے۔ کہ زندگی کو راہِ حق میں وقف سمجھنا چاہئے۔ موت کا خوف عبث ہے۔ اگر خدا مارتا ہے تو زندگی بھی تو وہی دیتا ہے۔ اور یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ اگر موت مقدر ہوگی۔ تو اس سے بھاگ کر جا کہاں سکتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے۔ کہ ہزارہا لوگ موت کے ڈر سے بھاگ کر دوسری جگہ گئے۔ مگر وہاں بھی انہیں اجل نے آپکڑا۔ اور خدا کے حکم سے موت کا شکار ہوئے۔ اور خدا نے انہیں پھر پیدا کیا۔ پس اس زندگی کے لئے خدا کا شکر گذار ہونا یعنی اس کے راہ میں اس زندگی کو وقف رکھنا چاہئے۔ جب موت کے بعد پھر زندگی ملتی ہے۔ تو خسارہ کیا ہوا۔ اسی کی امانت اسی کے حوالے ہوتی۔ اور پھر ملتی ہے۔ اور شروع میں یہ ہدایت دے کر طالوت اور جالوت یا نیکی اور بدی کے جنگ میں نیکی کی فتح کا بیان کر کے آخری آیات میں پھر اسی ہدایت پر زور دیا ہے۔ اور خدا کی عظمت و برتری کا خیال دلا کر اسی کے لئے وقف رہنے پر زور دیا ہے۔ کہ وہی واحد معبود ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ کل جہان کی زندگی کا موجب موت نو کیا۔ اونگھ یا نیند تک سے بری۔ ہمیشہ جیتا جاگتا۔ اور مالک ارض و سما ہے۔ اسی کی رضا پر انسان کی فلاح منحصر ہے۔ کسی کی مدد یا سفارش پر نہیں۔ خدا ہی اپنے کامل علم کی وجہ سے ماضی اور مستقبل کو دیسا ہی جانتا ہے۔ جیسا حال کو۔ وہ اپنے عمل میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا علم سب پر حاوی ہے۔ مگر انسان اس کے کسی علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یعنی انسان خود کسی علم کا مالک نہیں ہو سکتا۔ جیسے سورج کی روشنی سے فائدہ پاتا ہے ویسا ہی علم الٰہی سے مدد پا سکتا ہے۔ پس اس محیط کل بلند ترین عظمت والے خدا کے راہ میں مرنے سے کیا ڈرنا۔ تم اس وقت خرید و فروخت میں اور دنیوی دھندوں میں جو اپنی ساری توجہ اور طاقت وقف کر رہے ہو سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جاویگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ موت سے پہلے اسے راہِ حق میں خرچ کر کے نیکی کما لو۔

۳۰۲۔ اصولی تعلیم یا تاریخی جھگڑا؟

ہزارہا لوگوں کا موت کے خوف سے بھاگنا محض اس لئے مذکور ہے۔ کہ اس سے راہِ حق میں لڑنے کی جرأت پیدا کی جاوے۔ مگر مفسرین اصل اصول کی بجائے اس واقعہ پر ہی طویل بحث کر کے اختلافات کا اظہار کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ وبا کے خوف سے گھر چھوڑ بھاگے تھے۔ مگر جہاں بھاگ کر گئے تھے۔ وبا نے ان کو اسی جگہ آ دبایا۔ اور سب مر گئے۔ پھر ایک مدت بعد حزقیل پیغمبر ادھر سے گذرے اور انہوں نے دعا کی۔ خدا نے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ دوسرا بیان یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم کو ان کے پادشاہ نے جہاد کی طرف بلایا۔ تو انہوں نے انکار کیا۔ خدا نے انہیں آٹھ دن تک مارے رکھا۔ اور پھر زندہ کیا۔ تیسرا بیان یہ ہے۔ کہ اس میں بائیبل کتاب خروج کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ خَرَجُوا کا لفظ جو قرآن میں ہے۔ یہ خروج کی پوری تائید کرتا ہے۔ ہزارہا کا لفظ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کا خروج ثابت نہیں ہوتا۔ الوف کے معنی جماعت بھی ہے۔ اور بنی اسرائیل کو کتاب خروج میں جماعت کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اور چونکہ آیت ۲۴۶ میں موسےٰ کے بعد کے زمانے کا ذکر ہے۔ اس لئے ان آیتوں میں لازمی طور پر موسیٰ کے عہد کا خروج ہی مذکور ہے۔ اور بنی اسرائیل نے موسےٰ کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار بھی کیا تھا۔ اور چالیس سال جنگل میں بھٹکنے کی قومی موت بھی پائی تھی۔ اس تاویل کے دعویدار کہتے ہیں۔ کہ دیارِھم کا لفظ ان کی تاویل کے خلاف نہیں

جاتا۔ کیونکہ چارسو سال سے مصر میں آباد ہونے سے وہ ان کا وطن ہی تھا۔ حذر الموت کے لفظ سے اعتراض ہوتاہے کہ موت کے خوف سے ان کا بھاگنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس پر کہاجاتا ہے۔ کہ فرعون کی غلامی کو ہی یہاں موت کا لفظ دیا گیاہے۔ ایک اور اعتراض ہوتاہے۔ کہ فقال لہم اللہ موتو کے مطابق بنی اسرائیل کو خدا نے کہا مرجاؤ۔ یہ کس طرح ہوا۔ تو کہاجاتا ہے۔ چالیس سال جنگل میں بھٹکنے کا حکم۔ بمنزلہ قومی موت تھا۔ پھر اعتراض ہوتاہے۔ خدا نے انہیں زندہ کردیا۔ یہ کس طرح صحیح ہوگا۔ جواب ملتاہے۔ چونکہ ان کے بعد ان کی دوسری نسل فاتح اور حکمران بنی۔ لہذا یہی زندگی ہے۔ ایک اور بیان یہ ہے۔ کہ موسیٰ کے بعد میں بنی اسرائیل ہزارہا کی تعداد میں مصر سے کنعان کو جارہے تھے۔ قریب جاکر موسےٰ نے بارہ رقیب بطور جاسوس بھیجے۔ کہ کنعانیوں کے حالات معلوم کر آئیں۔ یوشع اور کالب کو چھوڑ کر کل دس قیبوں نے کنعانیوں (عمالقیوں) کے قدوقامت۔ اور قوت وشجاعت کا بنی اسرائیل سے ذکر کیا۔ سو وہ ہراساں ہوکر جنگ سے باز آئے۔ اور موسےٰ سے کہا۔ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑے تو لڑے۔ ہم نہیں لڑ سکتے۔ یہیں بیٹھے ہیں۔ اس پر خدا نے چالیس سال کے لئے وہ زمین ان پر حرام کردی۔ توریت کے الفاظ میں یں ہے۔ "کہ تم ہرگز اس زمین پر نہ پہنچو گے۔ بز یوشع اور کالب کے۔ اور تمہارے لڑکوں کے جن کے حق میں تم سمجھتے ہو۔ کہ میں ان کو داخل کرونگا۔ اور تمہاری لاشیں بیابان میں گرینگی وغیرہ"۔ اس قسم کے اختلاف تو ہیں ہی اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ صحیح تاویل ایک بھی نہیں۔ وبا کے خوف سے مرنے کا واقعہ صحیح مانیں۔ تو حزقیل کی دعا سے ان کا زندہ ہونا اور آٹھ دن یا زیادہ عرصہ ہزاروں لاشوں کا بغیر دفنائے وجلائے پڑا رہنا محض خیال باطل ہے۔ اور قرآن کے کسی لفظ سے اس واقعہ کا اشارہ ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا ہی قرآن سے یہ بھی کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہ بائیبل کتاب خروج کا بیان یہاں مقصود ہے۔ کیونکہ ایسا دعوےٰ کرنے والے جہاں اور مفسروں سے مختلف ہیں۔ وہاں قصے کی پوری مطابقت ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں ان کے بیان پر اعتراض ہوتے ہیں۔ تو وہ اس کی تاویلات پیش کرنے لگ جاتے ہیں۔ گویا اصل آیت کی تفسیر کی بجائے وہ اپنی تاویل کی تفسیر کرتے ہیں۔ چونکہ تاویلات کی تاویلوں پر بحث کرنا بالکل غیر متعلقہ امر ہے۔ اس لئے انہیں چھوڑ کر ہم محض یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن اس واقعہ کا ذکر کسی تاریخی واقفیت کے لئے نہیں کرتا۔ بلکہ محض ایک حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا مقصد رکھتاہے۔ جیساکہ شروع میں اَلَمْ تَرَ کا لفظ کہنے سے ظاہر ہے۔ تاریخی واقعہ کو اہمیت دینی ہوتی۔ تو صاف طور پر اسے ایک دو لفظوں سے انٹروڈیوس کیا جاسکتا تھا۔

۴۰۳ - خدا کو قرض دینا

آیت ۲۴۵ میں خدا کو قرض حسنہ دینے کے بیان پر اعتراض ہوتاہے۔ کہ خدا کو قرض کی کیا ضرورت۔ معترض کہتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صاحب نے محض لوگوں سے روپیہ لینے کے لئے خدا کے نام سے قرض مانگا۔ بعض مفسر بھی جہادی ضروریات کے لئے ایسی مالی اپیل کو حق بجانب قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مالی قرضہ کا یہاں ذکر ہی نہیں۔ بیان یہ ہے۔ کہ موت کا خوف عبث ہے۔ زندگی بچانے اور مُردوں کو زندگی دینے والا وہ مالک کل اور قادر مطلق ہے۔ اس لئے اسی کے راہ پر جنگ کرو۔ مبارک ہے وہ جو اور تعلقات سے بے پرواہ ہوکر خدا کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرتا یعنی نیک عمل اور اشاعت حق میں لگا رہتاہے۔ یہ قربانی خدا پر گویا قرض ہے۔ کیونکہ خدا نے اس کا عوض دیناہے۔ ویدک دھرمی لوگ دیورن۔ پتری رن اور رشی رن نام کے تین قرضے

ہر انسان پر مانتے ہیں۔ گرو وغیرہ کا تعلیم کا قرضہ لوگوں میں تعلیم پھیلا کر اتارا جاتا ہے۔ والدین کا پیدا کرنے اور پالنے کا قرضہ خود اولاد کو پیدا کر کے اور پال کر اتارا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی سب کو ان کے فعلوں کا بدلہ دے کر اپنا قرضہ چکاتا ہے۔ چونکہ فعل پہلے ہے۔ اور پھل بعد میں۔ اس لئے قرضہ کا لفظ معنے خیز ہے۔ پھر یہ بھی معقول بات ہے۔ کہ وہ اس قرض کے عوض میں کئی گنا بدلہ دیتا ہے۔ ہم ایک دانہ بو کر صدہا دانے پاتے ہیں۔ چند روز ایک کام سیکھ کر برسوں اس سے کماتے ہیں۔ ایک دو جنموں میں رضائے حق پر چل کر اور علم حقیقی حاصل کر کے وصل خدا کے مستحق ہوتے اور نہایت طویل عرصہ نجات تک آنند بھوگتے ہیں۔ پس اس آیت میں ایک تو پُنرجنم کا صاف ثبوت ہے۔ کہ ہزاروں آدمیوں کو مرنے کا حکم دیا۔ پھر زندہ کیا۔ اور دوسرا کئی گنا معاوضہ کہنے سے مکتی کا بہت طویل عرصہ ثابت ہے۔ غیر محدود زمانہ نہیں۔

۳۰۵۔ پادشاہ کا انتخاب

آیت ۲۴۶ میں پادشاہ یا پریذیڈنٹ کی ضرورت اور طریق انتخاب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلا لفظ قابل غور مَلا ہے جس کے معنے ہیں۔ شریف آدمیوں کا گروہ یا مجلس اگر اس کا ترجمہ ہندی میں یا سنسکرت میں کیا جائے۔ تو آریہ سماج یا آریہ سبھا ہی اس کا مفہوم ہوگا۔ بنی اسرائیل کو ہم آریہ جاتی یا آریہ سنتان نام دیتے ہیں۔ کیونکہ سب سے اوّل جاتی یہی ہے۔ اسی کا تبت سے خروج کر کے دنیا کے نئے نئے پیدا ہوتے والے ملکوں میں آباد ہونا تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سبھا کے لوگ اپنے نبی یعنی مذہبی پیشوا یا پروہت سے التجا کرتے ہیں۔ کہ ہمارا پریذیڈنٹ چنا جائے تاکہ ہم صحیح رہنمائی میں اشاعت حق یا راہ حق میں جنگ کر سکیں۔ نبی کہتا ہے۔ کہ تم سے امید نہیں۔ کہ اگر جنگ کا مطالبہ ہو تو تم اسے پورا کرو۔ وہ یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم تو راہ حق کی خاطر اپنے گھر اور بال بچے بھی چھوڑ آئے۔ آخر نبی طالوت کو پادشاہ بنانے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ وہ تو ایک غریب نادار شخص ہے۔ وہ کیا پادشاہ ہوگا۔ اس سے تو ہم ہی اچھے ہیں۔ نبی کہتا ہے نہیں۔ اس انتخاب میں سرمایہ داری کا سوال نہیں۔ بلکہ اللہ کے ہاں اس کا برگزیدہ ہونا یعنی پادشاہی کی قابلیت والی صفات رکھنا لازمی ہے۔ طالوت علم کے لحاظ سے سب سے افضل ہے۔ اور جسمانی صحت اور طاقت میں بھی اوروں پر سبقت رکھتا ہے۔ یہی صفات شاہی جلال شان و شوکت اور دشمنوں کو مغلوب کرنے کی ہیں۔ مالی حالت کا تجارت سے تعلق ہے۔ نہ کہ کسی سبھا کی پردھانی سے۔ پس نہایت معقول طریق پر طالوت ہی پریذیڈنٹ ہوا۔ اور اگر غور کیا جاوے۔ تو اس انتخاب میں قدیم ترین طریق ہی مدنظر رکھا گیا معلوم ہوتا ہے۔ سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ راج سبھا ہونی چاہئے۔ مطلق العنان راجہ یا شخصی حکومت سے رعیت پر ظلم اور اس کی بربادی کا امکان بنا رہتا ہے۔ اس لئے سبھا بنا کر اس میں پریذیڈنٹ مقرر ہونا چاہئے۔ اتھرووید کانڈ-۶ - انوواک-۱۰ ورگ-۹۸- منترا کا حوالہ قابل غور ہے۔

९८॥ इन्द्रो जयाति न परा जयाता अधिराजो राजसु राजयातै ।
चर्कृत्य ईड्यो वन्द्यश्चोपसद्यो नमस्यो भवेह ॥१॥

اے انسانو! جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ شان و شوکت والا ہو۔ جو دشمن کو جیت سکے۔ اور آپ ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جو پادشاہوں میں سب پر حاوی اور غالب ہو۔ سبھا کا اعلیٰ افسر ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہو۔ قابل تعریف اوصاف و افعال و عادات والا ہو۔ لائق تعظیم ہو۔ اس لائق ہو۔ کہ لوگ اس کے پاس جائیں۔ اور پناہ

بس۔ جس کی سب آرزو کریں۔ اس کو میر مجلس اور بادشاہ بنانا چاہیئے۔ یجو۔ ۹۔ ۴۰ بھی قابل غور ہے۔

جس کا حصّہ اوّل یہ ہے

इमं देवा असपत्न सुवध्वं महते क्षत्राय महते
ज्यैष्ठ्याय महते जानराज्यायेन्द्रस्येन्द्रियाय ।

اے ذی علم مدبّران سلطنت اہل رعایا تم لوگ تمام روئے زمین کی ایک سلطنت ہونے کی غرض سے سب سے اعلیٰ مرتبہ پانے کے منشاء سے ایسی حکومت کے مدعا سے جس میں بڑے بڑے عالم و فاضل شامل ہوں۔ نیز غایت درجہ کی جاہ و حشمت رکھنے والی سلطنت اور دولت کی ترقی کے لئے بالاتفاق ایسے اعلیٰ عہدیدار سبھا یعنی راجہ کو جو ہر موقعہ پر رو رعایت سے بری۔ پورا عالم و با اخلاق ہو۔ سب کا دوست ہو۔ حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے روئے زمین کو دشمنوں سے خالی کرو

پس علم اور جسم ہر دو لحاظ سے قابلیت دیکھ کر سبھاپتی چننا جو اس آیت قرآن میں بتایا ہے۔ ہر طرح سے وید کے مطابق ہے۔ اور منوسمرتی میں بھی انہی اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر رامائن۔ مہابھارت کو دیکھیں۔ تو وششٹ وغیرہ جیسے عالم پروہت ہی راج تلک دیتے نظر آتے ہیں۔ پس اہل سبھا کا اپنے نبی کو بادشاہ بنانے کے لئے کہنا بھی بالکل معقول ہے۔

۳۰۶۔ علمی قابلیت!

راجا کی علمیت و قابلیت کیسی ہو۔ اس کا جواب قرآن میں وہی موجود ہے۔ جو وید وغیرہ سچے شاستروں میں مذکور ہیں۔ اس کے لئے منوسمرتی ادھیائے ۷ میں خاص طور پر ہدایات موجود ہے۔ اور شلوک ۴۳ و ۴۴ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

त्रैविद्येभ्यस्त्रयीं विद्यां दण्डनीतिं च शाश्वतीम् ।
आन्वीक्षिकीं चात्मविद्यां वार्त्तारम्भांश्च लोकतः ॥ ४३॥
इन्द्रियाणां जये योगं समातिष्ठेद्दिवानिशम् ।
जितेन्द्रियो हि शक्नोति वशे स्थापयितुं प्रजाः ॥ ४४॥

تینوں ویدوں کے جاننے والوں سے تینوں وید پڑھے۔ اور قدیم تعزیرات اور ویدانت پڑھے۔ اور لوگوں سے ویوہار و دیا پڑھے۔ ۴۳۔ حواس پر غلبہ پانے کا رات دن اودیوگ کرے۔ کیونکہ غالب الحواس ہی رعیّت کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ ۴۴۔

وید کے انیک منتروں میں اسی طرح راجا کو عالم اور غالب الحواس ہونے کی مقدم ہدایت ہے۔

آیدوا ایہ ۔۔۔۔ الخ اس منتر کی شرح میں سوامی دیانند لکھتے ہیں۔ کہ سوراجیہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل تو ہر شخص کا ذاتی سوراجیہ۔ جو اپنے تمام اندرونی اور بیرونی حواس پر ضبط حاصل کرکے ہر شخص پا سکتا ہے۔ اور دوسرا ہتیوں سے حفاظت کیا جانے والا چکرورتی راج جو پہلی قسم کے غالب الحواس لوگوں کے سموداۓ سے حاصل ہوتا ہے۔ سو یہی اصول قرآن کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۴۸ میں بادشاہ کی یہ خصوصیت بتائی ہے۔ اَن يَّاتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ۔ یعنی اس کے من میں خدا کا تسکین قلبی والا علم اور آل موسیٰ و آل ہارون کی میراث

یا ان کا یادگاری علم ہو۔ چونکہ تسکین قلبی والا علم وید ہے۔ اور موسیٰ اور ہارون منو وغیرہ رشیوں کے ناموں کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور ان کا ترکہ سمرتی اور نیتی گرنتھ یا توریت وغیرہ ہیں اسلئے منوسمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۴۳ والے علوم کا ہونا ہی قرآن ضروری بتاتا ہے۔ یجر وید ادھیائے ۳۴ منتر ۵ کے یہ الفاظ یہاں مطلب کو زیادہ عمدگی سے واضح کرتے ہیں۔

यस्मिन्नृचः साम यजूंषि यस्मिन् प्रतिष्ठिता रथनाभाविवाराः।

यस्मिंश्चित्तꣳ सर्वमोतं प्रजानां तन्मे मनः शिवसङ्कल्पमस्तु ॥५॥

اس میں دُعا مانگی گئی ہے۔ کہ جس میرے من میں رگ یجو۔ سام اور اتھرو نام چاروں وید اس طرح قائم ہوتے ہیں جس طرح گاڑی کی ناف میں آرے لگے رہتے ہیں۔ اور جس میں علیم کل اور موجود کل مخلوقات کا دیکھنے والا چیتن عیاں ہوتا ہے۔ وہ میرا من شیوسنکلپ یعنی فلاح وبہبود کے وسائل کی طرف ہی مائل رہے۔ پس بادشاہ کے لئے وید سمرتی وغیرہ کا علم ہونا یا اس کے من میں شانتی دایک علم الٰہی اور رشیوں منیوں کے گرنتھ ہونا یا رگ یجو وغیرہ کا من میں اس طرح قائم ہونا جیسے رتھ کے پہیئے کے دُہرے میں آرے پروئے جاتے ہیں۔ سب ایک ہی بات ہے۔ اور پہلے بادشاہ کی اوصاف علم اور صحت وطاقت بتا کر بعد میں عملی طور پر طالوت میں یہ صفت بتانا۔ کہ وہ ایسا قلب یا من لے کر تمہارے سامنے آتا ہے۔ جس میں شرتی سمرتی وغیرہ کا علم ہے۔ صحیح معنوں میں وید وکت راج نیتی کی ترجمانی کرنا ہے۔

۳۰۷۔ خاص پیچیدگیاں اور ان کا حل

ان آیات کے خاص الفاظ کے صحیح معانی تک پہنچنے کی مفسرین نے بڑی ہی کوشش کی ہے۔ مگر ایک تو سچے علوم کی اشاعت نہ رہنے سے ان کے اپنے اندر معانی کا انکشاف ہونا عموماً اور ان معانی کے صحیح تعلقات کا احساس ہونا خصوصاً مشکل تھا۔ دوسرے ان میں سے خاص الفاظ بائیبل میں مذکور تھے۔ اس لئے اسی کا سہارا لینا مفسرین کو اپنی رہنمائی کا ذریعہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس میں خاص پیچیدگی کا درپیش آنا ضروری تھا۔ کیونکہ قرآن میں الفاظ بائیبل کے مروّجہ ترجموں والے مفہوم کو کہیں مدّنظر نہیں رکھا گیا بلکہ انہیں قدیم سچائیوں کے قائمقام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بائیبل سے مطابقت نہ دیکھ کر عیسائی لوگ آنحضرت پر تاریخی غلط بیانیوں کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ خود ترجموں سے گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کا ثبوت تابوت۔ سکینۃ۔ آل موسیٰ آل ہارون تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وغیرہ الفاظ کی مختلف تاویلات سے ملیگا۔ واقعی مفسرین کے لئے ہر طرف مشکلات کا سامنا ہے۔ اور وہ اندھیرے کی سی ٹٹول میں مختلف مفہوم لینے پر مجبور ہیں۔ ان پر ایک مفسر صاحب حاشیہ آرائی فرماتے ہیں۔ کہ

"کہتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا۔ اس میں توریت کا ایک نسخہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا خاص خدا کا فرمان اور ہارون علیہ السلام کا جبہ۔ لڑائی میں اس صندوق کو تبرّکاً آگے رکھتے تھے۔" یہ لفظ صندوق گویا تابوت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر ۲۴۸ کا ترجمہ یہ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

"اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا۔ کہ طالوت کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے۔ کہ وہ صندوق

جس میں تمہارے پروردگار کی (بھیجی ہوئی) تسلی (توراۃ) ہے۔ اور (نیز) موسیٰ اور ہارون جو (یادگار) چھوڑ مرے ہیں۔ ان میں کی بچی کھچی چیزیں (بھی اس میں) ہیں۔ وہ (ربے اٹے) تمہارے پاس آجائے گا۔ (اور) فرشتے اٹھا لائیں گے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ تو یہی ایک بات تمہارے لئے نشان (کافی) ہے"۔ گویا تابوت کے معنے صندوق۔ سکینۃ کے معنے توراۃ اور بقیۃ کے معنے بچی کھچی چیزیں لی گئی ہیں۔ لیکن توریت کو کہیں بھی آنحضرت نے تسکین یا تسکین قلبی کا ذریعہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس سے پہلے کی ملت ابراہیم کا معتقد ہونے سے توریت وغیرہ سے پہلی کتاب ہی یہاں مقصود ہو سکتی ہے۔ اگر توریت کا تعلق لیں۔ تو وہ موسیٰ کے ترکے میں شمار ہو سکتی ہے۔ سکینۃ کے معنے نہیں دے سکتی۔ اور اگر موسیٰ کا قصاص خدا کا فرمان ہارون کا جبہ اور آل موسیٰ و آل ہارون کی بچی کھچی چیزیں بقیۃ لفظ کا مفہوم مانی جائیں۔ تو ان سب کا صندوق میں آنا محال۔ کیونکہ آل موسیٰ اور آل ہارون کی بچی کھچی چیزوں کا نہایت کثیر التعداد ہونا لازمی ہے۔ اور سب کو تبرکاً صندوق میں آگے آگے لئے پھرنا قرین قیاس بھی نہیں۔ ہاں اگر سکینۃ کے معنے وید اور بقیۃ کے توراۃ لئے جائیں۔ تو یہ ہر لحاظ سے موزوں بھی ہوں۔ اور صندوق میں ان کا سمانا اور رکھا جانا بھی قابل تسلیم ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اسے صحیح تاویل مانا نہ جا سکیگا۔ کیونکہ اس صورت میں صندوق کا دیگر لحاظ سے ہی سہی فرشتوں سے اٹھایا جاکر آجانا اس کے بادشاہ ہونے کی علامت ہوگی۔ حالانکہ اولاً جب تک صندوق آ نہ جائے۔ اور یہ نشانی لوگ دیکھ نہ لیں۔ تب تک وہ بادشاہ مانا نہیں جا سکتا۔ لیکن ذکر یہ ہے۔ کہ اس نے فوج کے ساتھ کوچ بھی کر دیا۔ اور جنگ بھی ہوا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل بھی کیا۔ پس عملاً وہ نشان اس کے بادشاہ ہونے سے پہلے ظاہر ہی نہیں ہوا۔ اور جب وہ بادشاہ بن چکا۔ تو نشان دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس اس آیت کا مفہوم لازمی طور پر وہ وصف ہونا چاہئے۔ جو نبی کے نزدیک بادشاہ کی قابلیت کا ثبوت ہو۔ اور اس صورت میں ہمارے پیش کردہ معانی کے بغیر کوئی ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ نہ طالوت کے پاس بنی اسرائیل کی مجلس مذکورہ کے انعقاد تک کوئی صندوق پہنچا تھا۔ نہ ایک لائق نبی کسی آئندہ ہونے والی بات کو بطور نشان پیش کر سکتا تھا۔

جو لوگ تابوت کو صندوق کے معنے میں لیتے ہیں۔ وہ بائیبل کی رہنمائی میں تاویلیں ڈھونڈتے ہیں۔ کتاب خروج میں ایک صندوق کا ذکر ہے۔ جو اڑھائی ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ چوڑا و اونچا تھا۔ سونے سے منڈھا ہوا اور سونے کے کلس والا۔ مگر بائیبل میں بھی تابوت کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ سلاطین کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ اس میں صرف پتھر کی دو لوحیں تھیں۔ عبرانیوں میں لکھا ہے۔ کہ اس میں ایک سونے کا برتن من سے بھرا ہوا۔ ہارون کا عصا جس میں شاخیں پھوٹی تھیں۔ اور عہدنامے کی تختیاں اور اس پر جلالی کروبی تھے۔ لیکن صرف بائیبل کے بیانات ہی باہم مختلف نہیں۔ مفسرین بھی سب بائیبل پر انحصار نہیں رکھتے۔ بلکہ بعض کہتے ہیں۔ یہاں بائیبل والا تابوت مراد نہیں۔ بلکہ وہ اور تابوت تھا۔ جو حضرت آدم پر اترا تھا۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ یہاں وہ تابوت مقصود ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ کی والدہ نے حضرت موسیٰ کو رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ غرضیکہ بائیبل کا اپنے اندر اختلاف۔ قرآن اور بائیبل کا باہم اختلاف۔ مفسرین کا باہم اختلاف۔ عجیب ہی گورکھ دھندا پیش کرتا ہے۔ ایک فریق قرآن کے حوالوں سے بائیبل کو غلط ٹھہراتا ہے۔ دوسرا قرآن کی اس میں تاریخی غلطی بتاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ پھیر محض مفسرین و محققین کی خاص خاص قسم کی ناواقفیت میں ہے۔ جائے غور ہے۔ کہ سکینۃ سے

اگر توریت مراد لی جاتی ہے۔ تو اس کی تہ میں بھی علمی یا الہامی کتاب کا تابوت میں ہونا مانا جاتا ہے۔ جس مفسر یا مترجم کو وید کے متعلق کوئی علم نہیں جس نے اپنی ساری عمر میں سکینہ کا اطلاق وید پر کسی کو کرتے ہوئے نہیں پایا۔ وہ اس سے توریت کا مفہوم نہ لیتا تو کیا کرتا۔ اور لوح لفظ کے معنے جس نے تختی کے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ پتھر کی مراد نہ لیتا تو کیا کرتا۔ اور جب ایسی پتھر کی لوح دستیاب نہ ہوئی۔ تو لوح محفوظ کا نام لے کر مزید تفصیل کی تحقیقات سے قاصر نہ رہتا۔ تو کیا کرتا۔ لوح کا لفظ ان تمام چیزوں کے لئے آتا تھا۔ جن پر کچھ لکھا یا نقش کیا جاسکے۔ کپڑا، تختہ پتھر کی شلا ہی نہیں۔ انسانی دل پر بھی یہ لفظ حاوی ہے۔ بچوں کو سادہ لوح کہہ کر بتایا جاتا ہے۔ کہ والدین اور استاد جو چاہیں ان کے دل پر لکھ دیں۔ ایسا ہی لوح بجلی کا چمکنا ستاروں کا نمایاں ہونا کے معنے بھی رکھتا ہے۔ غرضیکہ اس کے معنوں میں علم یا علمی روشنی کا تعلق لازمی ہے۔ اور وید یا سمرتی دونوں پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ لوح کو سونے کا برتن کہنے والے بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔ یہ جو مشہور ہے۔ کہ جبرئیل نے حضرت محمد صاحب کے دل میں علم اور حکمت سے بھرا ہؤا سونے کا تھال انڈیل دیا۔ یہ بھی ایک ایسے تھال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس میں علم رکھا جاسکے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ "ہرن مبین پاترین ستیا پی ہتم مکھم" میں سنہری برتن وید کے الفاظ کے مجموعہ یا کتاب وید کو کہا ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے اندر سچے معانی نہاں ہیں۔ اور انہی معانی کے انکشاف کے لئے منتر کے اگلے حصے میں دعا ہے۔ کہ اے پرماتما! اس برتن کے ڈھکنے کو کھول دے۔ کہ ہم سچے دھرم کا جیوں کا تیوں درشن کرسکیں۔ اس تھال کو کسی نے علم سے بھرا ہؤا کہدیا۔ تو کسی نے من سے بھرا ہوا بتایا۔

ہارون کا عصا (جس میں شاخیں پھوٹی تھیں) بھی وید کا ہی مفہوم موزونیت سے پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جیسے لاٹھی سے پشو کو جدھر چاہیں ہانک کر لے جائیں۔ ویسے ہی رشی منی وید کے عصا سے دنیا کو دھرم کے رستے پر چلاتے آتے ہیں۔ عصا کی شاخوں کا پھوٹنا بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ چتواری شرنگا۔ ...... الخ

کہہ کر وید خود اپنی چار بڑی بڑی شاخیں رگ۔ یجر۔ سام اور اتھرو کو ظاہر کرتا ہے۔ اور شاخ در شاخ کو تسلیم کرتے ہوئے وید کی ۱۱۲۷ اور شاکھا آج مشہور ہی ہیں۔ اور یجروید ادھیائے ۱ منتر ۳ میں علم کی صدہا ہزارہا یعنی بے شمار شاخیں بیان ہوئی ہیں۔

देवस्त्वा सविता पुनातु वसोः पवित्रेण शतधारेण सुप्वा कामधुक्षः॥३॥

جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ یہ تابوت موسیٰ والا نہیں۔ حضرت آدم والا ہے۔ وہ بھی ہماری ہی پوزیشن کو مضبوط کر رہے ہیں۔ کیونکہ آدم جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ دراصل سنسکرت کا آدیم (आदिम) لفظ ہے جو آغاز عالم کے رشیوں کا اصطلاحی نام ہے۔ اور آغاز کے رشیوں پر گیان کو محفوظ رکھنے والے وید نام تابوت کا نازل ہونا ہمارا بنیادی اصول ہے۔ ایسا ہی جو لوگ حضرت موسیٰ کی والدہ سے تابوت میں موسیٰ کے رکھا اور دریا میں بہایا جانے کے قایل ہیں۔ وہ بھی اسی حقیقت کو اپنی طرز پر ادا کرتے ہیں۔ موسیٰ یا موکھشی یعنی نجات دینے والا علم ایشور یعنی ماتا نے ویدک شبدوں کے تابوت میں رکھ کر اس بحر عالم یعنی بھوساگر میں بہا ہی رکھا ہے۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے۔ کہ قدیم سے سچے اصولوں کو استعارات میں بیان کرنے کا جو رواج چلا آتا ہے۔ اور جو صحیح معانی کے گرفت کرنے میں بڑی مدد دے سکتا ہے۔ اسی کو جہالت کے زمانے میں

شخصیتوں سے وابستہ کرکے کہانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر انسانی جماعت کا علمی معیار بلند ہو جاوے۔ تو ان سب سے غیر معمولی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر موجودہ حالت میں رجحان زیادہ سے زیادہ تاریک صورت کی طرف ہونے سے اختلافات اور تعصبات کی ترقی ہو رہی ہے۔ لہذا عالم لوگوں کو انتہائی غور سے کام لے کر اصل صداقتوں کو سمجھنا اور سمجھانا چاہیئے۔

۳۰۸- حقیقت کی جھلک

مگر باوجود تمام پیچیدگیوں کے مفسر صاحبان پر اصل حقیقت کی جھلک بھی ظاہر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۲۲۰ فقرہ ۳۱۷ و ۳۱۷ میں الفاظ زیر بحث کے متعلق قابل قدر تحقیقات پیش کی گئی ہے۔

۱- تابوت کے معنے صندوق تسلیم کرتے ہوئے بھی کہا ہے۔" دوسرا قول یہ ہے۔ کہ تابوت کے معنے پسلیاں اور جو کچھ ان کے اندر آگیا ہے۔ جیسے دل وغیرہ ہیں"۔ پھر کہا ہے۔ لسان العرب میں بھی تابوت کے معنے قلب یا دل دیئے ہیں۔ اور مثل نقل کی ہے۔ مَا اَوْدَعْتُ تَابُوْتِیْ شَیْئًا فَفَقَدْتُہٗ میں نے اپنے تابوت یعنی دل کے سپرد کوئی شئے نہیں کی۔ جسے گم کر دیا ہو۔ اور مفردات میں بھی یہ قول منقول ہے۔ کہ تابوت سے مراد قلب اور سکینت ہے۔ اور جو علم ان میں ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ قلب کو سقط العلم کہا گیا ہے۔ یعنی علم کا ڈبہ۔ اور اسے حکمت کا گھر اور اس کا برتن اور اس کا صندوق کہا گیا ہے۔ اور قلب کا نام تابوت رکھا جانے کی وجہ سے ہی حضرت عمر نے ابن مسعود کے متعلق کہا۔ کہ وہ ایک برتن ہے۔ جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ بیضاوی کا قول ہے کہ تابوت کے معنے قلب ہیں۔ اور سکینت وہ علم ہے۔ جو اس میں ہے۔ سکینت کے متعلق بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ وہ ایک شئے ہے۔ جس کا سر بلی کے سر کی طرح ہے۔ مگر امام راغب سے اس کی تردید بتا کر اس کے معنے سکون تسکین یا تسلی کے لئے ہیں۔ غرضیکہ تمام الفاظ کے صحیح مفہوم کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ ہمارے بیان کی تائید بھی۔ اور آخر میں نتیجہ بھی یہی نکالا گیا ہے۔ کہ تابوت سے مراد طالوت کے قلب کی ہے۔ وغیرہ

۳۰۹- تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ

اس کے معنے یہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے۔ یعنی صندوق کو۔ اور اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ جالوت نے بنی اسرائیل کو دہر دبایا۔ تو صندوق ہی ان سے چھین لے گیا۔ اب جو طالوت کی ماتحتی میں لڑائی ٹھہری۔ تو ادہر جالوت والوں نے اس صندوق کو چھکڑے پر لاد کر ان کے لشکر کی طرف ہانک دیا۔ کہ یہی مادۂ فساد ہے۔ بنی اسرائیل نے اس صندوق کا پہنچ جانا بہت غنیمت سمجھا۔ اور یہ ان کے حق میں نیک فال ہوئی۔ اور ان کی ہمتیں قوی ہو گئیں۔ اور یہ خدا کا احسان تھا۔ کہ فرشتے اس صندوق کو بنی اسرائیل کی طرف گھسیٹ لائے۔ مگر بائیبل میں ہے کہ گائے رتھ میں جوت کر صندوق کو پہنچایا گیا۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے۔ کہ صندوق کو اس طرح پہنچانے سے جو یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ جالوت وغیرہ فساد کو روکنے کی نیت رکھتے تھے۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بُری نیت سے شریفانہ عمل کا کیا تعلق پھر ایسے وقت میں کہ وہ غلبہ پائے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی جنگ عملاً بند بھی نہیں ہوا۔ مزید براں یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ ایک ایسا متبرک صندوق جس میں اعلیٰ ترین یادگاریں محفوظ ہوں۔ اور جس پر ملکوں اور قوموں کی قسمت کی بازی لگ رہی ہو۔ ایک نہایت قیمتی تاریخی شئے ہونی چاہیئے اور اس کی ہستی قائم رہنی چاہیئے۔ کم سے کم اس کے معدوم ہونے تک کی تاریخ تو محفوظ ہونی چاہیئے۔ لیکن پتہ محض یہ چلتا ہے۔ کہ صندوق واپس [illegible] کے بعد یروشلم لایا گیا۔ اور حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس میں رکھا گیا۔ اس کے بعد نہ کہیں اس کے وجود [illegible] چلتا ہے۔ نہ عدم کا۔

حالانکہ پہلی تاریخ سے یہ بعد کی بات نہایت قریب کی اور آسانی سے جانی جاسکنے والی ہے۔ پس اخیر میں آکر اس کا لاپتہ ہوجانا صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس کی حقیقی ہستی تھی ہی نہیں۔ محض طالوت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کے علم مجسم قلب کے ذکر میں تابوت کا لفظ استعمال کیا۔ اور معتقد لوگوں نے استعارات کی سمجھ نہ آنے سے اوروں کی طرح اسے بھی تاریخی واقعہ بنادیا ایک اور بات قابل غور ہے۔ کہ بائیبل میں نہ طالوت کا لفظ ہے۔ نہ جالوت کا۔ مفسر صاحبان نے محض جنگ کے طریق بیان کو سموئیل کی کتاب والے ساؤل کے بیان سے ملتا دیکھ کر یہ تاویل کردی ہے۔ اور ساؤل کے قد کی طوالت کے لحاظ سے طالوت نام ہونے کی وجہ بھی تراش لی ہے۔ لیکن چونکہ قرآن میں آدم۔ ابراہیم۔ اسحاق۔ یعقوب۔ داؤد۔ موسیٰ ہارون عیسےٰ نوح وغیرہ تمام نام بائیبل والے جیوں کے تیوں دیئے ہیں۔ اور کوئی وجہ نہ کہیں ظاہر کی گئی ہے۔ نہ معلوم ہوسکتی ہے کہ ساؤل کا نام بدلنا ضروری ہے۔ اس لئے محض ظنّیات اور خیالی باتوں پر ہی یہ تاویل منحصر ہے۔ ورنہ فرشتوں کا سکینہ کو اٹھانا کوئی ایسا بیان نہیں ہے جس کی تاویل کوئی مشکل امر ہو۔ فرشتہ نام مسلمہ طور پر نیک عالم شخص کا ہے۔ اور ایسے فرشتوں کا کام شرتی اور سمرتی کو اٹھائے رہنا یا انہیں محفوظ رکھنا ہے۔ اور یہ عمل دل میں علم الٰہی کو جگہ دینے کے بھی معنے رکھتا ہے۔ ہر زمانے کے عالم لوگ یا رشی منی وید کو اپنے قلب میں اٹھائے پھرتے رہے ہیں۔ اور ان کا علم سینہ بہ سینہ بعد کے لوگوں تک پہنچتا آرہا ہے۔ چونکہ ذکر طالوت کی صفات اور قابلیت انتخاب کے ذیل میں ہے اور اور قسم کے فرشتوں کا صندوق کو اٹھا کر لانا جنگ کے بعد یا جنگ کے دوران میں ممکن تھا۔ اس لئے اس سے پہلے ہی جو فرشتوں کے اٹھانے کا ذکر ہے۔ یہ محض عالموں سے شرتی کو اپنے دل میں نقش کرکے محفوظ رکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ طالوت کے قلب میں جو علم تھا۔ وہ وہی تھا۔ جو عالم لوگوں کے ذریعے سینہ بہ سینہ دنیا میں چلا آرہا تھا۔

۱۳۱۔ نہر سے امتحان

آیت ۲۴۹ میں نہر کے پانی سے خدا کے امتحان لینے کا ذکر ہے۔ کہ جو اس کا پانی پی لیگا۔ وہ میرا نہیں ہے۔ اور جو نہ پیئے گا۔ یعنی محض ہاتھ سے چلو بھر پانی پینے پر ہی کفایت کریگا۔ وہ میرا ہے۔ اس سے بھی نہایت ہی خالص حقیقت ہر اہل علم کو مل سکتی ہے۔ اگر وہ ذرا سا غور کرنے کی تکلیف کرے۔ بائیبل میں تو ساؤل کے ذکر میں کہیں نہر کے پانی سے آزمائش ہونے کا ذکر نہیں۔ اور نہ یہ آزمائش صحیح ہوسکتی ہے۔ اگر نہر کا پانی خراب نہیں۔ تو لشکر کے پیاسے سپاہیوں کو آزمائش میں ڈالنا چہ معنے۔ بلکہ حکم تو الٹا یہ ہونا چاہئے تھا۔ کہ نہ صرف اچھی طرح پیاس بجھالو۔ ہوسکے تو پا[illegible] ساتھ بھی رکھ لو۔ نہ یا دہ سے زیادہ چلو بھر پانی کی اجازت تو بڑا بھاری ظلم ہے۔ جو قرآن کے الفاظ کے [illegible] عالم اور صاحب ہمت کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا۔ پس مفسرین کی اس تاویل کو غلط ماتے [illegible] تاویل اس کی سوائے اس خاص ہدایت کے ہو نہیں سکتی۔ جو ویدک لٹریچر میں کئی جگہ مذکور ہے۔ [illegible] سے دنیوی خواہشات میں پھنسے ہوئے تمام لوگوں کو پیاسا کہا جاتا ہے۔ اور اس پیاس یا ترشنا [illegible] انسانوں کا دنیوی سامانوں کا سہارا لئے جانا مرگ ترشنا کہلاتا ہے۔ کہ جیسے دور سے چمکتے ہوئے ریت کو پانی [illegible] کر مرگ دوڑتا جاتا اور مایوس ہوکر اپنی جان دیتا ہے۔ اسی طرح دنیوی خواہشات کے پیچھے بھٹک بھٹک کر انسان روحانی موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ جنگ محض میدان کارزار میں نہیں

ہونا۔ مذہبی تبلیغ کی جدوجہد بھی جنگ ہے۔ اپنی رعیت کی حفاظت کے لئے بیرونی حملوں کو ہی روکنا نہیں پڑتا۔ رعیت کے باہمی خلاف قانون عملوں کے ساتھ بھی جنگ کرنا پڑتا ہے۔ اور اندرونی و بیرونی مخرب اخلاق خیالوں و تحریکوں سے بھی ہر انسان پوری طاقت سے جنگ نہ کرے۔ تو وہ ہر وقت خطرے میں ہے۔ پس سچے عالموں کی رہنمائی میں نفسانی خواہشات سے جدائی پانا اور پاکیزہ رہنا ہر انسان کا فرض ہے۔ دنیا کی خواہشات کو نہر کا پانی کہہ کر ہدایت دی جاتی ہے۔ کہ اس کو نہ پیو یا پیو تو محض چلو بھر مطلب یہ کہ محض جسم کی حفاظت کے لئے جو تھوڑی سی غذا وغیرہ ضروری ہے۔ اسی پر قناعت کرکے زیادہ لوبھ لالچ نہ کرو۔ مہابھارت میں یکھش اور یدھشٹر کا مشہور مباحثہ ہے۔ کہ پانچوں پانڈو ایک بار جنگل میں مرگ کے پیچھے دوڑتے دوڑتے ہار کر درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور پانی کی تلاش کرنے لگے۔ کہ پیاس بجھادیں۔ درخت پر چڑھ کر نکل نے دیکھا تو نزدیک ہی پانی کا سرووَر نظر آیا۔ اور اپنے بھائیوں کی اجازت سے چشمے کی طرف گیا۔ کہ وہ خود پانی پی آوے۔ اور دوسروں کے لئے ترکش میں بھر لاوے۔ لیکن وہ چشمے سے بہت دیر تک نہ لوٹا۔ تو دوسرا بھائی بھیجا گیا۔ وہ بھی نہ آیا۔ تو تیسرا غرضیکہ بھیم۔ ارجن اور سہدیو اور نکل چاروں ہی باری باری گئے۔ لوٹا کوئی نہیں۔ تب یدھشٹر گئے دیکھتے کیا ہیں۔ کہ چاروں بھائی سرووَر کے کنارے مردہ پڑے ہیں۔ اس نظارے کو دیکھ کر عجیب خیالات اٹھ رہے تھے۔ لیکن وہیں شانتی کرکے خیال کیا۔ کہ پانی پی کر پیچھے ان کے سنسکار وغیرہ کی تجویز کروں۔ مگر جونہی کہ پانی پینے لگا۔ آواز آئی۔ کہ خبردار! میرے سوالوں کا جواب دیئے بغیر پانی پیا تو تو بھی چاروں کے ساتھ پانچواں مردہ ہوگا۔ اب معلوم ہوا۔ کہ اس سرووَر کے مالک یکھش نے ان چاروں کو اس لئے مارا ہے۔ کہ انہوں نے پیاس کی شدت میں اس کے سوالوں کی طرف التفات نہ کی۔ اور پانی پی لیا۔ اس پر خاص تعجب کرکے آخر یدھشٹر نے کہا پوچھئے سوال۔ تب یکھش نے دھرم کے مختلف پہلوؤں کے متعلق پے در پے سوال کئے۔ اور یدھشٹر نے جواب دیئے۔ جن سے خوش ہو کر یکھش نے نہ صرف اسے پانی پینے کی اجازت دی۔ اس کے چاروں بھائیوں کو بھی زندہ کر دیا۔ اس مباحثہ کی صحیح تاویل بڑی طویل ہے۔ تاہم اصل مطلب ظاہر ہے۔ کہ دنیا پانی کا چشمہ ہے۔ اس میں علمی اور روحانی سوالوں کو حل کئے بغیر جو لذات نفسانی کا پانی پیتا ہے۔ وہ روحانی موت مرتا ہے۔ خدا کا پیارا نہیں رہتا۔ اور جو ان سوالوں کو حل کرکے نفسانی غلامی سے بچتا ہے۔ اس کی نہ صرف اپنی ہی ترشنا دور ہوتی ہے۔ وہ اس مرگ ترشنا کے شکار اپنے ہمجنسوں کو بھی نئی زندگی دیتا ہے۔ پس نہر والی آزمائش کا مقصود یہی ہے۔ اور منوسمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۴۴ میں جو غالب الحواس ہونا بادشاہ کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اسی کی بازگشت اس نہر والی آزمائش میں ہے۔ اسی ہدایت کو پارسیوں کی کتاب مقدس میں یزدان اور اہرمن کے جنگ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ دونوں فریقوں کے لشکروں نے خوب ہی خوب جوہر مردانگی دکھائے۔ مگر قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی۔ کہ اہرمن بھی کچھ عرصہ جہان میں رہ جایا کرے۔ ارجاسب حکیم نے اس کی تاویل یہ کی ہے۔ کہ جیوآتما جسم روپی دنیا میں بمنزلہ یزدان ہے۔ اور من یا نفس بمنزلہ اہرمن یا شیطان ہے۔ جب تک جسمانی زندگی ہے جسم بھی رہیگا۔ اور روح اور من بھی رہیگا۔ روح کے لئے جہاں علم کی غذا ہے۔ وہاں جسمانی حفاظت و پرورش کے لئے دنیوی سامان بھی ضروری ہوں گے۔ کھانا پینا پہننا چھوٹ نہیں سکتے۔ اس لئے صلح کی شرط یہ ہے۔ کہ اعتدال پر کاربند رہیں۔ افراط تفریط سے بچیں۔ خوراک محض اتنی ہو۔ کہ بھوک مٹ جاوے۔ اور عورت مرد کا تعلق محض اس لئے ہو کہ اولاد پیدا ہو۔ مطلب یہ کہ مادی سامانوں سے محض لازمی ضروریات تک کا تعلق ہو جو چلّو بھر پانی ہاتھ سے لینے کی مثل ہے۔ غرضیکہ دنیا کو بھوساگر دریا

نہر چشمہ کہہ کر اس کے پانی پینے سے پرہیز کرنا محض یہ ہدایت دینے کے لئے ہے۔ کہ غالب الحواس رہو۔ دنیوی خواہشات میں مستغرق نہ ہوؤ۔ اسی لئے یجروید ادھیائے ۴ منتر ۳ میں دعا کی گئی ہے۔ کہ

دیوستوا اِسوتا پُناتُ وسوہ پوترین شت دھارین اُسپوا کام دُھکشہ۔

ہے پرمیشور! آپ اس یگیہ (صحیح قانون عمل) کو پاکیزہ حالت میں ہمارے اندر رکھئے۔ آپ از راہِ عنایت ہمیں ہدایت دیجئے کہ کائنات عالم کی اس گوناگوں اور بے شمار مخلوق اشیاء میں سے ہم کس کس کو اور کس کس طرح استعمال میں لاویں۔

۱۱۳۔ دیو اسر سنگرام

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ طالوت اور جالوت کے دونو نام بائیبل میں نہیں۔ اور مشہور تاریخی ہستیوں کا نام بدلنے کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ نہ کہیں ساؤل کو طالوت کہنا ثابت ہے۔ نہ داؤد سے قتل ہونے والے مدمقابل کا نام کہیں جالوت ہے۔ مزید برایں نہر کے پانی سے امتحان ہونے کا بھی سموئیل کی کتاب میں ذکر نہیں۔ نہ ان آیات سے سموئیل کی طویل کتاب پر کوئی روشنی پڑتی ہے۔ برخلاف اس کے اصولی تعلیم کا مقصد جو اوپر کی بحث میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے نمایاں طور پر ثابت ہوتا ہے۔ پس بجائے تاریخی بیان کے یہاں وہ جنگ مذکور ہے۔ جو نیکی اور بدی۔ سورج اور بادل یا دیوتا اور راکھشس کا یدھ وغیرہ نام پا سکتا ہے۔ جس طرح جیو آتما اور من یا نفس امارہ کو یزدان اور اہرمن نام سے تعبیر کیا۔ اور فریقین کی فوجیں اور طول طویل جنگ پارسیوں کے ہاں مذکور ہے۔ اسی طرح طالوت جسمانی اور روحانی طور پر پاک ہستی کو اور جالوت نفس امارہ یا ناپاک شخصیت کو کہہ سکتے ہیں۔ متقی اور کافر یا آریہ اور دسیو کا جنگ بھی اسے کہہ سکتے ہیں۔ بنی اسرائیل نام آریہ جاتی کا اور موسیٰ منو کی جگہ ہو سکتا ہے مصریوں کا مینیس توریت کا موسیٰ عبرانیوں کی یہودی قومیت کا بانی موزز سب مغربی محققوں سے منو کے بدلے ہوئے نام سمجھے گئے ہیں۔ چونکہ راج بھاو وغیرہ کا قانون منو دھرم شاستر یا قدیم شریعت مرتب ہونے کے بعد ہی خاص صورت میں عمل میں آیا۔ اس لئے قرآن میں انتخاب طالوت کا زمانہ موسیٰ کے بعد ہے۔ طالوت کا مادہ طول ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ فضل و منت میں غالب آنیوالا۔ اور لذّات نفسانی پر غلبہ پانا بھی اس سے ظاہر ہے۔ اور چونکہ اصل طاقت حواس پر غلبہ پانے یا برہمچریہ کے قواعد کی پوری تعمیل کرنے میں ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے نہر کا پانی نہ پیا۔ وہ تو طالوت کے اصلی ساتھی ہوئے۔ اور جنہوں نے پی لیا۔ یعنی جو غالب الحواس نہ رہے۔ اور نفسانی خواہشات کا شکار ہو گئے تھے وہ کمزور ہو گئے۔ اور جنگ سے کترانے لگے۔ یہی اصل ہدایت یہاں مقصود ہے۔ اور بتایا ہے جنہوں نے نہر کا پانی نہ پیا۔ یعنی جو پرہیزگار رہے۔ ان کی ہمت اور حوصلہ کی یہ حالت تھی۔ کہ انہوں نے خدا پر بھروسہ رکھا۔ اور کہا کچھ پرواہ نہیں۔ خدا کی عنایت سے تھوڑے بھی بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خدا سے یہی دعا مانگی۔ کہ ہمارے قدم جمے رہیں۔ اور حسب قول ہمت مرداں مدد خدا وہ کامیاب ہوئے۔ اور جالوت قتل ہو گیا۔ اس کے بعد داؤد کو حکومت حکمت اور علم ملنے کا جو ذکر ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہ ہے۔ کہ کفر اور جھوٹ کو ناش کرنے والا ہی سچا ہے۔ اور اسی کی فتح ہوتی ہے۔ ویدا پنشد وغیرہ میں جو دیو اسر سنگرام مذکور ہے۔ اگر اس سے مقابلہ کر کے ان آیات کو دیکھا جائے تو پوری مطابقت آپ سے آپ ظاہر ہو جاوے گی۔

۳۱۲ - اس جنگ کی غرض

آیت ۲۵۱ کے آخری حصے میں اس جنگ کی غرض یہ بتائی ہے۔ کہ اگر خدا اس کے ذریعے سے برے فریق کو مٹاتا نہ رہے۔ تو دنیا میں فتنہ ہی فتنہ پھیل جاوے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امن قایم رکھنا جنگ کی غرض ہے۔ اور یہ دو ہی طرح سے ہو سکتا ہے۔ جنگ سیف سے اور مذہبی تبلیغ سے۔ لیکن اگر یہ ذکر ہو۔ کہ دنیا کی آبادی حد سے نہ بڑھ جائے۔ اس لئے جنگ وغیرہ سے اس کی اوسط قائم رہتی ہے۔ تب تو جنگ سیف کا مفہوم ہی ہو سکتا ہے پر جب مذکور فساد کو ہٹانا اور امن قائم کرنا ہو۔ تب جنگ سے مراد مذہبی جدوجہد اور قتل سے مراد حق و باطل کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ یا کم سے کم یہ مفہوم مقدم ہوتا ہے۔ جھوٹی تعلیم پھیلانے والے شیطانی گروہ بیں ہیں۔ اگر ان کا رد نہ کیا جاوے۔ تو لوگوں کے ان کے جال میں پھنسنے سے گمراہی جہالت اور ہر طرح کا نقصان بے انداز ہوتا ہے۔ اس لئے واعظانِ حق کی تبلیغی جنگ نہایت ضروری ہے۔ لیکن جب ایک ظالم پادشاہ کے پنجے سے رعایا کو نجات دینے کی فکر کوئی اور طاقتور پادشاہ نہ کرے۔ تو وہ بے کھٹکے حد قیاس سے باہر ظلم کر سکتا ہے۔ اس لئے طالوت جیسے طاقتور پادشاہوں کی سرپرستی میں جالوت جیسے ظالموں کو نیچا دکھانا سچے کھشتریوں کا کام ہے۔ غرضیکہ جہاں یجروید ادھیائے ۳ منتر ۲ کی ہدایت پر عملدرآمد کرکے رسولوں یا سپاہیوں کو جہاں تبلیغ حق سے جھوٹھ اور پاکھنڈ کا ناش کرکے امن قائم کرنا چاہیئے۔ وہاں سچے بہادر کھشتری راجا کو ظالموں پر فتح حاصل کرکے اور انہیں سخت سزا دیکر راکھشش اور پاپی لوگوں کی بیخ کنی کرنی چاہیئے۔

۳۱۲ ا - بقر وید کے گوشبد کا ہی قائم مقام ہے

سورۃ البقر کی وجہ تسمیہ میں واضح کیا گیا تھا۔ کہ آنحضرت نے وید کے کثیر المعانی گوشبد کی جگہ بقر کا لفظ رکھا ہے۔ سو جنگ طالوت و جالوت کے متعلقہ آیات کے الفاظ بھی ہمارے اس یقین کی شہادت دیتے ہیں۔ کھشانزدہرم کے ساتھ نہر سے امتحان کے مضمون کو جوڑنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ جہاں جنگجو سپاہیوں کی چھانٹ کے لئے یہ ایک خاص شرط تھی۔ وہاں اس سے روحانیت کے اعلے معراج کے لئے بھی خاص سبق ملتا ہے۔ اس کے اگلے پارے کی پہلی آیت میں تلک الرسل لفظ سے جہاں نبی اور رسولوں کا بطور مذہبی ہادی کے اشارہ ہے۔ وہاں طالوت اور داؤد نام پادشاہ یا کھشتریوں کو بھی رسول یا خدا کا فرستادہ کہا ہے۔ اور بیان کیا ہے۔ کہ جیسے برہمن اور کھشتری کے درجے ہیں اسی طرح رسول بھی ایک دوسرے پر فوقیت رکھنے والے درجے رکھتے ہیں۔ کاشکہ اہل علم الفاظ کے اندرونی معانی کی نفاست کا احساس کرنے کے قابل ہوں۔ اگر قدیم رشیوں کی طرز پر علمی اصولوں کو بیان کرنے کے آنحضرت کے طریقوں کا علم قرآن کے مترجمین و مفسرین کو ہوتا۔ تو قرآن یقیناً تمام اعتراضات اور غلط فہمیوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہتا۔ اور قدیم دین کو بھی محفوظ رکھنے میں عین آنحضرت کے مدعا کے مطابق سہل ہوتا۔ غرضیکہ بقر واقعی گائے کیلئے اس سورۃ میں کہیں مقصود نہیں۔ بلکہ علم الہی۔ علم انسانی جو علم الہی کے مطابق ہو نیز من اور حواس وغیرہ کیلئے ہے

۳۱۴۔ رسولوں کی فضیلت

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵

ان رسولوں میں سے ہم نے ایک سے ایک کو فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں۔ جنہوں نے اللہ سے کلام کیا۔ اور کئی ایسے ہیں۔ جن کے (علم کی وجہ سے) درجے بلند ہیں۔ اور ہم نے عیسےٰ ابن مریم کو سچی تعلیم دی۔ اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد کے لوگ سچے علم واضح ہونے کے بعد باہم جنگ نہ کرتے لیکن وہ اختلاف کا شکار رہے۔ کوئی حق کو مانتا ہے۔ کوئی اس سے منکر ہے۔ کا شکہ خدا کو منظور ہوتا کہ وہ باہم نہ لڑتے۔ مگر اللہ وہی کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے۔ ( ) اے حق پرستو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کر لو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آدے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی۔ نہ دوستی نہ سفارش۔ بے شک کفر کرنے والے ناحق پر ہیں۔ ( ) اللہ وہ ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی سے زندگی اور قیام ہے۔ اسے نہ نیند آتی ہے۔ نہ اونگھ۔ آسمان و زمین جو کچھ ہے۔ اسی کا ہے۔ اس کی اذن کے بغیر کون ہے جو کسی کی شفاعت کر سکے

وہ جانتا ہے۔ جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے لیکن لوگ اس کے کسی علم کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اسکے جسقدر وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت آسمان اور زمین پر حاوی ہے۔ مگر ان دونوں کی حفاظت اس پر مطلق گراں نہیں بے شک وہ بڑا عالی شان اور عظمت والا ہے (۲)

۲۱۳۔ اچھے مذہبی مشنری

آیت ۲۵۳ ہماری پوزیشن کی پوری تائید کرتی ہے۔ کہ مل جنگ کے لڑنے والے مذہبی مشنری ہیں نہ کہ فوجی سپاہی۔ اس آیت میں قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو ان آیتوں کو صحیح معانی کے ساتھ سمجھتا ہے۔ وہی مرسل ہے۔ گویا تبلیغ حق کے لئے تعینات کی گئی جماعت میں سے ہے۔ جس کا ہر ایک ممبر قابلیت میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ کئی ایسے ہیں۔ جو کلم اللہ یا کلام الہی والے ہیں۔ انہیں خدا سے کلام کرنے والا اس معنے میں مانا جاتا ہے۔ کہ وہ سمادھی یا مراقبہ میں خدا کی حضوری میں وید منتروں یا کلام الہی کے معانی کا انکشاف پاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس روحانی ارتقا کے مشتاق نہیں۔ وہ عقلی طور پر علمی قابلیت میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اور اپنی بڑھی ہوئی استعداد اور تجربہ کاری سے باریک اصولوں کو خود سمجھتے اور اوروں کو سمجھاتے ہیں۔ جو لوگ سمادھی یا مراقبہ میں علم کا درشن کرنے کے طریق کو نہیں سمجھتے۔ وہ موسیٰ کو کلیم اللہ تو کہتے ہیں۔ مگر بتا نہیں سکتے۔ کہ ان کی مراد انسانی نطق یا گویائی سے ہے۔ یا کیا؟ ہاں کوئی وحی کو کلام مانتا ہے۔ جو بقول ان کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ کوئی جبرئیل کے ذریعے کلام مانتا ہے۔ کوئی الہام یعنی رویا یا کشف کو کلام قرار دیتا ہے۔ یہ سارے طریق بغیر سمجھے دو چار رٹے بیان کرنے سے اہل علم کو غیر معقول سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ویدک طریق بیان سے تینوں ہی صحیح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ خدا نے فلاں نبی کی طرف یہ وحی کی۔ یا اس کے دل میں ڈالی۔ اس لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ کہ وحی کوئی مادی شے ہے۔ کہ بطور مایع یا گیس یا ٹھوس چیز کے باہر سے انڈیلی یا پھونکی یا رکھی جا سکے۔ لیکن اس لحاظ سے یہ صحیح ہے۔ کہ عالم شخص اپنی خدا سے ملی ہوئی عقل اور علم کے مطابق غور و فکر کر کے ایک بات کو صحیح سمجھتا اور لوگوں کے لئے اسے مفید سمجھ کر ظاہر کرتا ہے۔ اور اس پر اپنا اختیار نہ جتا کر اسے اللہ کی امانت کے طور پر اللہ کے نام سے ہی پیش کرتا ہے۔ اور اللہ کے ہی نام سے لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ مذاہب الاسلام میں فرقہ اسماعیلیہ کے بیان میں صفحہ ۱۴۱ پر وحی کے متعلق حسب ذیل فتوے موجود ہے۔

"دعوت نہم۔ یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے۔ جب داعی مدعو کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ تو اسے ہدایت کرتا ہے۔ کہ فلاسفہ کی کتب دیکھا کر اور علوم الہی اور طبعی کا مطالعہ کرتا رہ۔ جب داعی سمجھ لیتا ہے۔ کہ مدعو کو فلاسفہ کے اقوال پر خوب واقفیت حاصل ہو چکی۔ تو اب داعی اپنے رازوں کو کھولنا شروع کرتا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے تجھے اصول وحدوث سے اب تک اطلاع دی ہے۔ یہ سب رموز اور اشارات ہیں طرف معانی اور مبادی اور انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور رسول یا نبی کا کام یہ ہے۔ کہ جو بات اس کے دل میں آتی ہے۔ اور اسے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ وہ اور لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے۔ اور اس کا نام کلام الہی رکھ دیتا ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کر جائے۔ اور اسے مان لیں۔ تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔

اور جب کہ نبی کی حقیقت یہ ٹھہری۔ تو اُس کے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور۔ اور اُس پر اسی قدر عمل کرنا چاہئیے۔ جو اپنی مصلحت اور حاجت کے مناسب ہو۔ بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عمل درآمد اور پابندی ضرور نہیں۔ اُس کے لئے صرف معرفت ہی کافی ہے۔ کیونکہ معرفت ہی اصل الاصول ہے۔ اور سب کمالات کی انتہا اسی کی طرف ہے۔ اور جو کچھ قیدیں اور اعمال کی پابندیاں مقرر ہیں۔ وہ کافروں کے واسطے واجب ہوئے ہیں۔ جو معرفت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اور عارف کے حق میں یہ باتیں بالکل عبث اور بار گراں ہیں۔ اور اقسام معرفت میں سے ان لوگوں کے نزدیک ایک یہ ہے۔ کہ انبیا ناطق صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہیں۔ اور جن انبیا کے پاس حکمت خاصہ ہے۔ وہ فلاسفہ کی جماعت ہے۔ (یہ فلاسفہ کی جماعت صریحاً آریہ جاتی کے یا ویدک دہرمی علما ہیں)

پس جبرئیل کے ذریعے کلام کا پہنچنا اس لحاظ سے غلط ہے۔ کہ کوئی موہومہ نظر نہ آنے والا فرشتہ کسی کو خدا کی طرف سے بہ طور ہرکارہ کے کچھ پہنچاتے آتا ہے۔ کیونکہ خدا ہر جا موجود اور شاہ رگ سے بھی نزدیک مانا جاتا ہے۔ پس جبرئیل کی اسے محتاجی کیسی؟ ہاں ایک اُستاد یا آچاریہ تعلیم دے کر پڑھنے والے کے دل میں خاص معانی اور مفہوم نقش کر سکتا ہے۔ رہا کشف یا الہام کا ذریعہ۔ سو یہ روح اور خدا کے میل سے تعلق رکھتا ہے۔ کشف کا زبانی یا لفظی دعوےٰ جہاں ناقابل تسلیم ہے۔ وہاں وصل خدا کے آٹھ مدارج پر عمل کر کے آخری درجہ سمادھی میں روحانی آنکھ سے علمی انکشاف پانا صحیح ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۸۰ دفعہ ۱۰۰ میں کلام اللہ کی تشریح میں یہ الفاظ قابل غور ہیں

"کلام ان الفاظ کو کہتے ہیں۔ جو ایک نظم میں ہوں۔ مع اس معنے کے جو ان کے نیچے ہوں۔ یعنی صرف لفظ بغیر معنی اور معنی مادیر لفظ پر کلام نہیں بولا جاتا۔ پس الفاظ اللہ مع معانی ہیں۔ اور یہ عقیدہ کہ وہ صرف مفہوم ہے۔ جو صاحب وحی کے قلب میں ڈالا جاتا ہے۔ لفظ کلام کے معنے سے غلط ٹھہرتا ہے"

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ زبان اور علم کا تعلق اٹوٹ ہے۔ اور ویدک تعلیم کی ہی اس میں تصدیق ہے۔ کہ الفاظ کے ساتھ خدا سے معانی کا بھی پرکاش ہوا۔ اور اس کے علاوہ تعلقات کا بھی یعنی شبد ارتھ اور سمبندھ کا نام گیان ہے۔ محض شبد کا نہیں۔ پھر وید چھند کا بھی نام ہے۔ اور چھند کہتے ہیں نظم کو۔ پھر جیسے ابراہیم لفظ برہما کا قائمقام ہے۔ ویسے ہی موسے منو کا جانشین ہے۔ چنانچہ آیت ۸۷ میں موسیٰ کو کتاب یا کشفی علم ملنے کا بیان ہے۔ اور اس آیت ۲۵۳ میں بھی کلم اللہ لفظ سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور منو نے ویدوں کی کلام الٰہی کو سمجھ کر ہی منوسمرتی کے قوانین مرتب کئے۔ اسی کا بیان موسیٰ کو شریعت ملنے کے الفاظ میں ہو رہا ہے۔ موجودہ توریت میں وید اور منوسمرتی کے خلاف کتنے بھی بیان کیوں نہ ہوں۔ مدعا اس کا مذہبی شریعت کا پیش کرنا ہی ہے۔ اور آنحضرت نیز مسلمانوں کا اعتقاد بائیبل میں تحریف ہونے کا بھی اسی امر پر منحصر ہے۔ کہ قدیم شریعت سے انہیں اس میں اختلاف نظر آتا ہے۔ غرضیکہ قرآن یہ فرماتا ہے۔ کہ تبلیغ حق کے لئے جو لوگ کام کرتے ہیں۔ بڑھیا سے بڑھیا عالم ہوتے ہیں۔ کوئی منتر درشتا رشی ہیں۔ یعنی مراقبہ میں منتروں کے معانی دیکھنے والے کوئی عقل سے انتہائی غور و فکر کر کے باریک تعلیمات کو سمجھنے والے۔ اسی فرق سے ویدک لٹریچر میں رشی و منی کے جدا الفاظ ہیں

۳۱۴۔ عیسےٰ ابن مریم

آیت ۲۵۳ میں ایک سچے مذہبی مشنری عیسےٰ ابن مریم کا ذکر کیا ہے۔ کہ اسے بھی وہی سچی تعلیمات ملی تھیں۔ اور روح القدس سے اس کی تائید کی تھی۔ یہاں یہ بتایا ہے۔ کہ خدا نے الہام دیا۔ بعد میں بڑے بڑے رشی منی نبی ہدایت کے کام پر لگے رہے۔ لیکن افسوس پھر بھی لوگوں میں اختلافات موجود ہیں۔ ایک حق کو مانتا ہے۔ تو دوسرا اس سے منکر ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہا ہے۔ کہ اس میں کسی کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کی ہی رضا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی انسان اپنی کرم گتی سے منحد ہوتے میں نہیں آتے۔ عیسےٰ کو سچی تعلیمات ملنے کے ساتھ ہی یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے ان علوم کا عقلی طور پر نہیں۔ بلکہ اپنے پاک روح سے اس کا جلوہ دیکھا۔ آیت ۸۷ میں بھی یہ لفظ موجود ہیں۔ اور ان الفاظ نے دنیا کی مذہبی تاریخ میں بڑا حصہ لیا ہے۔ تعلقات دنیا سے اوپر اٹھ کر روحانی کشف کا درجہ حاصل کرنے والوں کا روح پاک ہے۔ اور وہ آیت یا نیک عالم لوگ آچاریہ کہلاتے ہیں جس کی جگہ یہودیوں میں جبرئیل کا لفظ مروج ہے۔ لفظ عیسیٰ کو خود اہل لغت عجمی مانتے ہیں۔ یعنی سنسکرت کا اور یہ صاف طور پر ایشا (ईशा) کے ویدک لفظ کی ہی صورت میں اب تک موجود ہے۔ ش کو س اور س کو ش پڑھنا آج کل بھی اکثر مثالوں سے ثابت ہوتا ہے۔ سریانی میں اسے ایسوع اور انجیل میں یشوع کہتے ہیں۔ یجروید ادھیائے ۴۰ کے شروع میں ہی لفظ ہے ईशा वास्य ۔ اور ایش یا مالک سے تعلق ہونے سے ایشا کہلانا اور اس سے ایشا یا ایسوع کی صورت پیدا ہونا معمولی بات ہے۔ قرآن میں ہر کہیں عیسےٰ کے ساتھ ابن مریم کا لفظ آتا ہے۔ تاکہ یہ خیال دور ہو۔ کہ انہیں خدا کا بیٹا کہا جاوے۔ کیونکہ خدا ان دنیوی رشتوں سے اوپر ہے۔ اور ویسے سب لوگ اس کے بیٹے ہیں۔ ایک شخص نہیں۔ اس کے علاوہ رگوید ۱۰۔ ۴۰۔ ۲ میں (मर्यम योषा) کے دو لفظ موجود ہیں۔ جن کے اصل معنی اور مفہوم کو نہ سمجھ کر ان سے مریم اور یوشا یا یسوع کے لفظوں کا رواج پڑنا اور بھی اغلب ہے۔ اور ان کے معنے برہمچریہ کے عہد کو پورا کرنے والے کنوارے اور کنواری کے ہیں۔ غرضیکہ موسیٰ کی طرح عیسےٰ کو بھی آدرش مذہبی مشنری کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور گو انسان کے محدود العلم اور محدود العقل اور فطرتاً فعل مختار ہونے اور خدا کے کسی کی آزادی کو سلب نہ کرنے سے آزاد خیال انسان میں شکوک اور اختلافات کا ہونا معمولی بات ہے۔ تاہم چونکہ اختلافات کی صورت میں امن اور اطمینان کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے موسےٰ اور عیسےٰ جیسے بڑے بڑے آدرش مشنریوں کی تقلید کرتے ہوئے ان جھگڑوں کا نپٹانا اور سچے علوم کی اشاعت کرنا واعظانِ حق کا فرض ہے۔

۳۱۵۔ خدا کی کرسی

آیت نمبر ۲۵۵ میں خدا کی صفات کو نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے۔ وہ حیات و قیام مجسم اور خالق ارض و سما ہے۔ بغیر کسی کی سفارش کے اپنے کامل انصاف سے سب کو فعلوں کی جزا و سزا دیتا ہے۔ اور علیم کل ہے۔ ماضی و مستقبل سب اس کے علم میں حال کی طرح ہے۔ اور وہ سب پر حاوی ہے۔ اس کا دربار ہمیشہ ہر کہیں لگ رہا۔ اور اس کی کرسی آسمان اور زمین سی وسیع ہے۔ اس کرسی لفظ کو کوئی عرش کہتا ہے۔ کوئی علم کہتا ہے۔ لیکن نہ عرش کا مفہوم محدود ہے۔ اور نہ علم کا اور چونکہ پہلے الفاظ میں علم کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے کرسی کی وسعت سے اس کی ہر جا حضوری یعنی سرودیاپک ہونا مقصود ہے۔ وہ بہت اعلےٰ یا بلند یعنی سرودپری اور عظیم یعنی مہان ہے۔ اور آسمان اور زمین کے نظام کو چلانا اس پر کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے کہ جہاں وہ علیم کل ہے۔ وہاں محیط کل بھی ہے۔ اپنشد میں جو یہ کہا ہے کہ स्वा भाविकी ज्ञान बल क्रिया च

اس کا بھی یہی آشا ہے۔ کہ اس انونت رچنا کے رچنے اور اس کے قائم رکھنے۔ فعلوں کی سزا جزا دینے اور دنیا کے فنا کرنے کے تمام کاموں میں اسے کوئی تکلیف یا مشکل نہیں۔

۳۱۶۔ شفیع

آیت زیر بحث میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج کون ہے جو خدا کی اذن کے سوا اس کے پاس سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے۔ جو (اب) ان کے سامنے گذر رہا ہے۔ اور جو پیچھے ہوا ہے۔ لیکن وہ اس کے کسی علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس میں جو شفاعت کی تردید ہے۔ اس کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ اِلَّا بِاِذْنِہٖ سے ظاہر ہے۔ کہ جسے خدا اجازت دے۔ وہ شفاعت کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایسی حدیث بھی ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب قیامت کے دن سجدہ میں گر جائیں گے۔ اور تب خدا حکم دیگا۔ کہ تم شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ لیکن یہ بیان قرآن کے اس اصول کے خلاف ہے۔ کہ موت کے وقت نہ معاوضہ لیا جائیگا نہ شفاعت سنی جائے گی۔ نہ مدد یا حمایت ملے گی۔ پس مطلب صاف ہے۔ کہ محض خدا کے اذن پر ہی مدار ہوگا۔ شفیع ہے تو خدا کی اذن ہی ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جاوے کہ خدا کی اجازت لے کر کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ تو یہ اگلے حصے سے بالکل رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کہا ہے۔ کہ خدا کو آگے پیچھے ظاہر باطن اب اور آئندہ کا سب علم ہے۔ گویا شفاعت کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ شفیع کہے فلاں نیک ہے۔ یہ آپ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا۔ وغیرہ۔ سو جب خدا کو خود ہی کامل علم ہے۔ تو اس کہنے کی محتاجی کیسی۔ پھر یہ بھی کہا ہے۔ کہ انسان کو ما کسی کے متعلق علم ہو۔ تو بھی جو خدا کو علم ہے۔ اس کے کسی جزو پر بھی کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہذا شفاعت کی جرأت کا خیال بھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ پس خدا کی اذن ہی شفیع ہے۔ انسان نیک عمل ہوگا۔ تو خدا کی اذن یا اس کی مشیت یا رضا خود اس کی شفیع ہو گی۔ غرضیکہ خلاصہ قرآن کے قانون عمل کا عین وید کے مطابق ہے۔ کہ انسان نیک عمل کرتے جاویں۔ اجر کی فکر نہ کریں۔ اور علم مطلق اور علیم کل خدا کے کامل انصاف پر بھروسہ رکھیں۔ جس کا قانون مفہوم ہی یہ رکھتا ہے۔ Wirtue is its own reward & vice its own punishment یعنی نیکی آپ اپنا بدلہ ہے۔ اور بدی خود اپنی سزا۔

۳۱۷۔ دین میں جبر

لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قف قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ق لَا انْفِصَامَ لَھَا ط وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

دین میں سختی کا کام نہیں۔ گمراہی سے ہدایت کی راہ الگ واضح ہو چکی۔ لہٰذا جو شخص شیطان یا جھوٹے معبودوں سے انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اس نے یقیناً ایسی مضبوط رسی پکڑ لی ہے۔ جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۳- اللہ حق پر ایمان لانے والوں کا ولی ہے۔ وہ انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور منکروں کے ولی شیطان ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ۴

۳۱۸- غلط الزام

موجودہ زمانے میں فرقہ وارانہ منافرت کا زور ہونے سے ایک دوسرے کے متعلق نہایت بے انصافی سے کام لیا جا رہا ہے۔ حتےٰ کہ تعصبات میں مبتلا ہو کر اکثر ناکردنی عمل ہر کہیں ہو رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر الزام لگائے جا رہے ہیں۔ اسلام پر یہ الزام عام ہے۔ کہ یہ بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اور تاریخ سے محمود غزنوی۔ احمد شاہ ابدالی۔ نادر شاہ درانی۔ امیر تیمور۔ اورنگ زیب وغیرہ کے کارناموں کے حوالے اس کے ثبوت میں پیش بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم اس سے پہلے مذہبی جہاد مشنری سپرٹ اور ترک ایذا وغیرہ کی ہدایات بیان کر آئے ہیں۔ ان سے قرآن اور آنحضرت اس الزام سے بالکل بری ثابت ہیں۔ مسلمان حملہ آور اور بادشاہ لوگ اگر ایک طرف لوٹ مار و ظلم سے اپنی ملکی اغراض پوری کرتے اور دوسری طرف اسے اپنی مذہبی خدمت واضح کرتے یا مسلمانوں سے خراج تحسین پاتے رہے ہیں۔ تو اس کی ذمہ داری بعد کے بدلے ہوئے حالات یا ان حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں پر ہے۔ غرایب القرآن کا یہ نوٹ اس کے متعلق کافی ہے۔

خدا تو کھلے بندوں میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ دین میں زبردستی نہیں۔ اور لوگ ہیں۔ کہ ناحق اسلام پر تہمت لگاتے ہیں۔ کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر کسی بادشاہ نے دین کو ملک گیری کا حیلہ بنا کر ایسا کیا بھی ہو تو دین پر کیا الزام ؟

۳۱۹- طاغوت

طاغوت کے معنے ہیں بت۔ دیو۔ کاہن۔ شیطان۔ لات وعزیٰ۔ سردار و مقتدائے گمراہان۔ خدا کے سوا اور کی پرستش کرنے والا۔ اس کا اصل مفہوم وہی ہے۔ جو وید میں اہی (آہی) لبش یا ورتر کا ہے۔ ہر نیک کام حصول راحت میں جو بھی اسباب رکاوٹ ڈالیں۔ وہ سب ان الفاظ کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ایشوری حکم کے مطابق عمل کرنا اور اسی کے مطابق اشیائے عالم کا استعمال کرنا اعتدال کہلاتا ہے۔ اور اس سے تجاوز کرنا گناہ ہے یا شیطانی حرکت اسی کو وحشی آسکتی یا نفسانی خواہشات میں مستغرق ہونا کہا جاتا ہے۔ دریا اپنے عام رقبہ میں اعتدال پر ہے۔ اور جب پانی اس کے کناروں سے اور عام اندازے سے باہر نکلے۔ تو وہ طوفان یا طغیانی ہے۔ اسی حد مناسب سے گذر جانے کی حقیقت طاغوت سے منسوب کی گئی ہے۔ اور اسے نفس امارہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

۳۲۰- قبول حق و ترک باطل

ان دو آیتوں میں دھرم یا اشاعت حق میں سختی روا نہ رکھنے کی ہدایت ہے۔ ہر شخص اپنی آزاد رائے سے کام لینے میں مختار ہے۔ بعض مفسر کہتے ہیں۔ کہ چونکہ بعد میں جہاد کا حکم ہو گیا۔ اس لئے یہ آیت منسوخ ہے۔ لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قرآنی جہاد کا صحیح مفہوم پر زور مذہبی تبلیغ اور حق و باطل کا قطعی فیصلہ کرنے سے ہے اس جہاد میں بھی سختی یا زیادتی ممنوع ہے۔ بجائے زیادتی کے ہجرت کر جانے کو گوارا کرنے کی ہدایت ہے۔ اس جہاد کی غرض ایک طرح سے دین کی مخالفت میں کوشاں اور بد دینی یا کفر کی اشاعت کرنے والوں کی زیادتیوں کے متعلق مدافعانہ کارروائی کرنی ہے۔ ویدک دھرم میں سنیاسی یا رسول وغیرہ کے ذریعہ دلوں اور عقلوں کو پلٹا دیکر مخالفوں

کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔ کھشتریوں سے بھی جنگ میں یا اور موقعوں پر برے لوگوں کی بیخ کنی کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن موخر الذکر کا موقعہ تب آتا ہے۔ جب بیرونی زیادتی کو روکنا ہو۔ جھوٹ اور گناہ وغیرہ کا اصل بیج انسانی من میں ہے۔ اور اس کا واحد ذریعہ محض سچے بردبار عالموں کے ذریعے تبلیغ حق کرنا ہے۔ سختی سے کام لینے والا کامیاب مبلغ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جسم کی حفاظت کے ذمہ وار راجا کا تو ہتھیار ہی ڈنڈ یا سزا دینا ہے۔ اور عقل کی حفاظت اور ترقی کی ذمہ دار تعلیمی جماعت ہے یا ودیا سبھا۔ وہ نرمی اور سختی دونوں طرح سے کام لے سکتی ہے۔ لیکن تبلیغ حق کے کام میں محض دلی محبت سے سمجھانے کا ہی فرض ہے۔ بطور ڈاکٹر کے پاگل وغیرہ مریضوں کی ہر بات کو سہارنے کے مذہبی مشنری بھی ہر طرح کی اذیتیں اٹھاکر ہمت اور حوصلہ اور پوری بردباری سے اشاعت حق کا فرض ادا کرتا جانے کا ذمہ وار ہے۔ پس ایسی آیت جو قرآن میں اس خصوصیت کو واضح کر سکتی ہے۔ کبھی اور کسی طرح بھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ قرآن خدا سے تمام صداقتوں کا علم ملنے اور اس کے ذریعے حق و باطل کا صحیح فیصلہ ہونے کا بار بار پر زور طریق پر اعلان کرتا اور یہاں بھی اسے ہی دوہراتا ہے۔ تو جبر کی ضرورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وید اور اپنشد کے عام اصول پر عمل کی ہدایت دی ہے۔ کہ حق کو قبول اور باطل کو ترک کیا جاوے۔ کفر ایک غلط اصول ہے۔ اس کا منکر اور خدا کا دلی معتقد ایک نہایت مضبوط سہارا رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ عالم کل اور طاقت کل اس کا ولی ہے۔ اور جو خدا سے منکر ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی میں ہے۔ دونوں حالتوں کا مقابلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ خدا تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے۔ اور شیطان روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں قرآن خدا سے اپنشد والی اس دعا کے کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔

असतो मासद् गमय। तमसो मा ज्योतिर्गमय।

मृत्योर्मा अमृतं गमय।

کہ خدا ہمیں جھوٹ سے بچا کر سچائی کی تاریکی سے نکال کر روشنی کی۔ اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے جائے۔ پھر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۴ کی ہدایت حسب ذیل ہے۔

विद्यां चाविद्यां च यस्तद्वेदोभयं सह।

अविद्यया मृत्युं तीर्त्वा विद्ययामृतमश्नुते॥ १४॥

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ودیا اور اودیا دونوں کا علم ساتھ کے ساتھ حاصل کرے۔ اور اودیا سے موت کو ترک کر ودیا سے امر پد پائے۔ واقعی علم اور جہالت۔ سچ اور جھوٹ دونوں کا مقابلہ ساتھ کے ساتھ نہ ہو۔ تو انسان آسانی سے جھوٹ کا شکار ہو سکتا ہے۔ جس کو کھرے اور کھوٹے ہونے کی پرکھ نہ ہو۔ وہ چمک پر ہی مست ہو کر ملمع کو سونے کی جگہ خرید سکتا ہے۔ اس لئے علم تو ہو دونوں طرح کا اور عمل ہو سچ پر۔ اصل دھرم عمل کا ہے۔ اور جسے سچ اور جھوٹ دونوں میں تمیز ہو گی۔ وہ جھوٹ سے بچ کر سچ پر ہی عمل کرے گا۔ اسی طرح ودیا اور اودیا خدا اور مادے کو کہتے ہیں۔ اور انسان سچا وہ ہے جس کا روح مادے سے موت کے وقت جدا ہو کر ودیا یعنی خدا سے واصل ہونا اور نجات پاتا ہے۔

۳۲۱۔ تحقیق الناسخ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ۲۵۸

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۲۵۹

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۶۰ ع ۳۵ ۳

کیا تو نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے خدا کے بارے میں جھگڑا کیا۔ محض اس وجہ سے (جرأت پاکر) کہ خدا نے اسے ملک عطا کیا۔ ابراہیم نے کہا۔ میرا خدا تو وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا تو اچھا خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو اسے مغرب سے لا دکھا۔ اس پر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔ واقعی خدا ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ ۱۔ یا کیا تو نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جو ایک شہر کے پاس سے گذرا جس کی چھتیں گری پڑی درزمین دوز تھیں۔ اسے خیال گذرا۔ کہ اللہ اس اجڑے دیار کو کیسے آباد کرے گا۔ اس پر اللہ نے اس پر سو سال کی موت طاری کی۔ اور پھر اسے زندہ کر کے کہا۔ کہ کتنی مدت مرے رہے؟ وہ بولا کوئی دن بھر یا کچھ کم۔ فرمایا نہیں تم تو سو برس رہے۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو۔ کوئی لبسی یا پرانی نہیں۔ سب ترو تازہ ہیں۔ ایسے ہی اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ اور لوگوں کے لئے نشان ہدایت ہو۔ اور ہڈیوں کی طرف غور کرو۔ کہ ہم کس طرح ان کو بناتے اور ان پر گوشت مڑھتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت کھلی۔ بول اٹھا میں جان گیا۔ کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۲۔ پھر جب ابراہیم نے کہا

میرے رب! مجھے یہ دکھا۔ کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ جواب ملا۔ کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟ بولا رکھتا ہوں۔ مگر پوچھتا اس لئے ہوں۔ کہ دل کا پورا پورا اطمینان ہو۔ فرمایا کہ چار پرندے لے کر انہیں اپنی طرف ملاؤ۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو ایک ایک پہاڑ پر رکھو۔ اور ان کو بلاؤ۔ تمہاری طرف دوڑے آئیں گے۔ اور تجو بی سمجھ لو۔ کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا۔ ۳

۳۲۲۔ خدا کی ہستی کا یقینی ثبوت

صحیح علم کے نہ رہنے سے اکثر انسان اس خدا کی ہستی کے بھی قایل نہیں رہتے۔ جو سب کی ہستی کا اصل موجب ہے۔ ان لوگوں کا دل ہر وقت اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ بالخصوص اچھی پوزیشن حاصل کرنے والے لوگوں میں سے تو کئی مغرور ہو کر اس سے عموماً منکر ہو جاتے ہیں۔ آریہ جاتی میں ہرنیا کہش کی مثال اس ناستکتا کی نظیر ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت کی طرف آیت ۲۵۸ میں اشارہ ہے۔ کہ خدا نے اس پر فضل کیا۔ اور اسے حکومت دی۔ مگر وہ بمصداق تپ سے راج اور راج سے نرک مغرور ہو کر خدا کے متعلق اعتراض کرنے لگا۔ جس پر ابراہیم اس کو نہایت لاجواب دلیل دیتے ہیں۔ کہ جب دنیا میں کبھی آواگون ہو رہا ہے۔ کہیں موت واقع ہو رہی ہے۔ کہیں پیدائش اور زندگی۔ تب خدا سے انکار کیسا؟ انسان کیا حیوان بھی مرنا نہیں چاہتا مگر موت سب پر آتی ہے۔ اور پھر اتنی موت ہونے پر بھی خداوند عالم کے مخلوق اس وسیع جہاں میں حد شمار سے باہر انسان اور۔۔۔۔۔ حیوان برابر موجود ہیں۔ یہ گویا اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ پیدائش اور موت یعنی آواگون کا چکر برابر جاری ہے۔ اس سے زیادہ خدا کی ہستی کا اور ثبوت کیا ہوگا۔ انسان حیوان جو اپنی مرضی کے خلاف مر رہے ہیں صاف بتا رہے کہ خدا اور اس کے قانون کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ مغرور بادشاہ کہتا ہے۔ یہ کیا ثبوت ہے۔ میں بھی چاہوں تو کسی کی جان بخشی کروں۔ اور چاہوں تو پھانسی دوں۔ اس پر ابراہیم فرماتے ہیں۔ کہ جس طریق پر نیچر میں کام ہو رہا ہے۔ کیا تو کسی اور طریق سے کام کر کے دکھا سکتا ہے۔ خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ یہ تو تمہارا کام نہیں۔ پس اگر تو کہتا ہے۔ کہ زندگی اور موت میں تمہارا کچھ دخل ہے۔ تو اچھا تو سورج کو مغرب سے نکال دکھا۔ واقعی اے گمراہ انسان! تو کس طرح یہ بڑا بول بول سکتا ہے۔ خدا نے جو طریق پیدائش انسان حیوان اور نباتات کا مقرر کر رکھا ہے یا جس طریق سے تو پیدا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریق کوئی انسان نکال دکھائے۔ تو کچھ بات بھی ہو۔ ماں باپ کے میل کے بغیر بچے کا پیدا ہونا وغیرہ ایسا کامل اور مستقل قانون ہے کہ سوائے اس ذات کامل کے کسی محدود العلم و محدود العقل انسان یا کل انسانی جماعت کی متفقہ کوشش سے بھی اس کے مقابل کا قانون ہو نہیں سکتا۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اکثر لوگ خدا کے قانون کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ خلاف قانون عمل کرتے ہیں۔ تو اس کی سزا سے بھی تو نہیں بچتے۔ کوئی انسان دکھ پانا نہیں چاہتا۔ مگر نانک دکھیا سب سنسار کے قول کے مطابق سب زبان حال سے طاقت کل کے انصاف کے اٹل ہونے کا ہی ثبوت دیتے ہیں۔

۳۲۳۔ ایک اور لاجواب دلیل

آیت ۲۵۹ میں ایک اور طرح پر تناسخ کی صداقت کو واضح کیا ہے۔ کہا ہے۔ کہ ایک شخص ایک اجڑی بستی کے پاس سے گزرا۔ اور اس نے خیال کیا۔ کہ اللہ اسے اب کیسے آباد کر سکتا ہے۔ اس پر خدا نے اسے سو سال کی موت دی۔ یہ محض ایک فرضی بات اصل مطلب کو سمجھانے کے لئے ہے۔ کہ اگر اللہ کسی کو سو سال تک مردہ یا سویا ہوا رکھے۔ تو اس کے پھر جی اٹھنے پر اس طرح سوال و جواب ہو سکتا ہے۔ گویا سو سال کی گنتی موت یا خواب سے مراد ہے۔

رات کو سویا ہوا انسان خواب دیکھتا ہے۔ تو کتنے ہی سالوں کے واقعات پر اس کا ایک منٹ کا خواب پھیل سکتا ہے۔ سو سال کی زندگی بھی موت کے وقت محض ایک خواب کی صورت پیش ہوتی ہے۔ پس سو سال کے بعد جاگنے والے کو محض ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ محسوس ہوتا ہے۔ اور اگر اسے بتایا جاوے۔ کہ فی الحقیقت سو سال گذرے ہیں۔ تو وہ اپنے پہلے وقت کے کھانے پینے کی چیزوں کو اور اپنے گدھے وغیرہ حیوانوں کو اسی طرح تر و تازہ اور ویسا ہی جوان و طاقتور پا کر کہہ سکتا ہے۔ کہ کیا سو سال گذر جاتے تو یہ چیزیں اب تک ویسی ہی رہتیں۔ گدھا تو کب کا مر چکا ہوتا۔ پس سمجھایا گیا ہے۔ کہ چونکہ انتظام الٰہی سے ہر حیوان مرتا اور پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح کھانے پینے کے ان اناج اور سبزی بھی برابر کاٹی اور پھر بوئی جاتی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ تازہ بہ تازہ مل سکتی ہیں۔ گویا کل سامانوں کا ہمیشہ ملنا بھی ان کے بگڑنے اور بننے اور حیوانوں کا بھی موجود و قائم رہنا ان کے مرنے و پیدا ہونے پر ہی دلالت کرتا ہے۔ ہڈیوں کی طرف جو خیال دلایا گیا ہے۔ خدا کی صنعت کاملہ کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ کہ رحم کے اندر نہ جانے کس کس مصالحہ سے اور کس کس کاریگری سے ہڈیاں بنتی ہیں۔ اور کس طرح اندر ہی اندر ان پر چمڑا منڈھا جاتا ہے۔ جس کے بعد بچہ باہر آ جاتا ہے۔ ہندی کا شاعر اسی حکمت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ

منش کا شریر جیسے جیب کی گھڑی ہے　　چلتی رہے تو برسوں تک نہیں تو یہ کھڑی ہے
ہڈیوں کے پرزے میں رکت لگائے تیل　　تو چا کا چڑھائے پردہ چام ہر مڑھی ہے

۲۲۳۔ مفسرین کی جولانیٔ طبع

سرسید صاحب مفسرین والی مرض کی تشخیص یہاں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ہمارے مفسرین کی عادت ہے۔ کہ سیدھی بات کو بھی ایک عجوبہ بات بنا کر بیان کرتے ہیں۔ اور سنی سنائی باتیں ناتحقیق اور قصے اور کہانیاں اس میں شامل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی کیا ہے۔ سو اب ملاحظہ ہو ان آیات کے متعلق وہ کس طرح اپنی جولانیٔ طبع دکھاتے ہیں۔ تاویل اس آیت کی یہ کی جاتی ہے۔ کہ یہاں نحمیا یا حضرت حزقیل کی طرف اشارہ ہے۔ اور توریت میں سے اس اجڑی بستی کا بیان اس طرح ملتا ہے۔ کہ "بخت نصر نے ۵۹۰ء قبل مسیح میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اور ۵۸۸ء قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اور معبد کو جلا دیا۔ اور بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ مگر کیخسرو بادشاہ ایران نے غلبہ پا کر یہودیوں کو قید بابل سے آزاد کیا۔ اور ۵۳۶ء قبل مسیح کے انہوں نے بیت المقدس میں واپس آ کر قربانیاں کیں۔ اس کے بعد ۵۱۸ء قبل مسیح میں دارا نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ اور وہ اس جگہ آ کر خدا سے دعا مانگتے رہے۔ اور یہ خیال کرتے تھے۔ کہ خدا کس طرح اس کام کو سر انجام کرائیگا۔ یعنی اس اجڑی بستی کو آباد کرائے گا۔ اس پر خدا نے انہیں سو سال کی موت دی۔ اور پھر انہیں زندہ کیا۔ یہ پوچھنے پر کہ کتنی مدت پڑے رہے۔ نبی نے کہا دن بھر یا کچھ کم۔ مگر بتایا گیا کہ نہیں سو سال پڑے رہے۔ اس اختلاف کو کشف لفظ کی آڑ میں دور کیا جاتا ہے۔ کہ حالت کشف میں سینکڑوں سال کے واقعات تھوڑی دیر میں نظر سے گذر جاتے ہیں۔ چونکہ کھانے پینے کی چیزیں جیوں کی تیوں رہیں بوسیدہ نہیں ہوئیں۔ اس بیان سے گھبرا کر اور منشاء دیبانی کے الزام سے بچنے کے لئے کشف کی آڑ لی گئی ہے۔ لیکن بات بنی نہیں۔ کیونکہ خدا کا کہنا ہے۔ کہ سو سال مرے رہے۔ اور کشف لفظ کا کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔ پھر گدھے کی ہڈیوں والا معاملہ اور بھی بے ڈھب ہے۔ خدا نے اگر ہڈیوں کو بنانے اور ان پر گوشت چڑھانے کا ذکر کیا۔ تو کیوں سو سال وہی گدھا تو اسی طرح زندہ رہ نہیں سکتا تھا۔ اور یہ ذکر نہیں۔ کہ کوئی گدھا پہلے مر چکا تھا۔ جس کی ہڈیاں یہاں مذکور ہیں۔ لیکن مردہ گدھوں کی ہڈیوں پہ چمڑہ نہ کسی انسان نے آج تک چڑھایا نہ خدا مردوں کی ہڈیوں پہ

گوشت وچمڑے کے چڑھانے سے پیدائش کرتا ہے۔ بلکہ یہ صفت تو اس کے قانون کو ہی مٹا سکتی ہے۔ پھر خرقیل نبی کے بیان میں سو سال کا ذکر ہی بائیبل میں نہیں۔ ہاں اگر اس کا کل مضمون پڑھا جاوے۔ تو اس میں پیدائش کے متعلق ایک مکالمہ ضرور ہے۔ کہ کس طرح ماں کے رحم (جیسے ہڈیوں سے بھرپور وادی کہا ہے) میں خدا اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے انسانی جسم بناتا ہے۔ اور کس کمال سے اس کے اندر ہڈیاں بنا کر ان پر گوشت چڑھاتا ہے۔ پس مراد محض خدا کی کاریگری سے ہے۔ اور سو سال کی موت محض فرضی ہے۔ یا انسانی قالب کی طبعی عمر پہ دلیل دینے کے لئے کہ اتنا عرصہ تو بھی اگر انسان آ کر دیکھے۔ تو دنیا کی سب چیزیں ویسی کی ویسی پاتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہے۔ کہ آواگون کا چکر جاری ہے۔ کہ موت بھی ہوتی ہے۔ تو پیدائش بھی ہوتی ہے۔ اور یہی پوزیشن ہم نے ترجمہ میں لی ہے اور یہی اصل سوال کا جواب ہے۔

اس کے علاوہ مفسر صاحبان کی جولانئے طبع اور بھی گل کھلاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کھانے پینے کی چیزوں اور گدھے کا خیالی جلانے سے مطلب یہ ہے۔ کہ جیسے سو سال کے بعد بھی سب چیزیں خدا نے اصل حالت میں دکھائیں۔ ویسے ہی نبی کو سمجھایا۔ کہ تمہاری قوم پھر اپنی اصل حالت پر آ جائے گی۔ اور اپنے وطن میں آباد ہو جائیگی۔ اور سو سال اور ایک دن کے فرق پر اس طرح پردہ ڈالا۔ کہ سو سال خدا کے ہاں ایک دن کی مانند ہے۔ مگر یہ وہی بات ہے۔ کہ سوال از آسمان و جواب از ریسمان۔ مضمون ہے آواگون کا اور غور ہو رہا ہے ایک اجڑی بستی کے نظارے پر جس سے آواگون کے حق میں یا برخلاف دلیل اخذ کی جاتی ہے۔ مگر مفسر صاحب سب سے کنی چھڑا کر پیشگوئی کی طرف دوڑتے پھرتے ہیں۔

ایک اور مفسر صاحب یوں فرماتے ہیں۔ کہ بخت نصر بیت المقدس کے معبد کو برباد کر کے بنی اسرائیل کو پکڑ لے گیا تھا۔ عزیر علیہ السلام اس ویرانی کے وقت میں بیت المقدس پر سے ہو کر گزرے۔ اور ظاہر حال پر نظر کر کے ان کو نا امیدی سی ہوئی کہ ع "ایسے اجڑے کبھی بھی بستے ہیں"۔ اللہ نے ان کو نمونہ قدرت دکھایا۔ کہ سو برس تک مرے پڑے رہے۔ پھر زندہ کیا۔ تو بیت المقدس اتنے عرصہ میں پھر زندہ ہو گیا تھا۔ اور ان کے گدھے کو خدا نے ان کی آنکھوں دیکھتے جلا اٹھایا۔ خدا نے ان کے کھانے پینے کی حفاظت کی۔ کہ بسا تک نہیں۔ عزیر علیہ السلام کو صرف یہ حیرت تھی۔ کہ خدا خلاف عادت قدرتوں کو کیونکر نافذ کرتا ہے۔ یہ گویا اور بھی غیر معقول طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اگر خدا نے سو سال کھانے کی خود حفاظت کر کے اسے بسنے نہیں دیا۔ تو ہمیشہ کیوں ایسا نہیں کرتا۔ اور کیوں اپنے بندوں کو روز کے نقصانوں سے نہیں بچاتا۔ خاص ایک شخص کے کھانے کی اور ایک ہی بار حفاظت کیوں کی۔ اور سو سال تک جسم کا پڑا رہنا اور گل سڑ نہ جانا ممکن کس طرح ہے۔ اور اگر گدھے کو ان کے سامنے زندہ کر دکھایا۔ تو معلوم ہوا۔ وہ پہلے مردہ تھا۔ ایسی حالت میں کھانے کا بھی از سر نو ویسا ہونا اور پہلے بوسیدہ ہونا لازمی ہے۔ سو برس والے پینے کھانے وغیرہ کے سامان اور گدھے کا تو نام و نشان بھی اس عرصہ میں رہ نہ سکتا تھا۔

کہاں تک لکھیں نہایت بے معنے تاویلات ہیں۔ اور مفسر صاحبان حیران و سرگردان ہیں۔ مگر مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ لہذا ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کچھ نہ کچھ نقل در نقل ہوتی جا رہی ہے۔ اور اختلاف بڑھتا جاتا ہے۔ حتےٰ کہ یہ بھی طے ہو نہیں پاتا۔ کہ سب نام تو ایک ہیں۔ بس کوئی نحمیا کہتا ہے۔ کوئی حضرت عزیر کہتا ہے۔ کوئی سو سال کی موت کہتا ہے۔ کوئی نیند۔ کوئی سدیا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں بیان شدہ ابن عباس کی روایت کی شہادت پر سر سید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت نحمیا جب بیت المقدس میں پہنچے۔ تو وہاں انجیر اور انگور پھل رہے تھے۔ انہوں نے انجیر اور انگور کھائے۔ اور انگوروں کو نچوڑ کر شیرہ پیا۔ اور سو رہے اور سونے ہی کی حالت میں خدا تعالے نے ان کو مردہ کر دیا۔ اور سو برس تک مرے پڑے رہے۔ اس سے آپ اس موت کو رویا کہتے ہیں

۳۲۴۔ سو سال کا ایک دن

جہاں یہ ظاہر ہے۔ کہ سو سال بعد بھی چیزوں اور حیوانوں کا ویسے کا ویسا پایا جانا یہاں آواگون کا ثبوت بتایا گیا ہے۔ وہاں سو سال کا عرصہ ایک دن کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی سمجھنے کی چیز ہے۔ وید کے ایک منتر میں کہا ہے۔ کہ مرتا ہُوا انسان ایک خواب دیکھتا ہے۔ وہ خواب کیا ہے۔ انسان کی زندگی بھر کے کام جو یادداشتوں یا سنسکاروں کی صورت میں اس کے اندر تھے۔ موت کے وقت اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ ہر واقعہ دوسرے واقعہ سے خواہ کتنا عرصہ بعد ظہور پذیر ہوا ہو۔ اس وقت سب ایک ساتھ سامنے ہوتے ہیں۔ وقت یا عرصہ محض ایک فرضی طریق عُمر کو ناپنے کا ہے۔ موت کے وقت عرصہ کی قید سے آزاد ہو کر تمام واقعات باہم مل جاتے ہیں۔ اور سو سال کی زندگی محض ایک دن یا کم عرصہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق چیزوں اور حیوانوں میں خواہ کتنی تبدیلیاں ہوں۔ اور وہ خواہ کتنی بار مریں اور پیدا ہوں۔ نتیجہ سو سال پہلے کا اور اب ایک ہی ہے۔ کہ جیسے پہلے چیزیں موجود تھیں۔ ویسے ہی اب بھی ہیں۔

۳۲۵۔ چار پرند اور تناسخ

آیت ۲۶۰ میں ابراہیم کا تناسخ کے متعلق اطمینان کرنے کے لئے جو چار پرندوں کا بیان ہے۔ اس پر بھی مفسرین کا اتفاق اس وقت تک ایک ناممکن سا امر بنا ہوا ہے۔ کئی ترجموں میں لکھا ہے۔ کہ خدا نے فرمایا۔ ان پرندوں کی بوٹی بوٹی کر کے ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ تفسیر کبیر (فخر الدین رازی والا ترجمہ) میں لکھا ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تم چار پرندے لاؤ۔ اور ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ان میں کا کچھ کچھ حصہ ایک پہاڑ پر رکھ آؤ۔ پھر اپنے مقام پر پہنچ کر ان کو بلاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ان کو بلایا۔ تو ہر پہاڑ سے اس کا حصہ ان کی طرف دوڑا۔ اور راستے میں ہی ہوا میں ملے جلے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے حصوں میں آن ملے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے۔ اور سب کے سب یعنی چاروں زندہ ہو گئے۔ واللہ اعلم

کہتے ہیں یہ چاروں پرند مور۔ گِدھ۔ کوّا اور مُرغا تھے۔ (صفحہ ۱۴۹)

بعض مترجم ٹکڑے ٹکڑے کی بجائے قیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حتےٰ کہ سر سیّد احمد صاحب بھی قیمہ کا ہی بیان کرتے ہیں گو آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی محض ایک رویا تھا۔ انہوں نے رویا میں خدا سے کہا۔ کہ مجھ کو دکھلایا تھا۔ کہ تو کس طرح مُردہ زندہ کریگا۔ پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے انہوں نے چار پرند و جانور لئے۔ اور ان کا قیمہ کر کے ملا دیا۔ اور پہاڑوں پر رکھ دیا۔ پھر بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے۔ اور ان کے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جن کے اجزا بعد مرنے کے عالم میں مخلوط و منتشر ہو جاتے ہیں۔ طمانیت ہو گئی"۔

اس کے بعد آپ علماء مفسرین اسلام کے سچ مچ جانوروں کا قیمہ ہونے پر عدم یقین کا ذکر کرتے ہیں۔ اور مفسرین کی اس کے متعلق تین قسم کی رائیں پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ درحقیقت حضرت ابراہیم نے جانوروں کا قیمہ کر کے پہاڑوں پر رکھ دیا۔ اور پھر جب بلایا تو وہ زندہ ہو کر چلے آئے۔ دوسرے یہ کہ صُرھُنَّ کے معنے قیمہ کرنے کے نہیں۔ بلکہ اپنے سے ہلا لینے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت ابراہیم نے چند جانور اپنے سے ہلا لئے۔ اور پھر کوئی جانور کسی پہاڑ پر اور کوئی کسی پہاڑ پر چھوڑ دیا۔ اور پھر جب بلایا تو سب چلے آئے۔ مگر اس امر سے سر سیّد صاحب احیا اموات کے متعلق طمانیت ممکن نہیں سمجھتے۔ تیسرے یہ کہ

جانوروں کا قیمہ کرنا اور پہاڑوں پر رکھنا واقع نہیں ہوا۔ بلکہ محض ایسا حکم ملنے سے ابراہیم کا اطمینان ہو گیا۔ سرسید صاحب ان تینوں کے اندر یہ غلطی سمجھتے ہیں۔ کہ رویا کے واقعات کہ انہوں نے ظاہری واقعات مان لیا ہے۔ آپ کتاب خرقیل اور کتاب پیدائش سے بھی اس قسم کے دو قصے پیش کرتے ہیں۔ مگر قرآن والے قصے کا ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں مانتے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ ایسا کوئی بیان نہ معقول ہے۔ نہ ممکن الوقوع اور نہ قابل تسلیم۔ اور حسب بیان حمائل التفسیر نہ الفاظ قرآن سے ثابت ہے۔ نہ کسی حدیث اور نہ کسی اور معتبر سند سے۔ آپ کہتے ہیں۔ اگر قیمہ سے زندہ جانور کر کے دکھانا تھا۔ تو چار پرندوں اور ان کے بلانے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ کام تو خالص کرشمہ نمائی کا تھا (جیسا کہ اکثر مداری لوگ دکھاتے ہیں) دیگر تفاسیر پر مخالفانہ رائے زنی کر کے آپ زیر بحث آیت کا اصل مطلب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ

خدا ابراہیم کو فرماتا ہے۔ کہ پرندوں کا تیرے پاس آنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن پرندوں کو تو نے تھوڑی سی مدت پرورش کیا۔ ان میں ایسی کشش تیرے ساتھ ہو گئی۔ کہ تو نے دور دور پہاڑیوں پر ان کو بٹھلایا۔ اور وہ بلانے سے دوڑے چلے آئے۔ اسی طرح تمام ذرات اور ارواحِ عالم جو ہمیشہ سے خداوند عالم کی ربوبیت میں پرورش پا رہے ہیں۔ اس کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ ہم اس تاویل میں بہت معقولیت سمجھتے ہیں۔ دیگر مفسر صاحبان جزء لفظ کی وجہ سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور قیمہ یا ٹکڑے ٹکڑے کے الفاظ جزء لفظ کی جگہ ہی رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت چار پرند چار جدا جدا جگہ رکھنے سے ہر ایک کل ۴/۱ کا جزء کہلا رہا ہے۔ اور چونکہ کاٹنے وغیرہ کا کوئی لفظ اصل آیت میں ہے نہیں اور ساتھ ہی پہاڑ پر رکھ کر جو بلانے کا حکم ہے۔ وہ محض زندہ پرندوں پر ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اصل مدعا یعنی حشر پر اس آیت کو چسپاں کرنے کے لئے بھی ایک طرف انسان اور پرندوں اور دوسری طرف خدا اور روح و مادہ کی باہمی کشش و تعلق ضروری ہے۔ لہذا یہ تاویل معقول اور پر مطلب ہے۔ تاہم اسے کامل اور صحیح مفہوم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ بدنصیبی سے مفسر صاحبان کو یہ بڑا اندیشہ رہتا ہے۔ کہ کہیں تناسخ ثابت نہ ہو جاوے۔ اس لئے باوجود صحیح مفہوم کا احساس کرنے کے انہیں قیامت کی فلاسفی مروجہ اسلام موجودہ کے باہر جانے سے خوف آتا ہے۔ اس لئے یہ مفسر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ خدا کے بلانے پر روح اور مادہ فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ غرض یہ کہ اگر مسلمان اعتراض کریں۔ کہ اس تاویل سے تو آواگون ثابت ہو سکتا ہے۔ تو انہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا کے بلانے پر ان کا حاضر ہونا مقصود ہے۔ لیکن نہ قیامت کا بیان کوئی سوال ہے۔ نہ قرآن میں قیامت کا وہ نقشہ کہیں بھی موجود ہے۔ جو عام طور پر مشہور کیا جا رہا ہے۔ ہاں سوال محض یہ ہے۔ کہ خدا جو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اس کی اطمینان بخش دلیل ملنی چاہئے۔ سو اس کے لئے بالکل صاف اور صحیح مفہوم حسب ذیل ہے۔ ویدک اصول زندگی اور موت کا یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے میل کا نام زندگی ہے۔ اور ان کی جدائی کا نام موت۔ سنسکرت لٹریچر میں سنیوگ کو جنم اور ویوگ کو موت کہا ہے۔ جن مادی ذرات سے جسم بنتا ہے۔ چار قسم کے ہیں۔ آگ ہوا۔ پانی اور مٹی۔ ان کو اربعہ عناصر کہا جاتا ہے۔ اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے چار پرند کا لفظ تجویز کیا گیا ہے۔ ایک وقت ابراہیم حکم خدا سے ان پرندوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ تو دوسرے وقت حکم خدا سے ہی وہ انہیں الگ الگ پہاڑوں پر رکھتے ہیں۔ یہ دونوں سنیوگ یعنی میل اور ویوگ یعنی جدائی کی حالتیں ہیں۔ ابراہیم بمنزلہ روح ہے۔ اس کا اس جسم عنصری یعنی چار پرندوں سے میل ہونا زندگی ہے۔ اور ان عنصروں یا پرندوں کا الگ الگ ہونا موت ہے۔ اور سوال ہے۔ اب اس مردے

کو زندہ کرنے کا سو جس طرح پرندے انسان کے پاس رہ کر تھوڑے دنوں میں اس سے مانوس ہو نے اور اس کے اشارے
پر دوڑے چلے جاتے اور نزدیک آتے ہیں۔ اسی طرح رُوح کی مادی جسم سے جو ہمیشہ کی کشش ہے۔ اس کی بدولت انکے عضرو(ں)
کا قانون الٰہی سے پھر جسم کی شکل میں روح سے ملنا لازمی ہے۔ اس کو ابراہیم کا پرندوں کو بلانا اور ان کا اس کے پاس آنا
کہا ہے۔ اور خدا کے حکم کو یا قانون کو اس جسم کی ہر حالت سے وابستہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے انصاف کے
قانون کا بھی دخل ہے۔

غرضیکہ پنر جنم کو روز کے عام مشاہدات اور تجربات سے دلائل اخذ کر کے ثابت کرنا بھی ابراہیم جیسے چوٹی کے عالم
کے اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے۔

۳۲۶۔ خیرات

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ ۲۶۱
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ ۲۶۲
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ ۲۶۳
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَ
صَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ ۲۶۴
تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ۲۶۵

مِّن نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ　۲۶۶
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم
بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ　۲۶۷
وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝　۲۶۸
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا　۲۶۹
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا　۲۷۰
الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝　۲۷۱
لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ
وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝　۲۷۲
لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا
تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ　۲۷۳

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۲۷۴

ان لوگوں کی مثال جو اپنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اُس ایک دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ اور ہر بال کے ساتھ سو دانے لگے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے۔ برکت دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کھلا دینے والا اور علیم کل ہے۔ ۱ جو لوگ راہِ حق میں دولت خرچ کرنے اور خیرات کر کے احسان نہیں جتاتے۔ اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنے پروردگار سے اس کا نیک اجر پائیں گے۔ اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ آزردگی۔ ۲ اچھی اور بامروت بات کہنی اس خیرات سے اچھی ہے۔ جس کے پیچھے ایذا دی جاوے۔ اور اللہ غنی ہے۔ اور بردبار۔ ۳ - اے حق پرستو! احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو اس شخص کی طرح رائیگاں نہ گنواؤ۔ جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ مگر دل سے نہ خدا کو مانتا ہے۔ نہ عاقبت کو۔ اس کی مثال محض ایک چٹان کی سی ہے۔ جس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔ کہ زور کا مینہ آیا اور اسے سپاٹ کر گیا۔ پس ریاکاروں کو اس خیرات سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ جو انہوں نے کی اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۴ - اور جو لوگ اپنی دولت کو اللہ کی مرضی کے مطابق نیک نیتی سے خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس باغ کی مانند ہے۔ جو بلندی پر ہے۔ کہ اس پر خواہ کتنا ہی مینہ برسے وہ دوگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر زور کا مینہ نہ برسے۔ تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۵ - کیا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کر سکتا ہے۔ کہ اس کے لئے کھجور اور انگور کا باغ ہو۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ ہر قسم کے پھل وہاں میسر ہوں۔ مگر اس پر بڑھاپا عارض ہے۔ اور اولاد اس کی ناتواں ہے۔ کہ ایک آگ کا بگولا پڑتا ہے۔ اور باغ کو جلا ڈالتا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے سچی رموز واضح کرتا ہے۔ کہ تم حقیقت پر غور کر سکو۔ ۶ - اے حق پرستو! اس جائز کمائی میں سے خرچ کرو۔ جو تم نے خود کمائی ہے یا جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے۔ اور اس میں سے ایسی خبیث چیزیں نہ دو۔ جو تم لینا نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جانتے رہو۔ کہ اللہ غنی اور قابل تعریف ہے۔ ۱ ۔ شیطان تم کو فقر سے ڈراتا اور فحش باتوں کے لئے مستعد کرتا ہے۔ مگر اللہ تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کے وعدے دیتا ہے۔ بے شک اللہ فراخی والا اور علیم کل ہے۔ ۲ ۔ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔ اور جسے حکمت ملی اسے کثرت سے خوبیاں ملیں۔ اور سمجھ دار لوگوں کے بغیر کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ ۳ جو کچھ تم خیرات یا نذر کے طور پر خرچ کرتے ہو۔ تحقیق اللہ اس کو جانتا ہے۔ مگر ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ ۴ اگر تم خیرات ظاہر کر کے کرو۔ تو یہ بھی اچھا ہے۔ اور اگر خفیہ طور پر کرو۔ اور فقرا کو دو۔ تو یہ تمہارے واسطے اور بھی اچھا ہے۔ اور یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ ۵ - ان لوگوں کو راہِ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ راہِ راست پر لاتا ہے۔ اور جو کچھ تم نیکی میں خرچ کرتے ہو۔ وہ بھی اپنے ہی نفس کے واسطے کرتے ہو۔ اور جو بھی خرچ کرو۔ اللہ کی رضاجوئی کے لئے کرو۔ اور جو کچھ بھی تم نیکی میں خرچ کرو گے۔ تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جاوے گا۔ تمہارے ساتھ بالکل بے انصافی نہ ہوگی۔ ۶ - خیرات ان محتاجوں کے

لئے مقصود ہے۔ جو راہِ خدا میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملک میں کسی طرف جا نہیں سکتے۔ ان میں خودداری و عزت ہے۔ مگر جاہل آدمی ان کو غنی سمجھ لیتا ہے۔ تو ان کو ان کی خاص نشانیوں سے پہچان لیگا۔ وہ لوگوں کے گلے چمٹ کر سوال نہیں کرتے جو کچھ تم نیکی میں خرچ کروگے۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ ۷۔ جو لوگ کیا رات اور کیا دن پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح سے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ ان کے رب کی طرف سے ان کو اجر ملیگا۔ نہ انہیں خوف ہوگا نہ رنج۔ ۱

۳۲۷- خیرات راہِ حق میں

پہلی ہدایت آیت ۲۶۱ میں یہ دی ہے۔ کہ خیرات سبیل اللہ یعنی راہِ حق میں ہو۔ اللہ منزل مقصود ہے۔ اس تک پہنچنے کا رستہ سچا دہرم ہے۔ پس فی سبیل اللہ سے مطلب یہ ہے۔ کہ خیرات دہرم کاموں میں ہی دی جاوے۔ بدعمل بے علم یا دہرم کی ترقی میں اعانت نہ کرنے والے لوگ یا دہرم کے لحاظ سے غیر ضروری یا غیر مفید کام دان کے مستحق نہیں۔ بلکہ الٹا کو دیا ہوا دان خود دانی اور پبلک کے لئے بہت نقصان رساں ہوتا ہے۔

۳۲۸- دان کا مہاتم

اسی آیت میں دان کی فضیلت ایک لفظ میں ادا کی ہے۔ کہ یہ بمنزلہ بیج ہے۔ جیسے ایک دانہ بیج کا بویا جانے پر سینکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح دان میں بھی بڑی برکت ہے۔ دانی کی کمائی میں واقعی بڑی برکت ہوتی ہے۔ جو عالم علم کی خیرات دیتا ہے۔ اس کا اپنا علم ترقی اور مضبوطی پاتا ہے۔ اور جو ہدایت کے کام میں لگا رہتا ہے۔ گیان اور عرفان میں بڑھتا جاتا ہے حتےٰ کہ آیت ۲۶۲ کے مطابق وہ موت اور دکھ تک سے چھوٹ جاتا یعنی نجات پاتا ہے۔ یہی فضیلت خاتمہ مضمون پر آیت ۲۷۴ میں بیان کی گئی ہے۔

۳۲۹- سچے دانی

آیت ۲۶۲ میں سچے سخی کی تعریف کی گئی ہے۔ کہ جو راہِ حق میں ہی خیرات دیتا ہے۔ اور اس کے لئے احسان نہیں جتاتا۔ بلکہ بقول نیکی کر دریا میں ڈال۔ بے غرض دان دیتا ہے۔ اور دان لینے والے کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ یعنی نہ اس سے سختی روا رکھتا نہ اپنے متعلق بڑائی کے لفظ کہتا ہے۔ وہ سچا سخی ہے۔ موجودہ زمانے میں برہمنوں یا علما کو دان دیتے ہوئے بعض وقت جلی کٹی سنائی جاتی ہے۔ کہ کام کے وقت تو آتے نہیں۔ ہاں ٹکے لینے کے وقت آجاتے ہیں۔ وغیرہ۔ یہ دانی کے لئے غیر موزوں ہے۔ دان کسی خدمت کا معاوضہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ یہ اپنا فرض ہے۔ پبلک مفاد یا خدمت کی خوبی سے غافل شخص دان کا مستحق نہیں۔ غرضیکہ سچے دانی کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ سوچ سمجھ کر مستحق شخص کو بلا کسی ذاتی غرض کے دان دے۔ آیت ۲۶۳ میں مزید ہدایت دی ہے۔ کہ دان سلیقہ اور مروت بھرے لفظوں کے ساتھ دیا جاوے۔ اپنی عزت اور لینے والے کی ذلت کرتے ہوئے نہیں۔ بلکہ خدا کی صفات کو اس بارے میں اپنا رہنما بنا دیں۔ کہ کس طرح وہ اپنی تمام بے شمار پرجا کے لئے اپنی تمام اعلےٰ النعمتیں سورج۔ چاند زمین ہوا پانی۔ آگ اور ہر طرح کی پیداوار مہیا کرتا ہے۔ مگر انتہائی گمبھیرتا سے نہ کہ اوچھاپن سے مطلب یہ کہ دانی سچا وہی ہے۔ جو مستحق کو دان دیتا اور ذاتی نمائش یا مفاد کا مطلقاً تعلق نہیں ہونے دیتا۔

۳۳۰- فضول خیرات

احسان جتا کر اور نمائش کے طور پر دان دینے سے کچھ فائدہ دانی کو نہیں مل سکتا۔ ایک شخص خدا کو نہیں مانتا۔ نہ اسے عاقبت کا خیال ہے۔ اپنی دنیوی حیثیت

اور عیاشی میں مست ہے۔ وہ اپنا روپیہ وغیرہ غیر مستحق لوگوں میں لٹاتا ہے۔ تو شادی خود غرض جتنا کہ رنڈی بھڑوا وغیرہ کو اس کا مال ملتا ہے۔ تو یہ فضول محض ہے۔ اس سے بد چلنی سستی۔ عیاشی آرام طلبی بڑھتی اور انسانی سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے۔ آیت ۲۶۴ میں اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ جیسے چٹان پر مٹی پڑی ہو۔ اس میں بیج بویا جاوے تو وہ اگنے پر بھی نشوونما نہیں پا سکتا۔ بارش آتی ہے۔ مٹی بہ جاتی ہے۔ اور بیج بھی ساتھ ہی بہ جاتا ہے۔ بعینہٖ خدا اور عاقبت کا جنہیں خیال نہیں ان کے دل چٹان کی مانند ہیں۔ جو خیرات کے بیج کے لئے موزوں زمین نہیں۔ گویا خیرات ایک پاک انسٹی ٹیوشن ہے جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے۔ اگر دانی کا دل خدا کے ساتھ نہیں۔ تو نہ صحیح دان ہو سکتا ہے۔ نہ پھل مل سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی دولت یا علمی قابلیت انہیں منزل مقصود کی طرف نہیں لے جاتی۔ کسی نہ کسی طرح ضائع ہوتی ہے ایسا ہی حشر ان لوگوں کی خیرات کا ہے۔ جو خدا اور عاقبت کو مانتے ہوئے بھی احسان اور نمائش کا دخل رکھتے ہیں۔

۳۳۱۔ دان کا اعلےٰ درجہ

دانی نیک نیت۔ دان بلا غرض۔ مقصود رضائے الٰہی قوم کی بہتری یا مستحق کی مدد۔ کام علم اور دھرم کی اشاعت کا تو بس برکتیں ہی برکتیں کیوں نازل نہ ہوں۔ اس کی مثال آیت ۲۶۵ میں ایک ایسے باغ سے دی ہے۔ جو بلندی پر ہو۔ اس پر کتنے ہی زور کا مینہ برسے۔ باغ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جتنے پانی کی ضرورت ہو۔ باغ میں کام دیتا ہے۔ باقی نیچے بہ جاتا ہے۔ اور اگر ہلکی سی پھوار پڑے۔ تو باغ میں ہی جذب ہو جاتی ہے۔ اور اسے سرسبز رکھتی ہے۔ ایسے ہی سچی خیرات ہے ہر طرح بہتری ہے۔ مگر نیت کی خرابی والے کی مثال یہ ہے۔ کہ ظاہرا پھولا پھلا باغ کسی قدرتی حادثے سے برباد ہو جاتا ہے۔ مالک بوڑھا ہے۔ باغ سے اپنی اولاد کو جو ابھی نابالغ ہے۔ پھل ملنے کی توقع رکھتا ہے۔ لیکن اچانک ہی اس کے برباد ہونے سے ہر طرح سے ناکامی اور رنج و الم کا شکار ہوتا ہے۔ غرضیکہ اعلےٰ درجہ کا دان ہی دانیوں کے زیر نظر رہنا چاہئے۔

۳۳۲۔ حق حلال کی کمائی

حرام کی کمائی سے خیرات دینا بھی محض نمائشی خیرات ہے کیونکہ دانی اس کا خود جائز مالک نہیں۔ اس لئے آیت ۲۶۷ میں نیک کمائی کی شرط لگائی ہے یا اس کمائی کی جو پیداوار ارضی کی صورت میں خدا سے انسان کو ملتی ہے۔ وید ہدایت دیتا ہے۔ کہ तेन त्यक्तेन भुंजीथा اس پرمیشور سے عنایت شدہ دولت کو بھوگو۔ اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت ہے۔ کہ جو مال ایسا خبیث ہو۔ کہ تم اسے ناکارہ سمجھتے ہو یا اپنے کام میں لانے سے اس سے احتمال نقصان ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کو بطور خیرات نہ دو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ پھل جو خراب نکل آتے ہیں یا کھانا وغیرہ جو خراب یا ناقص معلوم دیتا ہے۔ وہ دوسروں کو دے کر اپنی فیاضی میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ بعض صورتوں میں ایک انسان چشم پوشی کر کے شکایت یا بدنامی نہیں کرتا۔ لیکن اس چشم پوشی سے جرأت پا کر خبیث اشیاء دوسروں کو دینا صحیح نہیں۔ بلکہ غور اس پر کرنا چاہئے کہ Do as you would be done by. اوروں سے وہ سلوک کرو۔ جو خود کروانا چاہتے ہو۔ پس اگر خود کسی مضر شے ملنے کو پسند نہیں کرتے۔ تو اوروں کو بھی ایسی شے نہ دو۔

۳۳۳- دان دیے دھن نہ گھٹے

بعض لوگ اپنی کنجوسی کے لئے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ کہ اوروں کو دے دئے، کیا کل کو خود بھوکے مریں۔ ایسے لوگوں کو آیت ۲۶۸ میں ہدایت دی ہے۔ کہ بخل کا خیال ناجائز ہے۔ جب بھی راہِ حق میں خرچ کرنے کا سوال پیدا ہو۔ اور تمہارے حصّہ نہ لینے سے کسی کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ مدد کر گزرو۔ خدا کی مغفرت اور اس کے فضل سے مایوس ہونا صحیح نہیں۔ نیک کام کرنے والوں کے لئے تو اس کی بخشش اور فضل کا قانون اٹل ہے۔ اصل اور حقیقی بلکہ غیر متناہی خیرات تو اس کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اور علیم کل ہونے سے وہ ان سب کے عمل کا علم بھی رکھتا ہے۔ جو اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تب ضرورت کے وقت تنگی کے خوف سے بخیل بننا یقیناً شیطان کی ہی فرمانبرداری کرنا ہے۔ آیت ۲۶۹ و ۲۷۰ میں اسی فرض شناسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اناج یا روپیہ پیسہ کیا خدا تو اپنے پیاروں کو سب نعمتوں کا سرتاج علم دیتا ہے۔ اور عقل اور دانائی۔ پس ہر مناسب خرچ و خیرات پر کمر بستہ رہو۔ اور اللہ کے علم اور انصاف پر پورا بھروسہ رکھو۔ آیت نمبر ۲۷۱ میں بھی یہی ہدایت ہے۔ کہ جیسے بھی ہو۔ خیرات کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ دو۔ ظاہراً دو۔ پوشیدہ دو۔ سب طرح بہتر ہے۔ بشرطیکہ دو واقعی محتاج کو۔ اس سے تم مفلس نہ ہوگے۔ بلکہ فضل الٰہی کے سزاوار ہوگے۔

۳۳۴- دان سے کلیان

آیت نمبر ۲۷۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ خیرات تمہارے گناہوں یا تمہاری برائیوں کا کفارہ ہوگی۔ یا تمہاری برائیاں دُور کرے گی۔ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے۔ کہ جب رشوت یا سفارش خدا کے ہاں نہیں۔ تو یہ کفارہ کیسا۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ خیرات ایک تو نیکی کے جذبہ کی ترقی کا موجب ہے۔ اور دوسرے بھلائی کے پلے کو بھاری کر کے بُرائی کے پلے کو ہلکا کرتی ہے۔ یا دبا دیتی ہے۔ جیسے حفظانِ صحت کی تدابیر بیماری پھیلنے کے وسائل پر غالب آ کر فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ویسے ہی دان سے کلیان ہوتا ہے۔

۳۳۵- خیرات سے تبدیل مذہب

اکثر لوگ خیرات کے ساتھ محتاج کی مذہبی ہدایت کا خیال جوڑتے ہیں۔ بلکہ آج کل خیرات کو تبدیل مذہب کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ مشنری سوسائٹیاں خیرات کے روپیہ سے لوگوں کی مدد اس غرض سے کرتی ہیں۔ کہ وہ لوگ اپنے مذہب کے زیر اثر آ جائیں۔ لیکن قرآن آیت ۲۷۲ میں اس طریق کی تردید کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ تمہارا کام وقت اور ضرورت کے مطابق مدد دینا ہے۔ مذہبی ہدایت کا کام جدا ہے۔ اور مدد کا جدا۔ خیرات جب احسان جتا کر کرنی ہی نہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا ہے۔ کہ ہماری خیرات ہمارے اپنے لئے ہے۔ اس کا اجر خدا نے ہمیں دینا ہے۔ تو محتاج سے ناجائز فائدہ پاتے یا اس پر کوئی دباؤ ڈالتے سے کیا ہم اپنے دان کی عظمت کو کم نہیں کرتے۔

۳۳۶- دان کے خاص مستحق

آیت نمبر ۲۷۳ میں ایک خاص قسم کے مستحق محتاجوں کا بیان کیا ہے۔ آیت کے الفاظ سے یہ دو طرح کے محتاج معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو قانع لوگ ہیں۔ جو بغیر کسی کو تکلیف دینے کے اپنا گذران کرتے ہیں۔ خود داری اور غیرت دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے انہیں مانع ہے۔ ایسے لوگ اگر جائز طور پر

دین کی حفاظت کرتے ہوئے کہیں گھر جاویں۔ اور خود کہیں جا کر کما نہ سکیں۔ نہ کسی اپنے رازداں سے مدد منگا سکیں۔ تو وہ واقعی امداد کے مستحق ہیں۔ دانا لوگ ان کو ان کی بول چال اور خاص صفات یا علامات سے پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے وہ مبلغ یا پبلک کارکن جو ایک طرف تو سخت مخالفتوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اپیلیں کرنے اور روپیہ مانگنے کے عادی نہیں۔ اگر ایسا کرتے ہیں۔ تو اپنا خود داری اور غیرت کا جذبہ نشٹ کرتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے انسٹی ٹیوشنوں کے ذمہ دار کارکنوں کی حالت ہے۔ کہ وہ پیشہ ور بھکاری بن چکے ہیں۔ اور ہر جایز ناجایز طریق سے روپیہ لاتے ہیں۔ قرآن ہدایت دیتا ہے۔ کہ فیاض طبع لوگ خود ایسے مستحق لوگوں کی پہچان کریں۔ اور انہیں مدد دے کر محض اپنے کام میں لگا رہنے دیں۔ انہیں اپنے دروازوں پر بلا کر ذلیل نہ کریں۔ ان کے علاوہ خاص قبیلہ دار قانع سفید پوش ہیں۔ جو ہر تنگی میں بھی سوال کرنے سے شرماتے اور تنگی اور دکھ سے زندگی کے دن کاٹتے ہیں۔ اہل دول کا فرض ہے۔ کہ ان کا بھی پتہ رکھیں۔ اور بے معلوم طور پر خفیہ انہیں مدد پہنچا دیں۔

۱۳۷۔ ویدک دان مریادا

ان آیات میں دان کی جو تفصیل دی ہے۔ وہ تمام کی تمام قدیم طریق ویدوت ہے۔ علم یا نیک ہدایت دینے والے برہمن اور سنیاسی سب سے بڑے دانی ہیں۔ اور ان کا فرض یہ ہے۔ کہ وہ بلا معاوضہ یا ذاتی غرض کے (نشکام بھاو سے) سب کو اُٹھاویں۔ مالی امداد کا کام دہرم سبھا والوں کا نہیں۔ یہ ویشیوں کا کام ہے۔ پس اگر کوئی مذہبی سوسائٹی فنڈ اکٹھے کرتی۔ اور لوگوں کو تبدیل مذہب کے لئے روپیہ کے زور سے تیار کرتی ہے۔ یا کسی اور ترغیب سے تو وہ برہمن اور سنیاسی کے دہرم کا خون کرتی ہے۔ منوسمرتی وغیرہ میں دان کے سارے پہلوؤں پر نہایت واضح طور پر بحث کی گئی ہے۔ کس کس موقعہ پر کس کس شخص کو سُپاتر کہا جا سکتا ہے۔ اور کون کون لوگ کس کس طرح سے سپاتروں کو مدد دے سکتے ہیں۔ کمائی کیسی ہو۔ طریقہ کیسا ہو۔ سب کچھ بتایا اور خلاصہ اس کی تعلیم کا یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

देशे च कालेच पात्रेच तद्दानं सात्विकं स्मृतं ।

یعنی سچا دان وہ ہے۔ جو مقام۔ موقعہ اور پاتر کو دیکھ کر دیا جاتا ہے۔ ستیارتھ پرکاش میں سوامی جی ایک طرف سُپاتر اور کُپاتر (مستحق اور غیر مستحق) کی بڑی واضح تفصیل بیان کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف دانیوں کے بھی مختلف قسم بتاتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کا دانی آپ اس کو کہتے ہیں۔

"جو مقام وقت اور مستحق کو جان کر علوم حقیقی اور دہرم کی ترقی کی خاطر سب کی بھلائی کے لئے دے"۔

غرضیکہ سچی خیرات سے کسی ذاتی غرض یا ناجایز فائدے کا خواہ وہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی تعلق نہیں رکھا گیا۔ وید ہر انسان کو کل دنیا کا ایک عضو قرار دیتا ہے۔ اور انسان ہی کیا کل حیوانات تک کے مفاد کے لئے اپنی زندگی اور تمام مقدور کو وقف رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یگیہ کا بیان جو کچھ وید میں ہے۔ اس کے رو سے یگیہ تمام نیک کاموں پر حاوی ہے۔ خدا کی عبادت علم کا حصول عالموں اور والدین وغیرہ بزرگوں کی خدمت وغیرہ ہی کیا کل بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہدایت دیتا ہے۔ ہون یگیہ اور اشاعت علم وہ ہرم کے کام کرنے اور خانگی حیوانات کیا پرندوں اور کیڑوں تک کی پرورش کے لئے بھی توجہ دلاتا ہے۔ روز کرنے کے لائق پانچ یگیوں میں بھی ایک بلی ویشو دیو یگیہ ہے۔ غرضیکہ منوسمرتی ادھیائے ۳

شلوک ۲۲۳، تا ۲۳۵ میں جو ہدایت ہے۔ وہی قرآن کی آیات میں ہے۔ اسی میں شیریں کلامی سے اور عزت و خاطر سے دان دینے کی ہدایت ہے۔ اور شلوک ۲۳۴ میں دان کا پھل یہ بتایا ہے۔

येन येन तु भावेन यद्यद्दानं प्रयच्छति ।

तत्तत्तेनैव भावेन प्राप्नोति प्रतिपूजित: ॥२३४॥

یعنی جس جس نیت سے جو جو خیرات کرتا ہے۔ اسی اسی بھاو سے عزت اور خاطر سے بدلہ پاتا ہے۔ ایسے ہی منوسمرتی ادھیائے ۲ میں ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے عالمان وید اور تارک الدنیا لوگوں کو مدد دے۔ تاکہ ایسے بے غرض کام کرنے والے صحیح طور پر فیض عام کے کاموں کو کامیاب کر سکیں۔

۳۳۸۔ ربا

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ
الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ
۲۷۵ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ یَمْحَقُ اللّٰهُ
۲۷۶ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
۲۷۷ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۞ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا
۲۷۸ بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
۲۷۹ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۞
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع

جو لوگ رباخوار ہیں۔ وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے۔ جنہیں شیطان نے چھوکر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ ان کے اس کہنے کا نتیجہ ہے۔ کہ ربا تو بس بیع کی ہی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور ربا کو حرام۔ پس جس کے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پہنچی۔ اور وہ باز آگیا۔ تو جو پہلے لے چکا وہ اس کا۔ یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ مگر جو پھر بھی ربا لیں۔ تو سمجھ لو۔ وہ دوزخی ہیں۔ وہ تو بس وہیں کے ہو چکے ۲۔ اللہ ربا کو مٹاتا اور صدقات کو بابرکت کرتا ہے۔ وہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا ۳۔ تحقیق جو لوگ حق کو قبول کرتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ عبادت کے پکے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ انہیں ان کے رب کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ اور نہ انہیں خوف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نہ رنج سے ۴۔ اے حق پسندو اللہ کا خوف کرو۔ اور اگر مومن ہو تو ربا میں سے جو کچھ باقی رہا ہے۔ چھوڑ دو ۵۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی ہے۔ اور اگر باز آجاؤ۔ تو تمہاری اصل رقم تمہیں مل جائے۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ کوئی تمہارا نقصان کرے ۶۔ پھر مقروض تنگدست ہو۔ تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اور اگر بخش ہی دو تو تمہارے لئے اور بھی اچھا ہے ۷۔ اور موت کے دن سے ڈرو۔ جس میں سب کا اللہ کی طرف ہی رجحان ہوتا ہے۔ تب ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ کسی سے بے انصافی نہ ہو گی ۸۔

۳۳۹ - سود ربا کا صحیح مفہوم نہیں

ربا۔ ربو کے لغوی معنے ہیں فزونی و فزون شدن۔ و برآمدن بر بلندی و تاسہ برافتادن۔ (صراح) یہ صحیح ہے۔ کہ مروجہ سود بھی ایک بڑھوتری ہی ہے۔ مگر قرآن کی ان آیات میں مروجہ سود کو حرام مانا جاوے۔ تو اس کا اثر تجارت پر ایسا پڑ سکتا ہے۔ کہ قرآن کی مطلوبہ تجارتی ترقی میں ہی روک ہو۔ بینک کو قرضہ دینے والا سود نہ لے اور بینک اس سے تجارتی کام جاری کر کے منافع لیتا رہے۔ یہ شرط انصاف نہیں ایک شخص قرضہ لے کر عالی شان مکان بنوا لے۔ اور اسے لاگت سے دُگنے تگنے داموں پر کسی مالدار کے پاس بیچ کر دے۔ مگر جس نے اسے روپیہ قرض دیا۔ وہ سود نہ لے۔ یہ شرط انصاف نہیں۔ ایسا ہی کسی طرح کی تجارت میں جو لوگ قرضہ پہ روپیہ لے کر لکھوکھا روپیہ کمائیں۔ وہ قرضخواہ کو کچھ منافع نہ دیں۔ یہ قرآن کا منشا ہو نہیں سکتا۔ پس ربا وہ بڑھوتری ہے۔ جو مقروض پر ظلم کی حد تک پہنچتی ہے۔ مثلاً کسی کو نہایت غرضمند پا کر اور کسی طرح اور انتظام کے اسے ناقابل جان کر سو روپیہ دینا اور ڈیڑھ یا دو سو لکھوا لینا۔ پھر اگر میعاد کے اندر ادا نہ ہو۔ تو راس المال میں اور ایڈادی کروا لینا یا سود کو ساتھ شامل کر کے سود در سود چارج کرنے لگنا۔ غرضیکہ جو شخص مصیبت میں مبتلا اور شریف ہونے سے اپنی پردہ پوشی چاہے اُسے زیادہ سے زیادہ قابو کرتے جانا ربوا کا صحیح مفہوم رکھتا ہے۔ حدیثوں میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ اور ربا کی تفسیر ہم سے نہیں فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ اسی وجہ سے ربا کے متعلق بہت سا اختلاف خیال ہے۔ تاہم اگر غور کیا جاوے۔ تو مطلب صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مذہبی اور اخلاقی ترقی میں لین دین کے متعلق جو بڑھوتری مانع ہو سکتی ہے۔ وہ ربا ہے۔ اور آنحضرت کا نکتہ نگاہ گو ہر کہیں یہ ہے۔

مگر آیات بالا میں تو اس کے سوا ہو نہیں سکتا۔ اگر سود کا مفہوم لیا جاوے۔ تو اس کے معنے تو ہیں منافع اور منافع کل انسان ہمیشہ اپنی دولت زمین وخرید وفروخت وغیرہ سے اٹھاتے چلے آرہے ہیں۔ اور قرآن تو دنیاوی دولت کے بجا استعمال سے آخرت کا منافع پانے کی بھی پرزور تلقین کرتا ہے۔ پس سود یا منافع کی حرمت یہاں مقصود نہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ اگر سود قطعاً منع ہو جاوے۔ اور سوسائٹی کی حالت اس قدر بلند ہو جاوے کہ وہ اپنی دولت سے دوسروں کو اپنی مشکلات کے دور کرنے کا موقعہ دیں۔ تو اس سے زیادہ بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں تمام اناج۔ مکان پھل وغیرہ کے بھی کوئی شخص دوسرے سے دام چارج کرنے کا حقدار نہیں رہیگا۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل قبول ہے۔ کہ سود خوار لوگ بعض صورتوں میں ایسے غرض باولے ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں ہمدردی وغیرہ کا خیال نہیں رہتا۔ اور اپنا روپیہ اگر کارِ خیر میں دینے لگیں۔ تو انہیں یہی خیال آتا ہے۔ کہ ہم سو روپیہ کیا دیں گے۔ اپنا ہزاروں کا نقصان کریں گے۔ کیونکہ قرضہ پر دیا ہوا دس بیس سالوں میں ہی ہمارا روپیہ بہت بڑھ جائیگا۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ سود خوار لوگ خود کمانے کے عادی نہیں رہتے۔ دوسروں کی کمائی کا خود ہی بھگتان کر لینا ان کو زیادہ مدنظر رہتا ہے۔ اور اکثر ان کے ظلم سے تنگ آکر مقروض ان کی جان تک لینے کے بھی منصوبے کرتے ہیں۔ مگر ان تمام قباحتوں میں سود کے اصولی طریق کی ذمہ داری نہیں۔ تعلیم کی کمی یا صحیح طریق پر دیوہار کا نہ سیکھنا سکھانا اس کی اصل وجہ ہے۔ پس اس قسم کے معنے تعین کرتے جن پر دو طرح کی تاویل ہو سکے صحیح نہیں۔ ہاں آنحضرت کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ اس کے لئے آیت ۲۶۱ کا مضمون ہمیں پہلے پہل صحیح رہنمائی دیتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گیا ہے۔ ایک دانہ بو کر صد ہا دانے پانا۔ اور اس فراخی والے علیم کل خدا کی برکت کا مستحق ہونا آیت ۲۶۲ میں یہ کہا۔ کہ راہِ حق میں خرچ کر کے احسان نہ جتاؤ۔ اس کی وجہ سے کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ آیت ۲۶۳ میں کہا راہ حق میں خرچ کرتے ہوئے الفاظ بھی میٹھے اور بامروت بولو۔ غرور میں آکر کسی کی مدد کے وقت نا ملائم یا دکھنے والے الفاظ کہنا یا محتاج مسکین کی مدد کرتے ہوئے خفیہ ظلم کو روا رکھنا ٹھیک نہیں۔ بوڑھا باپ ہو۔ بچہ ابھی معصوم ہو۔ اور اس کا بڑا پھلا پھولا اور لہلہاتا باغ جس پر وہ ان معصوم بچوں کے گذارے کی امیدیں بنائے بیٹھا ہے۔ ایک دم آگ کی نظر ہو جاوے۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات کیا ہو گی۔ اس مثال سے سمجھایا یہ گیا ہے۔ کہ جس اولاد کے لئے پاپ اور ظلم سے کماتے ہو۔ خدا کے حکموں کے خلاف چل کر تم اسے پال نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ساری کمائی اس وقت برباد ہو جاوے۔ جب تم خود کمانے کے قابل نہ رہو بوجہ بڑھاپے کے۔ اور اولاد ابھی یوں معصوم ہو۔ ایسا ہی راہِ حق کے علاوہ خرچ کرنے کے لئے یہ مثال بھی دی ہے۔ کہ حرام یا ظلم کی کمائی سے فائدہ کیا۔ چٹان پر مٹی پڑی ہو۔ اس میں بیج ڈالا جاوے۔ تو جب مینہ برستا ہے۔ مٹی اور بیج دونوں کو بہا لے جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرح پر اس مقصد کی تکمیل کے لئے زور دیا گیا ہے۔ کہ مال راہِ حق میں اور مستحق لوگوں کی مدد میں خرچ ہو۔ اس کے بعد اس امر کا بیان کرنا ضروری تھا۔ کہ اپنے مال ودولت کو راہِ حق میں خرچ نہ کر کے جو لوگ اس کی بدولت امداد کے قابل لوگوں پر ناجائز قسم کے لین دین سے ربا کا بوجھ ڈالتے جائیں۔ انہیں اس سے روکا جاوے۔ چنانچہ آیات زیر بحث میں فرمایا ہے۔ کہ جو ان سے لے چکے اس کا انصاف خدا پر ہے۔ آیندہ اس بڑھوتری کو چھوڑ دو۔ اصل وصول کر لو۔ اور اگر فوراً نہ مل سکے۔ تو مہلت دے دو۔ اور جو ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ اُسے بخش دو۔ تو بھی تمہاری مروت سے یہ بعید نہیں ہو سکتا۔ پس تجارتی ترقی کے مانع کسی امر کا یہاں تعلق

نہیں۔ سرمایہ داروں کو ظلم کی غار سے نکل کر ہمدردی اور معاونت کی اس بلندی پر پہنچنے کی تلقین کی ہے۔ جس پر لگایا ہوا باغ تیز سے تیز بارش سے بھی ضروری فائدہ پالیتا ہے۔ اور ہلکی سے ہلکی بارش کو بھی جذب کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ربا یا ظلم کی کمائی سے پھلنا پھولنا محض عارضی اور نمائشی ہے۔ اور راہِ حق کی کمائی سے دوسروں کا بھلا کرنا اور ایک ایک دانے سے سو سو دانے پانا اور خدا سے برکت پانے کا مستحق ہونا ہی صحیح طریق کار ہے۔

۴۰۳۔ صدقات

ربا لفظ آیت ۲۷۵ میں تو بیع کی ضد ہے۔ اور ۲۷۶ میں صدقات کی ضد ہے۔ بیع کے معنے خرید فروخت۔ یہ تو حلال ہے۔ اور ربا کے معنے جو حرام ہے۔ سود لئے جائیں۔ تو یہ صحیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مفہوم یہ ہے۔ کہ باقاعدہ تجارتی لین دین حلال ہے۔ اور اس کے برخلاف حرام۔ سود کی مقررہ شرح باقاعدہ تجارتی لین دین ہے۔ ایک شخص روپیہ لگاتا ہے۔ دوسرا اس روپیہ کے ساتھ محنت کرتا ہے۔ اگر وہ دونوں نفع نقصان کی شراکت کر لیں۔ تو بھی روپیہ دینے والا نصف منافع کا حقدار ہے۔ لیکن اگر محنت کرنے والا اس کے منافع کے حق کو خود رکھے۔ تو اس کے عوض میں وہ ایک مقررہ سود دے سکتا ہے۔ پس ربا کا لفظ محض اس بے قاعدہ بڑھوتری پر عاید ہوتا ہے۔ جو بددیانتی سے کی ہے۔ اور لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی۔ یہ وجہ اس کے گناہ سمجھے جانے کی۔ سود بھی مناسب حد سے زیادہ ہوتے پر ربا میں شمار ہو سکتا ہے۔ مگر آیات زیر بحث والا لفظ ربا اور سود مترادف نہیں ہو سکتے۔ دوسری طرف صدقات سے مراد راہ حق میں خیرات دینا یا پاک مد کرنا ہے۔ اس کے مقابلے میں شیطانی یا ناپاک مد ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے محض بغیر دیئے کچھ رقم مارنا یا قرضہ میں بڑھانا۔ پس ربا کی تکذیب کرنا اور صدقات کو بابرکت کرنا محض یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ سرمایہ دار اپنے غریب بھائیوں کے ہمدرد بنیں اور ان کی امداد کو راہِ حق میں خرچ کرنا سمجھیں۔ اور غریب اور امیر کا آپس میں ایسا تعاون ہو۔ کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ وید میں ہر کام کے متعلق جو فریق ہوں ان کو باہم متحد ہو کر کام کرنے کی ہدایت ہے۔ والدین اور اولاد۔ گورو اور شاگرد۔ راجا اور رعیت۔ خاوند اور بیوی۔ مالک اور مزارعہ وغیرہ وغیرہ کے جوڑے اور اسی طرح قرضخواہ اور مقروض یا دوکاندار اور گاہک کس اصول پر باہمی سلوک کا مدار رکھیں۔ یہ اس منتر میں واضح کیا گیا ہے

स्वस्ति पन्थामनुचरेम सूर्य्याचन्द्रमसाविव ।
पुनर्ददताघ्नता जानता संगमेमहि ॥

اس میں اول تو یہ بتایا ہے۔ کہ سب انسان ایسے طریق پر باہم دیوہار کریں۔ جو فریقین کے لئے سلامتی کا موجب ہو۔ دوم یہ کہ سورج اور چاند وغیرہ اجرام فلکی کی گردش کو اپنا رہنما بنا دیں۔ اپنا فرض سب اپنے اپنے رستے پر گردش کر کے پورا کئے جاتے ہیں۔ مگر باہم ٹکراتے نہیں۔ مطلب یہ کہ شراکت ہو یا قرض کا دین لین صحیح طریق پر کام ہو تو کبھی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ جو کچھ کسی سے لیا جاوے۔ مناسب اور موعودہ طریق سے شکریہ کے ساتھ واپس کیا جاوے۔ چوتھے یہ کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچا دے۔ پانچویں یہ کہ گیان یا علم کی رہنمائی میں دیوہار ہو۔ برے استعمال یا ناجائز فایدہ اٹھانے سے پورا پرہیز کیا جائے۔ اور چھٹے یہ کہ مجموعی حالت یا اتفاق با میل کو کبھی نظر انداز نہ کیا جاوے۔ یہی ہدایت قرآن سورہ یٰسین آیت ۳۸ تا ۴۰ میں دیتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

سورج اپنے مقررہ رستے پر چلا جاتا ہے۔ جو اس کے مالک (عالم کل) نے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور چاند کی منزلیں بھی مقدر ہیں۔ حتیٰ کہ وہ کھجور کی پرانی سوکھی شاخ سا بھی ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند میں مزاحم ہو۔ اور نہ رات دن میں مزاحم ہوتی ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں چل رہے ہیں۔

غرضیکہ وید اور قرآن دونوں بالاتفاق نیک نیتی اور ایمانداری سے ایک دوسرے کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح طریق پر اپنا فرض ادا کرنا جانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کسی بھی کام کے متعلقہ فریقوں کی باہم کشیدگی نہ ہو۔ اور ایسے ہی مالی لین دین میں بھی کوئی ذریعہ مہیا نہ ہو۔ جس سے فریقین کے مفاد میں باہمی کشیدگی پیدا ہو۔ چونکہ ربا اس کشیدگی کی لازمی وجہ ہے۔ اس لئے اس کو خدا مٹاتا اور صدقات یعنی اپنے مال سے دوسروں کو فیض پہنچانے کو مبارک بناتا ہے۔

۳۴۱-قرض

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ ۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ۲۸۲

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۞ ۲۸۳ ع ۳۹/۲

اے ایمان لانے والو جب تم مقررہ میعاد کے لئے ادھار کا لین دین کرو۔ تو اسے لکھ لیا کرو۔ تمہارے درمیان میں انصاف سے لکھنے والا کاتب ہو۔ جس کو واجب ہے۔ کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح سے اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ اس طرح سے لکھ دیا کرے۔ اور جس پر حق ہے۔ وہ بول کر لکھوایا کرے۔ اور اللہ کا خوف کرے کہ وہی اس کا مالک ہے۔ اس میں وہ کوئی کاٹ چھانٹ نہ کرے۔ ------

------ اور اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل ضعیف یا مطلب واضح کرنے سے قاصر ہو۔ تو اس کا ولی صحیح صحیح لکھواتا جائے۔ اور دو مرد گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ اور اگر دو مرد گواہ نہ کر سکو۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں کرو۔ تاکہ ایک بھول جائے۔ تو دوسری اسے یاد کرا سکے۔ اور جب گواہوں کی طلبی ہو تو وہ انکار نہ کریں۔ پھر معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک نہایت انصاف کی بات ہے۔ اور شہادت کو مضبوط بناتی ہے۔ اور شبہات دور کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ ہاں اگر نقد دام لے کر دست بدست سودے کا لین دین ہو۔ تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر بھی جب خرید فروخت کرو۔ گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ مگر کاتب یا گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جاوے۔ اور اگر ایسا کیا جاوے۔ تو یہ تمہاری طرف سے شرارت یا گناہ ہوگا۔ اور اللہ کا تقویٰ رکھو۔ کہ وہی تم کو علم دیتا ہے۔ اور وہی کل چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ۱

اور اگر سفر میں ہو اور کاتب مل نہ سکے۔ تو رہن باقبضہ کرو۔ یا ایک دوسرے کا اعتبار کرو۔ تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ اپنی امانت کر دے۔ اور اللہ سے ڈرتا رہے۔ جو اس کا مالک ہے۔ اور گواہی کو چھپاؤ نہیں۔ جو چھپاتا ہے۔ وہ اپنے دل کو گناہگار بناتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ ۲

۲۴۳۔ قانونی یا اخلاقی دونو پہلو!

جہاں ربا حرام ہے۔ وہاں باقاعدہ لین دین کی کھلی اجازت ہے۔ اور ان دو آیتوں میں قرض کے متعلق قانونی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے ہدایت دی ہے۔ (۱) قرض کا لین دین مقررہ میعاد کے لئے ہو۔ تاکہ

مقروض پر قرضخواہ تاخیر کا جھوٹا الزام نہ لگا سکے۔ نہ مقروض کو وقت ادائیگی کے متعلق شبہ یا تاخیر کی جرأت ہو۔ (۲) قرض کا لین دین تحریری ہو۔ تاکہ مقروض کی نیت میں فرق آئے یا اس کی موت ہو جاوے۔ تو وزندار قانونی شہادت موجود ہو۔ اور اخلاقی دباؤ بھی کارگر ہو سکے۔ (۳) قرض کا دستاویز کاتب سے لکھوایا جائے۔ (۴) اور کاتبوں کا فرض ہے۔ کہ جیسا لکھنا انہیں آتا ہو۔ اس سے اس خدمت کی بجا آوری سے انکار نہ کریں۔ (۵) لکھانے والا وہ فریق ہو۔ جس نے قرض لیا ہو۔ کیونکہ اسی نے شرائط کی پابندی سے روپیہ لوٹانا ہے۔ اس لئے قرض دینے والے سے طے شدہ امور کو وہ خود لکھوائیگا تو اسے ہر امر کا مناسب خیال بھی رہیگا۔ اور قرض دہندہ کو آج کل کے کئی لوگوں کی طرح اپنے مطلب کی تحریر لکھنے یا لکھوانے کا موقعہ نہ ملیگا (۶) مقروض اگر ناخواندہ ہو تو کاتب دوسرے فریق کی رعایت کر کے الفاظ میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ اس لئے کاتب کو خدا کا خوف دلایا۔ اور کانٹ چھانٹ سے روکا گیا ہے۔ (۷) مقروض ان پڑھ ہو۔ یا کم سن یا کم عقل یا ضعیف۔ اور کاروبار کی مشق نہ ہونے سے اپنا مطلب پورے طور پر ادا نہ کر سکے۔ تو اس کا ولی یا سرپرست تحریر کرادے نابالغوں کا تو بالخصوص ولی ہی کارکن ہوتا ہے۔ (۸) شہادت کے لئے دو گواہ بھی ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ بصورت تنازعہ دو کا بیان زیادہ معتبر ہو سکتا ہے۔ اور دو دیانتوں سے سمجھدار منصف اچھی طرح وزندار نکات کو سمجھ سکتا ہے۔ (۹) بعض صورتوں میں دو مرد شہادت کے لئے نہیں مل سکتے۔ اور بعض وقت عورت کی شہادت لازمی ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی شرط کی گئی ہے۔ کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ عورت ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ عورتیں محض گھر کے کام میں لگی رہنے سے لین دین کا تجربہ نہیں رکھتیں۔ اس لئے ان کا تفصیل کو بھول جانا زیادہ اغلب ہے۔ اور ایسی صورت میں ایک کی بھولی ہوئی بات دوسری عورت یاد کرا سکتی ہے۔ (۱۰) جیسے کاتب کا فرض ہے۔ کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ ویسے ہی گواہوں کا فرض ہے۔ کہ طلب کیا جانے پر حاضری سے انکار نہ کریں۔ اور دستاویز لکھانے کی قدر شہادت پر ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ معتبر شہادت سمجھی جاتی ہے۔ اور شبہات یا قیاس آرائی کی ضرورت نہیں رہتی۔ (۱۱) نقد دام پرتنے کے لین دین میں تحریر لازمی نہیں۔ کیونکہ تحریر کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ (۱۲) تاہم ایسی صورت میں بھی شہادت سے ہر ممکن غلط فہمی کا امکان جاتا رہتا ہے۔ (۱۳) جہاں کاتب اور گواہ پر پابندی ہے۔ وہاں فریقین پر بھی فرض ٹھہرایا ہے۔ کہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں شہادت میں بلائیں تو ان کا معاوضہ دیں۔ ان کی سچی شہادت جس کے خلاف جائے۔ وہ ان سے کینہ نہ رکھے وغیرہ (۱۴) سفر وغیرہ میں کاتب نہ مل سکے۔ تو بغیر لکھائے بھی قرضہ دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں رہن یا قبضہ اچھا ہے۔ زیور وغیرہ گروی رکھ کر روپیہ دیا جا سکتا ہے۔ (۱۵) خالی اعتبار پر قرضہ دیا جائے۔ تو خاص طور پر مقررہ وقت پر یا اس سے پہلے امانت واپس کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس طریق سے بغیر کسی وقت کے باہمی لین دین ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر بے اعتباری بڑھتی اور ضرورت کے وقت تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان سب قواعد سے بڑھ کر لین دین میں جو خدا کا خوف دل میں رکھنے کی ہدایت ہے۔ وہ سب کو فرض کے پورا کرنے پر متوجہ رکھتا ہے۔

۳۴۳۔ خاتمہ سورۃ و دعا

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

۲۸۴ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ ۲۸۵ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾ ۲۸۶ ع ۴۰

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ تم خواہ اسے ظاہر کرو۔ خواہ چھپاؤ۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ اور جسے مناسب ہوگا۔ بخشے گا۔ جسے چاہے گا عذاب دیگا۔ کیونکہ وہ ہر بات پر قادر ہے ۱۰ - رسول اس پر ایمان لاتا ہے۔ جو اس پر اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور مومن سب اللہ۔ اس کے فرشتوں۔ اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ کسی ایک (رسول) کی تعلیم میں بھی فرق نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم (تیری ہدایت) سنتے اور اس کی ہی اطاعت کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کی ہی مغفرت چاہئے۔ کیونکہ آپ ہی ہماری منزل مقصود ہیں ۲۰ - اللہ ہر ہستی پر اس کی طاقت کے مطابق ہی ذمہ واری ڈالتا ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے۔ جو اس نے کمایا ہے۔ اور اس پر وہی کچھ پڑیگا۔ جو اس نے پایا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم سے سہو و خطا ہو جائے تو ہم سے اس کا مواخذہ نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے پہلے لوگوں پر جو عذاب پڑا اس سے ہمیں بچا اور اے ہمارے مالک! ہم سے وہ کچھ نہ اٹھوا۔ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہاں ہم کو معاف فرما۔ ہم پر مغفرت کر۔ ہمارے رب ہم پر رحم فرما۔ آپ ہی ہمارے مالک یا ہمارے نجات دہندہ ہیں۔ سو آپ ہی ہمیں کافر لوگوں پر فتح نصیب کریں۔

۳۴۴ - خلاصہ	ان تینوں آیتوں میں ایک طرح سے سورہ بقر کی تعلیم کا لب لباب پیش کیا گیا ہے - آیت ۲۸

ہیں تو یہ بتایا ہے۔ کہ اے انسانو! یاد رکھو۔ کہ جو کچھ بھی کائنات عالم میں ہے۔ آسمان و زمین سب اس خدا کی ملک اور اس کے زیر نگین ہے۔ جو قادر مطلق ہے۔ تم فعل کرتے ہو۔ وہ اس کا اجر دیتا ہے۔ اس کے قانون انصاف کو اس کے طاقت کل ہونے سے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ تمہارے اعمال تمہارے نفس میں منقش ہیں۔ تم ان کو جو اپنے خیال میں ٹھیک سمجھتے ہو۔ ظاہر کرتے ہو۔ اور جن کے ظاہر کرنے سے تمہیں نقصان کا احتمال ہے۔ انہیں لوگوں سے چھپا کر مواخذہ سے بچ جاتے ہو۔ لیکن انصاف ایزدی میں یہ حکمت کارگر نہیں ہو سکتی۔ وہ کل ظاہر اور پوشیدہ عملوں کا حساب کرتا ہے۔ اور جو اس کی بخشش یعنی اعلیٰ زندگی یا نجات کا اہل ہوتا ہے۔ اسے بخشتا ہے۔ اور جو عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے عذاب دیتا ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ کے معنے جو یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ "جسے چاہے" اس میں غلط فہمی کی گنجائش ہے اگرچہ باریک بین لوگ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ اسی کو راحت دینا چاہتا ہے۔ جن کے اعمال نیک ہیں۔ اور انہی کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ جو بدعمل ہیں۔ تاہم شایاں یا مناسب یا اہل ہونا کے لفظ ترجمے میں لکھنے سے عام لوگ یہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ خدا کے ہاں انصاف کے علاوہ سزا جزا کا ملنا ناممکن ہے۔

۲۔ اس قانون عمل سے بجا طور پر فائدہ پانے کے لئے ہدایت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے آیت ۲۸۵ میں نہایت معقول توضیح کی گئی ہے۔ کہ رسول یا رشی لوگ تو خدا سے نازل ہوئے علم کو مانتے ہیں۔ اس رشیؔ ہیں جن میں وہ ان کے روح یا دل پر ظاہر ہو۔ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ کا مطلب یہ نہیں۔ کہ ایک رسول کی آزاد شخصیت پر مخصوص اور نئی صداقت نازل ہوتی ہے۔ بلکہ کوئی بھی رسول یا رشی ہو۔ وہ خدا کے جس سچے علم کو حاصل کرتا ہے۔ وہی یہاں مقصود ہے۔ ویدک دھرمی لوگ کہتے ہیں۔ رشی منتر درشٹا ہیں۔ یعنی الہام الٰہی کے الفاظ پہ سمادھی یا انتہائی یکسوئی اور روح و من کی یکجہتی سے غور کرتے اور اصل معانی کو دیکھتے ہیں۔ ان کا اطمینان ہو ہی اسی طرح سکتا ہے۔ پس وہ ایسی منکشف ہوئی صداقتوں کو مانتے ہیں۔ اور عام نیک اور دھرماتما لوگ بھی بہت ذریعوں سے ہدایت پاتے ہیں۔ اول تو اللہ سے کہ اس کی یاد کرنے سے ہی نیکی اور علم کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ دوسرے کل دنیا کی اشیا سے جو ملائکہ کہلاتی ہیں۔ یہ ہر وقت زبان حال سے خدا کی حمد کے گیت گاتے یعنی خدا کی صنعت کاملہ اور حکمت بالغہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اور نیک عالم انسان بھی فرشتے یا دیوتا ہیں۔ ان کی صحبت سے بھی ہدایت ملتی ہے۔ اچھے خیالات والا اپنا من بالخصوص ہر شخص کو ہدایت دیتا ہے۔ تیسرے اللہ کی الہامی کتابیں ہر انسان کو علم اور ہدایت دینے کے لئے سب سے مقدم اور آخری سند ہیں۔ ان کے مطابق جو رشی کتابیں لکھتے ہیں۔ وہ بھی شبد پرمان ہیں۔ اور چوتھے رسولوں کی وعظ اور ان کے پاک جیون سے بھی ہدایت ملتی ہے۔ (۳) یہ بیان دراصل منو سمرتی کے اس شلوک کا قائمقام ہے (۲-۱۲)۔

वेदः स्मृतिः सदाचारः स्वस्य च प्रियमात्मनः।

एतच्चतुर्विधं प्राहुः साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम् ॥ १२॥

وید (کتب الٰہی) سمرتی (کتب رشی وغیرہ مثلاً) سداچار (عالم باعمل کا وعظ اور عمل) اور اپنے آتما کو جو پیارا ہو یا ضمیر کی آواز یہ چار دھرم کے صریح چار معیار ہیں۔

۴۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ کل رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہ کرنا سے یہ اصول سمجھایا گیا ہے۔ کہ سارے سچے رشی عالمگیر اصولوں کی ہدایت دیتے ہیں۔ جن میں بہ مصداق سوسیانے اکومت۔ اختلاف نہیں ہوتا۔ مہرشی دیانند سلمہ

اور غیر مسلم باتوں کا بیان کرتے ہوئے بخوبی واضح کرتے ہیں۔ کہ وید وغیرہ سچے شاستروں کے اصول ہی برہما سے لے کر جیمنی تک سب رشی منی مانتے آئے ہیں۔ وہ تینوں زمانوں میں یکساں ماننے کے لائق ہیں۔

عام مسلمان اس قسم کی آیات کا یہ مفہوم لیتے ہیں۔ کہ کشادہ دلی سے سب نبیوں کو ایک سی عزت دینی چاہیئے۔ یا یہ کہ ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن انصافاً یہ دعوےٰ صحیح نہیں۔ نہ قرآن کا یہ منشا ہے۔ بلکہ عالمگیر اصولوں کی عظمت جتانا یہاں مقصود ہے۔ ساتھ ہی یہ یجروید ادھیائے ۱۱ منترہ ۵ کی خاص عالمگیر امن اور اتحاد کے قائم کرنے والی تعلیم کی ہی باز گشت ہے۔

۵- آیت ۲۸۵ کے آخری حصے میں دعا کی صورت میں نہایت اعلےٰ صداقت کو نقش کیا گیا ہے۔ کہ الہامی کتب۔ ان کے مطابق عالم باعمل لوگوں کی تصنیفات۔ کائنات عالم یا اپنی اندرونی پاکیزگی ہر ذریعے سے خدا کو جانو۔ اس کی ہدایت کو سنو۔ اور اسی ہدایت کے مطیع۔ اسی منزل مقصود کی طرف مائل اور کوشاں رہو۔ وید منتر میں ہے۔

वेदाहमेतं पुरुषं महान्त मादित्यवर्णं तमसः परस्तात।

तमेव विदित्वाति मृत्युमेति नान्यः पन्था विद्यतेऽयनाय ॥ १८॥

اس میں ایک تو ایشور کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ سب سے عظیم روشنی مجسّم تاریکی وغیرہ سے پاک ہے۔ اسی کو جانو اور اسی کو مانو۔ کیونکہ وہی منزل مقصود ہے یا اسی کی ہدایت پر عمل کرنے سے نجات ملتی ہے۔

۶- ۲۸۶ آیت میں پھر پورے زور سے کان کھول دیئے ہیں۔ کہ اللہ جو کچھ دیتا ہے۔ قابلیت کے مطابق دیتا ہے۔ جس میں جتنی طاقت ہے۔ اتنا ہی اس پر بوجھ رکھتا ہے۔ دولت۔ مکان رشتہ دار گورو وغیرہ کا کوئی ذریعہ تمہاری تقدیر میں دخل نہیں دے سکتا۔ محض اعمال پر ہی تمہارا انحصار ہے۔ نیک عمل کرو گے تو خود ہی پھل پاؤ گے۔ اور بُرے عمل کرو گے۔ تو خود ذمہ وار ہو گے۔ بس نیک عمل کرو۔ اور خدا سے دعا مانگو۔ یہی کامیابی کا خاص راستہ ہے۔

۷- دُعا یا پرارتھنا کے متعلق آیت نمبر ۲۸۶ میں خاص قیمتی رموز بیان ہوئی ہیں۔ اوّل یہ کہ جو سہو یا بھول سے گناہ ہو۔ اس کے لئے معافی یا کھشما مانگی جاوے۔ (وَاعْفُ عَنَّا) اس کے متعلق مواخذہ نہ ہونا اس اصول کا مفہوم رکھتا ہے کہ مجرمانہ نیت کی عدم موجودگی بریت کا موجب ہے۔ جو گناہ حکم الٰہی کا علم رکھتے ہوئے نافرمانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے وَاغْفِرْ لَنَا یعنی ہم کو ایسی توفیق عطا کر۔ کہ ہم نافرمانی سے بچیں۔ اور (سورۃ فاتحہ والے) مغضوب علیہم والضالین کی زد میں آنے والے لوگوں کی ذیل میں شامل نہ رہیں۔ اور جو گناہ ممکن الوقوع ہے۔ اس سے دکھ مل سکتا ہے۔ انسان دکھ کو سہارنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دکھ میں رونا چلانا یا دردناک صورت پیش کرنا سب ظاہر کرتا ہے۔ کہ ہم میں اس کے لئے طاقت برداشت نہیں۔ سو اس کے لئے ایشور سے رحم کی درخواست ہونی چاہیئے کیونکہ رحم یا دیا کا تقاضا راحت کے سامان دیتا ہے۔ اس دعا کو مانگنے والا تمام طاقتوں اور ان کے بجا استعمال کرانے والے علم کے حصول سے گناہ سے بچا رہتا ہے۔ اور دکھ اس کے نزدیک نہیں آتا۔

(۸) یہ دعا ہو بہو رگوید ۱۰-۱۶۴-۳ کا مضمون ہے۔

यदाशसा निःशसाभिशसोपारिम जाग्रतो यत्स्वपन्तः।

अग्निर्विश्वान्यप दुष्कृतान्यजुष्टान्यारे अस्मद्दधातु ॥३॥

اے پرمیشور! نادانستہ - دانستہ یا بدصحبت سے کیا حالت بیداری اور کیا خواب میں جو بھی ہم سے اپرادھ ہوں - ان سب قابل نفرت بد اعمال اور بُرے خیالات کو ہم سے دور ہٹائیے " آیت میں سہو یا خطا پر مبنی گناہ کے لئے دعا ہے - تو یہاں بھی نادانستہ یا حالت خواب کے گناہ ہیں - اور پہلے لوگوں کو جن گناہوں سے سزا ملی - اس قسم کے ہمارے گناہ دانستہ اور حالت بیداری کے گناہ ہیں - اور بُری صحبت سے ہونے والے گناہ وہ ہیں - جنہیں ہم نے حملن الو قوع کہا ہے - ان تینوں قسم کے گناہوں کو دور کرنے کے لئے وید میں کہا ہے -

अज्ञुष्टानि अस्मत आरे अपद धातु

ناکردنی گناہوں کو ہم سے دور رکھیے - اس میں अज्ञुष्टानि لفظ تینوں قسم کے گناہوں کے لئے ہے - اور معافی مغفرت اور رحمت تینوں لحاظ سے ان گناہوں کو دور رکھنا ہی مدعائے دعا ہے - یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۳ میں بھی سب قسموں کے پاپوں یا اپرادھوں کی دوری کے لئے دعا ہے -

विश्वानि देव सवितर्दुरितानि परासुव यद्भद्रं तन्न आ सुव ॥ ३॥

اس میں परासुव لفظ میں معافی مغفرت اور رحمت کے تینوں مفہوم موجود ہیں - اور نہ صرف سب بُرائیوں سے بچنے کی دعا ہے - سب نیکیوں کے حاصل ہونے کی بھی ہے ،

۹ - رب کو مولا کہا گیا ہے - کیونکہ یہاں یہ ہدایت دینا مقصود ہے - کہ انسان کے تمام رشتے حقیقی معنوں میں خدا سے ہی ہیں - وید منتروں میں ایشور کو متر سکھا راجا گورو وغیرہ انیک تعلقات سے بیان کیا جاتا ہے - وہ سب مفہوم عربی لٹریچر میں عموماً مولا لفظ سے لئے گئے ہیں - دوست - ہمسایہ - آقا مالک غلام آزاد کرنے والا - آزاد کیا گیا - حاکم مددگار - بزرگ قوم کے سب معنے مولا لفظ دیتا ہے - خود تمام قیدوں اور ہر طرح کی جہالت سے آزاد خدا تمام روحوں کا دوست ہے - شاہ رگ سے بھی نزدیک ہونے سے وہ ہمسایہ ہے - ایسا ہی تمام مخلوقات کا مالک - انسانوں کا حقیقی آقا - تمام دنیوی راحتیں دینے کے علاوہ روحانی آزادی یا نجات کا دینے والا بھی وہی ہے - اور اسی لئے بدرجہ کمال قابل تعریف ہونے سے وہ سچ مچ مولا ہی ہے -

۴۵ - کافر قوم

سب سے آخری قابل غور نکتہ ان الفاظ میں ہے - فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی ہمیں کافروں کی قوم پر فتح نصیب کر - کافروں کی قوم کسی خاص قوم یا انسانی جماعت کا نام نہیں ہے - ہر قوم اور ہر ملک کے بدعمل لوگ اس ذیل میں آتے ہیں - اس کے علاوہ تمام بُری اور فحش کتابیں جسمانی بیماریاں اور گندے خیال اور تمام نقصان رساں عمل اور رسم و رواج کافروں کی قوم میں ہی شامل ہیں - اور ان سب سے اوپر اٹھ کر علم اور نیک اوصاف اعمال و عادات کو حاصل کرنا ان پر فتح پانا ہے - اور یہی معراج انسانیت ہے - وید راکھش اراتی - اگیان - اہی - ورتر - الی لبش - دسیو - دُشکرت وغیرہ وغیرہ تمام الفاظ کافروں کے لاؤ لشکر کے لئے ہی استعمال کرتا ہے - رگوید ۱۰ - ۶۳ - ۱۲ میں بھی کئی نام اس قوم کے لوگوں کے دیئے ہیں

अपामीवामप विश्वामनाहुतिमपाराति दुर्विदत्रामघायत : ।

आरे देवाद्वेषोअस्मद्युयोतनोरु णः शर्म यच्छता स्वस्तये ॥ १२॥

اے پرمیشور! جسمانی بیماری وغیرہ کو ہم سے دور کیجئے - یگیہ وغیرہ دھرم کاموں کے نہ کرنے والے لوبھی - پاپی - دشٹ

بدھی۔ دویشٹی پرشوں دھرم اور سچائی کے خلاف خیالات کو ہم سے دور رکھیئے۔ اور ہر طرح کے سکھ وسلامتی کے لئے ہم کو اعلےٰ وسائل دیجئے۔

۴۶۔ سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجے پر

آیت نمبر ۲۸۵ و ۲۸۶ میں سورۃ فاتحہ کے مضمون کو ہی سورہ بقر کے اخیر میں واضح کیا گیا ہے۔ پہلی میں انعمت علیہم کی تشریح سمجھیئے اور دوسری میں مغضوب علیہم والضالین کی۔ اس لئے اسلامی لٹریچر میں سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجہ پر ان آیات کو رحمان کا خاص عطیہ کیا گیا ہے۔ اور صحیحین میں روایت ہے۔ کہ جس نے سورۃ بقر کی آخری دونوں آیتیں رات میں پڑھ لیں۔ تو اس رات میں اس کے واسطے کافی ہیں۔ مسلم میں ہے۔ کہ جبرئیل نے آنحضرت صلعم کو کہا۔ کہ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ کو دو نور ایسے دے دیئے گئے۔ کہ اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے تھے۔ ایک سورۃ فاتحہ دوسری دو آیتیں جن پر سورۃ بقر ختم ہوتی ہے۔

ان آیتوں کی خصوصیت محض ان کی معقولیت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جہاں راہ راست کے لئے دعا ہے۔ اور مفہوم اس کا علم اور عقل کی روشنی ہے۔ وہاں ان آیتوں میں بھی سچی ہدایت اور عقلوں کے انتہائی معراج کے وسائل کا خیال دلایا گیا ہے۔ اور فعل مختار انسان کو اس کی ذمہ داری کا پورا احساس کرا کے ہر طرح کی کمزوریوں اور خرابیوں پر غالب آئے۔ اور اپنے مولائے حقیقی سے وصل پانے کو ہی اشرف المخلوق انسان کا اصل مقصد قرار دیا گیا ہے۔

مِائَتَا اٰیَۃً وَّعِشْرُوْنَ رُکُوْعًا	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ

۱۔ خدائے کامل اور اس کا علم

الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۱-۲

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ ۳-۴

ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

کامل ہے وہ خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو حیات مطلق اور موجب قیام عالم ہے۔ ۱ اس نے تم پر سچی علم والی کتاب نازل کی جو اس کی تصدیق کرتی ہے۔ جو اس کی نیچر میں ہے نیز اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل کی تھی کہ لوگوں کو ہدایت ہو۔ اور اسی نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا فرقان ظاہر کیا تھا۔ تحقیق جو لوگ اللہ کی آیتوں سے منکر ہیں۔ انہیں عذاب شدید ملیگا۔ کیونکہ اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔ ۳ یقیناً اللہ پر کوئی بات چھپی نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں ۴۔ وہ ہی ہے جو رحم میں جیسی چاہتا ہے۔ تمہاری تصویریں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی صاحب علم اعلیٰ لیکل ہے۔ ۵۔

۲۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

سورہ بقر کی پہلی آیت بھی الٓمٓ تھی اور اس سورۃ کی پہلی آیت بھی الم ہی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے۔ کہ وہاں کتاب الٰہی کو کامل کہا تھا۔ اور یہاں اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ وہ کتاب کامل اس لئے ہے۔ کہ اس کا ظہور کرنے والا خدا خود کامل ہے یا علیم کل۔ یہ کہہ کر اس خدا کی صفات بتائیں۔ کہ وہ حیات مجسم یا ہمیشہ ہونے سے جہان کو زندہ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی خود ہمیشہ قائم ہونے سے جہان کو قائم رکھتا ہے وید میں بھی کچھ بتایا گیا تھا۔ رگوید ۱۰۔ ۱۲۹۔ ۷ میں ہے۔

इयं विसृष्टिर्यत आबभूव यदि वा दधे यदि वा न।

यो अस्याध्यक्षः परमे व्योमन्त्सो अङ्ग वेद यदि वा न वेद ॥७॥

اے انسان جس سے یہ طرح طرح کی خلقت ظاہر ہوئی ہے۔ جو اسے قائم رکھتا اور فنا کرتا ہے۔ جو اس دنیا کا مالک ہے جس موجود کل میں سب پیدائش قیام اور فنا ہوتی ہے۔ اس کو تو جان اور دوسرے کو دنیا پیدا کرنے والا نہ مان اسی طرح رگوید ۱۰۔ ۱۲۱۔ ۱ میں نہ صرف آیت ۲ کا مضمون ہے بلکہ ۵ کا بھی پورا بیان موجود ہے۔

हिरण्यगर्भः समवर्तताग्रे भूतस्य जातः पतिरेक आसीत्।

स दाधार पृथिवीं द्यामुतेमां कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥१॥

سچ پوچھو۔ تو آیات زیر بحث اسی منتر کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ہرنیہ گربھ نام یہاں ایشور کا ہے۔ یعنی وہ کہ جس میں تمام روشن یا ظاہر ہونے والا جہان ہے۔ جیسے بچہ پیدا ہونے سے پہلے رحم میں ہے۔ یعنی گربھ میں۔ ویسے ہی تمام روشن جہان اس ایشور روپی گربھ میں ہے۔ وہی شایاں طریق پر یا صحیح علم حکمت اور صنعت کے مطابق تمام جہان کا یہ نقشہ یا تصویر اپنے گربھ رحم مجسم ذات میں بناتا ہے۔ اس کی جگہ یصورکم فی الارحام کیف یشاء آیت میں ہے سم ورتتا گرے بھوتسیہ جاتہ پتی ریک آسیت منتر کے ان الفاظ میں پیدائش سے پہلے اس کے زندہ ہونے۔ جہان کی ترکیب میں کام آنے والے عنصروں کو پیدا کرنے اور پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے وقت اس کے واحد مالک ہونے کا بیان ہے۔ گویا الحی لفظ کا وسیع ترین استدلال منتر میں موجود ہے۔ سدادھار کہہ کر بتایا کہ وہی دھارن کرنے یا قائم رکھنے والا یعنی القیوم ہے۔ اب سوال ہوا کس کو پیدا کرتا اور قائم رکھتا ہے۔ اس کا جواب

بھی موجود ہے۔ پرتھوی او دیا مُتے مام۔ یعنی اس پرتھوی کو اور دیولوک کو۔ اسی کیلئے آیت نمبر ۴ میں کہا ہے۔ اس پرنہ زمین کا کچھ مخفی ہے نہ آسمان کا۔ کسمئی دیوائے ہوشا ودھیم میں کہا ہے۔ کہ بس وہی علم مجسم ہمارا معبود ہے یہی آیت نمبر ۵ کے اخیر میں ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ یتی کی جگہ عزیز اور حکیم کی جگہ منتر میں دیو ہے۔

यतो वा इमानि भूतानि जायन्ते येन जातानि जीवन्ति ।

यत्प्रयन्त्यभि सं विशन्ति तद्विजिज्ञासस्व तद ब्रह्म ॥

جس سے تمام مادی اشیاء پیدا ہوئیں اور پیدا ہوکر زندہ وقائم رہتی ہیں۔ جس کے اندر پرلے میں تمام کائنات سما جاتی ہے۔ وہ برہم ہے۔ اسی کی تلاش یا عبادت کرو۔

شاریرک میں ہے جन्माद्यस्य यतः یعنی برہم وہ ہے۔ جس کے دوارا پیدائش قیام اور فنا ہوتی ہے۔

۳۔ کتب مقدسہ کی پوزیشن

آیت نمبر ۳ میں بتایا ہے۔ کہ خدا تجھ پر سچے علم والی کتاب نازل کرتا ہے۔ اس کا مفہوم ہر رسول کے علم سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ محض حضرت محمد صاحب کو حضرت جبرئیل کے ذریعے جو علم ملا۔ اس پر بالخصوص عربی قرآن پر یہ لفظ چسپاں کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ جو قانون الٰہی نیچر میں کام کرتا ہے۔ یہ اسی کا مصدق یا انہی صداقتوں کی اشاعت کرنے والا ہے۔ قرآن سے پہلے توریت اور انجیل بھی لوگوں کی رہنمائی کے لئے ظاہر ہوئیں۔ اور فرقان بھی یہاں واضح ہے۔ کہ نازل ہونے کا لفظ جو اس آیت میں اور اور سینکڑوں جگہ قرآن میں آتا ہے۔ یہ مفہوم نہیں رکھتا۔ کہ آسمان یا بلندی سے کاغذوں پر لکھی یا چھپی ہوئی کوئی کتاب اترتی ہے۔ قانون الٰہی کے مطابق جو کچھ واقعہ ہوتا ہے۔ مثلاً جہان کا پیدا ہونا یا کسی چیز یا سکھ یا دکھ کا حاصل ہونا قرآن کی اصطلاح میں یہ سب اللہ سے نازل ہوتا ہے۔ اس لئے اور اسی معنے میں توریت اور انجیل کا ظہور اور اس سے لوگوں کو ہدایت ملنے کا بیان ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اخیر میں خدا سے فرقان کے ظہور ہونے کا بھی بیان ہے۔ جس سے حق و باطل کی تمیز یا فیصلہ ہو۔ وہ فرقان ہے۔ اور چونکہ کتب مقدسہ کا ذکر ہے۔ اور توریت انجیل اور قرآن کے علاوہ مقدس کتاب وید ہے۔ اور اس سے سچ جھوٹ کے فیصلے گذشتہ زمانے میں ہوتے آئے۔ اور اب بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے فرقان کا لفظ یہاں وید کے لئے ہے۔ سورۃ البقر آیت ۲۱۳ میں بیان بھی ہو چکا ہے۔ کہ آغاز عالم کے رشیوں پر خدا نے علم حق سے معمور کتب یعنی الہامی علم نازل کیا۔ اس غرض سے کہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

انسانی جماعت میں امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہوتا رہے پس تمام کتب مقدسہ کا ذکر کرکے فیصلہ ناطق دینے والے وید کو فرقان کہا ہے۔ اسی کے علم کی تصدیق دیگر کتب کرتی ہیں۔ اور اسی کی خلاف ورزی عذاب شدید کا موجب ہے۔ اس عذاب کو انتقام لفظ سے ادا کیا ہے۔ جو خدا کی ناراضگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے کوئی بھی چالاکی سزا کو ٹال نہیں سکتی۔ آسمان و زمین میں ہر کہیں موجود خدا سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔

۴۔ فرقان

آیت ۳ میں واقعہ شدہ لفظ فرقان کے متعلق مختلف[۲] معانی لئے جارہے ہیں۔ صحت نمبر ۱۲ مُہری قرآن مجید میں اس کے معنے معجزات کے لئے گئے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے معجزات بھیجے۔ ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اس آیت میں فرقان سے جوہر عقل کا مفہوم لیا ہے۔ جس سے کتاب سمجھی اور قبول کی جاتی ہے۔ حمایل التفسیر میں فرقان سے مراد فیصلہ بدر کی لی گئی ہے۔ اور سورۃ ۸ آیت ۴۱ کے الفاظ یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن کو اس استدلال کی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن معجزات کا قرآن قایل ہی نہیں۔ آیت[۲] کا ذکر آیت ۶ میں الگ موجود ہے۔ کہ اس سے اہلِ عقل متشابہ آیتوں سے بھی اصل اصول یا نصیحت قبول کرتے ہیں۔ رہی سورۃ ۸ کی آیت ۴۱۔ اس میں موہومہ جنگ بدر کا تعلق یا ذکر نہیں۔ ہاں دو فریقوں کا ایک جگہ جمع ہو کر حق و باطل کا فیصلہ کرنا مقصود ہے۔ اور اس میں عقل کا دخل ماننا معقول ہو سکتا ہے۔ جس سے حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے۔ لیکن آیت زیر بحث میں کسی تاریخی واقعہ کا نہیں۔ اس اصول کا تعلق ہے۔ اور کتابوں کا بیان۔ اس لئے فرقان محض اس سچی کتاب کے لئے ہے۔ جو ہمیشہ حق و باطل کا فرق بتلاتی ہے۔

۵۔ دو قسم کی آیات

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۶﴾

اسی اللہ نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ایک تو محکم آیات ہیں۔ وہ ام الکتاب (مُول سنگھتا) ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں۔ جن کے دلوں میں باطل کی طرف رجحان ہے۔ وہ تاویل کی آڑ میں ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکی صحیح تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور جو پختہ علم والے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اسے صحیح مانتے ہیں سب ہمارے رب سے ہے گویا محض اہل عقل ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ۶

۶۔ محکم اور متشابہ

آیت ۶ میں قرآن نے وہ معرکے کی رموز بیان کی ہیں۔ جو تمام انسانوں کے اختلافات اور مذہبی فرقہ بندیوں کو ہٹا کر کامل پائیدار اور عالمگیر اتحاد کا واحد اور مجرّب نسخہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ بتایا یہ ہے۔ کہ قرآن میں دو طرح کی آئیتیں ہیں محکم اور متشابہ محکم کے معنے ہے مضبوط پائیدار اور محکمٰت وہ آیات ہیں جن کے معنے و مفہوم ہمیشہ ہر کہیں یکساں رہنے والے علم یا صداقتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور متشابہ آیات وہ ہیں۔ جو ان صداقتوں کو واضح کرنے کے لئے تشبیہاً یا بطور مثال یا نظیر پیش کی جاتی ہیں۔ قانونی کتب مثل تعزیرات وغیرہ میں اصل دفعات تو اجمالی اور اصولی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ مستقل قانون ہیں۔ لیکن قانونی رپورٹوں اور رسالہ جات میں مقدمات کا بیان ہے۔ اور قانون کے فاضل ججان نے کس طرح ان دفعات کو خاص مقدمات

پر چسپاں کیا ہے۔ اس کی تفصیل دی جاتی ہے۔ ایک ایک دفعہ کے متعلق صدہا مقدمات پیش ہو سکتے ہیں۔ لیکن دفعہ کے الفاظ پر
ان اختلافات کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ اصول اور فروع میں جو فرق ہے وہی محکم اور متشابہ آیتوں میں ہے۔ ان میں سے محکم
کو قرآن ام الکتاب کہتا ہے۔ اس امر پر ہم اور کہیں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ کہ ام الکتاب وید کو مانا گیا ہے۔ کیونکہ اسی
سے علم کا سلسلہ چلا۔ اور کل کتابوں کی بنیاد پڑی۔ ام کو مُول یا جڑ بھی کہتے ہیں۔ اور کتاب کو سنگھتا۔ اور اس لحاظ
سے ام الکتاب نام مُول سنگھتا کا ہے۔ وید کی تفصیلات جو برہمن گرنتھوں میں ہیں۔ ان کو بھی پورانک لوگوں نے وید
مان لیا تھا۔ سوامی دیانند نے سمجھایا۔ کہ مول سنگھتا بھاگ اصل وید ہے۔ اور باقی اس کی ویا کھیا یا شاکھا ہیں۔ یعنی تفصیل
یا شاخ۔ اسی کے مطابق قرآن کہتا ہے۔ یہ قرآن بھی دو حصے رکھتا ہے۔ ایک تو مول سنگھتا بھاگ یا وید والا حصہ
ہے۔ اور دوسرا اس کی تفصیل یا نظایر والا حصہ۔ چنانچہ اصولی تعلیم والی آیات کسی نہ کسی وید منتر کا ترجمہ ہیں۔
اور جو ہدایت ان میں دی گئی ہے۔ اس پر عمل کرنے نہ کرنے کا اچھا یا برا نتیجہ موسےٰ عیسےٰ وغیرہ مشہور لوگوں
اور مختلف قوموں کی نظیر پیش کر کے بتایا گیا ہے۔ علماء اسلام میں جس قدر اختلاف خیال ہے۔ اور تفاسیر
میں جتنا باہم فرق ہے۔ اور جتنی بھی فرقہ بندی ہے۔ وہ سب انہی نظائر کی بابت ہے۔ قرآن کی یہ پوزیشن ہے۔
کہ محکم آیات پر ہی تمام لوگ متحد ہوں۔ اور فروعی امور یا شخصی حالات یا مقامی یا زمانی جرچوں پر بحث مباحثے متروک
سمجھے جاویں۔ اور واقعی یہ ہی کلید کامیابی ہے۔ کیونکہ شخصیتوں کے باہمی تعلقات و تنازعات کا انحصار ہے
ان شخصیتوں کے اندرونے پر اور اس اندرونے کا صحیح علم محض خدا کو ہے۔ پس ان کے علاوہ دوسرے لوگ
خواہ ان کے وقت کے خواہ بعد کے ان کے متعلقہ واقعات پر کچھ کہنے کے حقدار نہیں۔ وہ اپنے اپنے خیال کے مطابق
مختلف تاویلیں ہی پیش کر سکتے ہیں۔ مگر کسی کی تاویل سند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی انسان ان شخصیتوں کے اندرونے
کو دیکھ کر کہہ نہیں رہا۔ اس لئے فتنہ اور فساد اور اختلاف کا واحد تدارک شخصی واقعات کی بحثوں کو بند کرنا ہے۔
اور فی الحقیقت قرآن میں جن شخصیتوں کا ذکر ہے۔ ان کے متعلقہ سابقہ اور قرآن کے بیانات کی بنا پر فیصلہ کرنے لگیں
تو ہزاروں تاویلوں کا جھگڑا تو پڑ سکتا ہے۔ مگر ایک صحیح فیصلہ ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے قرآن محض محکم آیات
کی ذمہ واری لیتا اور انہی پر متحد ہونے کی ہدایت دیتا ہے۔ اسے ہی سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش کے اخیر میں
انسانوں کا فرض ٹھہراتا اور عالمگیر بے بدل ازلی ابدی اصولوں کو ہی ماننے و منوانے کی ہدایت دیتا ہے۔ انگریزی میں
کہا جاتا ہے Agreement in main and difference in detail یعنی
اصول میں اتفاق اور فروعات میں اختلاف ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن اخیر میں سچے اور پختہ علم والے لوگوں
کی پہچان یہ بتاتا ہے۔ کہ وہ اوچھے پن یا کم ظرفی پر مبنی کٹ حجتیوں کو چھوڑ کر تفصیل یا نظایر کے بیان کو زیر بحث نہیں
لاتے۔ بلکہ اسے جیوں کا تیوں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ مقصود ان فروعات کی بحث نہیں۔ بلکہ اس نظیر سے خاص نصیحت
دینا ہے۔ لہذا پختہ علم اور عقل والے اس نصیحت کو ہی حاصل کرتے یا اس پر غور کرتے ہیں۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے۔
کہ عالمگیر اصولوں کی شہادت ہر کہیں نیچر میں مل سکتی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق باہمی بحث میں صحیح نتیجہ جب چاہیں
نکالا جا سکتا ہے۔ وید اس ساری پوزیشن کو مد نظر رکھ کر فیصلہ دیتا ہے کہ

अन्ति सन्तं न जहात्यन्ति सन्तं न पश्यति।

देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति ।

اس کا مطلب یہاں یہ ہے۔ کہ اختلافات خیالات جو ہمارے اندر گھر کر چکے ہیں۔ چھوٹ نہیں سکتے۔ اور چونکہ وہ اندر ہیں۔ اس لئے کوئی انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ لہذا ان کو دُور بھی نہیں کر سکتا۔ پس انسان کو محض الیشور کے علمی کلام کا ہی مطالعہ اور وچار کرنا چاہیئے۔ جو حسب فرمان وید نہ پرانا ہوتا نہ ناش ہوتا ہے یعنی ہر کہیں ہمیشہ عقل و علم سے جانا جا سکتا ہے۔ گورو نانک صاحب اسی لئے کہتے ہیں۔ سچ پُرانا نا تھیے نام نہ میلا ہو۔ اور اسی مفہوم کے لئے قرآن میں محکم آیات کا لفظ ہے۔

۷ - اصل مفہوم سمجھا نہ گیا

(۱) غرائب القرآن میں محکم اور متشابہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ موت کے بعد کی حالت خدا کی ذات وصفات کا تفصیلی علم۔ روح کی ماہیت وغیرہ بہت سی باتیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ مگر اصل دین صاف اور واضح بڑے سے بڑے احمق اور جاہل کی سمجھ میں آرہا ہے۔ دنیوی تعلقات پر مبنی حالات سے جو کشمکش ہوتی ہے۔ وہی فتنہ و فساد کا موجب ہے۔

(۲) دیندار ہونے کے لئے بڑی عقل اور بڑی رسُومات درکار نہیں اپنی حالت پر غور کرنا دنیوی زندگی کو چند روزہ اور اپنے تیئں عاجز و بے حقیقت سمجھنا کافی ہے۔ اور یہی محکم آیات ہیں

ہماری رائے میں مفسر صاحب کو الفاظ آیت کے صحیح معانی و مفہوم پر مزید غور کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ زندگی یا موت کی حالت خدا کی ذات صفات کے اجمالی یا تفصیلی علم یا رُوح کی ماہیت وغیرہ مضامین کا یا ان کے سمجھ میں آنے نہ آنے کا براہِ راست یہاں کوئی تعلق نہیں۔ بتانا محض یہ تھا۔ کہ محکم آیات سے مراد یہ ہے۔ اور مثال ان کی فلاں فلاں آیات میں موجود ہے۔ موت کے بعد کی حالت یا خدا کی ذات وصفات یا روح کی ماہیت وغیرہ مضامین کی سمجھ آئے بغیر اصل دین کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ مگر اس کے سمجھنے کی تو آپ ضرورت نہیں بتاتے اور اصل دین کا جاہل اور احمق کی سمجھ میں موجود ہونا مانتے ہیں۔ یہ ناقابل قبول اور صریحاً غیر معقول ہے۔ ایسے ہی دنیوی تعلقات پر مبنی کشمکش کا بھی یہاں کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ قرآن میں فتنہ کا مدار متشابہ آیات کی مختلف تاویلوں پر رکھا ہے۔ ہاں دنیوی تعلقات پر مبنی کشمکش کو مختلف تاویلوں کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ دیندار ہونے کے لئے بڑی عقل اور معلومات کا غیر ضروری کہا جانا بھی صحیح نہیں کیونکہ بغیر عقل کی پوری ترقی کے ناممکن ہے۔ کہ کوئی انسان اپنی حالت پر غور کر سکے یا دنیوی زندگی کو چند روزہ سمجھے۔ پھر اپنی حالت پر غور کرنا وغیرہ کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ اور مضمون زیر بحث دل کے وچاروں کو محکم آیات نہیں کہتا۔ بلکہ قرآن کی خاص آیتوں کو محکم کہتا ہے۔ اور ان کا پتہ یہ دیتا ہے۔ کہ وہ ام الکتاب یا اصل کتاب یا وید منتر ہیں اسی نوٹ میں غرائب القرآن خواندہ بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق کہتا ہے۔ کہ یہ بات بات میں کھڑ پینچ نکالتے۔ اپنی عقل کو بڑا سمجھتے اور دین سے بے بہرہ و گمراہ ہیں۔ کیونکہ مبہم اور مشتبہ اور غیر ضروری باتوں کے پیچھے پڑے رہنا دینداری کے خلاف اور گمراہی کی نشانی ہے۔ لیکن یہ ریمارک بھی غیر متعلق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے متشابہ آیات کو مبہم اور مشتبہ سمجھ کر ان کا اطلاق انگریزی خواں لوگوں کے عمل سے جوڑ دیا ہے۔ اور یہ واضح نہیں کیا۔ کہ متشابہ لفظ کا صحیح مفہوم یہاں کیا ہے اور وہ آیات فلاں فلاں آیت کی مثال سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ محکم اور متشابہ کی صحیح تعبیر کرنے میں غرائب القرآن ہی نہیں اور تفسیریں بھی قاصر ہیں۔

اور اس سے قرآن کی صحیح تعلیم کا لوگوں کو ملنا تو کہاں، الٹا قرآن کی پوزیشن غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ متشابہ کو مفسر لوگ مشتبہ کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور تفسیروں میں ان کی یہ تعبیر دیکھ کر اہل لغت نے بھی لکھا ہے۔ کہ متشابہات وہ آیات قرآن ہیں جن کے معنے مخفی و پوشیدہ ہیں۔ اور جو کئی کئی جگہ قرآن میں ہیں۔ متشابہ کے معنے میں یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ جس کے معنے میں کچھ شبہ ہو۔" اب جائے غور ہے۔ کہ جن آیات کے معنے مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ اور جن کے معنوں میں شبہات ہیں۔ ان کو آنحضرت قرآن میں رکھ ہی کیسے سکتے تھے۔ ان کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ اسلام مشتبہ اور اختلافات کا شکار ہو۔ پس یقینی نتیجہ یہی ہے۔ کہ قرآن میں تو مشتبہ آیتیں نہیں۔ ہاں علماء کو محکم و متشابہ الفاظ کے صحیح معنے معلوم نہیں ہوئے۔ یہی غرایب القرآن سورۃ ھود کی پہلی آیت کا یہ ترجمہ کرتا ہے " الرٓ (اے پیغمبر لوگوں سے کہو۔ کہ یہ قرآن ایسی کتاب) ہے (جو) حکمت والے باخبر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے) اس کے مضامین دلائل و براہین سے بخوبی ثابت (اور) مستحکم اور پھر خوب تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔" پس تمام قرآن کے متعلق خود قرآن کا یہ دعوے موجود ہوتے ہوئے اس کی آیات پر معنوں کے لحاظ سے مخفی اور پوشیدہ یا مشتبہ الفاظ کا استعمال ہر لحاظ سے ناجائز ہے۔

۲۔ بیان القرآن میں محکمت کے جو لغوی معنے دیئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محکم وہ آیات ہیں۔ جنہیں لفظ اور معنی کی حیثیت سے کوئی شبہ نہ ہو۔ یا جو اپنے آپ اپنے بیان میں مضبوط اور غیر محتاج ہوں۔ اور متشابہ اسے کہا ہے۔ جس کی لفظ یا معنے کی حیثیت سے غیر کے ساتھ مشابہت ہو۔ اور اس وجہ سے اس کی تفسیر مشکل ہو۔ امام راغب کی بحث مندرجہ مفردات سے بھی لمبا اقتباس دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آیات تین قسم کی ہیں۔ محکم مطلق۔ متشابہ مطلق اور محکم و متشابہ دونوں کچھ۔ پھر متشابہ تین قسم کی۔ لفظ کی حیثیت سے معنے کی حیثیت سے اور لفظ اور معنے دونوں حیثیتوں سے لفظی حیثیت سے دو قسمیں ہیں۔ مفردہ و کلام مرکبہ۔ پھر مفرد الفاظ میں تشابہ یا تو بوجہ غرابت لفظ ہے۔ یا بوجہ اشتراک لفظی۔ اور کلام مرکب میں تشابہ اختصار سے واقع ہوتا ہے۔ یا بسط سے۔ پھر لکھا ہے۔ معنے کے لحاظ سے متشابہ میں اللہ تعالےٰ کے اوصاف اور یوم القیامت کے اوصاف داخل ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ صفات ہمارے تصور میں نہیں آسکتیں۔ بوجہ ہمارے احساس میں نہ آنے کے۔ پس جنت دوزخ حساب کتاب وغیرہ متشابہات میں ہیں۔ پھر لفظی حیثیت سے تشابہ پانچ قسم کا بتایا ہے۔ بلحاظ کمیت و بلحاظ وجوب و ندب وغیرہ آخر میں لکھا ہے۔ کہ محکم و متشابہ کی سب تشریحیں اس تقسیم کے اندر داخل ہیں۔ ایک اور رنگ میں تشابہ کو تین قسم کیا ہے۔" ایک وہ جسکی حقیقت پر انسان واقفیت حاصل نہیں کر سکتا (امور قیامت وغیرہ) دوسرے وہ جن پر واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے الفاظ غریبہ اور مشکل احکام۔ اور ایک ان دونوں کے درمیان جن سے راسخ فی العلم واقفیت حاصل کر سکتے" ہیں۔ ہر شخص نہیں۔

یہ بیان غرایب القرآن والے بیان سے بھی زیادہ قابل اعتراض ہے۔ یہ سرے سے آیات کی تقسیم ہی دو کی بجائے تین طرح میں کرتا ہے۔ اور الفاظ اور معنی کے لحاظ سے آیات مشتبہ یا ناقابل ادراک کی موجودگی کا یا غیر مفید یا فعل عبث کا الزام قرآن اور خدا پر لگاتا ہے۔ اور محکم اور متشابہ آیات سے آیت زیر بحث میں کیا مفہوم مقصود ہے۔ اس کو واضح و ثابت کرنے کی بجائے مختلف الخیال اقوال کو بیان کر کے صحیح تفہیم ہونے کو ناممکن بناتا ہے۔ شروع میں جو یہ کہا۔ کہ

محکم آیات میں لفظ اور معنے کے لحاظ سے شبہ نہیں ہوتا۔ یا وہ آپ اپنے بیان میں مضبوط یا غیر محتاج ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شبہ یا یقین کا تعلق پڑھنے والے کے دل سے ہے آیات سے تعلق نہیں ہوتا۔ ہر کلام خواہ برے معنے رکھتی ہو خواہ اچھے۔ اپنے مخصوص اور یقینی معنے رکھتی ہے۔ شبہات کا تعلق ان انسانوں سے رہتا ہے۔ جو پڑھ تو رہے ہیں۔ مگر ابھی ان مخصوص معنوں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ ہاں الفاظ آیات کا وجود بھی شبہات سے وابستہ ہے۔ مگر محض اس معنے میں کہ انسانی زبانیں ناقص ہیں۔ جن الفاظ کو پہلے لوگوں نے بیان کیا۔ ان کے صحیح یا وہی معنے جو ان لوگوں کے اندر تھے بعد میں آنے والوں کے اندر موجود نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ وہ لوگ جنہوں نے پہلے کوئی انسانی زبان جاری کی اب ہمارے پاس ہیں نہیں اور اگر ہوں تو ہم ان کے اندر گھس کر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ کہ فلاں سنہ میں انہوں نے جو فلاں لفظ بولے یا لکھے تھے۔ ان سے ان کا اصل مدعا کیا تھا۔ اس لئے انسان کے لئے ان کل زبانوں کے الفاظ ہمیشہ شبہات کا مجسمہ ہی رہیں گے۔ مگر اس معنے کے لحاظ سے قران کی محکم اور متشابہ والی تقسیم کالعدم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں محض قرآن پڑھنے والے عالموں کے شبہات ہی مذکور ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک الفاظ کی صلاحیت کا تعلق ہے۔ وہاں تک انسانی اور الہامی زبان سب شبہات کا شکار ہو سکتی ہیں بس قرآن کی محض کچھ آیات کو متشبہ ماننا صحیح نہیں ہو سکتا۔ خواہ اپنی ذات کے لحاظ سے خواہ پڑھنے والے کی قابلیت کے لحاظ سے متشبہ ہوں گی تو کل ہوں گی۔

۳۔ مصنف حمائل التفسیر اگرچہ اپنے طویل نوٹ میں اصل پوزیشن کی صحیح توضیح نہیں کر سکے۔ تاہم انہوں نے اصلیت کو سمجھنے میں کوشش اچھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

محکم اور متشابہ کے معنے میں مفسرین نے بہت اختلاف پیدا کر کے پیچ و تاب کھائے ہیں۔ اس کے متعلق آپ پہلے حوالہ جات دیتے ہیں (۱) كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ؕ یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ اس کی آئیتیں محکم کی گئی ہیں۔ اور حکمت اور خبر والے خدا کی طرف سے اس کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔ (۲) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا $\frac{۳۹}{۲۳}$ اللہ نے نہایت ہی عمدہ کلام اتارا ہے۔ یعنی کتاب جو متشابہ ہے۔ (۳) آیت زیر بحث۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ $\frac{۳}{۶}$ وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری ہے۔ اس میں سے آیتیں محکم ہیں۔ باقی متشابہ۔

ان آیات کا آپ کا پیش کردہ ترجمہ و مطلب قابل اعتراض ہے۔ پہلے حوالہ سے آپ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ قرآن کی ہی آئیتیں ہیں جنہیں محکم کہا ہے اور قرآن میں ہی ان کی تفصیل ہے۔ لیکن (۱) خود آیت زیر بحث میں ام الکتاب نام محکم آیات کو دیا ہے۔ (۲) حوالہ نمبر ۱ میں کتاب کی آیتوں کو محکم کہہ کر ثُمَّ فُصِّلَتْ کا لفظ لکھا ہے۔ جس سے کتاب کا پہلے ہونا اور پھر اس کی تفصیل کرنا واضح ہوتا ہے۔ اصل اور تفصیل کا باہم وہ تعلق ہے۔ جو بیج اور درخت کا بیج اور شاخ اور پتے ایک دم اور ایک ساتھ نہیں ہوتے (۳) سورہ حٰم السجدہ میں کہا ہے۔ کہ (آیت ۲ و ۳) رحمان اور رحیم خدا سے جو کتاب نازل ہوئی تھی۔ اس کی آیتوں کی تفصیل یہ عربی قرآن ہے۔ اس سے اصل کتاب کا پہلے اور غیر عربی زبان میں ہونا ثابت ہے۔ (۴) سورہ یوسف آیت ۲ میں ہے " یہ کتاب مبین کی آئیتیں ہیں۔ ان کا عربی قرآن میں نزول ہوتا ہے۔ (۵) سورہ نحل آیت ۲ میں ہے۔ کہ اس نے اپنے علم کا ظہور ان رشیوں کے آتما میں کیا

تھا۔ جنہیں اپنے بندوں میں سے اس نے اس قابل پایا۔ (۶) سورۃ بقر آیت ۴۱ میں قرآن کو اس کتاب کا مصدق
کہا ہے۔ اور سورۃ بقر آیت ۱۰۱ (نیز اور آیتوں میں بھی) جو پہلے سے خدا کی طرف سے ملی ہوئی ہے (۷) سورہ رعد
آیت ۳۸ میں ہے۔ کہ ام الکتاب اللہ کے ساتھ ہے۔ (۸) سورہ یونس آیت ۱۔ سورہ بقر آیت ۲۵۲-۲۔ الشعرا ۲۰۱
لقمٰن ۲۔ نور ۱-۲۔ مومن ۲۔ وغیرہ میں الہام الٰہی کے نام کتاب مبین۔ کتاب بالحق۔ قرآن مبین۔ کتاب الحکیم۔ کتاب
منیر۔ لوح محفوظ وغیرہ نام دیئے ہیں۔ عربی قرآن کو اس کتاب کی آیات کا خاص مجموعہ اور اصل کتاب
کو تمام سچے علوم کا مجسمہ یا سرچشمہ بتایا ہے۔ (۹) سورہ بقر آیت ۲۱۳ میں آغاز عالم میں الہام ملنے کا ذکر ہے۔ اور
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ کا لفظ کہہ کر اسے فیصلہ کن یا ناطق یا محکم کہا ہے۔ (۱۰) زخرف ۲ و ۳ میں کتاب مبین کا لفظ
الگ کہکر اسے عربی قرآن کی صورت میں پیش کرنے کا ذکر کیا۔ اور بتایا ہے کہ وہ ام الکتاب میں ہے۔ جو بڑے اعلیٰ
پایہ کی علمی کتاب ہے (۱۱) سورہ طٰہٰ ۱۱۳ میں قدیم علم کو عربی قرآن میں اتارنے اور الہام یا ذکر کی یاد تازہ کرنے
یا خبر دینے کا بیان ہے۔ (۱۲) سورۃ الشعراء میں آیت ۱۹۱ تا ۱۹۷ میں یہ بیان ہے۔ کہ رب العالمین سے جو علم نازل شدہ ہے۔
جبرئیل امین اس کو تیرے دل پر نقش کرتا ہے۔ عربی زبان میں نیز یہ کہ بلاشبہ یہ آغاز عالم والی کتابوں میں ہے۔ اور اس
کا ایک ثبوت یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے عالم اس کو صحیح جانتے و سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہا۔ کہ اگر ہم اسے کسی سنسکرت
بولنے والے پر نازل کرتے اور وہ انہیں پڑھ کر سناتا۔ تو یہ ایمان نہ لاتے۔ (۱۳) سورہ حٰم السجدہ ۱۱ تا ۴۴ میں خدا سے
علم بذریعہ کتاب عزیز نازل ہونے کا بیان ہے۔ اور اس کی تعریف یہ بتائی ہے۔ کہ جھوٹ اس کے پاس پھٹک تک نہیں سکتا۔
نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے اس لئے کہ وہ علیم کل خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اور جو کچھ ان پہلوں کو علم ملا۔ وہی کچھ
تمہیں دیا جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے عجمی قرآن کی صورت میں ظاہر کرتے تو کہتے اس کی آیتیں ہمیں کھول کر کیوں نہ
سنائی جاویں۔ لہٰذا عربی کیا اور عجمی کیا اہل ایمان کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ سورہ رحمٰن میں انسان کے پیدا ہوتے ہی
اسے علمی زبان ملنے کا بیان ہے۔ (۱۵) بقر ۳۲ و ۳۳ میں بھی آدم کو کل کلمات یا ناموں کا علم ملنا مذکور ہے۔
(۱۶) سورہ یونس میں پتہ دیا گیا ہے۔ کہ کثیف لطیف سب چیزوں کا علم کتاب مبین میں ہے۔ (۱۷) ھود ۶ میں ہے۔
کتاب مبین میں ہی سب کی میعاد قیام وغیرہ کا بیان ہے (۱۸) سورہ توبہ آیت ۳۶ میں ہے۔ کہ آغاز پیدائش
سے ہی کتاب الٰہی میں مہینوں یا وقتوں کا بیان درج ہے۔ (۱۹) بنی اسرائیل ۵۸ میں ہے۔ کتاب الٰہی میں سب
کے فنا ہونے کا ذکر ہے۔ (۲۰) ق ۴ میں کتاب حفیظ میں علم تغیر و تبدل ارضی ہے (۲۱) واقعہ ۷۷ تا ۸۰ میں ہے۔
کہ اصل قرآن کریم تو اس کتاب مکنون میں ہے۔ جسے پاک لوگوں کے بغیر کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ اور وہ رب العالمین
سے ظہور پاتی ہے۔ (۲۲) حدید ۲۲ میں ہے سب دکھ یا سکھ سزا کا قانون کتاب الٰہی میں پہلے سے ہی درج ہے
(۲۳) البروج آیت ۲۱-۲۲ میں قرآن مجید کو لوح محفوظ میں کہا ہے۔ (۲۴) سورۃ الصافات آیت ۱۶۷ تا ۱۶۸
میں ہے۔ کہ لوگوں کی یہ خواہش رہی۔ کہ کاش آغاز عالم والے لوگوں کا علم ہمیں ملے (۲۵) اس کے علاوہ کتنی ہی آیتوں
میں یہ بیان ہے۔ کہ ہم ابراہیم کے دھرم کو مانتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ توریت اور انجیل سے پہلے والا دھرم ہے۔ وغیرہ وغیرہ
تمام باتوں سے صاف ثابت ہے۔ کہ محکم آیات والی کتاب قرآن سے علاوہ اور اس سے پہلے سے ہے۔ اور وہ ام الکتاب
ہے۔ یعنی دوسری کل کتابوں کی اصل یا ماں جسے وید میں وید ماتا کہا ہے۔ قرآن میں امّ الکتاب کہا ہے۔

دوسرا حوالہ پیش کر کے حمایل التفسیر کا مصنف یہ نتیجہ نکالتا ہے۔ کہ احسن الحدیث کہکر محکم آیات والے قرآن کو ہی متشابہ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حدیث کے معنے خبر ہے۔ جو پہلے واقعہ کے بعد آتی ہے۔ رسول صلعم کے ذاتی ارشادات کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔ محکم آیات کو حدیث نہیں کہتے۔ پس پہلی محکم آیات کو پھر یاد میں لاتے وسمجھانے پر احسن الحدیث یا کتاب متشابہ کا اطلاق ہے۔ ام الکتاب پر نہیں۔ تیسرا حوالہ آیت زیر بحث کا ہے۔ اس سے بھی محکم اور متشابہ کے لفظ کل قرآن کے لئے سمجھے گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل قرآن محکم بھی ہے۔ اور متشابہ بھی ہے۔ نیز یہ کہ بعض آیتیں محکم ہیں۔ بعض متشابہ۔ اس سے قرآن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر دعوےٰ قرآن کا یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ اللہ سے ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف نہیں۔ [۸۳] اس لئے آپ کہتے ہیں۔ کہ یہ اختلاف طبقات انسانی سے ہے۔ آیات میں نہیں۔ ادنےٰ لیاقت کے لوگ بنا سمجھائے سمجھ نہیں سکتے۔ ان کے لحاظ سے کل قرآن متشابہ ہے۔ اعلےٰ درجہ کے لوگ جو تمام قرآن کو سمجھ چکے ہیں۔ ان کے لئے کل قرآن محکم ہے۔ اور درمیانی درجہ کے لوگ جسے سمجھ گئے ان کے لحاظ سے وہ محکم اور جسے سمجھ نہ پائے وہ متشابہ ہے۔ لیکن آیت کے کسی بھی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ اصول ایسا ہے۔ کہ اس سے تو ہر کتاب خواہ انسانی ہو خواہ ربانی تینوں طرح پر ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کے متعلق ایسے مخصوص بیان کی ہر گز ضرورت نہ تھی۔ پھر قرآن صاف طور پر دو میں تقسیم کرتا ہے۔ تو تین قسموں کا ذکر کیا۔ درحقیقت یہ خیال محض متشابہ کو مشتبہ کے معنے میں لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حمایل التفسیر کے اس نوٹ میں لکھا ہی ہے۔ کہ "متشابہ کے یہ معنی کرنا کہ وہ کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکے۔ قرآن مجید کے ایک حصہ کثیر کو بلکہ تمام کو لغو اور فضول قرار دیتا ہے"۔

اس کے علاوہ اور اختلاف تاویل بھی پیش کیا ہے۔ کہ بخاری میں مجاہد کی تفسیر سے متشابہ کے یہ معنے لکھے ہیں۔ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا (ایک کی تفسیر دوسری آیت سے ہو) لیکن یہ تاویل بھی کل کتابوں کے کل بیانات پر یکساں حاوی ہوگی۔ اور کل کتابوں کے ساتھ قرآن کو محض متشابہ ٹھہرائیں گی۔ کیونکہ کوئی آیت ایسی نہیں ہو سکتی۔ جس کے الفاظ کی تفسیر بلا امداد غیرے ہو سکے۔ تیسرے معنے متشابہ کے بعض قرآن کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعود سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قرآن کریم سات لغت پر نازل ہوا ہے۔ جس کی ہر ایک آیت میں ظہر اور بطن ہے۔ اور ہر حد کے لئے ایک مطلع ہوتا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) ظہر سے مراد محکم اور بطن سے مراد متشابہ ہے۔ یہ مفہوم ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ سے نکالا ہے۔ کہ محکم آیات کتاب کی ماں ہیں۔ تو ان کے بطن سے جو نکلیگا۔ وہ متشابہ ہے۔ لیکن یہ تاویل صریحاً غلط بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ متشابہ کے پیچھے پڑنے والے مختلف تاویلات سے فتنہ یا اختلاف برپا کر رہے ہیں۔ جو ام الکتاب کے باطنی مفہوم کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ بطن موجب اطمینان ہونا چاہئے۔ نہ موجب شبہات۔ پھر مضبوطی یا استحکام ظاہری نمائش کا نام نہیں۔ اندرونی حقیقت کا ہے۔ اس کے علاوہ حد اور مطلع کے لحاظ سے متشابہ کا یقین ہونا اور بھی مشکل ہے۔ حد وہ مقام ہے۔ جہاں تک معنے کلام کی رو سے فہم کی رسائی ہو اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور مطلع وہ مقام ہے۔ کہ انسان صعود کرتا کرتا ملک العلام کے شہود پر مطلع ہو جائے۔ اس تعریف کا صحیح اطلاق سوائے ویدک طریق غور و فکر کے اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ ویدک الفاظ کا معانی کے ساتھ لازمی تعلق مانا جاتا ہے۔ نہیں

شبد یا کلام کہا جاتا ہے۔ اور کلام بھی مجموعہ کلمات ہے۔ اور کلمہ کا بھی معنے کے ساتھ تعلق ہے۔ لیکن وہ معانی ہر شخص کے فہم سے اپنے اپنے خاص رنگ میں محسوس ہوتے ہیں جس لفظ سے ایک شخص کثیف یا موٹے معنے سمجھتا ہے۔ اسی سے ایک عالم شخص باریک معنے مراد لیتا ہے۔ اور جوں جوں استعداد بڑھتی ہے۔ معانی کی زیادہ سے زیادہ لطافت محسوس ہوتی ہے۔ ان عالموں میں سے ہر ایک کا فہم جس لطافت تک احساس کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے حد ہے لیکن سمادہی میں رشی لوگ فہم یا عقل کے انتہائی احساس سے بھی اوپر اٹھ کر روحانی آنکھ سے پرمیشور کی حضوری میں جو کسی کلام کے معانی یا حقیقی علم کا انکشاف پاتے ہیں۔ وہ مطلع ہے یا ساکہشات کار پرمیشور کو ملک العلام کہا ہے کیونکہ وہ تمام عالموں اور داناؤں کا پادشاہ ہے۔ اور صعود کرتے جانے سے مراد ہے ذہنی و عقلی ترقی سے لطیف تر معانی کو سمجھنا۔ اب اگر محکم اور متشابہ آیات کی تقسیم میں ان معانی کا دخل ہو۔ تو محض دو مدارج قائم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ معانی کے احساس میں علمیت و حالات کے لحاظ سے بے شمار درجے ہو سکتے ہیں۔ اور نیز معانی بولنے سننے وغیرہ حواس کا مضمون نہیں۔ اور پھر معانی کی کثافت و لطافت کے مدارج بھی تمام کتابوں کے الفاظ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ محض قرآن سے۔ ظہر اور بطن کا لفظ در حقیقت محض وید کے آدی بھوتک اور ادھیاتمک دو قسم کے معنوں کے لئے تھا۔ کیونکہ یہ صفت محض اس کلام سے مخصوص ہے۔ جو خدا کی طرف سے ہو۔ علیم مطلق خدا ہے وہی ایسی زبان دے سکتا ہے۔ جس کا صحیح علم سے تعلق ہو۔ یعنی جس کے الفاظ کے اندر معنی موجود ہوں۔ دوسری زبانیں جو انسانوں نے جاری کی ہیں۔ وہ محض الہامی زبان کے الفاظ کو نہ سمجھنے بگاڑنے اور بدلنے کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کے الفاظ کا بلاوجہ اور بے بنیاد تعین معانی پر انحصار ہے۔ یعنی ان کے الفاظ سے معانی ظاہر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ محض فرضی طریق اور مشق سے الفاظ اور اشیاء کا تعلق مانا جاتا ہے۔ ویدک الفاظ کے معانی پر فہم اور عقل کی مدد سے غور کرنے کے بعد سمادھی میں جس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ جملہ شکوک اور الہام سے بالاتر ہے۔ اور اسی حالت پر اپنشد کے اس قول کا اطلاق ہوتا ہے۔ کہ

भिद्यते हृदय ग्रन्थिश्छिद्यन्ते सर्व संशय:

یعنی ہردے کی گانٹھ کھل جاتی اور شکوک تمام مٹ جاتے ہیں۔

پس صد اور مطلع کی اصطلاحات کثیر المعانی یا یوگک الفاظ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور قرآن میں محکم اور متشابہ نام دو قسم کی آیات کا محض مضمون کے لحاظ سے ہے مستقل علمی اصولوں کا بیان جن آیتوں میں ہو وہ محکم ہو نگی۔ اور اگر شخصی یا تاریخی تمثیل وغیرہ ہو۔ تو متشابہ ہو گی۔ ایک اور تاویل یہ کی گئی ہے۔ کہ محکمات وہ آیات ہیں۔ جن میں دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو سکے۔ اور مطلب صاف صاف سمجھ میں آ سکے۔ اور متشابہات وہ آیات ہیں۔ جن میں کئی معنے ہو سکیں۔ یا تمثیل یا مجاز یا استعارہ پایا جائے۔ لیکن نہ کوئی ایسی آیت ہونی ممکن ہے جس میں دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو۔ اور نہ ایسی کہ سب کو ہو بہو اس کا ایک ہی مفہوم صاف صاف سمجھ میں آ سکے۔ کیونکہ احتمال یا یقین اور مطلب کا صاف صاف سمجھ میں آنا آیات سے تعلق نہیں رکھتا۔ آیات کے پڑھنے والوں سے رکھتا ہے۔

راقم نے طول طویل اور بار بار دوہرائی گئی تاویلات و تمثیلات میں الجھ کر اصل مضمون کو مس تک نہیں کیا۔

کہ آیات اپنے مضمون کے لحاظ سے محکم اور متشابہ کن معنوں میں کہی گئی ہیں۔ آنحضرت کے علم میں ان کے مخصوص معانی تھے۔ شک وشبہ نہ تھا۔ مفسرین کا متشابہ کا مفہوم لفظ لاریب فیہ کے بھی خلاف ہے۔ جو قرآن سے وہ خود منسوب کرتے ہیں۔ پانچویں تاویل یہ کی ہے۔ کہ محکم سے مراد ظاہری معنے ہیں۔ اور تاویل سے مراد ان پیشگوئیوں کا انجام ہے۔ جو ظاہری معنوں کے وجود میں موجود ہیں۔ اس انجام کو واقعی طور پر سوائے خدا تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ قبل از وقت ان کے ظاہر الفاظ پر ایمان رکھنا اور حقیقت کو حوالہ بخدا کرنا حقیقی داناؤں کا کام ہے۔" لیکن قرآن جس آیت کو محکم کہتا ہے۔ اس کے معنے ایسے مخصوص اور بے بدل ہیں۔ کہ ان کا تعلق تینوں زمانوں سے یکساں ہے۔ پیشگوئی کا مفہوم لیا جاوے۔ تو وہ نہ زمانہ گذشتہ سے تعلق رکھیگا نہ حال سے۔ اور محض مستقبل کا مفہوم آیت کو محکم نام دے۔ یہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ رسول صاحب نے کہیں کسی آیت کے متعلق نہیں کہا۔ نہ قرآن میں اشارہ موجود ہے۔ کہ فلاں آیت کے ظاہری معنے اور ہیں۔ اور باطنی اور۔ یا فلاں آیت کی تاویل میں پیشگوئیوں کی گنجائش ہے۔ نہ قرآن اصولاً پیشگوئیوں کے حق میں ہے نہ کسی شبہ کا کسی آیت سے تعلق ہے۔ ہر آیت سے جو ہدایت مقصود ہے۔ اس کو اخذ کرنا چاہئے۔ اور بحث یا غور وخوض محض محکم یا اصولی آیات پر ہونی چاہئے۔ تمثیلات یا نظایر پر نہیں۔ ہمیں افسوس ہے۔ کوئی مفسر کوشش نہیں کرتا۔ کہ قرآن یا آنحضرت کا اصل نظریہ ہی ہر آیت میں سمجھا اور لوگوں تک پہنچایا جاوے۔ بلکہ ہر مفسر یہ کرتا ہے۔ کہ اپنا خیال اور دوسروں کا بیان یکجا کر کے اور کوئی فیصلہ نہ دے کر اور معتقدوں کو تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا ہوا چھوڑ کر آپ الگ ہو جاتا ہے۔

۸- دعائے اتحاد

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

ع ۸ / ۱۰ / ۹

اے ہمارے رب! ایسی عنایت کر کہ ہمیں سچی ہدایت ملے۔ اور پھر ہمارے دل اس سے کبھی ڈولنے نہ پاویں۔ اور ہمیں آپنے حضور سے رحمت عطا فرما۔ تحقیق تو ہی ہمارا بڑا داتا ہے۔ ۷۔ اے ہمارے رب! تو ہی وہ زمانہ لا سکتا ہے۔ کہ ہمارے اوہام باطلہ دور ہو جاویں۔ اور ہم سب متحد ہو جاویں۔ تحقیق اللہ اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا۔ ۸۔

۹- استقلال

آیت ۷ سے ہدایت ملتی ہے۔ کہ محکم آیات یا ام الکتاب کی تعلیم پا کر اور متشابہ آیات سے اصل نصیحت حاصل کر کے ان پر استقلال سے قائم رہنا انسان کا فرض ہے منوسمرتی میں دھرم کا پہلا لکھشن دھرتی یا استقلال کو بتایا ہے۔ اور ہر کام میں کامیابی کی سب سے ضروری یہی شرط ہے۔ آیت

کا مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان سچی ہدایت کا متلاشی ہو۔ اور جب وہ مل جاوے۔ اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہے۔ مخالفت وغیرہ کے خوف سے اپنے دل کو ڈگمگانے نہ دے۔ سچی یکجہتی اور اتحاد کا اصول منتر اسی استقلال میں ہے۔ اگر مزاج قائم نہ رہے۔ آج ایک بات کو سچ سمجھ کر مانا کل کسی دنیوی ترغیب کی وجہ سے اس کی تکذیب کرنے لگ گئے۔ تو نہ اپنی ذات پر اپنا اعتماد ہو سکتا ہے۔ نہ سوسائٹی کے دوسرے افراد سے اتحاد ہو سکتا ہے۔ نہ ایسے شخص اپنے ہمجنسوں میں کسی طرح کی کوئی بھلائی پھیلا سکتے ہیں۔ مستقل مزاج انسانوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں کر دکھایا۔ دلی استقلال ثابت قدمی اور عزم بالجزم تمام مشکلات کو دور کر کے ہماری ساری مرادیں بر لاتے ہیں۔ اور قرآن سب سے مقدم ضرورت انسانی جماعت میں اتحاد اور محبت قایم رہنے کی سمجھتا ہے۔ اور اتحاد کی بنیاد سچی ہدایت پر رکھتا ہے۔ اس لئے دلوں میں حق کے آنے اور پھر اس سے نہ ڈولنے کی دعا واقعی معنے خیز ہے۔

۱۰۔ تردید باطل و اشاعت حق

آیت نمبر ۸ میں یہ دعا ہے۔ کہ اے ہمارے رب اپنی عنایت سے وہ وقت لاؤ کہ انسانوں کے دلوں سے ریب بالکل نکل جاوے۔ اور وہ سب حق پر متحد ہو جاویں۔ واقعی اسی سنہری زمانے کو دیکھنے کی خواہش انسانی دلوں میں جاگزین ہو جائے۔ تو اتحاد ہوتے دیر ہی کیا ہو سکتی ہے۔ آنحضرت نے اگر کفر اور شرک کے بخیے ادھیڑے اور سوامی دیانند نے اگر مذاہب باطلہ کی پر زور تردید کی۔ تو اس سے واحد مقصود صرف یہ تھا۔ کہ انسانوں کے باہم رشتہ محبت و یگانگت قایم ہونے میں جو رکاوٹ ہے۔ وہ دور ہو جاوے۔ پھر تردید باطل کے ساتھ آنحضرت نے جو ام الکتاب یا کتاب مبین کی فضیلت واضح کی اور سوامی دیانند نے جو وید کی مہمان گائی۔ یہ بھی محض اس لئے تھا۔ کہ ایک ہی قسم کی سچی اور عالمگیر تعلیم سے سب کے دل ایک دوسرے کی طرف کھچ جاویں۔ یہ آیات ہر حق پسند اور سچے عالم پر یہ امر واضح کرتی ہیں۔ کہ ویدک دہرم اور دین اسلام کا صحیح مفہوم بالکل ایک ہے۔ کیونکہ ام الکتاب ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں۔ محض وید ہے فرق ہے تو محض اس بات کا ہے۔ کہ علمائے اسلام کے لئے یہ اصولی میلان ایک اجنبی بات ہے۔ حتے کہ جو مفسر محکم اور متشابہ کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ وہ بھی وید کے ساتھ محکم آیات کا تعلق جوڑنے سے قاصر ہیں۔ بیان القرآن صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۵ میں یہ بحث ہے۔ اور اصولاً ہمارے مطابق ہی بیان دیا گیا ہے۔ حتے کہ پیشگوئی کو متشابہات یا فروعات میں ثابت کیا اور عیسائی اعتقادات کو باطل قرار دیا ہے۔ اور اسی بنا پر قادیانی مرزا صاحب کی طرف دعوٰے نبوت منسوب کرنے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس کے بعد آپ واضح کرتے ہیں۔ کہ محکمات کو ام الکتاب کہہ کر قرآن نے سب جھگڑا اینٹا دیا ہے۔ ام الکتاب کے معنے ہیں۔ کتاب کی اصل یا جڑ جسے مراد اصولی امور ہیں اور طرز تاویل یہ ہو گی۔ کہ فروعات اور مخصوصات کو جو بطور شاخوں یا ولد کے ہیں۔ جڑ اور ام کی طرف لوٹانا پڑے گا۔ یعنی اصول کے ماتحت کرنا پڑے گا۔ ورنہ نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ اَبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاوِيلِهِ کے مطابق لوگ خاص تاویل کے پیچھے پڑ کر فتنے یا اختلافات کا شکار ہوں گے۔ ہم فاضل مفسر کے فہم و ادراک کی داد دیتے ہیں۔ کہ اس نے محکم اور متشابہ کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ محکم اور

متشابہ آیات کی تمیز ہونے کا جب تک کوئی یقینی معیار صاف طور پر سامنے نہ ہو۔ اس اور اک سے عملی فائدہ کیا؟ اگر خاص تاویل کے پیچھے پڑنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر آپ کا خاص طرز تاویل کو اختیار کرنا چہ معنے؟ اور جب محکم اور متشابہ کی تمیز کا اصول ہی طے نہیں ہوا۔ تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کہ فلاں آیت محکم ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ فروعات یا مخصوصات کو کس جڑ یا ام کی طرف لوٹایا جاوے۔ باپ اور بیٹا اکٹھے بیٹھے ہوں۔ تو عمر یا قد یا ڈاڑھی یا چہرے کی خاص علامات سے جن کا علم اس انسان کو ہے۔ جو تمیز کرنا یا جاننا چاہتا ہے۔ پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ باپ کون ہے۔ اور بیٹا کون۔ پس تمیز کرنے والے کے علم میں وہ معیار لانا چاہئیے تھا جس سے وہ اپنے لئے فیصلہ کر سکے کہ فلاں آیت محکم ہے۔ اور فلاں متشابہ۔ برخلاف اس کے آپ نے محض سوال کو دوسرے لفظوں میں دوہرا دیا ہے۔ تمیز کا ذریعہ واضح نہیں کیا۔ یہ کہنا۔ کہ بیٹا بطور شاخ کے یا ولد ہے۔ اور اس کے جاننے کے لئے اسے جڑ یا ام یا باپ سے منسوب کرنا پڑے گا محض سوال کو دوہرانا ہے۔ جواب دینا نہیں۔

آپ آگے لکھتے ہیں۔ کہ کسی امر مخصوص کے صحیح معنے سمجھنے کے لئے پہلے ایک اصول قائم کیا جاوے۔ اور اس اصول کے ماتحت اس کی تاویل کی جائے۔ اس سے آپ تمام اختلافات کی بہت حد تک دوری کا گمان کرتے ہیں لیکن سوال تو محکم اور متشابہ آیات کی تمیز کا ہے۔ امر مخصوص کے صحیح معنے سمجھنے کا نہیں۔ آپ نے خود ہی لکھا ہے۔ کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنے ہونے سے خود غرض لوگ اپنے حسب منشا تاویل کرتے اور جسے چاہتے متشابہ بنا کر دوسری آیت کے ماتحت کر دیتے ہیں۔ پس محکم اور متشابہ کی تمیز تو کیا ہوئی الٹا معنوں اور تاویل کا جھگڑا اور گلے پڑ گیا۔ اور جب محکم اور متشابہ کی تمیز کا ہی اصول قائم نہیں ہوا۔ تو صحیح معنے سمجھنے کا اصول کس بنیاد پر قائم ہوگا۔ اور کس کے ماتحت اور کس طرح اس کی تاویل کی جائیگی۔

اسی سلسلے میں آپ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "فروعات کا تو کوئی شمار نہیں ہو سکتا۔ پس ماننا پڑیگا۔ کہ سب اصول کو قرآن کریم نے واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ اور فروع میں سے حسب ضرورت کچھ لے لیا ہے۔ اس لئے ہی فروع کو اصول کے ماتحت کہہ سکتے ہیں۔ نہ اصول کو فروع کے ماتحت" ہم اصول اور فروع کے اس تعلق کو صحیح مانتے ہیں لیکن اصل سوال کا اس میں بھی جواب موجود نہیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو۔ کہ اصول کے بیان والی آیتیں کونسی ہیں۔ اور فروع والی کونسی۔ تب تک نہ اصول کا صحیح علم ہو سکتا ہے نہ فروع کو کسوٹی پر کسا جا سکتا ہے۔ اور نہ فروع کو اصول کے ماتحت کیا جا سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ ام الکتاب کا لفظ کہہ کر قرآن نے محکم آیات کا پتہ دے دیا ہے۔ کہ وید منتروں کے ترجمہ والی آیات محکم ہیں۔ مگر موجودہ زمانے میں علماء اسلام کے دل میں نہ وید کی عظمت ہے۔ نہ انہیں حالات موجودہ میں وید کا خیال آ سکتا ہے۔ اور قرآن کی نسبت ان کا حسن ظن یا اس کی حقیقی عظمت کا نقش جو ان کے دل پر ہے۔ ماسوائے قرآن کے کسی اور طرف انہیں متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا۔ مگر چونکہ قرآن نہایت زور اور خلوص عقیدت سے تمام اہل ایمان کو آغاز عالم والی الہامی کتاب کی طرف ہی دعوت دینا چاہتا ہے۔ اور یہ امر علمائے اسلام کے دل پر نقش ہونے سے اختلاف تاویل کا پورا تدارک ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم صاف کہتے ہیں۔ کہ بیان القرآن کے فاضل راقم کی تحریر

کے متعلق جملہ اعتراضات مذکورہ بالا دور ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ محکم آیات والے حصے کو وید منتر مان لیں۔ کیونکہ اس صورت میں وید منتروں کے مطابق اصولی تعلیم جن میں ہوگی وہ آیات محکم مانی جاویں گی۔ اور وہ اصول قائم ہو جاویگا جس کے ماتحت فروع یا متشابہ کو کر کے عقلمند لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ باپ اور بیٹے میں تمیز کرانے والی خاص بات ان کی عمر ہے۔ پس ام الکتاب وہ ہے۔ جو پہلے اور قدیم ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا جاوے۔ کہ فلاں جگہ لکڑیوں کے مٹھے بندھے پڑے ہیں۔ من کے آدھ من کے اور دس سیر کے بھی۔ تو یا تو باٹ لا کر ان کو تولنا پڑیگا۔ یا تجربہ کی بنا پر جو اندازہ دماغ میں قائم ہے۔ اس سے صحیح صحیح تمیز ہوگی۔ بعینہ محکم (ام الکتاب) اور متشابہ (فروع یا ولد) جو قرآن مجید میں خلط ملط ہیں۔ وید کی کسوٹی سے تمیز کی جاسکتی ہیں۔ اور اسی تمیز سے محکم یا ام الکتاب والے ازلی ابدی سچے دھرم میں متحد ہونے کی اپیل اہل قرآن اہل عالم سے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہی وہ آیات زیر بحث میں سے پہلے میں یہ بتایا ہے۔ کہ دلوں میں سچی ہدایت جاگزین ہو۔ اور وہ اس سے ڈولیں نہیں۔ مستقل مزاج اور رحمت الٰہی کے مستحق ہوں۔ اور دوسری میں یہ دعا کی ہے۔ کہ تمام اختلاف دور ہو کر وہ زمانہ آوے۔ کہ ہم سب اکٹھے ہو جاویں۔ یہ خاص اس اصولی تعلیم کو ظاہر کرنے سے محکم آیات یا ام الکتاب ہیں جو رگوید کے آخری چار منتروں میں دی گئی ہے چنانچہ ان میں سے پہلا منتر حسب ذیل ہے۔

संसमिद्युवसे वृषन्नग्ने विश्वान्यर्य आ ।

इळस्पदे समिध्यसे स नो वसून्या भर ॥ १ ॥

اس منتر میں دعا مانگی گئی ہے۔ کہ اے طاقت کل۔ انصاف مجسم پرمیشور اخلق آپ سب کو ہم خیال کر کے متحد کرنیوالے ہیں۔ آپ ہی ہر زمانے میں جلوہ فروز ہیں۔ اپنی عنایت سے ہمیں بھی وہ اتحاد کا سنہری زمانہ دکھایئے۔

نوٹ۔ اس منتر میں معانی کا تعلق بہت وسیع ہے۔ انسانوں کی جگہ تمام اور اشیا کا میل کر کے وہ پرمیشور ہی اس تمام کائنات کا نظارہ دکھا رہا ہے۔ اور اتحاد کے زمانے کی طرح صحت۔ اچھی بھومی۔ نیک دل۔ اور تمام راحتوں کے دینے والے پرمیشور کی پراپتی کی دعا بھی منتر میں موجود ہے۔ لیکن ہم نے وہ معنے لکھنے کافی سمجھے ہیں جو آیت کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بعد کے منتروں میں بھی رفتار۔ گفتار کردار کے علاوہ دلوں میں ہر طرح سے یگانگت ہونے کو ہی اتحاد کا موجب بتایا گیا ہے۔ اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا وغیرہ سے قرآن بھی اسی حالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

غرضیکہ محکم آیات کا لفظ جو ام الکتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ وید منتروں کی جگہ رکھی گئی آیتوں پر ہی دلالت کرتا ہے۔ اور انسانوں کے مجموعی قیام کا معیار منوں میں عالمگیر اصولوں کا علم ہونے پر ہی منحصر بتایا ہے۔ بس انہی اصولوں کی اشاعت کرنا اور لَا رَيْبَ فِيهِ کی شرط کو پورا کرنے کے لئے تمام مروجہ اوہام باطلہ کی بیخ کنی کرنا ہی اتحاد کا مقدم فرض ہے۔

۱۱- موہومہ قیامت

جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ " ان الفاظ کا ترجمہ مفسر صاحبان عموماً یہ کرتے ہیں۔ کہ خدا قیامت کے دن سب کو اکٹھا کرے گا۔ جس

کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ خیال محض غلط الہام صحیح کے طور پر اہل اسلام میں گھر کر گیا ہے۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ دنیا کی پیدائش دو ارب سال سے ہے۔ اس میں حد شمار سے باہر موتیں ہو چکی ہیں۔ حد شمار سے باہر ڈوب کر مرے۔ اس سے زیادہ اور کئی گنا زیادہ تعداد کے جسم جلائے جا چکے ہیں۔ جو قبریں موجود ہیں۔ ان کے اندر دفنائے گئے مردہ جسموں کا روح سے تعلق نہیں۔ پس قبروں سے ان کا اٹھنا اور میدان محشر میں جمع ہونا چہ معنے۔ قبروں سے جی اٹھنے کا مفہوم جسمانی یقینی ہے۔ اور جسمانی ہستیوں کے جمع ہونے کے لئے زمینی میدان یا مکان چاہیئے۔ مگر قیامت کے وقت زمین وغیرہ کا نام و نشان نہیں ہو سکتا۔ مزید برایں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیت زیر بحث میں قیامت کا لفظ ہی نہیں اور نہ یہ لکھا گیا ہے۔ کہ کسی میدان میں جمع ہونا ہے۔ بلکہ جمع ہونا محض خاص یوم یا زمانے سے منسوب ہے۔ اور اس زمانہ کی خصوصیت یہ بتائی ہے۔ کہ اس میں ریب نہ ہو۔ یعنی شک اختلاف یا غلطی وغیرہ۔ چونکہ متشابہ آیات میں شکوک و شبہات کا امکان بنا رہتا۔ اور اسی لئے اس کی مختلف تاویلیں ہوتی ہیں۔ اس لئے لاریب فیہ کا مفہوم صاف ہے۔ کہ متشابہ آیات سے انسان اوپر اٹھے۔ اور تمام غلطیوں اور نقصوں سے پاک عالمگیر سچے اصولوں کو ظاہر کرنے والی محکم آیات کی طرف ہی مائل رہ کر حقیقت کو جانے۔ اسی طریق سے سب کے اندر ایک ہی قسم کے خیال قایم رہ سکتے۔ اور آخر وہ وقت لا سکتے ہیں۔ کہ اختلاف دور ہوں اور سب انسان متحد۔

۱۲۔ مخالفین حق اور ان کا حشر

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَ

۹ أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

۱۰ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

۱۱ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ

تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ

۱۲ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ لِلنَّاسِ

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

۱۳

جو لوگ کفر یعنی حق سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے مقابلے میں نہ ان کا مال ان کے کسی کام آئے گا۔ نہ اولاد۔ بے شک یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ۱۔ جیسے کہ آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی گتی ہوئی۔ انہوں نے ہمارے حکموں کی تکذیب کی۔ لہذا اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفتار (بلا) کیا۔ کیونکہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۲۔ ان کفر والوں کو کہدو۔ کہ تم جلد مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا حشر جہنم ہوگا۔ اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ۳۔ تحقیق تمہارے واسطے ان دو گروہوں کے جنگ میں بڑے سبق کا سامان ہے۔ ان میں سے ایک گروہ تو راہِ حق میں لڑتا تھا۔ اور دوسرا کافر تھا۔ وہ ان کو نظر سے دیکھنے پر اپنے سے دوچند گنتے تھے۔ مگر اللہ اپنی امداد سے جسے چاہتا ہے مضبوط کرتا ہے۔ تحقیق اہل عقل کے لئے اس میں عبرت ہے۔ ۴۔ لوگوں کو نفسانی خواہشات کے سامان مثلاً عورتیں بیٹے سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر۔ عمدہ عمدہ گھوڑے مویشی اور کھیتی مرغوب معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دنیوی زندگی کے سامان ہیں۔ ورنہ اچھا رجان تو اللہ کی طرف والا ہی ہے۔ ۵۔

۱۳۔ مذہبی تفریق اور دنیوی اغراض

جب مذہبی تفریق خدا سے نہیں۔ اور ایک دہرم میں متحد ہونا ہی سب کے لئے مفید ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس تفریق کا سبب کیا ہے۔ اس کا جواب آیت نمبر ۱ میں دیا ہے۔ کہ دہرم یا حق کے خلاف باتیں یا کفر کی اشاعت کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ ان کو بہ وجہ جہالت مال اور اولاد کی خاطر کفر کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ مال اور اولاد ان کو دکھ سے نہیں بچا سکتا۔ جیسا کہ آل فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں پر مصیبتیں اور اذیتیں نازل ہونے سے ظاہر ہے۔ ان کی نظیر ثابت کرتی ہے۔ کہ احکام حق کی خلاف ورزی سخت سے سخت سزا کا موجب بناتی ہے

۱۴۔ اہل کفر کو سبق

آیت ۳ تا ۵ میں ان خود غرض منکرین حق کو یہ نصیحت دینے و سمجھانے کی ہدایت ہے۔ کہ اپنی مذموم حرکات سے باز آؤ۔ کاٹھ کی ہنڈیا ہمیشہ آگ پر نہیں چڑھ سکتی۔ اگر جہالت اور گمراہی پھیلا کر عارضی دنیوی اغراض تم نے پوری بھی کر لیں۔ تو ہوا کیا۔ آخر تو تمہیں جہنم سے ہی دوچار ہونا ہوگا۔ دیکھو فرعون اور موسیٰ کے ہر دو فریق کے مقابلے کے دن موسیٰ کو جو راہِ حق میں لڑتا تھا۔ فتح نصیب ہوئی اسی طرح دیوتاؤں اور اسروں (طالوت اور جالوت) کا جنگ تمہیں سنایا گیا۔ طالوت کی پارٹی راہِ حق پر تھی۔ اور

جالوت کی کفر پر۔ طالوت کے لوگوں کو جالوت والے لوگ اپنے سے کئی گناہ زیادہ دکھائی دیتے تھے۔ مگر خدا نے طالوت کی فتح کرائی۔ پس سبق لو۔ اور کفر سے باز آؤ۔ یہ صحیح ہے۔ کہ عام لوگوں کو دہرم اور سچائی کی طرف رغبت نہیں۔ وہ نفسانی خواہشات یا عورت مال و دولت وغیرہ میں غلطاں ہیں۔ اور اس لئے ان کو کفر پھیلانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ یہ سب سامان عارضی ہیں۔ دکھ یا موت سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ دوسری طرف اللہ ہے پایدار آرام والی چیز یعنی نجات اسی کے ہاں ہے۔ پس کفر چھوڑو۔ اور دہرم کو قبول کرو۔ منو نے صاف کہا ہے۔ کہ عاقبت میں ماں باپ بیٹا عورت دوست کوئی ساتھ نہیں جاتا۔ دہرم ہی اس وقت وفا کرتا اور ساتھ دیتا ہے۔

۱۵۔ قابل اعتراض رویہ

آیات قرآن کو عالمگیر اور اصولی تعلیم کی بجائے مفسرین جو احادیث پر چسپاں کرتے ہیں۔ اس میں وہ نہایت غلط رویہ پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی خواہش کے خلاف اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مگر اس میں وہ کچھ مجبور بھی ہیں۔ کیونکہ کوئی آزاد ترجمہ یا تفسیر انہیں ملی ہی نہیں جسکی رہنمائی میں وہ حدیثوں کے اثر سے بچ سکتے۔ تاہم آریہ سماج اور اسلام کے تبلیغی طریق سے اس زمانہ میں عالمگیر صداقتوں کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اور نئے مفسرین اس امر کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ اور جا بجا لکھتے بھی ہیں۔ کہ الفاظ قرآن کا عام اصولی تعلیم پر ہی اطلاق ہونا صحیح ہے۔ لیکن باوجود اس کے ابھی وہ اکثر عملی پہلو تہی کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیات زیر بحث کو کوئی صاحب نو خواہ مخواہ عیسائیوں کے اعتقاد کے خلاف اپنی من مانی تاویل سے استعمال کرتے ہیں۔ اور کوئی صاحب آیت ۱۳ والے دو گروہوں کو آنحضرت کے ظہور کے وقت کے مشرک اور مسلمانوں سے تعبیر کرتے اور اس جنگ کو جنگ بدر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ کی تعمیم فرعون اور موسیٰ کی نظیر اور سورۃ بقر کے بیان شدہ جنگ طالوت و جالوت سے ایسی ہر تاویل کی صریح تردید ہوتی ہے۔ اور قدیم سے جو نیکی اور بدی یا خدا اور شیطان یا دیوتا اور راکھشوں کی جنگ کا اصولی استعارہ تمام مذاہب میں زبان زد چلا آتا ہے۔ اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ سورۃ کا نام ہے آل عمران۔ اور عمران حضرت موسیٰ کے والد صاحب کا نام کہا جاتا ہے نیز حضرت مریم کے والد صاحب کا بھی اور عیسائیت کا بھی اس سورۃ میں بطلان ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ متشابہ بیانات جو بعد میں آنے والے ہوں۔ ان کے رنگ میں محکم یا اصولی بیانات کو رنگا جاوے۔ اور پھر جنگ بدر کا تعلق تو عیسائیت کی تردید سے جوڑنا اور بھی غیر معقول ہے۔ یہی حال پیشگوئیوں کے متعلقہ تاویل کا ہے۔ غرائب القرآن میں دو چند تعداد نظر آنے کے متعلق لکھا ہے۔ "واقع میں تو کافر بہت تھے۔ اور مسلمان کم۔ مگر خدا نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی ایسی ہیبت بٹھا دی تھی۔ کہ مسلمان ان کو اپنے سے دو چند دکھائی دیتے تھے۔ یا یہ ہو کہ جنگ بدر میں خدا نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے بھی بھیجے تھے۔ فرشتے ملا کر کافروں کو مسلمان دو چند دکھائی دیتے تھے۔ غرض کچھ بھی ہو۔ خدا کی تائید سے تھوڑے مسلمانوں نے کافروں کو مار ہٹایا۔ اور لڑائی جیت لی۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ مسلمان آنکھوں دیکھنے کافروں کو دو چند دیکھتے تھے۔ با ایں ہمہ خدا نے انہیں ہمت دی تھی"۔

چونکہ نہ یہاں جنگ بدر کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی اوپر کی تاویل میں راقم کا اپنا خیال ہی کسی بات پر قائم ہے۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ محض قیاسی اور اٹکل پچو باتوں سے اصولی تعلیم کو چھپایا جا رہا ہے۔ ایک اور مفسر صاحب اس سے بھی بڑھ کر جولانیٔ طبع دکھلاتے اور طویل نوٹ میں فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ پہنچنے کے بعد اہل مکہ کی ایک ہزار فوج کو بدر کے مقام پر شکست ہو چکی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست تیاریاں کیں۔ مدینہ کے تجربہ کار یہود بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ مگر اللہ نے وعدہ کیا۔ کہ منکروں کے مال و اولاد اللہ کے مقابلے پر ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑیں گے۔ آل فرعون کی طرح مغلوب ہوں گے۔ خدا نے کہا۔ اے محمد منکروں کو سنا دو۔ کہ وہ عنقریب مغلوب کئے جائیں گے۔ اس پیشگوئی کا یقین دلانے کے واسطے خدا نے جنگ بدر کی یاد کرائی۔ کہ ایک فریق راہ حق پر لڑتا تھا۔ اور دوسرا اس کا مخالف تھا۔ مسلمان ۳۱۲ تھے۔ کفار ۹۵۰۔ اس جنگ کی نسبت بھی پہلے سے بتلایا گیا تھا۔ کہ دو باتوں میں سے ایک تم کو ضرور نصیب ہو گی۔ یا فتح یا قافلہ کا ہاتھ آنا۔ چنانچہ تم فتحیاب ہوئے۔ دشمنوں کی تعداد تم کو دو چند ہی نظر آتی رہی۔ خدا کے فرشتوں نے تمہاری مدد کی۔ پس ایسا ہی اب ہو گا۔ تمام یہود اور مشرکین تمہارے مقابلے پر مغلوب ہوں گے۔ اپنے غضب اور جوش کی آگ میں جل کر واصل جہنم ہوں گے وغیرہ وغیرہ

اس قسم کی تاویلات تمام تمسخر آمیز ہیں۔ عام مسلمانوں کے مذاق کے مطابق مفسرین پیشگوئیاں کرتے اور خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے قرآن کی اصل تعلیم کو چھپاتے آرہے ہیں۔

۱۶۔ دیوتا کون اور اسر کون

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ
بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾　۱۴ ۱۵
الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ　ع ۲
اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ

۱۷ الْحَکِیْمُ ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ
۱۸ الْحِسَابِ ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ج وَاِنْ
۱۹ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ط وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ع ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ
اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ لا وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ
۲۰ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا
۲۱ وَالْاٰخِرَۃِ ز وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ
۲۲ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ
۲۳ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿

النصف — ع

ان لوگوں سے کہو۔ کہ آؤ میں تمہیں اس سے بڑھیا بات بتاؤں۔ جو یہ ہے۔ کہ متقی لوگوں کے لئے ان کے رب کے ہاں بہشت کے باغ ہیں۔ جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ طہارت مجسم بیویاں ہوں گی۔ نیز اللہ کی خوشنودی ان کے شامل حال ہوگی۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔ ۶۔ جو یہ دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لاتے ہیں۔ تو ہماری برائیاں ہم سے دور کر۔ اور ہمیں عذاب دوزخ سے نجات دے۔ ۷۔ جو صبر کرنے والے۔ صادق۔ فرمانبردار۔ راہِ حق پر خرچ کرنے والے ہیں۔ اور صبح کے وقت مغفرت کی دعا کرنے والے ہیں۔ ۸۔ اللہ شاہد ہے۔ کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتے اور اہلِ علم بھی جو نیکی پر قائم ہیں۔ یہی شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سب سے افضل اور حکمت والا ہے۔ ۹۔

یقیناً اصل دین اللہ کی طرف سے اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب الٰہی یا الہامی علم (کی نعمت) ملی۔ انہوں نے علم مل چکنے کے بعد اگر اختلاف کیا تو محض باہمی تعصبات سے کیا۔ پس جو کوئی آیات الٰہی سے کفر کرے۔ اللہ بھی اس سے جلد حساب لینے والا ہے۔ ۱۰۔ اگر اس پر بھی تمہارے ساتھ حجت بازی کریں۔ تو کہدو میں نے اور میرے پیرووں نے تو اپنے تیئں اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور جو اہل کتاب اور ام الکتاب والے ہیں۔ ان سے بھی کہدو۔ کہ کیا تم اسے قبول کرتے ہو؟ پس اگر وہ قبول کر لیں۔ تو یقیناً راہِ حق پر آ گئے۔ اور اگر انحراف کریں۔ تو (مضائقہ نہیں) تیرا کام تو بس تبلیغ کر دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔ ۱۱۔ تحقیق جو لوگ آیات الٰہی سے کفر کرتے ہیں۔ اور بغیر حق کے نبیوں اور نیز ان انسانوں سے جھگڑا یا جنگ کرتے ہیں۔ جو انہیں سچائی یا انصاف کی نصیحت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کا پیغام سنا دو۔ ایسے ہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے اعمال دنیا اور آخرت ہر دو لحاظ سے اکارت ہیں۔ اور جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۲۔ ذرا ان لوگوں کے حال پر بھی غور کرو۔ جن کو کتاب یا علم الٰہی کا کچھ حصہ ملا تھا۔ اب انہیں کتاب الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ کہ ان کے درمیان حق کا فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے۔ اور وہ اس کی تعمیل سے کتراتے ہیں۔ ۳۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ ہمیں اس زندگی کے چند روز بعد دکھ نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ جو افترا پردازیاں انہوں نے کی ہیں۔ وہی انہیں ان کے دین میں دھوکا دے رہی ہیں۔ ۴۔

۱۱۶۔ اللہ کا ہی ہو رہنا

ان آیات میں متقی یا دیوتا لوگوں کے اوصاف بتلائے گئے ہیں۔ دنیوی خواہشات کے غلام اپنے حال میں مست ہیں۔ مگر مبلغین کا فرض ہے۔ کہ انہیں اس سے اعلےٰ راحتوں والی حالت کا پتہ دیں۔ یعنی سورگ یا جنت کا جس میں ایسی اعلےٰ اور پائدار و نرالی نعمتیں ملتی ہیں۔ کہ دکھ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ان متقی لوگوں کے لئے ہی مقدر ہے جن کے اوصاف یہ ہیں۔ نیک، پاک۔ دکھ سے بچنے میں کوشاں۔ اسی کی ایشور سے دعا مانگتے۔ قناعت اور استقلال کا ہر تنگی میں خیال رکھتے۔ صدق دل سے دین کے اصولوں پر چلتے۔ خدا سے ملی ہوئی علم و دولت وغیرہ نعمتوں سے خلق خدا کو فیض پہنچاتے اور صبح ہی عبادت الٰہی کر کے مغفرت کے مستحق بنتے ہیں۔ اس کے آگے آیت ۹-۱۰ میں خلاصہ ان کا یوں سمجھایا۔ کہ ہر لحاظ سے اللہ کے لئے اپنے تئیں وقف کر دینا ہی دیوتا پن ہے۔ یہی کتاب الٰہی کی ہدایت ہے۔ یہی تمام نیک اور عالم لوگوں کی۔ واقعی اللہ والا دھرم اسلام یعنی حق یا رضائے الٰہی کو ہی تسلیم کرنا یا اسی کا فرمانبردار ہونا ہے۔ دھرم کو انسان ایجاد نہیں کرتا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ انسانوں کو کتاب الٰہی ملی ہے۔ اور باوجود اس کے وہ اس کے مخالف مذاہب میں داخل ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ یہ مخالف مذاہب بھی خدا کا علم ملنے کے بعد ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ بغیر علم الٰہی کے ملے جہالت کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی جدا مذہب چل سکتا ہے۔ پھر ان مذاہب کی بنیاد محض باہمی طرفداری۔ عداوت یا تعصب ہے۔ گو یا ودیا اور اودیا دونوں کا علم خدا دیتا ہے۔ انسان باہمی کمزوریوں سے اودیا سے پار ہونے کی نوبت نہیں آنے دیتے۔ اسی میں الجھے رہتے ہیں۔ اور اس کفر کا سریع الحساب خدا ساتھ کے ساتھ نتیجہ دیتا ہے۔ یعنی ان کے اندر دکھ ہی دکھ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ پس رسول اس امر کو بخوبی واضح کرے۔ کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری میں نے اور میرے ماننے والوں نے

اختیار کی ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔

۱۷۔ واعظ حق کا فرض

آیت ۱۱ میں اہل کتاب اور امیوں کو حق کے تسلیم کرنے کی ہدایت ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ امی لوگ جاہل یا ان پڑھ نہیں کیونکہ آیت میں کہا ہے۔ کہ اگر وہ تسلیم کرلیں۔ تو بس ہدایت پر آگئے چونکہ قرآن کئی جگہ یہ فیصلہ دیتا ہے۔ کہ اہل علم و عقل ہی حق کو قبول کرتے اور ہدایت پاتے ہیں۔ اس لئے یہاں مقصود وہ لوگ ہیں۔ جو ہیں تو معتقد ام الکتاب یا وید کے لیکن باہمی تعصبات اور عداوت سے اختلافات کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور ہدایت پانا یہاں محض قبول حق کے لئے ہے۔ ان لوگوں تک حق کا پہنچا دینا ہی رسول کا کام ہے۔ اسے اس بحث میں نہ پڑنا چاہئے۔ کہ انہوں نے عملی طور پر اسے قبول کیا ہے یا نہیں؟ اس امر کا تعلق لوگوں کے دلوں سے ہے۔ اور دلوں کو جاننے والا خدا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ میں دو لفظ ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اہل کتاب جو امی یعنی ام الکتاب کے معتقد ہیں۔ جیسا فی زمانہ ہندو لوگ کہ اہل کتاب بھی ہیں۔ اور ویدک دھرمی بھی کہلاتے ہیں۔ مگر پھر بھی فرقوں میں منقسم ہیں۔ لیکن اگر اُوْتُوا الْکِتٰبَ کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر کیا جاوے۔ تو بھی مضائقہ نہیں اُمّی کا لفظ ام الکتاب کے معتقدوں پر ہی دلالت کریگا۔ نہ توریت و انجیل کے معتقدوں پر۔

۱۸۔ اہل کفر کی خاص پہچان

آیات ۲۰ تا ۲۳ میں اہل کفر کی پہچان بتائی ہے۔ کہ وہ خدا کے احکام سے انکار کرنے اور بلا وجہ نبیوں اور ان انسانوں کو جو انصاف اور دھرم کی تلقین کرتے ہیں قتل کرتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ نبیوں کو قتل کرنا لازمی طور پر جسمانی قتل کا ہی مطلب نہیں رکھتا بلکہ ناحق کا جھگڑا۔ تکرار۔ ایذا رسانی وغیرہ سب اس کے ضمن میں شامل ہیں۔ ہدایت کو سننا ہی نہیں۔ اور سنا تو اسے قبول یا اس پر عمل نہیں کرنا یہ بھی ایک طرح پر نبیوں کے وقت اور محنت کو ضائع کرنے سے ان کا قتل ہی ہے۔

اس کے علاوہ انصاف یا دھرم کی ہدایت دینے والے انسان ہی نبی یا رشی ہیں۔ لہذا نبیّین کا جدا لفظ ایک خاص وسیع ترین مفہوم بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبو۔ نبا بمعنے خبر دینا سے نبی لفظ بنتا ہے۔ جہاں عالم انسان وعظ حق سے خدا کی خبر دیتے یا اس کی طرف بلاتے ہیں۔ وہاں کل ملائکہ یعنی جاندار یا بیجان اشیائے عالم بھی اپنی زبان حال سے خدائے ذوالجلال کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت مہیا کرتے۔ اور اہل نظر کو خدا کا شیدائی بناتے ہیں۔ قرآن مجید میں اکثر جگہ الفاظ کو وسیع النظری سے وسعت معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ شعائر اللہ سے کلام الہی نبی۔ حیوانات وغیرہ ملائکہ کے وسیع معانی کا تعلق ہے۔ اسی اصول اور نبی لفظ کے صفاتی تعلق کی وسعت کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن کی یہ ہدایت مانی جاسکتی ہے۔ کہ کافر لوگ سچی وعظ سے جو راہ ہدایت دکھاتی ہے۔ اور حیوانات و اشیائے عالم سے جو خدا کی حمد و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔ نفرت کرتے اور ان کی ہستی کی سراسر بے توقیری کرتے ہیں۔ حیوانات کو مارنا یا ان کا گوشت کھانا اس کا صریح اور پختہ ثبوت ہے۔ سنسکرت لٹریچر میں اسر یا راکھشس کے الفاظ زیادہ تر گوشت وغیرہ کا استعمال

کرنے والوں سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی حقیقت کے لحاظ سے یہ تمام برائیاں آیات الٰہی سے انکار کرنے اور نبیوں کو قتل کرنے میں شامل ہیں۔ نبیوں کو ایذا پہنچانے کا قرآن میں اکثر ذکر ہے۔ مگر مقتول نبیوں کی فہرست کہیں نہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ اصل مفہوم مذکورہ بالا خرابیوں سے ہی ہے۔

۱۹- اہلِ مذاہب

آیت ۲۲ و ۲۳ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہود نصاریٰ وغیرہ کل انسانی مذہب کے پیرو ہیں۔ توریت انجیل کیا کل مذہبی کتب میں کچھ نہ کچھ سچائیاں موجود ہیں قرآن فرماتا ہے کہ یہ سچی تعلیم ان مذاہب کی اپنی نہیں یہ کتاب الٰہی کا ہی حصہ ہے۔ اور یہ ہو بہو وہی بات ہے۔ جو آریہ سماج کہتا ہے۔ کہ کل مذاہب میں جو سچائی ہے۔ اس کا سرچشمہ وید ہی ہے آنحضرت اس بات پر تعجب کرتے ہیں۔ کہ اس تھوڑی تھوڑی تعلیم پر مست ہو کر یہ لوگ اصل کتاب الٰہی کی پوری تعلیم سے انحراف کر رہے ہیں۔ آپس میں ان کے اختلافات بھی ہیں۔ اور کتاب الٰہی سے بھی ان میں کئی باتیں الٹی چل پڑی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں یہ ان کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ لیکن یہ ہیں کہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ سوال ہوتا ہے۔ آخر اس کی وجہ۔ رسول صاحب غور کر کے اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔ کہ ان مذاہب نے کچھ افتراپردازیاں کر رکھی ہیں۔ اپنے اپنے مذاہب کا جہاں تم یہ مان رکھا ہے۔ کہ بس یہی سچا اور کامل ہے۔ اور اسی سے ہمیں نجات ملیگی۔ اور جب نجات کی غرض محض ہمارے ہی مذہب سے پوری ہوتی ہے۔ تو دوسروں کی سنیں کیوں۔ انہیں یقین ہو رہا ہے۔ کہ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ دکھ ہے تو اسی میں ہے۔ موت آئی نہیں۔ کہ ہمارے دکھ چھوٹے نہیں سیدھے بیکنٹھ کو جائیں گے۔ واقعی بات بھی یہی ہے۔ جو لوگوں کو تحقیق حق اور ترقی سے روک رہی ہے۔ اور قرآن اس پر بجا فرماتا ہے کہ اس جھوٹی افترا پردازی سے سبز باغوں کے دھوکے میں آ کر یہ اپنے حقیقی فائدے سے محروم ہو رہے ہیں۔

۲۰- رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ

اس کے معنے اللہ کی خوشنودی کرتے ہیں ہم نے کوئی اصولی نقصان نہیں سمجھا۔ تاہم آیت ۱۴ میں اس کے زیادہ موزوں معنے راحت یا روحانی سرور کے ہو سکتے ہیں۔ جو خدا کی خوشنودی کا لازمی نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی منزل تو طے ہو چکی۔ تبھی انہیں جنت ملا۔ پس باغوں نعمتوں اور بیویوں کے ساتھ ہی جس رضوان کے جنت میں ملنے کا ذکر ہے۔ وہ دنیوی جنت میں ہر طرح کی راحت اور آسائش اور حالت نجات میں روحانی سرور ہی ہے۔

۲۱- اسحار

آیت ۱۶ میں اَلْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ اس کے معنے صبح کے وقت یا وقتوں میں مغفرت چاہنے کے لئے جاتے ہیں۔ اسحار جمع ہے۔ سحر کی اور سحر نام ہے رات کی تاریکی اور دن کی روشنی کے میل کا۔ اس لئے باوجود صبح پر ہی اس کا عام اطلاق کیا جانے کے ہم قرآن کا مدعا بار ہا آنے والے صبح و شام کے وقتوں سے سمجھتے ہیں۔ اگر خالی سحر لفظ ہوتا۔ تو مضائقہ نہ تھا۔ لیکن جمع کا صیغہ استعمال کرنے اور دیگر کل جگہوں میں صبح اور شام کی عبادت کا ذکر کرنے سے ہم نے ترجمے میں صبح اور شام کو مغفرت چاہنا مراد لیا ہے۔ جہاں صلوٰۃ کو دو سے زیادہ وقت کی عبادت وغیرہ پر لگایا ہے۔ وہاں بھی صلوٰۃ الوسطیٰ پر خاص زور دیا ہے۔ یعنی میل یا سندھی والی عبادت جسے سندھیا کہا جاتا ہے۔ باوجود اس کے اگر

یہ خیال کیا جاوے۔ کہ صبح کا وقت بالخصوص عبادت کے لئے نہایت متبرک اور موزوں سمجھا جاتا ہے۔ تو اسحار کو صبح کے وقتوں کے معنے میں لینا ہی صحیح ہے۔

۲۱۔ اُمّیّین

اس کے معنے ہیں امی لوگ اور اس پر پہلے کافی لکھا گیا ہے۔ تاہم سلاست مضمون کے لحاظ سے یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ ایک طرف اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اُمّیّین کے دو لفظ ہیں اور دوسری طرف نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ اور يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ کے دو بیان ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں کتاب پانیوالے لوگ توریت و انجیل کے معتقد ہیں جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ ہی یعنی تھوڑی سچائی ملی ہے۔ اور امی لوگ وہ ہیں۔ جنہیں کتاب الٰہی یا ام الکتاب پر اعتقاد ہے۔ اور انہیں بھی وید سے عملی اختلاف کرنے کی وجہ سے معتقدان توریت و انجیل کے ساتھ کتاب الٰہی کی دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ سب سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ سورۂ بقر آیت ۲۱۳ میں ابتدائی الہام کی غرض یہ بتائی ہے۔ کہ ہمیشہ انسانوں کا باہمی اختلافات کا فیصلہ ہوتا رہا ہے۔ اس لئے یہاں بھی کتاب اللہ اسی ابتدائی الہام کے لئے ہے۔

۲۲۔ سنہری زمانہ

۲۴ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑤

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

۲۵ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ

۲۶ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑦ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

۲۷ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑧ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

۲۸

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوٓءٍ ۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ

بَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿ع﴾ قُلْ اِنْ

كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾

۲۹ ع ۳۳ ۱۰ ۱۱ ۳۰ ۳۱

پھر کیا ہی عجیب زمانہ ہوگا۔ جب اختلافات دور ہوکر باہم متحد ہوجائیں گے۔ ہر شخص کے لئے اس کی کمائی وفا کرے گی۔ اور ان میں بے انصافی یا ادہرم کا نام نہ ہوگا۔ ۵۔ کہو اے خداوند تو ملک کا مالک ہے۔ جسے تو چاہے ملک دے۔ جس سے چاہے لے لے جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلیل کرے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ بے شک تو ہر بات پر قادر ہے ۶۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی دن کو رات میں تو ہی مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ۷۔ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں گے۔ اور جو کوئی ایسا کرے۔ اس کا اللہ والوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ اس سے بچاؤ اختیار کیا جاوے۔ بے شک اللہ تمہیں اپنا ہی خوف دکھاتا ہے۔ اور اللہ ہی منزل مقصود ہے۔ ۸۔ انہیں کہدو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اسے خواہ چھپاؤ خواہ ظاہر کرو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ نیز جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ بے شک وہ ہر امر پر قادر ہے۔ ۹۔ اس زمانے میں ہر شخص اپنے نیک عملوں کو حاضر پائے گا۔ اور جو بُرے عمل کئے ہوں گے۔ چاہیگا کہ اس میں اور اس کے بُرے عملوں میں دوری ہوجائے۔ بے شک اللہ تم کو اپنا ہی خوف دکھاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ ۱۰۔ انہیں کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرو۔ تو میری بات کو مانو۔ جس سے اللہ تم کو پیار کرے۔ اور تمہاری برائیاں تم سے دور کردے۔ کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ ۱۔ کہدو کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اور اگر وہ انحراف کریں۔ تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ۲۔

۲۳۔ اتحاد کی برکتیں

پانچویں آیت اور آیات مابعد میں انسانوں کے ایک دہرم میں متحد ہونے کی عملی تدبیروں اور ان کے فواید کا بیان کیا گیا ہے۔ پہلی آیتوں میں جس اتحاد کا بیان تھا اس کا دلفریب منظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ واقعی وہ زمانہ سنہری ہوگا۔ جب انسان اختلافات و شکوک سے اوپر اٹھ کر عالمگیر سچائیوں میں متحد ہوں گے۔ ہر شخص اپنی ہی حق حلال کی کمائی پر انحصار رکھیگا۔ کوئی ادہرم یا بے انصافی کا کام نہ ہوگا۔ خدا کے کامل انصاف پر ہی سب کا بھروسہ ہوگا۔ کسی کو دنیوی حکومت یا سلطنت کا لالچ یا اس وجہ سے اوروں سے عداوت نہ ہوگی۔ خدا کو ہی انسان دنیا کا اصل مالک سمجھیں گے۔ یعنی یجر وید کے اس قول کو اپنا موٹو بنائیں گے۔ کہ

वयं प्रजापते: प्रजा अभूव

ہم سب اس مالک کل کی رعیت ہیں جسے وہ چاہے بہ طور ایجنٹ کے چند روزہ امانت کی شکل میں حکومت دے۔ اور جس سے چاہے لے لے۔ غرضیکہ حکومت یا غلامی دولت یا غربت۔ عزت یا ذلت سب پر اسی کا اختیار سمجھا جاویگا انسانوں کے باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوگا۔ بہ قول

سہ
بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

۲۴۔ تعاون عدم تعاون

جب آیت ۷ کے منشا کے مطابق خدا کے ہی ہاتھ میں سب اپنی سیاہی سفیدی سمجھی جاویگی۔ رات دن۔ زندگی موت اور دولت رزق سب پر اسی کا اختیار سمجھا جاویگا۔ لوگ محض خدا کا ہی خوف رکھیں گے۔ اسی کی عبادت کریں گے۔ اسی سے دعا مانگیں گے۔ انسانوں سے انسان کا تعلق مساوات کا ہوگا۔ اور حسب منشا آیت ۸ محض انہی لوگوں کو دوستی یا تعاون وغیرہ کا مستحق سمجھا جاویگا۔ جو مومن ہوں گے۔ یا ایماندار اور انہی کی صحبت رکھی جائے گی۔ جس سے بدی دور رہیگی۔ اور اگر کوئی کسی کافر یا بد آدمی سے کوئی تعلق رکھیگا۔ تو تمام نیک لوگ یوگ درشن میں بیان شدہ ہدایت کے مطابق اس سے ایسی اُپیکشا (بے تعلقی) کریں گے۔ کہ اس برے شخص سے قطع تعلق کئے بغیر اسے چارہ نہ ہوگا۔ واقعی یجروید ادھیائے (منتر ۷) کا فرمان ہی قرآن کو ہر کہیں مد نظر ہے۔ کہ پاپیوں اور راکھشسوں کی بیخ کنی کرنے سے ہمارے ارد گرد کا کرہ سکھدائی رہ سکتا ہے۔

۲۵۔ گناہ سے نفرت

آیت ۹ میں اس سنہری زمانہ کا اور ہی خاص منظر پیش کیا گیا ہے۔ خدا کو ہر جا حاضر ناظر مانتے ہوئے گناہ سے سب لوگ بچیں گے۔ خدا سے کوئی بھی حرکت چھپائی نہیں جا سکتی۔ جس مکان میں چھپ کر گناہ کیا جاتا ہے۔ وہ وہاں بھی موجود اور ساکھشی ہے۔ اور تو کیا وہ دل کے اندر موجود ہے۔ جہاں سے گناہ کی بنیاد کا تعلق ہے۔ پس اس قادر مطلق کی موجودگی میں بدی کے برے انجام سے بچنا ناممکن سمجھ کر ہر شخص گناہ سے باز رہیگا۔ نیک عمل والوں کے لئے ہر طرف نیکی کا کرہ ہیا ہوگا۔ اور اس سے بدکرداروں کے اندر بھی یہی خواہش پیدا ہوگی۔ کہ کاش میرے برے عمل مجھ سے دور رہیں۔ یہی انسانی ترقی کا اصلی معراج ہے۔ اور اسی میں ساری راحتوں کا راز ہے۔

۲۶۔ رسول کیا نصیحت دے

یہ مختصر سا خاکہ اتحاد کے سنہری زمانہ کا کھینچکر قرآن فرماتا ہے۔ کہ ایسا کرہ پیدا کرنے کے لئے وہ لوگوں کو اچھی طرح ذہن نشین کریں۔ کہ اگر اللہ کی محبت کا جذبہ تم میں موجود ہے۔ تو میری اس نصیحت کو مانو۔ کہ خدا کی ہی اطاعت میں رہو۔ اسی کے حکموں کی تعمیل کرتا رہنے سے انسان سے گناہ دور رہتے ہیں۔ اور اس کو دکھ نہیں ہوتا۔ حسب قول وید کہ سو برس تک ایشور کے فرمائے ہوئے اعمال کو کرتے ہوئے ہی تم بندھن یا دکھ سے بچ سکتے ہو۔ اور اگر اس نصیحت کو نہ مانوگے۔ تو تم جا تو اور تمہارا کام۔ خدا کی محبت سے اور اس کے نتیجے میں سکھ سے محروم رہوگے۔ ہمارا کام محض سمجھا دینا ہے۔ اس پر چلنا اور پھل پانا آپ کا کام ہے۔

۲۷- زمین آسمان کا فرق

چونکہ علمائے اسلام کے دلوں میں موہومہ قیامت گھر کر رہی ہے۔ اس لئے انہیں خواب میں بھی خیال نہیں آتا۔ کہ قرآن کی آیات اوپر کی قسم کے سنہری زمانہ کا بیان کرتی ہیں۔ لہذا وہ یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

پھر (دیکھنا) اُس دن (یعنی قیامت کو) جس (کے آنے) میں کچھ بھی شبہ نہیں (ان کی) کیسی (گت بنیگی) جبکہ ہم ان کو (اپنے حضور میں حساب کتاب کے لئے) جمع کریں گے۔ اور ہر شخص کو جیسا اس نے (دنیا میں) کیا ہے۔ پورا پورا بھر دیا جائیگا۔ اور لوگوں پر (کسی طرح کا) ظلم نہیں ہوگا۔ آیت ۲۴ (غرائب القرآن)

پس کیا حال ہوگا۔ جب ہم ان کو ایک دن کے واسطے جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں۔ اور جو کچھ کسی شخص نے کیا ہے۔ وہ اس کو پورا پورا دیا جائیگا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ ۲۴- (حمایل التفسیر)

چونکہ اصل آیت میں قیامت کا لفظ ہی نہیں۔ اور دفعہ ۱۰ میں ہم اس قیامت کے خیال کو قرآن سے بالکل بے تعلق ظاہر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو خدا ہمیشہ ہی انصاف کرتا۔ اور جہاں بھی کوئی نفس ہو۔ وہیں موجود اور ساکھشی ہونے سے انصاف کر سکتا ہے۔ اسے سب کو اکٹھا کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ترجمہ میں جو یہ زمین آسمان کا فرق ڈالا گیا ہے۔ محض توہمات باطلہ کا نتیجہ ہے۔ اسی بنیاد پر دوسری آیات کا ترجمہ بھی اور ہی طرح کیا جا رہا ہے۔ اس ایک آیت کا ترجمہ محض اختلاف کا نمونہ ہے۔

۲۸- تناسخ کے خلاف جذبہ

جہاں موہومہ قیامت کا خیال خاص علما کو قابو کر رہا ہے وہاں انہیں ترجمہ میں یہ بھی احتیاط رکھنی پڑتی ہے۔ کہ کہیں تناسخ ثابت نہ ہو جاوے۔ حالانکہ قرآن کا خاص الخاص اصول تناسخ کا عوام الناس کو قائل کرنا ہے۔ آیت ۷ میں تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ کا ترجمہ صاف ہے۔ کہ خدا مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ جیسے رات کو دن سے اور دن کو رات سے نکالتا ہے۔ اس میں کیا اصل اصول اور کیا رات دن کی مثال دونوں سے آواگون ثابت ہے۔ مگر خاص مفسر زندہ اور مردہ کی بجائے ترجمہ میں بے جان اور جاندار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی تعبیر یہ کرتے ہیں۔ کہ انڈا خود بے جان ہے۔ اور اس سے جاندار بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور مرغی جاندار ہے۔ اس سے بے جان انڈا پیدا ہوتا ہے۔ جائے غور ہے۔ کہ انڈے سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا وہ روح کے بغیر ہوتا ہے۔ یعنی کیا بچہ نکلنے کے بعد اس میں روح داخل ہوتا ہے۔ اگر جیسا کہ امر مسلمہ ہے۔ پیدا ہوا بچہ روح والا انڈے میں ہی تھا۔ تو بے جان کہنے کے کیا معنے۔ اور پھر مرغی اور انڈے کی مثال دینے کی کیا غرض خود انسان اور گائے گھوڑا وغیرہ کی مثال کیوں نہ لی جاوے۔ جو حالت حمل میں بھی روح کے بچہ کے جسم میں ہونے کا صاف ثبوت دیتے ہیں۔ پس زندگی اور موت کا چکر یعنی آواگون کا خدا کی طرف سے عمل جاری رہنا ہی اصل مقصود ہے۔

۲۹- مومن کی دوستی کافر سے

آیت ۸ میں اصول بتایا گیا تھا۔ کہ صفات افعال اور عادات کے میل سے مومن کی دوستی مومن سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور عالمگیر اتحاد کے سنہری زمانہ

میں بالخصوص کسی مومن کا کافر سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو جاوے۔ تو ارد گرد کا کرہ ہوائی بہت جلد اس کو
قطع کر دیتا ہے۔ اس کی بجائے علمائے اسلام یہ مطلب لے رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو حکم ہے۔ کہ تم کافروں سے
دوستی نہ کرو۔ اصول کو تنگ دائرے میں لانے اور مذہبی تفریق کے موجود ہونے سے یہ معنے دنیا میں
نفاق ڈال رہے ہیں۔ قرآن کا منشا جو صفات افعال و عادات کو مقدم سمجھنے کا ہے۔ اس کی بجائے اس ترجمے
کا ایک دھڑے سے تعلق ہو گیا ہے۔ اور ہر مسلمان خواہ علم اور اخلاق کے لحاظ سے کتنا بھی کمزور ہو۔ دوسرے
مذاہب کے بڑے سے بڑے لائق اور نیک خیال اور نیک عمل عالم لوگوں کو کافر سمجھنے کا حقدار بن گیا ہے۔ اور چونکہ صحیح معنوں
میں محض غیر مسلم لوگ کافر نہیں ہو سکتے۔ قرآن سب اُمتوں میں ہادی آنے اور قدیم عالمگیر صداقتوں کی تصدیق
کرنے کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عظیم ہستی کو حقیر سمجھنے کے خلاف بلکہ سب ہادیوں کی یکساں تعظیم کرنے کی تلقین
کرتا ہے۔ اس لئے کافر کی صحیح تشخیص کرنا بھی آسان نہیں۔ لہذا عملاً یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جہاں کسی کے ساتھ کسی
مسلمان کی عداوت ہوئی وہ کافر کا لفظ اس پر چسپاں کر کے مسلمانوں کو برانگیختہ کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر بڑے سے
بڑے مخالف اسلام سے بھی دنیوی غرض کسی کی پوری ہوتی ہے۔ یا کسی کی طاقت کے آگے پیش جاتی نظر نہیں آتی
تو اور تاویلوں کا سہارا لینے لگتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا نوٹ اس آیت کے متعلق دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔
آپ لکھتے ہیں۔ "ظاہراً ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں یہ حکم سخت سخت ہونے کے علاوہ مضر بھی ہے
کہ ہم غیر مذہب والوں کی رعیت ہیں۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی رو سے ہم کو خیر خواہ
اور وفادار رعیت بن کر رہنا ہے۔ ہم غیر مذہب کے لوگوں میں ملے جلے بستے ہیں۔ ہمارا ان کا چولی دامن کا
ساتھ ہے۔ لین دین ہے۔ ہم میں ان میں طرح طرح کے تعلقات ہیں۔ ان کے بدون ہم اور ہمارے بغیر وہ
رہ نہیں سکتے۔ اور لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا کے مطابق ہم کو خدا کی طرف سے فساد کی سخت مناہی ہے
تو اگرچہ اس جگہ صراحت نہیں۔ مگر قرآن کے دوسرے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کافروں یعنی
غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی کی ممانعت ایک حکم موقت تھا۔ ملک داری اور ملک گیری کی مصلحتوں پر
مبنی یعنی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ غیر مذہب والوں نے لڑائی چھیڑ دی تھی۔ ایسے وقت میں
ضروری تھا۔ کہ مسلمان غیر مذہب والوں کے ساتھ سازنہ رکھیں۔ اور مسلمانوں کی تدبیریں مخالفوں پر منکشف
نہ ہوں۔ ایسے انتظام اب بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یا دوستی سے دین کی دوستی مراد ہو۔ سو ایسی دوستی تو مخالف
مذہب کے لوگوں میں نہ ہوئی ہے۔" ہر بے رو رعایت شخص پر اس سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اصول کو چھوڑ کر
ہنگامی ضروریات پر آیات کو چسپاں کرنے کا نتیجہ کتنا خطرناک ہے۔ حضرت محمد صاحب جیسی با اصول اور حق
کی شیدا ہستی پر سختی کا الزام عاید ہوتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نقصان رساں تعلیم دینے کا الزام
عائد ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت حسب ضرورت پالیسی سے کام نکالتے تھے۔ اور ملک داری
اور ملک گیری کی مصلحتیں ان کے مدنظر رہتی تھیں۔ اور وہ دنیوی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈال رہے تھے
یہ تمام الزامات محض قرآن کی اصل حقیقت تک رسائی نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف یہ ایسی تاویلوں
سے قرآن کی ساری پوزیشن خطرے میں ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن کا کافروں سے دوستی نہ

کرنے کا حکم محض اس وجہ سے تھا۔ کہ دشمنوں سے اپنے راز پوشیدہ رکھے جاسکیں۔ گویا اس کے بعد جب یہ ضرورت نہ رہی۔ قرآن کی یہ آیت غیر ضروری ہوگئی۔ اسی طرح اگر خاص واقعات پر ہی آیتوں کو محدود رکھا جاوے۔ تو اب اس قسم کی ساری آیتیں غیر ضروری ہیں۔ اگر آئندہ ایسے واقعات کا امکان ہونے سے ان کا رکھا جانا ضروری ہے۔ تو واقعات کی مشابہت کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی تو کوئی کسوٹی ہونی چاہیئے۔ قانونی مقدمات میں واقعات کی یقینی مشابہت ثابت کرنے کے لئے لائق سے لائق وکیلوں اور ججوں کے دماغ چکراتے ہیں۔ تو عام لوگ کس طرح آسانی سے آئندہ واقعات پر آیات کو چسپاں کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ کافروں سے مراد جو غیر مذہب والوں کی لی گئی ہے۔ اور بھی قابل اعتراض ہے۔ قرآن موجودہ اسلام سے غیر مذہب والوں کو کافر نہیں کہتا۔ وہ تو مرد عورت مسلم غیر مسلم سب کے لئے نیک اعمال کی شرط لگاتا ہے۔ بدکردار مسلمان مومن نہیں نہ مقبول خدا ہو سکتا ہے۔ ہاں نکوکار یہود مومن ہے۔ سورۃ الممتحنۃ کی آیت ۸ و ۹ اس امر کا قطعی فیصلہ پیش کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ تم سے دینی مخالفت کرتے رکھتے ہیں۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالنے یا تمہارے سچے اصولوں سے منحرف کرنے کے درپے ہیں۔ ان سے دوستی کرنے کو اللہ منع فرماتا ہے۔ نیکی اور انصاف پر کاربند لوگوں سے دوستی کی کسی صورت میں ممانعت نہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ دینی جنگ کو ہی قرآن وقعت دیتا ہے۔ اور یہ ہے بھی صحیح کیونکہ قانون دین کو ہی سب سے زیادہ انتظام عالم میں دخل ہے۔ یہ بیرونی جسم کی بجائے اندرونی طاقتوں پر اثر ڈالتا ہے۔ دلوں کو پلٹا دیتا ہے عقلوں کو روشن کرتا ہے۔ اور سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس سچے قانون کے مخالف لوگ دنیا کے راحت بخش انتظام کو درہم برہم کرنے والے ہیں۔ اگر ان کی دوستی ہوگی۔ تو وہ فطرتاً نادان دوست ہی ثابت ہوں گے۔ پس قرآن کا مدعا صحیح معنوں میں نیک انسانوں سے دوستی اور تعاون کرنے سے ہے۔ اور انصاف اور دھرم کے لحاظ سے بلا لحاظ مذہب و ملت سب سے باہمی تعاون کرنے سے ہے۔ جس سے دنیا میں کل نوع انسان حق اور انصاف سے فیض پا سکے۔

۳۰۔ دھرم کی ویدی پر

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۳۲

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ ۳۳

رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۳۴

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ

الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ

الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ ۳۵

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ

وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ ۳۶

بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ ۳۷

الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ ۳۸

يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ

مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۳۹

إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ ۴۰ ع

يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝ يَا مَرْيَمُ ۴۱

اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ ۴۲

إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ

لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۴۳

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ ۴۴
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ ۴۵
لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ ۴۶-۴۷
وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ
مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ
وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ
فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ ۴۸
مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ
رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ ۴۹
مُسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ ۵۰
قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا ۵۱
آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۵۲
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ ۵۳ ع ۱۳

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

۵۴ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ① فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

۵۵ فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ

۵۶ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ

۵۷ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ

۵۸ و ۵۹ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا

۶۰ وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا

۶۱ لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ

۶۲ ع اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝

تحقیق اللہ نے آدم اور نوح نیز آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب الاقوام بنایا۔ ۳۔ یہ ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۴۔ یوں ہوا کہ آل عمران کی ایک عورت نے کہا۔ میرے رب جو کچھ میرے بطن میں ہے۔ میں اسے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے اور جاننے والا ہے۔ ۵۔ پھر جب بچہ جنی۔ اور اللہ جانتا تھا۔ کہ اس نے کیا جنا۔ کہا میرے رب میں نے یہ لڑکی جنی ہے۔ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میری یہ دعا ہے۔ کہ وہ اور اس کی اولاد شیطان مردود سے بچکر آپ کی پناہ میں امان پا دیں۔ ۶۔ پس اس کے رب نے اسے

ایسا قبول کیا۔ جیسا قبول کرنے کا حق تھا۔ اور اسے اچھی طرح بڑھایا۔ اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔
جب بھی زکریا اس کے پاس مسجد میں آتے۔ اس کے پاس نئے سے نیا رزق پاتے۔ اس سے پوچھتے۔ کہ اے
مریم یہ تجھے کہاں سے ملتا ہے۔ وہ کہتی۔ اللہ سے۔ بے شک اللہ ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے
۷۔ وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ کہ میرے پروردگار۔ مجھے اپنے حضور سے نیک اولاد عطا فرما۔
یقیناً تو دعا کو سننے والا ہے۔ ۸۔ وہ سجدے میں ایشور دھیان میں ہی تھے۔ کہ فرشتوں نے انہیں پکارا۔ اللہ
تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو کلام الٰہی کی تصدیق کریگا۔ اور صالحین میں سے سچا برہمن۔ برہمچاری اور رشی ہوگا۔ ۹۔
اس نے کہا۔ میرے رب میرے بیٹا کیا ہوگا۔ میں تو بوڑھا ہی ہو چکا۔ اور بیوی میری بانجھ ہے۔ فرمایا اس طرح اللہ
جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ ۱۰۔ اس نے کہا میرے رب میرے لئے کوئی ہدایت۔ فرمایا۔ تیرے لئے یہ حکم ہے۔ کہ تو تین
دن سوائے اشارات کے انسانوں سے کلام نہ کرنا۔ اور کثرت سے اپنے رب کی ہی یاد کرنا اور صبح و شام اسکی ہی تسبیح کرنا۔ ۱۱۔ اور فرشتوں
نے کہا۔ اے مریم! تحقیق اللہ نے تجھے برتری اور پاکیزگی دی۔ اور تجھے جہان کی عورتوں میں منتخب فرمایا۔ اے مریم اپنے پروردگار کی
رضا میں رہو۔ خدا کے حضور میں سجدہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔ ۲۔ یہ ایک قسم کی غیبی خبریں ہیں جو ہم تیرے دل پر ظاہر کرتے
ہیں۔ ورنہ نہ تو تو ان کے پاس اس وقت تھا۔ جب وہ قلمیں ڈالتے تھے۔ کہ کون مریم کا سرپرست بنے۔ اور نہ
تو اس وقت ان کے پاس تھا۔ جب وہ آپس میں جھگڑتے تھے۔ ۳۔ نیز یہ کہ فرشتوں نے کہا۔ اے مریم اللہ تجھے
اپنی کلام کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسےٰ ابن مریم ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں صاحب رتبہ اور
مقرب درگاہ ہے۔ ۴۔ اور کیا جوانی میں اور کیا بڑی عمر کا ہو کر لوگوں کو ہدایت دیگا۔ اور ایک صالح (برہمن) ہوگا
۵۔ مریم نے کہا۔ میرے رب میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ مجھے کسی مرد نے چھوا ہی نہیں۔ فرمایا۔ اسی
طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جونہی کسی کام کے ہونے کا وقت ہو۔ فرماتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ ۶۔ اور خدا
اسے علم الٰہی اور توریت اور انجیل سکھائیگا۔ ۷۔ وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول کے طور پر آئیگا۔ اور کہیگا۔ میں
تمہارے رب سے تمہارے لئے ہدایت لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی کے سے پرند کی شکل ظاہر کروں۔
اور اس میں ایسی پھونک ماروں۔ کہ وہ حکم خدا سے سچ مچ کا پرند ہو جائے۔ اور ایسے ہی مادر زاد کوڑھیوں اور
اندھوں کو بھلا چنگا اور مردوں کو زندہ کردوں اور تمہیں بتادوں۔ کہ تم نے کیا کھایا ہے۔ اور اپنے گھروں
میں کیا جمع کر رکھا ہے تحقیق اگر مومن ہو تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہدایت ہے۔ ۸۔ اور مجھ سے پہلے جو توریت
میں سے ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ تاکہ وہ بات جو تم پر حرام کی گئی ہے۔ حلال کردوں۔ اور میں تمہارے
رب کی طرف سے ہدایت لایا ہوں۔ کہ اللہ کا خوف کرو۔ اور میری اطاعت کرو۔ ۹۔ بے شک اللہ ہی میرا
بھی پروردگار ہے۔ اور تمہارا بھی۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی راہ راست ہے۔ ۱۰۔ پھر جب عیسےٰ نے محسوس
کیا۔ کہ وہ کفر پہ مائل ہیں۔ تو بولا۔ کون ہے۔ جو اللہ کے ساتھ میری مدد کرے۔ حواری بولے ہم اللہ (کی
طرف) کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ اور تمہیں اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ۱۱۔

اے ہمارے رب۔ جو تونے نازل کیا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تیرے رسول کے پیرو بنتے ہیں۔ سو ہمیں اپنے شاہدوں کے ساتھ لکھ دیجئے۔ ۱۲۔ اور انہوں نے تدبیر (حکمت عملی) کی۔ ادھر سے اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ احسن المدبرین ہے۔ ۱۳۔ اور اللہ نے کہا اے عیسے! میں تمہیں موت دیکر اپنی طرف اٹھانے والا کافروں سے تم کو پاک رکھنے والا۔ اور تیرے پیروؤں کو تیرے مخالفوں پر تا زیست فوقیت دینے والا ہوں۔ پھر میں تمہارا مرجع ہوں۔ اس لئے جن باتوں میں تمہارا اختلاف ہے۔ میں ہی اس کا فیصلہ کرونگا۔ ۱۔ کفر کرنیوالوں کو دنیا میں بھی عذاب شدید ملیگا اور آخرت میں بھی اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ ۲۔ اور جنہوں نے حق کو قبول کیا۔ اور نیک عمل کئے ان کا پورا پورا اجر ان کو دیا جائیگا۔ تحقیق اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ۳۔ یہ ہم تم کو اس حکیم مطلق کے ذکر علم وید اور آیتوں سے سناتے ہیں۔ ۴۔ اللہ کے ہاں عیسے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے آدم کی۔ کہ اس کو مٹی سے بنایا اور اس کے حکم کی دیر تھی۔ کہ وہ چست ہو گیا۔ ۵۔ یہ سچا علم تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پس تو اس میں شک نہ کر۔ ۶۔ پھر اگر تم پر علم پہنچنے کے بعد اس پر جھگڑا کریں۔ تو کہو۔ آؤ۔ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں اور اپنی اور تمہاری عورتوں اور اپنے اور تمہارے لوگوں کو بلائیں۔ اور خدا سے دعا مانگیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ ۷۔ تحقیق حق کا یہی قصہ ہے۔ اور اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور تحقیق اللہ ہی غالب اور صاحب حکمت ہے۔ ۸۔ پس اگر انحراف کریں۔ تو اللہ مفسدوں کو جانتا ہی ہے۔ ۹۰۔

۱۳۰۔ آدم اور نوح

ان آیات میں نظایر کا بیان ہے۔ یعنی مشابہات کا انسانی جماعت کے لئے ایک ہی سچے دہرم کی ضرورت اور اس میں متحد ہونے سے سنہری زمانے کا نتیجہ بیان کرکے اب ان شخصیتوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جنہوں نے اس سچے دہرم کی اشاعت میں ہی اپنے تئیں وقف کیا۔ اول نام آدم کا۔ اور یہ لفظ جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ سنسکرت کا आदिम آدِم بہ دال مکسور ہے۔ اور آغاز عالم کے رشیوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مسلمہ طور پر قابل تریں ہستیاں تھیں اور یہی وجہ تھی۔ کہ ان پر الہامی علم کا نزول ہوا۔ سورۃ النحل آیت ۲ میں ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آغاز میں خدا نے ان رشیوں کی روح میں اپنے علم کو جلوہ گر کیا۔ جنہیں اس نے اپنے بندوں میں سے قابل سمجھا۔ فرشتوں اور خدا کا جو مکالمہ سورۃ البقر میں بیان ہوا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان آدم رشیوں کے بغیر کوئی علم کو حاصل نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ فرشتوں یعنی انسان کے بغیر مخلوق دنیا کے کل ممبروں کی زبان حال سے قرآن یہ لفظ نکلواتا ہے۔ کہ بغیر تیرے سکھائے ہم کچھ جان نہیں سکتے۔ اور خدا کی طرف سے یہ فیصلہ دیا گیا۔ کہ ان فرشتوں کو گو یہ معلوم نہیں۔ پر میں جانتا ہوں۔ کہ کون اس میرے علم کو حاصل یا محسوس کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے مطابق علم کے حقیقی معنے و تعلقات کو بیان کرنے والے کل

اسم (شبد) انہیں سکھائے گئے۔ اور فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کے مطابق خدا سے اس کی کلاموں کا علم آغاز کے لوگوں کو ملا۔ اور اگر یہ آغاز کے رشی دہرم کی ویدی پر اپنے جیون کی آہوتی نہ دیتے اور سچے علم کی اس نعمتِ عظیم کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے لئے اپنے تئیں وقف نہ کرتے۔ تو ناممکن تھا۔ کہ انسانوں میں علم کا سلسلہ چلتا۔ یہی حال حضرت نوح کا ہے۔ ہدایت عام میں آپ نے اپنی زندگی کو لگایا۔ یہاں تک کہ خدا کی عنایت سے آپ طوفان عظیم سے بچائے گئے۔ آپ کے قصے کو بطور استعارہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ کہ آپ اپنے غیر معمولی علم اور نیک چلنی کی کشتی کے ذریعے نفسانی خواہشات کے کل جہان کو غرق کرنے والے طوفان سے بچائے گئے۔ تاہم اپنے ظاہری بیان کے لحاظ سے بھی قرآن آپ کو فنافی الدین قرار دیتا۔ اور آپ کی نظیر سے انسانوں کو سبق سیکھنے کی ہدایت ہوتی ہے۔

۱۲۱- آل ابراہیم و آل عمران

یہ دو سلسلے گویا قرآن میں منتخب روزگار ہوئے ہیں حضرت محمد صاحب ملت ابراہیم کو ماننے کی وجہ سے آل ابراہیم کا دین اسلام سے تعلق جوڑتے ہیں یعنی آغاز عالم کے دہرم سے اور آل عمران سے یہود و نصاریٰ کا تعلق جوڑتے ہیں۔ عام طور پر آل کے معنے اولاد ہے۔ اور ذُریت کا لفظ بھی نسل یا اولاد کے لئے ہے۔ لیکن قدیم زمانے میں اولاد کا مفہوم آج کل کی طرح محض جسمانی پیدائش والی اولاد نہ تھا۔ بلکہ وہ پیدائش دو طرح سے مانتے تھے۔ ایک تو باپ اور ماں کے تعلق سے جسمانی پیدائش ہونا اور دوسرے گورو نام باپ اور ودیا نام ماں کے میل سے روحانی پیدائش ہونا۔ اسی لئے تحصیل علم سے فارغ ہونے پر لوگ دوجنما کہلاتے تھے۔ اور جسمانی پیدائش کا تعلق یا اس کا چرچا عام طور پر گوروکل میں جانے تک ہی رہتا تھا۔ بعد تعلیم بالخصوص مذہبی تبلیغ کرنے کی صورت میں گورو کے بیٹے کہلانے میں فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور چونکہ انسانیت کی اصل غرض کے پورا ہونے میں یہ دوسرا جنم ہی معاون ہوتا ہے۔ اس لئے اولاد یا نسل کا سلسلہ مذہبی حلقے میں مقدم طور پر گورو کے تعلق سے ہی چلتا تھا۔ اور گو یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ بعد کے زمانوں میں علمی استعداد کی کمی سے یہ تمیز کرنا مشکل رہا ہے۔ کہ کونسا نام جسمانی پیدائش کے تعلق سے مذکور ہے۔ اور کونسا علمی تعلق سے۔ تاہم یہ امر موجب خوشی ہے۔ کہ قرآن میں اس تمیز کا کافی احساس موجود ہے۔ چنانچہ آل عمران۔ آیت ۶۷ میں اس امر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بے شک ابراہیم کے اصل قریبی لوگ وہ ہیں۔ جو اس کے پیرو ہیں۔ اور یہ نبی لوگ ہیں۔ یا وہ جو حق کو مانتے ہیں اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

یہاں اَوْلَى النَّاس کا لفظ ابراہیم کے رشتے یا تعلق کا قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کیونکہ اخیر میں خدا کو بھی مومنوں کا ہی ولی کہا ہے۔ حالانکہ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے۔ پس ابراہیم کے دہرم کو ماننے والے اور وہ بھی جو نبی یا مومن ہوں

آل ابراہیم کے لفظ کا اصل مفہوم ہیں۔ قرآن میں اور جگہوں پر بھی اس امر کے ثبوت ملتے ہیں۔ سورۃ البقر آیت ۱۲۴ میں ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور ابراہیم کا خدا نے اپنی کلاموں میں امتحان لیا۔ تو اس میں پورا اترا فرمایا میں تجھے لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ اس نے کہا اور میری اولاد میں سے۔ فرمایا۔ میرا یہ عہد ظالموں یعنی قابلیت کے لحاظ سے نیک اوصاف نہ رکھنے والوں سے تعلق نہیں رکھتا" ویدک دھرم میں چاروں ویدوں کا عالم یا امتحان کے پاس کرنے والا برہما کہلاتا ہے۔ وہی امتحان یہاں مذکور ہے۔ کلمات کا لفظ صیغہ جمع ہیں چار وید کے لئے ہے۔ اور ویدک دھرمیوں کے یگیہ وغیرہ تمام نیک کام برہما کی رہنمائی میں ہوتے ہیں۔ اسلام میں وہی پوزیشن امام کی ہے۔ اور ابراہیم کا امام بنایا جانا خاص ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ ابراہیم۔ ابرہیم وغیرہ الفاظ برہما لفظ کی ہی تبدیل شدہ صورت ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنی اولاد کے متعلق جو سوال ہے۔ وہ صاف ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ برہما اپنے شاگردوں کے لئے دریافت کر رہا ہے۔ جسمانی اولاد کے لئے نہیں۔ اور خدا کا یہ جواب کہ ناقابل اولاد سے میرے اس عہد کا تعلق نہیں اور بھی اسی ویدک اصول کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔ کیونکہ قابلیت کا تعلق دوسرے یا علمی جنم سے ہے۔

آل عمران موسےٰ اور ہارون والے سلسلے کے لئے ہے۔ اسی میں حضرت عیسےٰ ہوئے۔ عمران موسیٰ اور ہارون کے والد کا نام کہا جاتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ یعنی حضرت مریم کے والد صاحب کا نام بھی عمران بتلاتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی غور کرنے پر دینی تعلق سے اولاد کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ جسمانی ولدیت کے تعلق سے قرآن کسی بحث میں خود بھی نہیں پڑتا۔ اور متشابہات کے متعلق فضول کے بحث مباحثے میں کوئی نہ پڑے۔ اس کا آیت نمبر ۶ میں صاف حکم بھی دیتا ہے۔ پس محض اتنا جاننا کافی ہے۔ کہ موسیٰ اور ہارون کا جو دینی سلسلہ عمران سے چلا۔ وہی مریم اور عیسیٰ کے دین کی بنیاد ہے۔

۳۲۔ مریم اور اس کی والدہ

آیت نمبر ۳۴ میں عمران کی عورت کا دھرم پریم بیان کر کے اسے بھی بطور نظیر پیش کیا ہے۔ وہ دین الہی کی محبت میں سرشار تھی۔ اس نے عہد کیا۔ کہ میں اپنا بیٹا دین کے لئے وقف کروں گی۔ اور خدا سے بھی اس دعا کی قبولیت کی وہ ملتجی تھی۔ مگر جب بیٹی پیدا ہوئی۔ تو اس کو کچھ ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔ کہ لڑکے کو تو دینی خدمت زیب دے سکتی تھی۔ لڑکی کیا کرے گی۔ مگر آیت ۳۵ میں قرآن کہتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تو یہ فکر تھا۔ مگر خدا جانتا تھا۔ کہ اس نے کیسی ہستی کو جنم دیا ہے۔ ایسی کہ لڑکا ویسا نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی طرز کلام ہے۔ جو نورجہاں کے جنگل میں پیدا ہوتے اور اس کے حالت بیکسی میں رونے پر مؤرخ اختیار کرتا ہے۔ کہ قسمت سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ ایک

دن یہ بیکس بچی اس قدر عظیم الشان ملک کی ملکہ بنے گی۔ خیر اس عورت نے اس کا نام مریم رکھا۔ اور دعا کی۔ کہ بار خدایا یہ اور اس کی نسل تمام برائیوں سے پاک اور ایک خدا کی پرستار و تابعدار رہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی پرورش اور قابلیت کی ترقی اور زکریا نبی کی کفالت میں دیا جانے کا ذکر ہے۔ اور نیز یہ کہ زکریا جب آتا اس کے پاس رزق پاتا۔ اور جب پوچھتا۔ تو مریم کہتی۔ یہ اللہ سے ملتا ہے۔ آیت نمبر ۴۴ سے اس کفالت کے متعلق یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ زکریا کی سپردگی میں ہونے سے پہلے کچھ جھگڑا ہوا تھا۔ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ یعنی قلمیں ڈالتے تھے یا قرعہ اندازی ہوتی۔ مطلب یہ کہ ایک دینی خدمت کے لئے وقف ہونہار شاگرد کا گورو بننے میں عالم لوگ فخر سمجھتے تھے۔ آیت ۴۱ تا ۴۳ میں مریم کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ بوجہ اپنی اعلےٰ صفات کے برگزیدہ تھی۔ پاک طینت۔ اپنے وقت کی قابل ترین عورت۔ اپنے خدا کی فرمانبردار اور عبادت و رکوع و سجود کی پابند تھی۔ ہم جانتے ہیں انجیل میں مریم کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ہوبہو اس طرح کا نہیں۔ اور قرآن اور انجیل کے بیانات پر طویل بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن ایسی بحثوں کو نقصان رساں اور غیر ضروری کہتا ہے۔ حضرت محمد صاحب محض محکم اصولوں کو دین یا دھرم کی اصل اور سب سے اعلےٰ چیز قرار دیتے ہیں۔ اور عمران وغیرہ شخصیتوں کے بیان کو آیات متشابہ مانتے ہیں۔ اور ان کی مختلف تاویلوں کو مذہبی نفاق کا موجب فرماتے ہیں۔ پس جاننے کی بات محض یہ ہے۔ کہ آنحضرت نے اپنے وقت میں آل عمران کی بابت جو مخالف یا موافق حالات سنے یا پڑھے یا جانے۔ ان کو اپنی خداداد ذہانت یا نکتہ رسی سے اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے استعمال کیا اور آیت ۴۴ میں واضح کیا۔ کہ نہ کوئی چشم دید گواہ زکریا کے کفیل ہونے کے وقت کا ہے۔ نہ علمائے ہیکل کی باہمی بحث کے وقت کا۔ لیکن ہم نے اس غیبی حقیقت کو وحی کے ذریعے منکشف پایا۔ اور لکھ دیا ہے۔ چونکہ وحی محض نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور حالات و واقعات معلومہ پر پوری طرح سوچ وچار یا تدبر کے بعد جو کچھ دل میں یقینی امر جمتا ہے۔ اسے ہی انسان صحیح سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے آنحضرت نے کمال کی دوراندیشی سے دھرم کی فضیلت کو بیان کیا۔ اور محض اسی کے نکتہ نگاہ تک ان شخصیتوں کے ذکر کو محدود رکھا ہے۔

۳۳۔ زکریا

جہاں مریم اور اس کی والدہ کی نظیر دی۔ وہاں مریم کے گورو زکریا کو بھی دھرم کا پورا پریمی کہا۔ وہ تمام علما سے بڑھ کر قابل ہونے کی وجہ سے مریم کا کفیل بنا۔ اور جب مریم کے متعلق اس کے دل پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ خاص اعلےٰ صفات کی وجہ سے برگزیدہ اور ایک منتخب ہستی ہے۔ بالخصوص وہ ہر بار اسے نئے سے نئے علمی مضامین پر دسترس حاصل کرتے پاتا۔ اور اسے یقین ہو گیا۔ کہ یہ کوئی خاص سنسکاری جیو ہے۔ اور اسی لئے خدا کی عنایت سے اسے اس قدر جلد علمی ترقی اور دینی عظمت مل رہی ہے۔ تو اس کے اندر بھی ویسی ہی اولاد کی پرزور خواہش ہوئی۔ اور وہ اس کے لئے خدا سے دعا مانگنے لگا۔ چنانچہ فرشتوں نے حالت نماز میں ہی اسے یحییٰ کی خوشخبری دی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ محض اس کے اندرونی خیالات و سچی خواہش کا انعکاس ہی اسے قبولیت دعا کا یقین دلاتا تھا۔ چنانچہ سورہ مریم آیت نمبر ۴ میں زکریا کے لفظ ہیں۔ کہ میں کبھی قبولیت دعا سے محروم نہیں رہا۔

۳۴۔ بوڑھا اور بانجھ

زکریا کا یہ کہنا کہ میں بوڑھا ہوں۔ اور میری عورت بانجھ ہے ایک خاص اعلےٰ صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔ قدیم سچے برہمنوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی تھی۔ کہ وہ اپنے بعد دنیا کی خدمت میں وقف رہنے والے شاگرد چھوڑ جاویں۔ گرہستیوں کو اپنے جسمانی بچے پیدا ہونے کی جتنی زبردست خواہش ہو سکتی ہے۔ اس سے کئی گنا زیادہ سچے عالموں کو جانشین عالم چھوڑنے کی امنگ تھی۔ اور اسی کے ثبوت میں زکریا کا یہ ذکر قرآن میں ہے۔ عورت کے بانجھ ہونے کے ذکر سے شک ہوتا ہے۔ کہ جسمانی بیٹے کے وہ خواہاں تھے۔ لیکن درحقیقت اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ گورو کے چارج میں جو شاگرد ہوتا تھا۔ وہ وِدّیا ماتا کے گربھ میں کہا جاتا تھا۔ گورو خاوند ہے۔ اور وِدّیا بیوی۔ علمی عورت جسمانی بچہ نہیں جنتی۔ اس لئے اسے بانجھ کہنا بجا ہے۔ اور چونکہ گورو سب سے اچھا وہ سمجھا جاتا تھا۔ جو علمی کمال کے ساتھ عمر رسیدہ اور مُسن بھی ہو۔ اس لئے زکریا کا بوڑھا ہونا بھی صحیح ہے۔ اور ایسے گوروؤں کو خدا اور موت کی ہر وقت یاد رہتی تھی۔ اس لئے ان کے دلی ارمان کا ظہور اس شکل میں ہوتا تھا۔ کہ عمر پوری ہونے کو ہے۔ کاشکہ باقی ماندہ تھوڑے دنوں میں ہی ہمارا کوئی ہونہار شاگرد آسمان انسانیت پر ستارہ بن کر چمکتا ہوا نظر آوے۔

۳۵۔ یحیےٰ

زکریا کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اس کو یحیےٰ جیسا فرزند ملا۔ یحیےٰ نام حیّ حیات یا زندگی کی خوبی پر دلالت کرتا ہے۔ یا دھرم والی یا ایسی زندگی پر جو انسان کو جیون مکت کا درجہ دے۔ چنانچہ آیت نمبر ۳۸ میں اس کی صفات یہ بتائی ہیں۔ (۱) کلام الہی کا مصدق یعنی اس کی صداقتوں کی اشاعت کرنیوالا (۲) سیّداً یعنی بزرگ یا پیشوا اور زیادہ صحیح طور پر سچا برہمن یا سنیسی (۳) حَصُوراً یعنی اپنے حواس کو نفسانیت کی غلامی سے روکنے والا۔ یہ لفظ درحقیقت برہمچاری کی جگہ ہے۔ کیونکہ حَصُور وہ ویریہ وان طاقتور یا پاکباز شخص ہے۔ جو عورت کی صحبت سے پرہیز کرتا ہے۔ (۴) نبی اور وہ بھی صالحین میں سے۔ صالح اعلےٰ درجہ والے نیک عمل لوگ ہیں۔ یعنی جن کے عمل صحیح علم پر مبنی اور احکام الہی کے مطابق ہوں۔ یہ کل صفات سچی دینی زندگی اور قدیم رشیوں منیوں کے سچے ہونہار شاگردوں کے ہیں۔ اور زکریا جیسے گورو کی صفات جو اوپر بیان ہوئیں۔ ایسے ہی لائق شاگرد کے ہونے کا پیش خیمہ تھیں۔ زکریا تین تین دن تک مون برت رکھتا۔ کسی سے کلام نہ کرتا۔ باریک مضامین پر غور کرتا۔ ایشور کی یاد کثرت سے کرتا۔ اور صبح و شام باقاعدہ سندھیا یعنی یگیہ کرتا تھا۔ یہ آیت ۴۰ سے ظاہر ہے۔ پھر زکریا نے جو اپنے بوڑھا اور اپنی عورت کے بانجھ ہونے کا ذکر کیا۔ وہی ذکر حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔ جب اسے بیٹا ہونے کی خوشخبری ملی۔ تو اس نے کہا میں بوڑھا اور میری عورت بیٹا جننے والی نہیں یا بانجھ ہے۔ اب ابراہیم کی عورت کا نام سرہ ہے۔ اور برہما لفظ جس کی بگڑی ہوئی صورت لفظ ابراہیم ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم پر دلالت کرتا ہے۔ وید کا نام سرسوتی ہے۔ اور سرسوتی لفظ مل کر بنا ہے۔ सार (سرہ) اور वती (وتی) سے۔ پس سرہ ودیا کے معنے میں ہے۔ اور یہ کہنا بجا ہے۔ کہ وہ بانجھ ہے۔ اس لئے کہ وہ جسمانی اولاد پیدا نہیں کرتی۔ اس قسم کی نظایر کا بیان صاف اس نتیجہ پر

پہنچاتا ہے۔ کہ قدیم رشیوں کی خواہش بڑے عالم اور پروپکاری شاگرد پیدا کرنے کی پچھلی عمر میں پوری ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب ان بیانوں سے واضح نہیں ہوسکتا۔

۳۶ - عیسےٰ مسیح

یوں تو ان نظایر میں سے ہر ایک کے بیان میں نہایت ذو معنی الفاظ کا بیان کیا گیا ہے۔ اور شخصیتوں کو محض اصولی بیان کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ تو بھی مسیح کا بیان خاص طور پر کمال کا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ مریم کو ایشوری کلام (گیان) ملنے اور اس کی اشاعت ہونے کے امر کو بڑے عجیب طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ یوحنا کی انجیل میں پہلے ہی لکھا ہے "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام ہی خدا تھا" عیسائی لوگ کلام کو مسیح یا بیٹا کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور آیت ۴۴ میں کَلِمَۃٍ مِّنۡہُ کے الفاظ سے مسیح کو کلمۃ اللہ کہا جانے پر فخر کرتے ہیں۔ یوحنا کا نام پہلی کتب میں جان (Jhan) کہا گیا ہے۔ اور یہ لفظ صریحاً گیان یا علم کے معنے میں ہے۔ پھر گیان (ज्ञान) کو عام طور پر پنڈت لوگ جنان بولتے ہیں پس معمولی سے غور پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ گیان یا وید کی مہما گانے والی کتاب کو ہی گیان یا جنان اور بعد میں جان یا یوحنا کی کتاب کہا گیا ہے۔ پہلے جو کہا کہ ابتدا میں کلام تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ پیدائش عالم ہونے سے پہلے کلام موجود تھی۔ اور وہ خدا کے ساتھ تھی۔ بلکہ وہی خدا تھی۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز اس علم سے ہی انسان بناپاتا ہے۔ جو پہلے سے اس کے متعلق اس کے دماغ میں ہے۔ اور خدا کی طرف سے پیدائش کا ہونا بھی پیدائش کے گیان پر منحصر ہے۔ اب گیان یا علم کا زبان سے تعلق ہے۔ یا کلام سے۔ پس کلام کے ابتدا میں ہونے کا محض یہ مطلب ہے۔ کہ علمی کلام موجود تھی۔ اور وہ خدا کے ساتھ تھی۔ کیونکہ علم بغیر عالم کے ہو نہیں سکتا۔ انسان اس وقت تھا نہیں۔ پس خدا میں ہی وہ علم ہو سکتا تھا۔ لہذا بجا کہا گیا کہ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور چونکہ خدا کو کہا ہی علم مجسم جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی صحیح ہے۔ کہ کلام ہی خدا تھا۔ غرضیکہ کلام کا لفظ یہاں کسی شخصیت کے لئے نہیں۔ بلکہ ازلی ابدی علم کے لئے ہے۔ اور ہر شخص جو اس کے لئے وقف ہے۔ کلمۃ اللہ کہلا سکتا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۰ منتر ۲

कुहस्विद्दोषा कुह वस्तोरश्विना कुहाभिपित्वं करतः कुहोषतुः ।

को वां शयुत्रा विधवेव देवरं मर्यं न योषा कृणुते सधस्थ आ ॥

(मर्यंन योषा) (مرین یوشا) کے الفاظ اس پرش اور استری کے لئے آئے ہیں۔ جنہوں نے برہمچریہ کا پورے طور پر پالن کیا ہے۔ کبھی دوسرے فریق سے صحبت نہیں کی۔ اور بال برہمچاری و بال برہمچارنی ہیں۔ انہی الفاظ کو عجیب وغریب طرز بیان سے مریم اور یسوع کے قصے کی شکل مل رہی ہے۔ اور کنواری سے بیٹا ہونے کی بات مشہور ہو رہی ہے۔ فی الحقیقت ہر عورت جو بیٹا جنتی ہے پہلے کنواری ہی رہ چکتی ہے۔ مگر بطور امر واقعہ صحیح اور معقول مطلب اس بات کا کہ بغیر مرد سے صحبت کئے مریم کنواری سے بیٹا ہوا۔ محض یہی ہو سکتا ہے۔ کہ مریم نامی بال برہمچارنی ودوشی دیوی (عالمہ فاضلہ) سے قابل ترین شاگرد یسوع ہوئے۔ جنہوں نے ایشوری

کلام کی حفاظت میں اپنے تئیں قربان کر دیا۔ بائیبل کے بیان سے اگر یہ خیال کسی کو مختلف معلوم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قرآن کا مفہوم محض علمی اور مخفی رموز سے ہے۔ اور "بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ"، ایشور کا اپنی کلام کی خوشخبری دینا اور اس کا نام عیسےٰ مسیح ابن مریم ہونا اس تعلق کو خاص طور پر علمی یا کلام الٰہی سے ہی جوڑتا ہے۔ کہ مریم کا بیٹا عیسےٰ مسیح کلام الٰہی کی اشاعت کرنیوالا ہوگا۔ واقعی یہ ایک اعلےٰ درجہ کی خوشخبری یا اشیرباد ایک سچے عالم مرد یا عالمہ عورت کے لئے ہو سکتی ہے۔ آیت ۴۳ میں جو اس بیان کو اَنْبَآءِ الْغَيْبِ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بھی لطیف علمی تعلق کا ہی اشارہ کرتا ہے۔ اور آیت ۴۱ میں جو مریم کی صفات بیان کی ہیں۔ وہ بھی اس کے بال برہمچارنی اور سچی عالمہ اور یسوع مسیح کے عالم شاگرد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

مریم اور عیسےٰ مسیح کے متعلق ہمارے بیان کو نظر استعجاب سے دیکھا جانا لازمی ہے۔ اور اس کے لئے بائیبل یا عیسائی لٹریچر سے اس حقیقت کو ثابت کرنا خاص دلچسپی کا موجب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ مدعا مروجہ بائیبل کے متعلق طویل اور فیصلہ کن بحث لکھے اور اصل بائیبل عبرانی اور لاطینی زبان کی بائیبل سے مروجہ تراجم کا نہایت باریک بینی سے مقابلہ کئے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ قرآن مجید کی ویدک تفسیر میں ہم نے ہر کہیں قرآن کو مروجہ نسخہ ہائے بائیبل سے اختلاف ہونے پر بھی زیادہ مستند سمجھا ہے۔ اس لئے یہاں بھی ہم قرآن کی آزاد پوزیشن کو ہی قائم رکھنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ ہاں اس بیان کے متعلق کہ مریم کا اصل وید کا لفظ मय ہے۔ خاص نوٹ لکھے دیتے ہیں۔ زندگی اور صحت اور توفیق تحقیق ملی رہنے کی صورت میں بائیبل پر بحث بھی ضبط تحریر میں آجائیگی۔ فی الحال رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۰ منتر ۲ کے محولہ بالا لفظ مریم کے متعلق یہ اشارہ حقیقت پر کافی روشنی ڈالیگا۔ کہ मय لفظ وید میں مذکو جنس یا برہمچاری ور کے لئے تھا۔ لیکن عمران کی عورت فنافی الدین بیٹے اور اسے اشاعت حق کے لئے وقف کرنیکی خواہاں تھی۔ مگر ہوئی بیٹی تو اسے بھی ایشور ارپن کرتے ہوئے اس نے دلی چاؤ سے برہمچاری بیٹے کا ہی نام دیا۔ اور عام طور پر دیکھا بھی جاتا ہے۔ کہ بیٹے کے خواہشمند والدین بیٹیوں کو بھی فرطِ محبت سے بیٹا لفظ سے پکارتے ہیں۔

مھد لفظ جو آیت ۴۵ میں ہے۔ مفسرین سے جھولا یا گہوارہ کے معنے میں لیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مروجہ انجیل میں گہوارہ یا جھولا لفظ موجود تھا۔ لیکن اس کے لغوی معنے ہیں۔ سکول میں تیار کیا گیا۔ ویدک طریق تعلیم کے مطابق بالکوں کو برہمچریہ آشرم میں تعلیم دے کر دنیا میں علم حق کی حفاظت کے لئے تیار کیا جاتا ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ جو تعلق بچپن سے جھولے کو ہے۔ وہی تعلق زمانہ تعلیم کے بچپن کو گوروکل سے ہے سنسکرت میں مھت یا مہد کے معنے بڑے کے ہیں۔ اور اس تیاری کے بعد گرہست میں پہلے بڑی بھاری ذمہ داری یعنی اپنی استری یا والدین سے تعلقات کو نباہنے کی اور اولاد کی پرورش و تربیت کی اور نیز دیگر تمام آشرم والوں یعنی برہمچاریوں۔ بان پرستھیوں اور سنیاسیوں کی خدمت کی ہے۔ اور اس کے بعد بان پرست میں کل دنیا کے ساتھ اپنے اعلےٰ درجہ کے تعلق کو نباہنے کی تیاری ہوتی۔ اور سنیاس کو اختیار کر کے ہر طرح کی ترقی کے لئے انسانی جماعت میں روح پھونکنا ہوتا ہے۔ اس لئے برہمچریہ آشرم والی تیاری میں کامیاب ہونے والے کو مھد کہنا موزوں تھا۔

لیکن چونکہ داخلے کے وقت اور گوروکل سے اختتامِ تعلیم ہونے پر وداع ہونے کے وقت اسے برہمچاری ہی کہتے ہیں۔ اس لئے ممہد لفظ کو چسپاں کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اور اسے بچپن والے جھولنے کے معنے میں لیا گیا ہے۔ حالانکہ گوروکل سے وداع ہوتے پر برہمچاری ہر لحاظ سے بڑا ہو چکتا ہے۔ وید میں سماورتن سنسکار والے برہمچاری کو (श्मश्रु) یعنی مونچھوں والا کہا ہے۔ پس جسمانی حمل سے پیدا ہونے اور جھولے میں جھولنے والا بچہ یہاں مراد نہیں۔ بلکہ علمی ماں کے حمل سے روحانی زندگی حاصل کیا ہوا نوجوان شاگرد یہاں مراد ہے۔

یہ امر کہ وہ ممہد سے ہدایت دینا تھا۔ محض یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ اس نے تعلیم کو ختم کرتے ہی تبلیغی کام شروع کر دیا۔ شادی نہیں کرائی۔ وید میں جو چار آشرموں کا قانون ہے۔ اس کے مطابق خانہ داری کے زمانے کو ختم کر کے اور بان پرست کی ۲۵ سال تک ریاضت کر کے بعد میں سنیاس لینے اور عام طور پر لوگوں کو ہدایت دینے کی تعلیم ہے۔ لیکن یہ بھی آزادی ہے۔ کہ جو خواہشات نفسانی سے اُوپر اُٹھا ہُوا اور ویراگ یا ترک دنیا پر پورا میلان رکھتا ہو۔ وہ برہمچریہ آشرم سے ہی سنیاس لے سکتا ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں سوامی دیانند نے ایشور اور اس کے سچے علم کی دلی لگن کے کمال اور دنیوی سامانوں کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہوئے شادی کرانے کا خیال ترک کیا۔ اور تعلیم کے بعد ہی سنیاس لے لیا۔ سوامی شنکر آچاریہ نے بھی عین نوجوانی سے ہی تبلیغی سرگرمیوں میں اپنی طاقتوں کو لگانا شروع کر دیا۔ اسی طرح مسیح نے عمل کیا۔ اور ممہد یعنی برہمچریہ سے ہی سچے دھرم کی اشاعت کا کام کرنے لگ گیا۔

دوسرا لفظ اس آیت میں کھل کا قابل غور ہے۔ یہ لفظ عمر کی اس حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں سفید بال آنے لگیں۔ اور یہ جوانی کے بعد کی حالت ہے۔ مطلب یہ کہ جوانی یا بڑی عمر میں بھی دھرم کا ہی آپ نے پرچار کیا۔

مسیح کو قرآن صالحین میں سے بتاتا ہے۔ اور یہ کئی جگہ ذکر آ چکا ہے۔ کہ قرآن میں صالح علم اور دھرم کی اشاعت کرنے والے برہمنوں اور سنیاسیوں کو کہا گیا ہے۔ مسیح اور عیسےٰ کے الفاظ سے بھی مختلف مفہوم مراد لئے جا رہے ہیں۔ مسیح کے معنے ناجی یا نجات دہندہ مانے جاتے ہیں۔ اور ویدک دھرمی لوگ گیان کو نجات کا ذریعہ مانتے ہیں۔ لفظ مسیح کو مسح یعنی ہاتھ پھیرنا سے مشتق مانا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ اس کے تعلق سے سب بُرائیاں یعنی شیطانی تعلقات دور ہوتے ہیں۔ اور یہ مفہوم بھی گیان کی ہی عظمت کا شاہد ہے۔ اور اس کا نام کلمۃ اللہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ مسیح کو بہت زمین کا پیمائش کرنے والا کہتے ہیں۔ اور مشہور ہے۔ کہ مسیح نے بہت ملکوں کی سیاحت کی۔ ویدک دھرمی لوگ تمام مبلغین کو سنیاسی و اتیتھی کہتے ہیں۔ اور ان کا کام ہی یہ ہے۔ کہ کسی ایک جگہ پر مقیم نہ رہیں۔ بلکہ ہر روز نئے سے نئے مقام پر پہنچ کر عوام الناس کو اپنی قابلیت اور تجربہ سے مستفیض کریں۔ ان کے اس طرح سفر کرتا رہنے سے اتیتھی کا تو عام مفہوم ہی مسافر ہو گیا ہے۔ یا ابن السبیل۔ عیسےٰ لفظ صاف طور پر ईशा کے ویدک لفظ کا جانشین ہو رہا ہے۔ خود عیسائی لوگ جب یجروید کے آخری ادھیائے کے پہلے منتر کو سنتے ہیں۔ یعنی ایشا واسیہ مدم سروم (ईशा वास्य मिदं सर्वं ०) کو۔ تو فخر سے کہتے ہیں۔ دیکھو وید میں ہمارے عیسےٰ کا نام موجود ہے۔ اور جیسے زکریا و ابراہیم کے ذکر میں ہے۔ کہ ہم بڈھے

ہو گئے ہیں۔ اور ہماری عورت بچہ جننے والی عورت نہیں ہے۔ باوجود اس کے ان کے ہاں بیٹا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب سوائے تعلیم کو ختم کرنے والے نوجوان کے کچھ ہو نہیں سکتا۔ ویسے ہی مریم کا نر مرد سے صحبت کئے بغیر جو بیٹا ہوتا ہے۔ وہ بھی سوائے علمی نوجوان کے کچھ معنے نہیں رکھتا۔ یہاں ایک اور باریک نکتہ قابل غور ہے۔ کہ آیت ۳۹ میں زکریا کے بیان میں جس لفظ کے معنے بیٹا کئے جا رہے ہیں۔ وہ ہے غلام اور غلام نام اس نوجوان کا ہے جس کی مونچھیں نکل رہی ہوں۔ اور وید میں بھی نوجوان برہمچاری کو مونچھوں والا کہا ہے۔ پس بیٹا کہو۔ غلام کہو۔ ان آیات میں محض زمانہ تعلیم کو ختم کئے ہوئے برہمچاری پر ہی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پھر آیت ۴۷ میں اسے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کا ماہر بنایا ہے۔ یہاں کتاب اور حکمت محض وید اور اس کے علم سے مخصوص ہے۔ کیونکہ توریت اور انجیل جو مسلمہ طور پر سمر تیاں ہیں۔ ان سے اوّل مذکور لفظ کتاب کا وید پر عاید ہونا لازمی ہے یہ امر پہلے کئی جگہ واضح ہو چکا ہے۔ پھر عیسےٰ مسیح کو نبی اسرائیل (آریہ سنتان) کے لئے نبی یا رشی کہا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ میں خدا کی ہدایت یا علم تمہیں پہنچاتا ہوں۔ اور اس علم کے کمال کا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ محض مٹی کے کھلونے کی شکل یعنی جاہل مطلق یا جڑ بدھی ہوں۔ ان میں وہ روح پھونک جاتی ہے۔ کہ وہ سچ مچ کے اُڑنے والے پرند بن جاتے ہیں۔ یعنی بڑی ترقی کے میدان میں طبع آزمائیاں کرنے لگتے۔ یا خیالات کے لحاظ سے بلند پروازیاں کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کوڑھیوں اور اندھوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کا جو دعوےٰ کرتے ہیں۔ وہ بھی صرف جہالت اور اندرونی کمزوریوں اور بڑی سے بڑی ناپاکیوں کو وعظ حق سے دور کرنے کا ہی مطلب ہے۔ اور پنجابی میں یہ ایک ضرب المثل ہے۔ کہ سن سن اندھے پاویں راہ یعنی اندھا لوگوں سے سن سن کر ہی رستہ جان لیتا ہے۔ یا بے علم جاہل لوگ بھی وعظ حق کو سن کر دھرم کا راستہ معلوم کر سکتے ہیں۔ مذہبی لٹریچر میں کوڑھی وغیرہ کے الفاظ بڑے گنہگاروں کے لئے آتے ہیں۔ اور سچے مذہبی مبلغ جو عوام الناس کی ان خرابیوں کو دور کرتے اور انہیں بھلا چنگا بنا دیتے ہیں۔ ان کے مسیحا ہیں۔ سورہ حٰم السجدہ آیت ۴۴ میں کلام الٰہی کو ہدایت اور شفا کہا ہے۔ (هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ) یا یوں کہو۔ کہ سچی ہدایت سے ہی انسان کی اندرونی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ سورہ یونس آیت ۵۷ میں بھی اس اصول کو واضح کیا ہے۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی کلام الٰہی انسانوں کے دلوں میں جو بیماریاں گھر کر چکی ہیں۔ ان کو خدا کی رحمت ہونے پر اپنی ہدایت کے ذریعے شفا دیتی ہے۔ آیت ۴۸ کے اخیر میں کہا ہے۔ کہ جو تم نے کھانا ہو یا جو گھر میں رکھا ہو۔ میں وہ بتا سکتا ہوں۔ یہ محض خاص قسم کے قیافہ شناسی وغیرہ کے کمال کا ثبوت ہے۔ اور اگر یہ معنے لئے جاویں۔ کہ تم کیا کھاؤ۔ اور کیا اندوختہ گھروں میں رکھو۔ تو یہ ایک اُپدیشک کے عام فرض ہدایت کا جزو ہی ہے۔ مسیح یہ بھی کہتا ہے۔ کہ مجھ سے پہلے سے توریت کی جو تعلیم تم میں ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور جو تعلیمات تم پر حرام ہو گئی تھیں۔ وہ بھی میں تم پر حلال کرتا ہوں۔ چونکہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ کہ توریت اور انجیل والوں کو کتاب الٰہی کا محض ایک حصہ ملا ہے۔ اور کامل تعلیم کتاب الٰہی میں ہے۔ اسی کے مطابق یہاں بیان ہے۔ کہ توریت اور انجیل والوں کو کتاب الٰہی کا محض ایک

حصہ ملا ہے۔ اور کامل تعلیم الہام الٰہی میں ہے اسی کے مطابق یہاں بیان ہے۔ کہ توریت و انجیل میں جو تعلیم مذکور نہ تھی۔ میں وہ تعلیم بھی تمہیں دینے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے رب کی کامل ہدایت (وید) لیکر تمہارے سامنے آتا ہوں۔ لہذا توریت پر ہی قانع نہ رہ کر اب کامل علم والے خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو میری پیروی کا اصل مفہوم ہے۔ خدا جدا جدا نہیں جو میرا خدا ہے۔ وہی تمہارا خدا ہے۔ اور اسی کی عبادت یا فرمانبرداری کرنا کل انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

۳۷۔ خدائی فیصلہ

مسیح کا مذکورہ بالا بیان دے کر آیت ۵۱ تا ۵۳ میں یہ ذکر ہے۔ کہ اس سے بُرا سلوک ہُوا۔ حتےٰ کہ جن حواریوں پر اس کا اعتبار تھا انہوں نے چالاکی اور حکمت کر کے اس کو دغا دیا۔ مگر خدا نے اس مکر سے بھی اسے بچایا۔ اس کے بچانے والی تدبیریں دنیا کے غلام انسانوں کے دماغوں کی رسائی سے پرے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ مسیح کافروں کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ پھر آیت ۵۴ و ۵۵ میں کہا۔ کہ خدا نے مسیح کو وفات دیکر نجات عطا کی۔ اور جنہوں نے اس کی سچائیوں کو قبول کیا۔ انہیں دوسروں سے فوقیت دی۔ کیونکہ آخری ملجا و ماوا وہی ذات پاک ہے۔ اور وہی ہمارے سارے جھگڑے نپٹانے والا ہے۔ یعنی اسی کے سچے علم پر جب انسان آتے ہیں۔ ان کے اختلافات دور ہو جاتے ہیں۔ یا وہی انسانی زندگی والے اختلافات اور عداوتوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ کیونکہ موت یا نجات ملنے پر سب سابقہ تعلقات یا اختلافات کا آپ سے آپ صفایا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ واضح بیان خدائی فیصلہ کا آیت ۵۶ و ۵۷ میں دیا ہے۔ کہ کافروں کو دنیا میں بھی دکھ اور آخرت میں بھی عذاب شدید۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں رہتا۔ کیونکہ دنیوی دولت و رشتے تو ساتھ جاتے ہی نہیں۔ محض دہرم موت کے بعد ساتھ دیتا ہے۔ مگر وہ کمائی انہوں نے کی ہی نہیں۔ لہذا وہ ہر طرح بے یار و بے مددگار ہیں۔ مگر حق کو قبول اور نیک عمل کرنے والوں کو پورا پورا اجر ملتا ہے۔ یہ خدائی فیصلہ بتا کر ۵۷ آیت میں کہا۔ کہ یہ ہم آیتوں اور حکمت والے ذکر (ایشوری کلام) میں سے سناتے ہیں۔ چنانچہ یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ہے۔ کہ جو لوگ نیک عمل کرتے ہوئے ہی زندگی گذارتے ہیں۔ وہی اپنے اعمالوں کی طفیل بندھن میں نہ آ کر نجات پاتے ہیں۔ اور تیسرے منتر میں کہا ہے۔ جو کفر کی تاریکی میں ہیں۔ وہ اسر وغیرہ کی حالت کو پہنچے ہیں۔ اور آتم ہتیا یا سچائی کا خون کرنے والے ان سے ہی گئے گذرے رہتے ہیں۔

۳۸۔ عیسےٰ انسان تھا

قرآن نے ان آیات میں اور بہت سی جگہوں میں مسیح کا جو بیان دیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ آخر ایک انسان تھے۔ خواہ ان کی ہستی اوصاف کے لحاظ سے کتنی ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو۔ لیکن عیسائی لوگ انہیں خدا کا بیٹا بلکہ خدا تک کہدیتے ہیں۔ اس لئے قرآن آیت ۵۸ میں پھر کھول کر بتاتا ہے۔ کہ عیسےٰ کی مثال آدم کی مثال ہے۔ یعنی وہ محض انسان تھے۔ جیسے آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ وہ بھی ہوئے۔ اور جو صحیح حال اس کا ہم نے لکھا۔ وہ بھی اسے انسان ثابت کرتا ہے۔ لہذا اس کی بابت شک یا جھگڑا ہو نہیں سکتا۔ بالخصوص

آیت ۶ میں بیان شدہ آیات متشابہ والا قانون اس پر عاید ہوتا ہے۔ کہ اس کی مختلف تاویلوں سے اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جھگڑا فضول ہے۔ اور شخصی بحث میں اُلجھنے سے نتیجہ نیک نہیں ہو سکتا۔ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ جب آغاز والے انسانوں کو جو بغیر ماں باپ کے خدا نے پیدا کئے۔ پھر بھی خدا کا بیٹا نہیں کہا جاتا۔ تو بعد کے کسی انسان کو ایسا کیوں کہا جاوے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن میں عیسےٰ کے ساتھ ہر کہیں ابن مریم کا لفظ واضح طور پر کہا گیا ہے۔

۳۹۔ مباہلہ

لیکن باوجود اتنی تاکید کے بھی کوئی جھگڑے پر ہی مُصر ہو۔ تو اس کے لئے ایک نہایت دُور اندیشانہ طریق جھگڑے سے بچنے کا قرآن پیش کرتا ہے۔ آیت ۵۹ میں کہا ہے۔ کہ واقعات کا علم دیا جانے پر بھی معاملہ نہ نپٹے تو اس کا خاتمہ مباہلہ سے کرنا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ خدا پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاوے۔ اس طریق پر کہ (آیت ۶۰) فریقین اپنے بیٹوں۔ عورتوں اور اپنے دوسرے لوگوں سمیت مل کر خدا سے دعا مانگیں۔ مطلب یہ کہ وہ گڑگڑا کر خدا کے حضور یہ التجا کریں۔ کہ اے خدائے کامل۔ ہم اپنی محدود علمی و ذہنی استعداد سے اپنے ان دوسرے بھائیوں کو اس مضمون کے متعلق اپنی صداقت کا یقین دلانے سے قاصر ہیں۔ ہماری طاقت سے باہر ہو گیا ہے۔ کہ ہم اپنے بھائیوں کو اس میں اپنا ہم خیال رکھ سکیں۔ اس لئے اب ہم آپ سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ اپنی عنایت سے آپ ہمیں صحیح رہنمائی اور ہماری عقلوں کو اصل حقیقت کے جاننے اور قبول کرنے کی قوت عطا فرمایئے۔ اور ہمیں اس اختلاف کی وجہ سے ہر ممکن دوری سے بچا کر ویسے ہی تحقیق حق میں باہم معاون بنائے رکھیئے اور اس قابل کہ ہم متفقہ طور پر جھوٹ اور کذب کے خلاف اللہ کی لعنت کی صدا بلند کر سکیں۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ اگر ہم لوگ قرآن کی اس تعلیم کو اپنے دلوں پر نقش کر سکیں۔ تو اوّل تو کسی فروعی بحث میں پڑنے سے ہی بچے رہیں۔ اور اگر پڑنے پر بھی فیصلہ نہ ہو سکے۔ تو مباہلے کے طریق پر عمل کر کے اس بحث کا خاتمہ کر سکتے۔ اور بدستور سابق باہم متحد رہ سکتے ہیں۔ آج جو تمام لوگ معمولی سی باتوں پر اختلاف رائے کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ قرآن کی اس سُنہری تعلیم پر غور کریں۔ کہ کیا اعلےٰ انتظام اتحاد کو قائم رکھنے کا ہے اختلافات میں فروعی امور پر بحث چھوڑ دینے کی تلقین اس لئے معقول اور موزوں ہے کہ کوئی انسان ایک دوسرے کے اندر گھس کر اس کے اصل مُدعا کو صحیح طور پر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے خالی لفظی کشاکش بے سود ہے۔ لیکن اگر تاویلی بحث شروع ہو جاوے۔ اور فیصلہ نہ ہو تو قرآن کا طریق مباہلہ دونوں فریق کو جدا کرنے کی بجائے اُلٹا نہایت ہی زیادہ متحد کرتا ہے۔ نہ صرف بحث کرنے والے دو شخصوں کو ان کے تمام لواحقین کو ایک مجمع میں اکٹھا کرتا ہے۔ تاکہ اختلاف معلومہ کا بُرا اثر دونوں فریق میں سے کسی فرد کے دل پر بھی قائم نہ رہے۔ اور نہ کوئی اس بات کی ڈینگ مارے۔ کہ میں واقعی سچّا تھا۔ بلکہ سب اپنے غلط ہونے کے امکان کا احساس کر کے آئندہ بحث ترک کریں۔ اور صحیح روشنی کے لئے خدا سے ملتجی ہوں۔ آیت نمبر ۶۱ میں اس بیان کو ہی سچا اور قابل عمل بنایا ہے۔ اور ساتھ ہی دلیل بھی سمجھایا ہے۔ کہ جب اللہ ہی ہمارا بادشاہ۔ صاحب حکمت اور ہمارا واحد معبود ہے۔ تو شخصی یا انسانی فضول سے جھگڑوں میں تضیع اوقات

سے حاصل کیا۔ وید منتروں میں ہم اکثر اس ہدایت کو پڑھتے تھے۔ کہ باہمی اختلافات اور عداوت کے لئے نیک لوگ خدا کے انصاف پر ہی انحصار رکھیں۔ سندھیا کے منسا پر کرما کے منتروں میں بار بار یہی دعا ہے۔ کہ جو ہم سے اختلاف یا عداوت رکھتا ہے۔ یا جس سے ہم اختلاف رکھتے ہیں ہم اسے آپ کے ہی انصاف کے حوالے کرتے ہیں۔
لیکن اس کی صحیح اور واضح تاویل کی سپرٹ ہمیں قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ آل ابراہیم اور آل عمران کے دو سلسلے حضرت محمد صاحب کے دل کے سامنے ہیں۔ اور ان کو متحد کرنے کے لئے آپ دونوں کی تعلیم کی یکسانیت ایک طرف واضح کرتے ہیں۔ عالمگیر اصولوں پر ہی متحد ہونے کی تلقین دوسری طرف کرتے ہیں۔ فروعی امور کو ہمیشہ نظر انداز کرنے کا منتر تیسری طرف پڑھاتے ہیں۔ اور مباہلہ کے ذریعے اختلافات کو دور کرنے کے لئے خدا پر انحصار کرنے اور باہم متحد رہنے کی تلقین چوتھی طرف کرتے ہیں۔ اور پھر آیت ۶۲ میں صاف گوئی سے یہ بھی فرما دیتے ہیں۔ کہ اگر اس سے بھی کوئی انحراف کرتا ہے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ مفسد ہے۔ اس کی نیت میں ہی اتحاد کی برکت کا احساس نہیں ہے۔ اور یہی آیت ۶ میں بیان شدہ متشابہات کی تاویل پر مبنی فتنہ یا پھوٹ قائم رہنے کا صحیح مفہوم ہے۔

۴۰ - نہایت خطرناک الٹی تاویل

اکثر مفسرین اور مرزا غلام احمد صاحب نے مباہلے کا بالکل ہی الٹا مفہوم لیکر قرآن کی نہایت اعلے تعلیم پر تاریکی پھیلا دی ہے۔
انہوں نے اس سے یہ مطلب لیا ہے۔ کہ دونوں طرف یہ التجا خدا سے کریں۔ کہ اے خدا جو ہم میں سے کاذب ہے۔ اس کا بالکل ناش کر دے۔ یا اس کو فلاں قسم کی سزا دے۔ مرزا غلام احمد صاحب پنڈت لیکھرام جی سے مباہلہ کی خط و کتابت میں ایسی ہی بری دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ قرآن کے فرمان سے بالکل خلاف اور دین اسلام کی سپرٹ کو بالکل نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ نہ خدا کوئی لوگوں کا غلام ہے۔ کہ وہ جو سزا فریقین اپنے مخالف کے لئے تجویز کریں۔ اپنے علم اور قانون کو چھوڑ کر ان کی تجویز پر عمل کرنے کا پابند ہو۔ نہ انسان کبھی کاذب کی صحیح سزا تجویز کرنے کا علم رکھتا ہے۔ نہ الفاظ آیت میں ایسے مفہوم کی کوئی بھی گنجائش ہے۔ اگر یہ مباہلہ ہی صحیح طریق کار ہوتا۔ تو تحریر تقریر دلیل ثبوت یا مناظرہ وغیرہ نیز عدالتوں کے فیصلے وغیرہ کا طریق سب کچھ غیر ضروری ہوتا۔ ہر شخص دعا مانگتا اور جو غلطی پر ہوتا وہ معہ اپنے تمام قبیلے کے مر جاتا۔ یا اس کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جس فریق پر مصیبت آ رہی ہے۔ اس کے اعمال وغیرہ کی اصل حقیقت کو نہ جان کر محض یہ کہنا کافی سمجھا جاویگا۔ کہ فلاں بات میں فلاں شخص کا اس سے اختلاف تھا۔ اس کی دعا کے اثر کے طور پر خدا کی طرف سے اسے یہ سزا ملی ہے۔ پس یہ مفہوم محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔ اور خدا کے قانون انصاف کے قطعاً خلاف

۴۱ - گنج بخش

ان نظایر میں آل ابراہیم اور آل عمران کی بڑی بڑی ہستیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے۔ کہ کیا آدم اور نوح۔ اور کیا مریم اور اس کی والدہ۔ زکریا اور یحیی اور کیا عیسے مسیح سب فنا فی اللہ اور دین حق کی اشاعت کرنے والے تھے۔ یا دھرم کی ویدی پران سب نے اپنے آپ کو قربان کیا تھا۔ اس سے مدعا محض یہ تھا۔ کہ خدا ایک ہے۔ اس کا قانون ایک ہے۔ اس لئے مذہبی تفریق اور تعصبات کو چھوڑ کر سب ایک دھرم کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ

لیکن مفسرین نے ان کے متعلق بھی غیر ضروری بحث سے کام لے کر اتحاد کے مشن میں ٹھیس پہنچائی ہے۔ اور مریم اور مسیح کی ذات پر بحث شروع کر دی ہے۔ سورۃ کا نام آل عمران تھا۔ اور آل ابراہیم سے آل عمران کو ملانا آنحضرت کو مدنظر تھا۔ لیکن اس مدعا کی بجائے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ کہ عیسائی مذہب کا رد کیا جاوے۔ کوئی مفسر تو اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ امراۃ جس کا ذکر ہے۔ عمران کی بیوی تھی۔ آل عمران کی کوئی دیگر عورت نہ تھی۔ مگر دوسرا یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کی بیوی نہ تھی۔ اس سلسلے میں کوئی اور عورت تھی۔ کوئی عمران کو سلسلہ موسویہ کا موسے سے پہلے کا بانی مانتا ہے۔ کوئی عمران کو موسے اور ہارون کا باپ بتاتا ہے۔ کوئی مریم کا۔ زکریا کو بیس تو یہ نام بھی مختلف شخصیتوں کا مانا جا رہا ہے۔ اور مریم اور مسیح کی بحث میں تو بالخصوص ہر مفسر طویل بحث لے بیٹھتا ہے۔ اور لطف یہ کہ قرآن کے الفاظ تک محدود نہ رہ کر جو حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی تاویلات پر ضمنی بحث شروع ہوتی۔ اور بحث در بحث کے گورکھ دھندے میں قرآن کے مدعا کو فوت کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے لئے دو تین امور لیجئے۔

(۱) مریم کی والدہ کی دعا ہے۔ کہ اے خدا میری بیٹی مریم اور اس کی اولاد شیطان مردود سے بچ کر تیری پناہ میں رہے۔ اس دعا کے اعلے مفہوم کو چھوڑ کر بحث کا رُخ اس طرف پلٹا جاتا ہے۔ کہ مسیح کا مریم سے بغیر باپ کے پیدا ہونا غلط ہے۔ کیونکہ اس دعا سے ظاہر ہے۔ کہ اس کی والدہ کو شادی اور اولاد کی پہلے ہی خواہش تھی۔ ورنہ نسل کے متعلق دعا ہی نہ کرتی۔ یہ تو ہوا ایک پہلو۔ دوسرا پہلو یہ اختیار ہوتا ہے۔ کہ شیطان سے پناہ مانگنے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر پہلے محدثوں کے حوالہ جات پیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ بخاری سے آنحضرت کا یہ قول لیا جاتا ہے۔ کہ ہر نوزائیدہ بچے کو شیطان چھوتا ہے۔ سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے پھر اس حدیث کی تصدیق اور حدیث سے کی جاتی ہے۔ مگر اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ کہ یہ دعا پیدا ہونے سے تعلق ہی نہیں رکھتی یہ تو پیدا ہونے اور نام رکھا جا چکنے کے بعد کی دعا ہے۔ تیسرا پہلو یہ لیا جاتا ہے۔ کہ شیطان کے چھونے کا ثبوت کیا ہو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے۔ مگر یہ جواب اس سوال کو پیدا کرتا ہے۔ کہ اگر پیدائش کے وقت شیطان کے چھونے سے رونا آتا ہے۔ تو بعد کا روز کا رونا کس کے چھونے سے ہے۔ اور مسیح کا بالخصوص رو رو کر دعائیں کرنا اور مریم کا دردِ زہ کے وقت دُعا کرنے سے جو رونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ؟ چوتھا پہلو یہ ہے۔ کہ شیطان کے چھونے کا مطلب کیا ہے۔ ایک معنے ہیں تکلیف پہنچانا۔ جیسے یہودیوں کا مسیح کو اذیتیں پہنچانا۔ اور صلیب پر دینا۔ دوسرے یہ کہ وسوسہ ڈالا جائے۔ مگر نہ تو نوزائیدہ بچے کو اس کا اذیت دینا ثابت ہوتا ہے نہ وسوسہ ڈالنا۔ کیونکہ اس وقت اس کو ہوش یا تمیز ہی نہیں۔ پانچواں پہلو یہ ہے۔ کہ پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا قرآن کے سورۃ الروم آیت ۳۰ کے خلاف ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ سب لوگ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (مامن مولود یولد الا علی الفطرۃ) اب بحث اس حدیث پر چل پڑتی ہے۔ کہ پادری لوگ جو مریم اور ابن مریم کو شیطان کا نہ چھونا یعنی ان کا گناہگار نہ ہونا مانتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ایک حدیث میں لکھا ہے۔ کہ یحیٰ ابن زکریا کے علاوہ اور تمام لوگ خدا کو گناہگاری کی حالت میں ملیں گے۔ ایسا ہی روایت ابوہریرہ کی شہادت سے مریم اور ابن مریم

گناہگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس پر بیان القرآن کے مصنف صاحب پینترا بدلتے ہیں۔ کہ یہ نتیجہ صحیح نہیں۔ در حقیقت ایسی حدیثوں کا تعلق جھوٹے الزاموں سے خاص شخصیتوں کو بچانے سے ہے۔ اور ان کی پاکیزگی پر زور دینے سے۔ گویا زکریا۔ مریم۔ ابن مریم محض خاص صفات کی وجہ سے بطور مثال پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ صفاتی نام ہیں۔

ایک اور پہلو بچے کو شیطان کے چھونے کے متعلق بخاری کی حدیث کے بارے میں یہ لیا جاتا ہے۔ کہ بچے کے رونے کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیا جاتا ہے۔ کہ دراصل یہ بڑے آدمی کے فریاد رسی کے طور پر آواز بلند کرنے کا ذکر ہے۔ اور مدد مانگنے کا۔ چنانچہ حدیث میں جس لفظ استہلال سے رونا مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے معنے آواز بلند کرنا ہے۔ ایسا ہی ایک اور لفظ صَارِخ ہے جس کے معنے رونے والا نہیں۔ بلکہ مدد مانگنے والا ہیں۔ اب ان الفاظ کے معانی کے ثبوت حدیث اور قرآن اور لغات سے دیئے جاتے ہیں۔ اور بحث کا رُخ اس طرف پلٹتا ہے۔ کہ مس شیطان کا مطلب محض یہ ہے۔ کہ شیطان جسے چھوتا ہے۔ وہ آواز بلند کرتا ہے۔ اور مطلب بچہ کے پیدا ہونے سے نہیں۔ بلکہ پیدائش روحانی سے ہے۔ یا گناہ کا احساس دل میں پیدا ہونے سے۔ اب یہ لفظ پیدائش روحانی زیر بحث چل پڑا۔ اور اس کی توضیح یوں ہونے لگی۔ کہ ایک تو مریم صفت لوگ ہیں۔ جنہیں شیطان چھوتا نہیں۔ اور دوسرے شیطان کے دام افتادہ جو خدا کی طرف رجوع کر کے اس پر غالب آتے ہیں۔ اس توضیح کے سامنے پر رُخ پھر پلٹا اور قرآن و حدیث سے اس کے متعلق حوالہ جات پیش ہونے لگے۔ چنانچہ سورہ مریم کی آیت ۱۱ و ۱۲ نقل ہوئی۔ اور اس کے الفاظ پر بحث شروع ہوئی۔ کہ مومنوں کی مثال دو عورتوں سے دی ہے۔ ایک فرعون کی بی بی اور دوسری مریم اس بیان پر دونوں عورتوں کی جدا جدا صفات بیان کرنا اور ان کا مومنوں میں ثابت کرنا ضروری ہوا۔ اور ثبوت کے لئے حوالہ دیا تو اس حوالہ کی تشریح چل پڑی وغیرہ وغیرہ۔

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ واقعی متشابہات کی ایک آیت کی بحث ہی ختم ہونے میں نہیں آسکتی۔ اگر اس شعر پر عامل ہو کر مفسر صبر سے کام نہ لے۔

؎ ذوق اس بحرِ فنا میں کشتیٔ عمرِ رواں — جس جگہ پر جا لگی وہی کنارہ ہو گیا

اصل آیت میں مریم کی والدہ کا سچے دین سے دلی تعلق جتانا مقصود تھا۔ کہ اس نے اپنی اولاد کو دین اللہ کیلئے وقف کیا۔ قبل اس کے کہ وہ پیدا ہوئی۔ اور پیدا ہونے کے بعد اس کے اور اس کی نسل کے لئے بھی جہالت یا گناہ یعنی شیطان سے بچ کر خدائے پاک کی فرمانبردار رہنے کی خواہش کا اظہار دعا کی صورت میں کیا۔ ایسے صاف مفہوم کے نکتہ نگاہ سے کسی تفسیر میں مذکورہ بالا قسم کی طول کلامی غیر متعلقہ اور غیر ضروری ہی نہیں کج بحثی ہے۔

۲۔ آیت ۴۴ میں مریم کے متعلق بیان کر کے کہا ہے۔ کہ یہ غیب کی یا لطیف مضمون والی بات ہے۔ جو تم پر وحی کی جاتی ہے۔ ورنہ تو نہ تو قلمیں ڈالنے کے وقت پاس تھا۔ نہ ان کے جھگڑے کے وقت۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ حالات معلومہ پر غور کرنے کے بعد جو صحیح نتیجہ آنحضرتؐ کے دل میں جاگزین ہوا۔ وہ انہوں نے بیان فرمایا۔ ورنہ چشم دید واقعہ تو وہ بیان کر ہی نہ سکتے تھے۔ گویا یہاں بھی بحث کرنے سے روکا ہے۔ کہ یہ بیان معقولیت کے لحاظ سے مفید سبق دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بیان محض توہمات یا اختلاف پھیلائیں گے۔ لیکن مفسر صاحبان اس پر بھی بحث کرتے ہیں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کی خدمت حضرت زکریا کے

خاندان میں تھی۔ وہ بوڑھے تھے۔ مگر اولاد کے خواہشمند۔ اور مریم کے عورت ذات ہونے سے مریم کی پرورش خاندان
کا بھار کس پر
رہے۔ یہ کشمکش تھی۔ آخر اس پر قرعہ پڑا۔ دعویداروں نے اپنے توریت لکھنے کے قلم ندی میں پھینکے۔ سب قلم سوائے زکریا کے قلم کے بہ گئے۔ لہذا وہ سرپرست قرار پائے۔ لیکن جہاں یہ صاحب اقلام سے مراد توریت لکھنے والی قلمیں لیتے ہیں۔ وہاں دوسرے کئی صاحب اس سے قرعہ اندازی کے تیر مراد لیتے ہیں)۔ اور کئی صاحب معمولی قلمیں مراد لیتے ہیں۔ پھر قلمیں ڈالنے اور جھگڑا ہونے کے لفظ سے ایک تو قرعہ اندازی کے ذریعے پرورش و تربیت کے لئے کفیل کا انتخاب مشہور کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ آیت دوسری دفعہ کے جھگڑے کا بیان کرتی ہے۔ جب نکاح کا سوال پیش تھا۔ اس کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے۔ کہ آیت ۳۶ میں صغیر سنی کے وقت کفیل بننے کا ذکر آچکا۔ اب آیت ۴۳ میں پھر گذشتہ واقعہ کا ذکر نہیں آسکتا۔ مریم کے بلوغت کو پہنچنے یا حیض وغیرہ کا وقت آنے سے مریم کو ہیکل میں رکھنا یہودی رواج کے خلاف تھا۔ اس لئے نکاح کے متعلق قرعہ اندازی ہوئی۔ کیونکہ ایسی نیک اور پاک بی بی کو اپنی زوجیت میں لانے کے خواہاں بہت ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ تم قرعہ اندازی یا جھگڑے کے وقت پاس نہ تھے۔ سچی اور بے لوث شہادت مہیا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ تاویل کرنے والے خود ہی اس کو مشتبہ کرتے ہیں۔ یہ کہکر کہ ممکن ہے۔ یہ مریم کے اصطفائے روحانی کی طرف اشارہ ہو۔ اب خیال آیا کہ روحانی اصطفےٰ کے ساتھ جھگڑے کا کیا تعلق تو یہ ثبوت مہیا ہونے لگا۔ کہ روحانی برگزیدگی کے متعلق ملاء اعلیٰ میں ایک خصومت ہوتی ہے وغیرہ۔ لیکن آیت ۴۳ کے لفظ کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ آیت ۳۷ والے واقعہ کا ہی یہ بیان ہے۔ کیونکہ غیب کی خبر اسے ہی کہا ہے جو آیت ۴۳ سے پہلے کا بیان ہے۔ لہذا ایک ہی بار جھگڑا ہونا وغیرہ کے وقت موجود نہ ہونا مذکور ہے۔ اور بس۔

(۳) آیت نمبر ۶۰ میں جو مقامی یا زمانی اختلافات کا فیصلہ خدا پر چھوڑنے کی ہدایت کی۔ اسے عجیب و غریب مباہلہ کا مضمون بنایا۔ اور طویل تفسیروں کے لئے وجہ بنایا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے پنڈت لیکھرام کو مباہلہ کے لئے لکھا۔ کہ ہم خدا سے دعا کریں۔ کہ جو جھوٹا ہو۔ اس پر عذاب نازل ہو۔ یا وہ اتنے عرصہ میں مرجاوے۔ ایسا ہی مسلمانوں میں جو باہم کئی دفعہ ایسے مباہلے کا ذکر سنتے ہیں۔ وہ اس آیت کی ہی تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ مفسرین نے آیت کی اصولی نوعیت کو نظر انداز کر کے اسے عیسائیوں کے وفد یا نجران کے نصاریٰ سے منسوب کیا ہے۔ کہ وہ آنحضرت کے پاس آئے۔ تو انہوں نے مسجد نبوی میں انہیں ٹھہرایا۔ اور ان کی خاطرداری کی۔ مسجد میں انہیں ان کے اپنے طریق پر عبادت کرنیکی مخالفت نہیں کی۔ اور انہیں سمجھایا۔ کہ وہ الوہیت اور ابنیت مسیح کے عقیدہ باطل سے باز آئیں۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ تب رسول صاحب نے قسما قسمی یا مباہلے کی تجویز پیش کی۔ اور آپ اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا۔ دونوں نواسوں حسنین اور اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی علیہم السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ مگر نصاریٰ نجران بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اگر پیغمبر کی مخالفت میں قسما قسمی کرتے۔ تو مزہ بھی چکھ لیتے۔ اس مباہلہ کو آخری اتمام حجت سمجھا جاتا ہے۔ ایک مفسر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ دعا کی قبولیت کے عیسائی بھی قایل ہیں۔ چنانچہ مسیح نے موت سے بچنے کے لئے رو رو کر دعائیں

گیں۔ اور وہ اس کی پرہیز گاری اور تقوی کی وجہ سے قبول ہوئیں۔ بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے مباہلہ ضروری تھا۔ احادیث کی بناپر لکھا ہے۔ کہ عاقب اور سید نجران کے قائمقام رسول اللہ صلعم کی طرف آئے۔ کہ آپ سے ملاعنہ کریں۔ مگر حسب قول خدیجہ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہو۔ اور ہم نے اس کو ملاعنہ کیا تو نہ ہم کامیاب ہوں گے۔ نہ ہمارے بعد ہماری نسل۔ محمد ابن اسحق نے سیرۃ میں وفد کے ساٹھ سواروں کا آنا لکھا ہے۔ جن میں سے ۱۴ ان کی قوم کے سردار تھے۔ از انجملہ عاقب (عبد المسیح) اور سید (ایہم) قابل ذکر ہیں۔ وفد کا سردار عاقب تھا۔ اور ایہم لاٹ پادری تھا۔ ان کی مہمان نوازی اور الوہیت مسیح کے متعلق بحث کا ذکر کر کے مباہلہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے مشورہ کے لئے مہلت مانگی۔ مگر قرار یہ پایا۔ کہ اس میں ہماری خیر نہیں۔ لہذا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ موجودہ عیسائی یہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بد دعا نہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلم وکیل کہتا تھا۔ کہ جب عیسائی آنحضرت کو کہتے ہی دجال تھے۔ تو بد دعا کرنے سے کیسے ڈرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی بیان القرآن یہ بحث شروع کر دیتا ہے۔ کہ شیعہ لوگ حضرت علیؓ فاطمہ اور حسن حسین کو ساتھ لانے میں حضرت علی کی فضیلت کا اشارہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن غرض محض شرط مباہلہ کا پورا کرنا تھا۔ کہ اپنے بیٹے وغیرہ کو ساتھ لائیں۔ چنانچہ اور روایت میں ابوبکر عمر عثمان اور علی سب کا معہ اپنے بیٹوں کے آنا مذکور ہے۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ کہ اگر مباہلہ منظور ہوتا تو اور بڑے بڑے صحابہ بھی معہ اپنے بال بچوں کے بلائے جاتے۔

غرضیکہ مباہلہ کی تعبیر اس دعا سے کی گئی ہے۔ جو مخالف یا کاذب کے تباہ کرنے کے متعلق ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اس پر اعتراض ہوتا تھا۔ کہ اگر مباہلہ ایسی ہی قطعی فیصلے کی قابل عمل چیز ہے۔ تو پھر مباحثوں اور کتابوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور احقاق حق و ابطال باطل کے لئے جد وجہد کیوں کی جاوے۔ مباہلہ پر فیصلہ منحصر رکھنا چاہئے۔ اس کے لئے یہ جواب تراشا ہے۔ کہ مباہلہ ہر وقت نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم نے امر الٰہی ہونے پر ہی مباہلہ کیا تھا۔ اور انہی کے ساتھ جن کا خدا نے حکم دیا تھا۔ اور ایک اصول بنا کر پیش کیا ہے۔ کہ جو خدا سے اصلاح کے لئے مامور ہو۔ وہ اپنے دشمنوں سے خدا کا حکم پا کر مباہلہ کر سکتا ہے۔ لیکن حدیث میں موجود تھا۔ کہ حضرت ابن عباس نے کسی سے جھگڑا ہونے پر اسے مباہلہ کے لئے بلایا تھا۔ حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ اور خدا کا حکم بھی نہ آیا تھا۔ اس کا جواب یہ دے دیا۔ کہ ابن عباس کا فعل حجت شرعی نہیں۔ اور اگر باہمی جھگڑوں پر مباہلے ہونے لگیں۔ تو دن رات یہی دور چلیگا۔ اور بجائے محبت پیدا ہونے کے ایک دوسرے کی بیخ کنی وغیرہ ہی مدنظر رہیگی۔

یہ بحث جہاں آیت کے بیان کردہ اصول کے لحاظ سے بالکل غیر ضروری ہے۔ وہاں سارے بیان ہیں بھی غیر معقول۔ اگر مباہلہ سے فیصلہ ہونا ممکن ہے۔ تو کیوں نہ اسے اختیار کیا جاوے۔ اور اگر یہ محبت کے خلاف نفرت پیدا کرتا اور ہمارے لئے بیخکنی کا موجب ہے۔ تو رسول صاحب سے بھی اس مباہلہ کا تعلق کیوں جوڑا جائے۔

پس حقیقت محض یہ ہے۔ کہ رسول صاحب نے فریقین کو فروعی یا متشابہ امور کی بحثوں سے روکنے اور باوجود ایسے فروعی اختلاف کے فریقین کے متحد ہو کر خدا پہ فیصلہ چھوڑنے۔ اسی سے دعا مانگنے اور سب کے اندر جھوٹ اور کذب کے خلاف جوش و جذبہ قایم رہنے کے لئے ہی مباہلہ لکھا ہے۔ اور یہ اس طریق کے قطعاً خلاف ہے۔ جو دوسرے

فریق کی بربادی کے متعلق دعا کرتے سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرضیکہ گمراہ کن تاویلات ہر آیت کے متعلق پیش کر کے اصل مدعا کے قطعاً خلاف سپرٹ بھر دی گئی ہے۔

۴۲ - مکر

آیت ۵۳ میں مکر لفظ ہے۔ اس کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیل رہی ہے۔ اردو میں مکر کے معنے دہوکا فریب وغیرہ کے بھی ہیں۔ اور اس علم کے ساتھ جب لوگ قرآن میں یہ لفظ پڑھتے ہیں۔ تو اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن عربی میں دہوکا فریب۔ دغا کے علاوہ حیلہ داؤ کرنا۔ جتینا۔ خطبہ تدبیر کرنا باریک تدابیر بیان کرنا۔ اپنی زمین کو پانی دینا رائے کی مضبوطی پالسی وغیرہ بھی اس کے معنے ہیں۔ آیت زیر بحث میں بالخصوص اس سے حکمت و تدبیر کے معنی مخصوص ہیں۔ اور یہ حکمت و تدبیر ہر شخص کی حالت کے مطابق مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ چور یا بدکار اپنی کامیابی کے لئے جو مکر کرتا ہے۔ وہ گناہ آلود ہو سکتا ہے۔ لیکن نیک شخص کا مکر ان تدبیروں وحکمتوں سے ہی وابستہ ہو سکتا ہے۔ جو واقعی دھرم یا مذہبی شرع کے مطابق ہوں۔ اسی طرح خدا کے قانون کا عملدرآمد اسی قسم کے مکر پر منحصر ہے۔ جو خدا کی صفات کے مطابق ہو۔ ایک شخص اپنے مخالف پہ جھنجلا کر وار کرتا ہے۔ مگر اس کو قتل کرنے کے لئے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کی طرف لپکتا ہی ہے۔ کہ اس کا پیر پھسلتا اور وہ اس طرح بے اختیار زمین پہ گرتا ہے۔ کہ اس کا دم نکل جاتا ہے۔ اب قاتلانہ حملہ تو اس شخص کا مکر ہے۔ اور اس کا پھسل کر گرنا و مرنا خدا کا مکر ہے۔ جس سے ظالم کو تو سزا ملی۔ اور مظلوم کی جان بچی۔ ایسا ہی ذکر ہے۔ کہ چار ڈاکو راستے میں ایک ٹانگے کو روکتے ہیں۔ کہ آج خوب شکار ملا ہے۔ وہ دولہا اور دلھن کو کہتے ہیں۔ کہ جو روپیہ و زیور ہو۔ رکھ دو۔ ورنہ یہ گنڈاسہ ہے۔ ایک ایک ضرب سے دونوں کی گردن اتار دیں گے۔ وہ بیچارے اپنے آپ کو بے بس پا کر ایشور سے ہی بچاؤ کے لئے دل میں دعا کرتے ہیں۔ اور ظاہرا طور پر زیور اتار اتار کر ڈھیر کئے جاتے ہیں۔ ڈاکوؤں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارا مطالبہ پورا ہو رہا ہے۔ کچھ زیور اور روپیہ لے کر دو ڈاکو ایک جھاڑی کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور اس میں گڑھا کھود کر اسے دفناتے ہیں۔ ٹانگہ میں دلہا اور دلہن کے ساتھ دو ملازم تھے۔ انہوں نے اس وقت ہمت کی اور ٹانگہ والے کی مدد سے باقی دو ڈاکوؤں سے گنڈاسہ چھین کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ادھر جھاڑی میں سے زہریلا سانپ نکلا۔ اور وہ دونوں بھی اس کے ڈنگ کا شکار ہوئے۔ جس سے بیگناہ سواریاں جان و مال ہر لحاظ سے محفوظ ہو گئیں۔ مثل مشہور ہے کہ مارنے والے سے بچانے والے کے راہ نیارے ہیں۔ اور یہ پر حکمت حفاظت خدا کا مکر ہے۔ اور چونکہ خدا کا مکر نیک اور مضبوط ترین تدبیر کے معنے رکھتا ہے۔ اس لئے اسے خیر الماکرین کہا گیا ہے۔

۴۳ - اتحاد خالص توحید کی بنیاد پر

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ①

کہو اے اہل کتاب! آؤ ہم ایک ایسی بات پر قائم ہو جائیں۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی سوائے اللہ کے کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے۔ اس پر وہ نہ مانیں تو تم کہو۔ کہ دیکھ لو۔ ہم تو مان رہے ہیں۔ ا

۳۴۔ شرک ہی منافی اتحاد ہے

اس سے پہلے آل عمران کے ذکر میں مسیح کو قدیم علم الٰہی کا انسان مبلغ اور خدا کو ہی معبود بتایا گیا ہے۔ اور اس آیت میں یہ سمجھایا ہے۔ کہ کل اہل کتاب کا اتحاد محض ایک اصول توحید پر ہو سکتا ہے۔ واقعی اس سورت میں اتحاد کے متعلقہ تمام پہلوؤں کو خاص سلسلے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ عالمگیر اصولوں پر تو تمام انسان متحد ہو ہی سکتے ہیں۔ لیکن یہ عالمگیر اصول بھی ایک ہی آدی مول پرمیشور سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں بتایا ہے۔ کہ ایک خدا اور اس کے واحد معبود ہونے کے اعتقاد پر ہی اتحاد ہو سکتا ہے۔ تمام اہل کتاب جب اس واجب الوجود کو مانتے ہیں۔ اور باقی تمام اصول ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مطابق اس میں آجاتے ہیں۔ تو باہم جدا رہنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس آیت میں ہر قسم کے شرک کی مخالفت کر کے یہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ شرک ہی اتحاد میں روک ہے۔ اور وہ شرک تین قسم کا ہے۔ اوّل وحدت پرستی کی بجائے کثرت پرستی۔ کہاں تو واحد معبود خدا اور کہاں صدہا قسم کے بتوں۔ مزاروں اور انسانوں کی عبادت۔ جو آج دنیا میں مروج ہے۔ دوم غیر اللہ کو اللہ کا شریک کرنا۔ جیسے مسیح کو نجات دہندہ ماننا وغیرہ اور تیسرا غیر اللہ کو اپنا مالک ماننا جیسا آج کل کے مردم پرست اور مردہ پرست لوگ گوروڈم کا شکار ہو کر کسی انسان گورو کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ آیت میں ان تینوں برائیوں کو ترتیب وار دور کہا گیا ہے۔ نہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت ہو۔ نہ کسی کو خدا کے کاموں میں اس کا شریک ٹھہرایا جاوے۔ نہ کسی انسان یا گورو کو رب والا درجہ دیا جائے۔ ویدک دھرمی لوگ ایشور کو اس طرح مانتے ہیں کہ وہ سوگت بھید، جاتی وجاتی بھید، سُوتیہ بھید ہے۔ یعنی نہ ایسا ہے۔ کہ ایشوروں کی کوئی جاتی ہے یا بہت سے ایشور ہیں۔ نہ وجاتی یعنی ایشور کے بغیر کوئی اور ایشور ہے۔ اور نہ ایشور کی ذات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ آیت کے الفاظ کی تاویل اس تعریف پر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ لیکن بعض مفسرین شرک کے مفہوم کو ہی اور کا اور سمجھ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں روح اور مادہ کو ازلی اور غیر حادث ماننے سے شرک فی الصفات کا نقص عاید ہوتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں اس کی بھی تردید سمجھنی چاہیئے۔ لیکن اس میں وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ کیونکہ یہاں روح اور خدا کے تعلق کا ذکر ہے۔ مخلوق غیر مخلوق ہونے کا نہیں۔ ساتھ ہی انسان یا روح کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ اگر وہ کبھی موجود نہ ہوں۔ تو ہدایت کس

کم ہوگی۔ پھر خدا کے سوا جس کی عبادت ہوتی ہے۔ اور جس سے قرآن تعلق عبادت ہٹاتا ہے۔ وہ نہ ہو۔ تو بھی آیت بے سود ہے۔ ایسا ہی جس کو خدا کا شریک ٹھہرانا ممنوع ہو رہا ہے۔ اس کی بھی ہستی لازمی ہے۔ وحدت پرستی کا اصول ہی ثابت کرتا ہے کہ کثرت والی اشیا بھی ہیں۔ مگر وہ معبود نہیں۔ اگر سب روح و مادی اشیاء بغیر کسی علت کے حادث ہوں۔ تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہوگا۔ اور اس امر کا ثبوت کسی تاریخ سے دینا یا ثابت کرنا ہوگا۔ کہ فلاں سنہ میں یہ حدوث واقع ہوا۔ اور یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ روح اور مادہ کے حدوث پر ہی خدا مالک خالق رازق اور معبود ہوا پہلے نہ تھا۔ گویا وہ خود علم انصاف ملکیت ربوبیت وغیرہ جملہ حادث صفات کا مجموعہ اور محل حوادث ہوگا۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جیسے روٹی کھاتے ہوئے اور سوتے ہوئے ایک ڈاکٹر کسی مریض کا علاج نہیں کر رہا۔ مگر علاج کا علم اس میں موجود ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات تو اس میں موجود تھیں۔ مگر ان کا ظہور روح اور مادہ کے حدوث پر ہوا۔ لیکن یہ دلیل بالکل بے وزن ہے۔ کیونکہ روٹی کھاتے اور سوتے ہوئے اگر مریضوں کے علاج کا علم ڈاکٹر کے اندر ہے تو مریض بھی شہر میں یا ہسپتال میں اس وقت موجود ہیں۔ اور دوائیاں بھی۔ اور جب ڈاکٹر نے علم حاصل کیا تھا۔ تب بھی مریض اور دوائیاں موجود تھیں خواہ کتابوں سے اسے پڑھایا گیا۔ خواہ تجربات سے۔ علم کے ساتھ معلوم برابر موجود رہا۔ غرضیکہ خدا کی صفات کا تعلق جن ہستیوں سے ہے۔ ان کا عدم کسی وقت بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ پس آیت ہذا کی ہدایت کا لازمی تقاضا ہے۔ کہ روح اور مادہ کو غیر مخلوق ازلی اور ابدی مان کر خدا کو ہی خدا سمجھا اور مانا جاوے۔ نہ روح کو اور نہ کسی مخلوق مادی ہستی کو خدا یا اس کی مالک کل یا معبود کل ہونے کی صفات میں شریک کیا جاوے۔ روح اور مادہ کے غیر حادث ہونے کے ثبوت ہم قرآن کی آیات سے بھی دے چکے ہیں یہاں سورۃ الطور کی آیت ۳۵ ہی کافی ہوگی۔ اور وہ یہ ہے۔ اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ھُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ۔ کیا وہ غیر شیٔ یا "نیستی" سے پیدا ہوئے یا کیا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں"! مطلب یہ کہ نہ تو وہ نیستی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ مجھ خالق کے بغیر۔ پس انسانی روح جس کو حماقت پر ندامت دلائی جا رہی ہے۔ اس کا بھی اقبال ہے اور بغیر شئے یا ہستی یا علت کے پیدا ہونے کو بھی غیر ممکن بتایا گیا ہے۔ اور خدا کو خالق بھی مانا گیا ہے۔ گویا کہ تینوں ہستیاں اس آیت میں مذکور ہیں۔ اور بغیر ان کے شرک کا خیال بھی کسی کے دل میں نہیں آ سکتا۔

۴۴ - ملت ابراہیم

يَآاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَۤاءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ مَا كَانَ　۶۴　۶۵

ابراهیم یهودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما ؕ وما کان من المشرکین ۝۲ ۶۶
ان اولی الناس بابراهیم للذین اتبعوه وهذا النبی والذین امنوا ؕ والله
ولی المؤمنین ۝۵ ودت طائفة من اهل الکتاب لو یضلونکم ؕ ۶۷
وما یضلون الا انفسهم وما یشعرون ۝۶ یاهل الکتب لم تکفرون بایت ۶۸
الله وانتم تشهدون ۝۷ یاهل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل و ۶۹
تکتمون الحق وانتم تعلمون ۝۸ وقالت طائفة من اهل الکتب امنوا بالذی ۷۰
انزل علی الذین امنوا وجه النهار واکفروا اخره لعلهم یرجعون ۝۹ ولا ع ۸/۱۵ ۷۱
تؤمنوا الا لمن تبع دینکم ؕ قل ان الهدی هدی الله ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم
او یحاجوکم عند ربکم ؕ قل ان الفضل بید الله ۚ یؤتیه من یشاء ؕ والله
واسع علیم ۝۱۰ یختص برحمته من یشاء ؕ والله ذو الفضل العظیم ۝۳ ومن ۷۲ ۷۳
اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک ۚ ومنهم من ان تامنه
بدینار لا یؤده الیک الا ما دمت علیه قائما ؕ ذلک بانهم قالوا لیس
علینا فی الامیین سبیل ۚ ویقولون علی الله الکذب وهم یعلمون ۝۴ ۷۴
بلی من اوفی بعهده واتقی فان الله یحب المتقین ۝۵ ان الذین یشترون ۷۵
بعهد الله وایمانهم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لهم فی الاخرة ولا یکلمهم

۷۶ هُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ
مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ
۷۷ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ
يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ
۷۸ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
۷۹ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذَ
اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ
عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ
۸۰ ۸۱ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ
دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا
۸۲ وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
۸۳ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝٥ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا ۸۴
اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٦ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ ۸۵
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ۸۶
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٨ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۸۷
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ۸۸
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝١٠ اِنَّ ۸۹
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ
الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝١١ ۹۰

اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں جھگڑنے کا کیا مطلب۔ توریت اور انجیل کا تو ظہور ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ ۲۔ خیال کرو۔ کہ جس کا تمہیں علم تھا۔ اس کے متعلق تو تم نے جھگڑا لیا۔ اب اس میں جھگڑنے کا کیا مطلب جس کا تمہیں علم نہیں بے شک اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ ۳۔ ابراہیم نہ یہودی تھے۔ نہ نصرانی ہاں خدا کے مخلص بندے اور اس کے فرمانبردار تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔
۴۔ ابراہیم کے ساتھ حقیقی قرابت تو انہی کی ہے۔ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ نبی ہیں۔ اور حق کو قبول کرنے والے۔ بے شک اللہ مومنوں کا سرپرست ہے۔ ۵۔ اہل کتاب کا ایک گروہ تو تم کو گمراہ کرنا ہی

چاہتا ہے۔ مگر در اصل وہ خود گمراہ ہیں۔ پر سمجھتے نہیں۔ ۶۔ اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انحراف کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان کے شاہد ہو۔ ۷۔ اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ دیدہ دانستہ ملاتے اور حق کو چھپاتے ہو۔ ع ۸۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ یہ چال چلا۔ کہ اہل ایمان پر جو نازل ہوتا ہے دن چڑھے اسے مان لیا کرو اور دن کے ختم ہونے پر انکار کر دیا کرو۔ تاکہ مسلمان بھی (دیکھا دیکھی) لوٹ آویں۔ ۱۰۔ اور کہ تم کسی کی بات کو نہ مانو۔ سوائے اس کے جو تمہارے دین کا پیرو ہے۔ انہیں کہدو۔ کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ جو کچھ تمہیں ملا ہے۔ اس جیسا اور کو بھی ملیگا۔ یا وہ تمہارے خدا کے ہاں تم سے جھگڑے گا۔ یہ بھی کہدو۔ کہ فضل تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے دے۔ بے شک اللہ بڑی وسعت والا اور علیم کل ہے ۲۰۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کرے۔ واقعی اس کا فضل بڑا ہے ۳۰۔ پھر اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے۔ کہ اگر تو ڈھیروں کے ڈھیر دولت اس کے پاس امانت رکھے۔ تو وہ تمہیں لوٹا دیگا۔ اور کوئی ایسا ہے۔ کہ اگر تو ایک دینار بھی اس کے پاس امانت رکھے۔ تو واپس نہ ملے بدوں لگاتار تقاضا کرنے کے اور اس جرأت کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ اُمیوں کے ساتھ ہمارا راہ و رسم (لین دین) کیسا۔ مگر یہ وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ۴۔ ہاں جو شخص اپنے اقراروں کو پورا کرتا ہے۔ اور تقویٰ رکھتا ہے۔ ایسے متقیوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ ۵۔ تحقیق وہ لوگ جو اللہ والے عہدوں اور اپنی قسموں کے بدلے یہ بے حقیقت سے معاوضے لے لیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ قیامت کے دن خدا ان سے کلام بھی نہ کریگا۔ نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ ان کو پاک کریگا۔ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا ۶۔ اور تحقیق بعض لوگ ان میں ایسے ہیں۔ جو کتاب کے الفاظ کو بدل کر پڑھ جاتے ہیں۔ ایسے کہ تو انہیں کتاب سے ہی سمجھے۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ پس دانستہ خدا کے متعلق غلط بیانی کرتے ہیں۔ ۷۔ کسی انسان کو شایاں نہیں۔ کہ خدا تو اسے کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائے۔ اور وہ لوگوں کو یہ کہے۔ کہ تم خدا کی جگہ میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ یہی کہیگا۔ کہ تم خدا پرست بنو۔ اس لئے کہ تم کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے۔ اور اسی کو پڑھنے والے ہو۔ ۸۔ اور نہ یہ شایاں ہے۔ کہ وہ تم کو حکم دے۔ کہ فرشتوں اور نبیوں کو خداوند مانو۔ کیا وہ تمہارے فرمانبردار (مسلم) بن جانے کے بعد وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا۔ ع ۹۔ اور اللہ نے نبیوں کے متعلق عہد لیا ہے۔ کہ چونکہ میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کرتا ہوں۔ اس لئے تمہارے پاس جب کوئی ایسا مبلغ آوے۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے۔ تو تم نے اس کا کہا ماننا۔ اور اس کی مدد کرنا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا تم اقرار کرتے اور اس پر میرا عہد لیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا۔ پس شاہد رہو۔ اور میں تمہارے ساتھ ساکھشی ہوں۔ ۱۔ پس اس کے بعد جس نے اس عہد سے انحراف کیا۔ فاسق ہوا۔ ۲۔ یہ گویا دین الٰہی کے علاوہ کے خواہشمند ہیں۔ مگر جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ تو اسی دین کو مانیں گے۔ خواہ رضا و رغبت سے خواہ مجبور ہو کر اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔ ۳۔ کہو ہم تو اللہ کے دین کو مانتے ہیں۔ اور اس کو جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر اترا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں پاتے۔ اور ہم اس کے معتقد ہیں۔ ۴۔ اور جو اسلام کے سوا اور دین چاہتا ہے۔ وہ اس سے قبول نہیں ہوگا۔ وہ اپنی آخرت کو بگاڑے گا۔ ۵۔ اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت کرے۔ جو حق کو قبول کر کے اور رسول کی سچائی کو دیکھ

کر اور صاف ہدایات پاکر پھر کفر کر جاتے ہیں۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ۶۔ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے۔ کہ کیا اللہ کیا فرشتے اور کیا انسان سب کی ان پر لعنت ہے۔ ۷۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ ۸۔ البتہ بعد میں جو لوگ پچھتاویں۔ اور اپنی اصلاح کر لیں بے شک اللہ ان پر مغفرت اور رحم کرے گا۔ ۹۔ جو لوگ حق پر ایمان لا کر پھر کافر ہو جائیں۔ اور کفر میں ترقی کرتے جائیں۔ ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ اور وہی ہیں جو بھٹکا کریں گے۔ ۱۰۔ یقیناً جو لوگ کفر کریں گے۔ اور کفر کی حالت ہی میں مریں گے۔ وہ خواہ کل دنیا کے زر و جواہر کا فدیہ دیں۔ ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۱۱۔

۴۵۔ اہلِ کتاب

اَلْکِتٰب لفظ سے قرآن میں آغاز عالم والا الہام وید مراد ہے۔ جیسے وید کا مفہوم سنگھتا یا جامع علم ہے۔ ویسے ہی کتاب وہ ہے جس میں علم جمع ہو۔ اور ایسے ہی وید کی بجائے قرآن کا نام دیا ہے۔ جیسے سورہ رحمان میں انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی قرآن کی تعلیم اور دوسروں پر اس کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ یا علم بیان کے ملنے سے ظاہر ہے۔ بعض جگہ عربی قرآن سے اس کی تمیز کرانے کے لئے اسے عجمی قرآن کہا ہے۔ عجمی در اصل ویدک بھاشا کا نام تھا۔ سنسکرت میں ~~[illegible]~~ دیا اس بھاشا کو کہتے ہیں۔ جو ایشور وکت ہو۔ انسان جس کا پیدا کنندہ نہ ہو۔ اور چونکہ بعد کے نبیوں نے باہمی تعصبات سے پیدا شدہ اختلافات کو مٹانے کے لئے اسی کی صداقتوں کی اشاعت کی۔ اس لئے ان نبیوں کے پیروؤں کو بھی اہلِ کتاب کہا ہے۔ توریت اور انجیل بھی کتب مقدسہ کہی جاتی ہیں۔ مگر بہ لحاظ علم ان کو کہیں اس کتاب کا ایک حصہ یا من الکتاب کہہ کر اس کی جزوی تعلیم بتایا ہے۔ اور کہیں توریت اور انجیل کو اس کامل کتاب سے الگ قرار دینے کے لئے مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ کہا ہے۔ غرضیکہ ویدک لٹریچر میں جو پوزیشن سمرتیوں کو دی جاتی ہے۔ وہی قرآن میں توریت اور انجیل کو دی گئی ہے۔ اور چونکہ آغاز عالم والے رشیوں کے بعد کے نبیوں کو جو علم ملا۔ اور توریت انجیل وغیرہ کتب جو بعد میں شائع ہوئیں۔ ان کا انحصار اسی پہلی الہامی کتب پر تھا۔ اور توریت اور انجیل کو اسی قدیم تعلیم کا مصدق یعنی اس کے مطابق سمجھ کر مانا جاتا تھا۔ اس لئے توریت اور انجیل کے اعتقاد کی تہ میں بھی اصل اعتقاد قدیم الہام والا ہی کام کرتا تھا۔ اور انہیں اہل کتاب کہنا عین موزوں تھا۔ اس سے کچھ اخلاقی دباؤ بھی صداقت کا قایل کرانے کے لئے پڑتا ہے۔ کیونکہ خدا کی کتاب یا الہام الہی کا قایل انسان احقاق حق کے لئے خاص ذمہ واری رکھتا ہے۔ رسول صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں۔ انہیں کتاب الہی کا ایک جزو ملا۔ میں انہیں اس کامل کتاب کی طرف بلاتا ہوں۔

ان آیات میں یہود اور نصاریٰ کے نکتہ نگاہ سے بحث ہے۔ اور انہیں بھی اہل کتاب مان کر آیت ۶۶ میں قدیم الہام کو آیاتُ اللّٰہ کہا ہے۔ انہی کو حق اور ان کے ماسوائے کو باطل کہا ہے۔ اور انہی کو آیت ۷۲ میں اللہ کی اصل ہدایت کہا ہے۔ اور یہ کہنا کہ جو تمہیں ملا۔ اور کو بھی ویسا مل سکتا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسی کامل کتاب کی یہی لوئی نہ کوئی تعلیم ہر زمانہ کے لوگوں کو ملتی رہتی ہے۔ آیت ۷۸ میں اسی قدیم الہام کے لئے الکتاب لفظ ہے۔ اور اس کا علم خدا کا حکم اور نبوت کا معیار ہے۔ اور اسی کی تعلیم اور درس تدریس کے خیال سے ربانی

ہونے کی طرف اہلِ کتاب کو متوجہ کیا گیا ہے۔ پس اہل کتاب سے قائلین الہام اولین مراد ہے۔ اور اسی نکتہ نگاہ سے ہی یہاں یہود اور نصاری کو مخاطب کیا گیا ہے۔

۴۶۔ سناتن دہرم

آل عمران کو پہلی دفعات میں قدیم دہرم اور راہِ حق کا دلدادہ بتاکر موجودہ عیسائی مذہب کے اس اعتقاد کو باطل بتایا گیا تھا۔ جو کہ مسیح کی الوہیت کے متعلق عیسائیوں میں پایا جاتا ہے۔ مسیح کو ایک انسان ماننے اور اس کی الوہیت کی مشرکانہ تعلیم سے بچ کر توحید کا معتقد بننے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب ان آیات میں ملت ابراہیم کا بیان کیا گیا ہے۔ اسے آپ تمام اعتراضات سے بالاتر سمجھ کر اس پر خود معتقد اور اوروں کو بھی اس پر اعتقاد لانے کی تلقین کرتے رہے۔ یہودی لوگ کہتے تھے۔ کہ حضرت ابراہیم توریت کی ایک خاص بزرگ اور برگزیدہ ہستی اور اس کی تعلیمات کے قایل تھے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ ارے تم مانتے ہو۔ توریت اور انجیل کو۔ مگر ان کا تو ظہور ہی حضرت ابراہیم کے بعد ہوا ہے۔ اس لئے وہ ان کے قائل ہو ہی کیسے سکتے تھے۔ یہ گویا صاف ثبوت اس امر کا ہے۔ کہ آنحضرت محض اس قدیم دہرم کو مانتے تھے۔ جو توریت انجیل کے وقت سے نہیں۔ بلکہ آغاز عالم سے تعلق رکھتا ہے۔ آیات ۶۴ تا ۶۶ میں کہا۔ کہ حضرت مسیح کے متعلق تو تمہیں کچھ علم تھا۔ اور اس پر تم بحث کر سکتے تھے۔ مگر ابراہیم کے معتقدات کا تمہیں علم نہیں۔ اس لئے اس پر تمہاری رائے زنی یا بحث فضول ہے۔ وہ موحد اور حق پرست ہے۔ مشرک نہ تھے۔ مگر تم مسیح کو خدا کا شریک مانتے ہو۔ پس تمہارا ابراہیم سے کیا تعلق۔ ان کے قریبی وہ ہیں۔ جو ان کی تعلیم کو مانتے ہیں۔ اور وہ نبی یا رشی منی ہیں۔ اور اہلِ ایمان یا حق پرست لوگ۔ جن کا ولی اللہ ہے۔ پس ابراہیم کا مذہب قدیم ہے۔ وہ اللہ کی آیات پر مبنی ہے۔ اس کی تعلیم خالص حق ہے۔ وہ اللہ کی اصل ہدایت اس کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اس کے ماننے کا انسان نے فطرتاً عہد لیا ہوا ہے۔ اسی میں ملاوٹ کر کے یا اسے بدل کر انسانی مذاہب چلائے جا رہے ہیں۔ اسی کا سب رسولوں کو پرچار کرنا اور وہی سب لوگوں کو ماننا چاہئے۔ اس کے سوائے کوئی دہرم نہیں۔ اگر ماسوائے اس کے کچھ مانا جاتا ہے۔ تو وہ صحیح یا قابل قبول نہیں۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ کوئی اس اصل سچے دہرم سے انحراف کر ہی نہیں سکتا۔ رضا و رغبت سے اسے نہ مانا جاوے۔ تو جہالت پر مبنی افعال کی سزا انسان کو برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔ یہ گویا اسی قانون کا عملدرآمد اور اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ طوعاً و کرہاً انسان کو وہی دہرم ماننا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دہرم اس لئے بھی قابل قبول ہے۔ کہ اس کی جو تعلیم آج تم کو دی جاتی ہے۔ وہی ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب وغیرہ نیز موسیٰ عیسیٰ وغیرہ نبیوں کو ملی تھی۔ یعنی اس کے عالمگیر اصولوں میں بمصداق سو بیانے ایک مت کسی بھی سچے نبی کو اختلاف نہیں ہوتا۔ پس وہی اللہ کا فرمان۔ وہی ابراہیم کا دین اور وہی اسلام ہے اسی کی پیروی کرو۔

۴۷۔ تعصب پر مبنی مخالفت

آیت نمبر ۶۸ سے ایسے نظارے پیش کئے گئے ہیں۔ جو حق کی مخالفت کے متعلق ہر ریفارمر کے تجربے میں آتے دیکھے جاتے ہیں۔ اول وہ گروہ یا اہل کتاب جس کی اصلاح مقصود ہے۔ الٹا حق پرستوں کو گمراہ کرنے کے وسائل اختیار کرتا ہے۔ مگر اپنے اس عمل سے وہ خود زیادہ گمراہ ہوتے

ہیں۔ خواہ عقل پر پردہ پڑنے سے وہ اپنی گراوٹ کا احساس نہیں کر سکتے۔ دوم۔ آیات الٰہی کی صداقت کا انہیں احساس بھی ہو جاوے۔ تب بھی وہ حق کو قبول کرنے یا اس کا پبلک طور پر اظہار کرنے میں شرم محسوس کرتے۔ بلکہ ضد اور ہٹ سے انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ سوم۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ حق بدستور چھپا رہے۔ ظاہر نہ ہونے پائے۔ اس لئے وہ دیدہ دانستہ جھوٹ یا حکمت عملی کی باتوں سے حق کو غلط ملط کر دیتے ہیں۔ چہارم بعض لوگ عجیب چالیں چلتے اور دھوکے سے حق پرستوں کو اپنی طرف لوٹانے کی تجویز کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو سکھا بجھا کر سدھارک دل کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ کہ پہلے تو ان کی باتیں مان لینا اور پھر انکار کر بیٹھنا جس سے دوسروں پر کچھ اثر پڑے اور وہ تمہارے ساتھ لوٹ آویں۔ یہ نظارہ کئی جلسوں میں آج کل بھی اس صورت میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ کچھ مخالف ایک مجمع میں آئے۔ اور پھر فضول سے بہانہ سے شور مچا کر کئی اوروں کے ساتھ چل دیئے۔ پنجم۔ وہ اپنے لوگوں کو سمجھا دیتے ہیں۔ کہ جو تمہارے مذہب کا نہیں۔ اس کی نہ سننا نہ ماننا وغیرہ۔

۴۸ - دین میں ہمارا تمہارا کیا

یہ مخالفت دین میں تفرقہ پیدا کرنے والی ہے۔ بالخصوص یہ امر کہ دوسرے کی بات ماننا ہی نہیں۔ جیسا کہ آیت ۷۲ میں مذکور ہے۔ مگر رسول صاحب فرماتے ہیں ارے دین میں ہمارا تمہارا کیا۔ سچا دین محض اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اللہ ہمارا بھی وہی اور تمہارا بھی وہی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں ہدایت اللہ سے ملی ہے۔ تو کیا دوسرا یہ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اسے بھی اللہ سے ہدایت ملی ہے۔ واقعی سب کو اس کی ہدایت پر یکساں حق ہے ورنہ یہ جھگڑا ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کے علم کے تم ہی واحد ٹھیکیدار کیسے ہو سکتے ہو۔ فضل کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے یا جس پر مناسب سمجھے اپنا فضل کرے وہ تمہارا یا کسی ایک فریق کا غلام یا قیدی نہیں۔ سچا فیاض اور علیم کل خدا اپنے علم فضل اور رحمت سے سب کو فیض پہنچا سکتا ہے۔ پس مشیخت چھوڑ کر اور تعصب و طرفداری سے آزاد ہو کر کشادہ دل سے سنو۔ اور حق و باطل کی تمیز کرو۔

۴۹ - حفاظت حق کے دو عہد

آیت ۸۷ سے انسانوں کے عہد کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے مطابق کل انسان صداقت کی حفاظت کے ذمہ وار ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو نبیوں یا مذہبی ہادیوں کا عہد ہے۔ اور دوسرا عام لوگوں کا عہد۔ نبیوں کا عہد آیت ۷۸ و ۷۹ میں مذکور ہے۔ کہ وہ اہل عالم کو دین اللہ کی طرف لاویں۔ ان میں سے کوئی اپنی گدی چلانے یا لوگوں کو اپنا پیرو بنانے کا خیال تک نہ کرے۔ تاکہ نہ گورو ڈم چلے نہ خدا سے انحراف ہو۔ نہ جدا مذہب قائم ہو کر انسانوں کو باہم لڑا دیں۔ رسول صاحب اصول ہی یہ بتاتے ہیں۔ کہ خدا سے کتاب حکمت اور نبوت ملنے کا تقاضا ہی یہ ہے۔ کہ اس کا شکر بجا لاتے ہوئے اس کے دین کی تبلیغ کی جاوے۔ یہ کسی طرح شایان نہیں۔ کہ اس علم وغیرہ کی بدولت دیگیں کو اپنا غلام بنایا جائے۔ نبی جو تعلیم دیتا ہے۔ اور جو درس خود پڑھتا یا اوروں کو پڑھاتا ہے۔ یہ سب اللہ کی کتاب کا ہے۔ کسی انسان کا ذاتی نہیں۔ پس اس کے بدلے میں اپنی پوجا کرانا یا گورو ڈم چلانا نہایت ہی

قابل شرم حماقت ہے۔ نہ صرف یہ سچے مبلغ کے لئے یہ بات بھی موجب شرم ٹھہرائی گئی ہے۔ کہ وہ کسی اور نیک آدمی یا یا نبی یا فرشتے کو خدا ماننے کی لوگوں کو ہدایت دے۔ گویا عیسائی مبلغ کا الوہیت مسیح کی وعظ سنانا بھاری گناہ ہے۔ اور مسیح کو سچا نبی مانتے ہوئے قرآن کئی جگہ صاف کہتا ہے۔ اور یہاں بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح لوگوں کو اپنا پیرو نہ بنا سکتا تھا۔ وہ خدا کی طرف ہی سب کو بلاتا تھا۔ پس الوہیت مسیح کا خیال بعد کی گھڑنت ہے۔ ر واقعی اگر وعظ لوگ گورو ڈم یا مردم پرستی کی اشاعت سے اپنے عہد کو نہ توڑیں۔ تو توحید کا جھنڈا نہایت استحکام سے گڑا جاوے۔

دوسرا عہد عام انسانوں کا آیت ۸۰ میں یہ بیان کیا ہے۔ کہ جو نبی یا رشی یا سنیاسی مہاتما ان کو ہدایت دیویں۔ ان کو خلوص عقیدت سے سنیں۔ اور اس پر غور کر کے اسے مانیں اور اشاعت حق میں ان کی تن من دھن سے مدد کریں۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ اندھا دھند کسی کی کوئی بات نہ مانی جاوے۔ بلکہ اسی کی بات مانی جاوے۔ جو آغاز عالم والے کلام کی تعلیم کے مطابق کہے اور اسی کی اشاعت کرے۔ ماسوائے اس کے کو ہرگز نہ مانا جاوے۔ مطلب یہ کہ کلام الہی کو جس طرح سوامی دیانند مستند بالذات مانتا ہے۔ قرآن اس کی اسی عظمت کا قائل کراتا ہے۔ اور ہر نبی وغیرہ کا کلام کتاب الہی کے مطابق ہونے سے ہی قابل تسلیم ٹھہراتا ہے۔ مگر سوال ہو سکتا تھا۔ کہ ہر شخص یہ کس طرح جان سکتا ہے۔ کہ فلاں نبی نے جو ہدایت دی ہے۔ وہ واقعی صحیح یا قدیم تعلیم ہے۔ بے علم لوگ یہ تمیز نہیں کر سکتے۔ مگر اس آیت میں سب سے اول اسی امر کو صاف کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ کہ ہم نے تم کو کتاب بھی دے رکھی ہے۔ اور حکمت یا عقل بھی۔ اس لئے تم ہر نبی کی تعلیم کے کتاب الہی کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ اور یہ ہے بھی بالکل صحیح۔ انسان کا روح فطرتاً سچے علم کو اسی طرح قبول کرتا ہے۔ جس طرح انسانی آنکھ سورج کی روشنی کو۔ اسی کے زیر اثر انسانی عقل میں یہ خوبی ہے۔ کہ جاہل شخص بھی غور کرنے پر اپنے اندر یہ رائے قائم کر سکتا ہے۔ کہ اسے صحیح ہدایت دی گئی ہے یا غلط۔ فطرتی احساس کے علاوہ ہر انسان کے اندر علمی سنسکار بھی محفوظ ہیں۔ گو بعض صورتوں میں وہ بہت دبے ہوتے ہیں۔ تو بھی غور کرنے پر وہ ابھر آتے ہیں۔ اور ہر انسان کی اس فطرت کی زبان سے آئے دن ہم فیصلے سنتے ہیں۔ کہ جو کچھ سنایا گیا ہے۔ وہ صحیح ہے یا غلط۔ آریہ جاتی میں قدیم رشیوں کی طرح باریک مضامین کو سوچنے و سمجھنے کا رواج کم ہو گیا ہے۔ حتے کہ بت پرستی جیسی صاف گناہ آلود خرابی کو بھی محسوس نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ اسے وید کا حکم سمجھا جاتا تھا۔ سوامی دیانند نے جب وعظ سنایا۔ تو جاہل لوگ بھی اپنی ضمیر کی یہی شہادت پاتے۔ اور علی الاعلان کہتے تھے۔ کہ بت پرستی واقعی وید کے خلاف ہے۔ ان کا یہی فیصلہ قابل خیال نہیں بلکہ روح۔ مادہ۔ ایشور۔ نجات۔ وغیرہ کے باریک مضامین پر ان پڑھ لوگوں تک کے باہمی چرچے بھی یہی یقین دلاتے ہیں۔ کہ کتاب الہی جو آغاز عالم سے ملی ہے۔ اس کی تعلیمی یادداشتیں بھی ان کے اندر موجود ہیں۔ اور عقل بھی برابر حق و باطل میں تمیز کر رہی ہے۔ پس قرآن مدلل طور پر جواب دیتا ہے۔ کہ کل انسانوں کو حق کو سمجھنے کی طاقت حاصل ہے۔ اس آیت کے اخیر میں اس فطرتی عہد کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ کہ خدا روح کو فرماتا ہے۔ کیا تم اس عہد کو قبول کرتے ہو۔ روح کہتا ہے ہاں میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ خدا کہتا ہے شاہد رہو۔ یعنی اس عہد کو مت بھولو۔ اور میں تمہارا ساتھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کا بھی خیال رکھو۔ غرضیکہ نبی لوگ حق کی ہدایت دیں۔ اور عام لوگ پھر وید ادھیائے

منترہ والے عہد کو یاد رکھیں۔ کہ ہم جھوٹ کو ترک اور سچ کو قبول کرتے رہیں گے۔

۵۰ - عہد شکنی

آیت ۸۱ میں ان لوگوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ جو اس عہد کو ایفا نہیں کرتے اور آیت ۸۵ تا ۸۷ میں ان لوگوں کی تقدیر کا بیان کیا ہے۔ کہا ہے۔ کہ ان لوگوں نے بینات یعنی صاف اور سچی تعلیمات کو سنا۔ رسول کے وعظ کو سچ سمجھا۔ اور اس پر ایمان لائے۔ اس پر بھی اگر وہ پھر کفر یا شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تو وہ ہدایت کے مستحق نہیں رہتے۔ ان کی سزا یہ ہے۔ کہ اللہ اور نیک عالم لوگ اور تمام انسانوں کی ان پر لعنت ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی تو وہ رحمت کے مستحق نہیں رہتے۔ اور کیا عالم اور کیا عام لوگ سب ان کے متعلق بری رائے قائم کرتے یا ان سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ وہ دیر پا دکھ اور سخت سزا پاتے ہیں۔ بغیر سزا بھگتے ان کا چھٹکارا ہو نہیں سکتا۔

۵۱ - توبہ

مشہور ہو رہا ہے۔ کہ توبہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور یہ اصول جو اسلام سے منسوب ہے۔ اس وید کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جو جیسا اور جتنا فعل کرے وہ اتنا ہی اور اسی کے مطابق معاوضہ بھگتنے کا لازمی طور پر پابند ہے۔ مگر آیت نمبر ۸۸ کو دیکھیں۔ تو توبہ سے گناہ کی معافی ہونے کی بات ہی سراسر غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ "اَلَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" ۵۹ جو اس کفر سے پچھتائے اور اپنا سدھار کرے۔ اسے خدا اپنے رحم و انصاف سے محفوظ کر لیتا ہے۔ سو یہ وہی تعلیم ہے۔ جو ویدک ہے۔ سزا کی غرض سدھار ہے۔ جو انسان پچھتاتا ہے۔ وہ گویا پچھتاوے کی شکل میں سزا بھگتتا ہے۔ اور جب سزا بھگتی تو معافی کہاں رہی۔ اس کے علاوہ جس نے کوشش کی اور آئندہ کے لئے سدھر گیا۔ اس نے اپنے کئے کا معاوضہ بھی بھگت ہے۔ اور اب کفر سے جتنی پہلے محبت تھی۔ اس سے زیادہ اس کے دل میں نفرت موجود ہے۔ پس ایسی توبہ گناہ کی معافی کو ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ ویدک دعا کی قبولیت ہے۔ کہ ہے پرمیشور

ہماری برائیاں دور ہوں یا ہمارے پاپوں کو ہم سے دور کرو۔ اگر انسان پچھتائے نہیں۔ اور کفر کے ہی کام کرتا جائے۔ تو ایک نہیں لاکھ بار توبہ کرے۔ آیت ۸۹ کے مطابق ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اور "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ" کے مطابق وہ آواگون میں بھٹکنے والا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ آیت نمبر ۹۰ میں کہا ہے۔ کہ ایسے فاسق یا کافر مرتے ہوئے توبہ تو کیا کل دنیا کی دولت بھی فدیہ میں دے کر بچنا چاہیں تو نہیں بچ سکتے۔ کوئی بھی طریق نہیں جس سے یہ عذاب دردناک سے بچیں۔ نہ کوئی رشتہ دار ان کے ساتھی ہو سکتے ہیں نہ مددگار۔

۵۲ - اہل کتاب اور امی لوگ

آیت ۷۴ میں ہے۔ "لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ"۔ اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جاہلوں کا حق لینے میں ہم سے بازپرس نہ ہوگی۔ یا ہم پر امیوں کے بارے میں کوئی راہ نہیں۔ مطلب یہ کہ امی یا جاہل لوگوں کی کوئی امانت ہضم کر لیں۔ تو ہم پر الزام نہیں آ سکتا۔ اگر امی لفظ سے مراد فی الحقیقت جاہل یا ان پڑھ ہی ہو۔ اور اس کی امانت کوئی نہ دے۔ تو بھی امانت میں خیانت کرنے کے الزام سے کوئی سرکار یا کوئی مذہب یا برادری اسے بری نہیں کر سکتی۔ پس یہ مفہوم لینا سراسر غلط ہے۔ اصل بات

یہ ہے۔ کہ اہل کتاب اور مصلح لوگوں کے متعلق مضمون چل رہا ہے۔ ان آیات میں ان لوگوں کو جو الہام الٰہی کو مانتے ہوئے بھی اس کی اصل تعلیم سے منحرف ہو رہے ہیں۔ اہل کتاب کہا گیا ہے۔ جیسے آریہ جاتی کے وید کو ماننے والے ہندو ہیں۔ اور امی لوگ یہاں ان کو کہا ہے۔ جو آنحضرت کی طرح ام الکتاب (وید) کے معتقد اور اہل کتاب کو سدھارنے میں آنحضرت کے معاون ہیں۔ اپنے ملک میں آج کل آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا کی دو سوسائیٹیاں عرب کے اُمی لوگوں اور اہل کتاب کی ہی شکل ہیں۔

اگر یہاں قرآن کا مطلب امی لوگوں سے ان پڑھ جاہلوں کا ہوتا تو اہل کتاب امی لوگوں کے مخالف فریق کا نام نہ ہوتا۔ کیونکہ خود اہلِ کتاب میں بھی ان پڑھ لوگ بکثرت تھے۔ اور اس صورت میں نہ مذہبی مقابلے کا تعلق ہوتا۔ نہ قرآن میں اس کے بیان کی ضرورت رہتی۔ پس اہلِ کتاب اور امی لوگ دو بالمقابل مذہبی فریق ہیں۔ آنحضرت اہل کتاب کے متعلق سمجھاتے ہیں۔ کہ یہ سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں بعض بڑے بڑے ایماندار ہیں۔ ایسے کہ اگر تو ان کے پاس ڈھیروں کے ڈھیر سونا وغیرہ امانت کے طور پر رکھ دے۔ اور کوئی تحریر یا شہادت نہ ہو تو بھی تو جب چاہے اپنی دولت کو ان سے واپس لے سکتا ہے۔ کیا مجال کہ ذرا سی بھی خیانت یا بددیانتی کا ان سے ارتکاب ہو۔ لیکن ان کے ساتھ ہی ان میں ایسے بھی ہیں۔ کہ ایک دینار کی امانت پر بھی ان کی نیت بدل جاوے۔ یا وہ واپس چاہنے پر بہانہ بازی سے ٹالتے جاویں۔ بلکہ مکر بھی جاویں۔ اور اس دلیری کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تمہارا ہمارا تعلق کیا۔ تم ہمارے مخالف فریق ہمارے پاس امانت تم کیسے رکھ سکتے تھے۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔ ایسی حُجّت بازی اور جھوٹ سے وہ دیدہ دانستہ کام لیتے ہیں۔ اور اپنا نقصان کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا انہی سے پیار کرتا ہے۔ جو اپنے قول و قرار کے پکے۔ اور اس کا خوف دل میں رکھنے والے ہیں۔ اور آیت ۷۶ میں کہا۔ جو لوگ ان معمولی رقموں کو مارنے کے لئے بدنیت بن جاتے۔ اور قول و قرار کو نظر انداز کر کے قسمیں تک کھا جاتے ہیں۔ وہ اپنی ہی عاقبت کو بگاڑتے اور خدا سے نفرت کئے جاتے اور دکھ ہی دکھ پاتے ہیں۔ جہاں مال و دولت کے بدلے یہ بددیانتی ہے۔ وہاں مذہبی بحث مباحثے میں بھی ان کی چالاکیوں کا پول کھولا گیا ہے۔ کہ اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتاب کے الفاظ کو بدل کر پڑھ جاتے ہیں۔ جس سے کتاب کے اصل مدعا سے الٹا ہی مفہوم لوگوں کے ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ اور جو بات خدا کی طرف سے نہیں۔ وہ خدا سے منسوب کر دیتے ہیں۔ آیت ۷۷ تک ان کی ایسی کارستانیوں کا ذکر کر کے آیت ۷۸ میں ان کے عمل پر اظہار افسوس کیا ہے۔ کہ خدا نے انہیں علم حکمت اور نبوت دی۔ اور یہ کتاب الٰہی کو ہی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ مگر غلط بیانیاں کر کے خدا کی طرف لوگوں کو چلانے کی بجائے انہیں اپنے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ غرضیکہ اہلِ کتاب محض کتاب الٰہی کے منحرف معتقد ہیں۔ اور امی لوگ اُم الکتاب یعنی وید کے معتقد اور مصلح لوگ ہیں۔ یہ لوگ امت محمدی میں ہیں۔ اور ان کو ان پڑھ یا جاہل کہنا کل امت کی توہین بھی ہے۔ اور واقعہ کے بھی خلاف۔ کیونکہ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہی زیادہ تر آنحضرت کی سچی تعلیم پر ایمان لاتے تھے۔ یہ قرآن کے کئی مقامات سے ثابت ہے۔ بعض مفسرین یہاں امی سے مطلق اہل عرب کی مراد لیتے ہیں۔ سو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل عرب تمام ان پڑھ تھے ہی نہیں۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ امی ان مسلمانوں کو کہتے تھے۔ جو پہلے مشرک تھے۔ اور اہل

کتاب یعنی یہودیوں وغیرہ سے لین دین کرتے تھے۔ مگر جب وہ مسلمان ہو گئے۔ تو یہودیوں نے کہا۔ ان کے مرتد ہونے سے ہم پر اب مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ مسلمان ہونے پر ان کو امی کیوں کہا گیا جب ان پڑھ ہونے کے لحاظ سے یہاں امی کہنا قابل قبول نہیں۔ نہ سب لوگ ان پڑھ تھے۔ بس اصل حقیقت لازمی طور پر محض وہی ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ کہ ام الکتاب وید کے ماننے والے آنحضرت نے جن لوگوں کو ام الکتاب کی دعوت دے کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ بھی امی کہلائے۔

۵۳۔ اسلام ہی ملت ابراہیم ہے

آیت ۸۱ و ۸۲ میں کہا ہے۔ کہ عہد حق سے منحرف لوگ فاسق ہیں۔ ان کا عمل انہیں دین غیر حق کا متلاشی بناتا ہے۔ لیکن کوئی کتنا ہی کرے۔ اس کل جہان میں دین الٰہی کے بغیر اسے سچا دین ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی کے قانون کا سب پر عملدرآمد ہے۔ اور بغیر اس کی طرف آئے اطمینان ملنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے آیت ۸۳ میں یہ ہدایت ہے۔ کہ اگر کوئی پوچھے تمہارا دین کونسا ہے۔ تو کہو۔ ہم تو اللہ کے دین کو مانتے ہیں۔ یہی ہم پر خدا کی طرف سے ظاہر ہوا ہے۔ یہی ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق یعقوب۔ آل یعقوب نیز موسےٰ عیسےٰ اور دیگر نبیوں کا واحد دھرم ہے۔ ہمیشہ سے سب نیک لوگ اسی کو مانتے آرہے ہیں جنہوں نے اس کو چھوڑا اور مذہب اختیار کیا۔ آخرت کو بگاڑ بیٹھے۔ اور راہِ ہدایت سے دور چلے گئے اس طرح سچے دین کی عظمت واضح کرنے کے بعد آیت ۹۴ میں کہا گیا ہے۔ کہ خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے۔ کہ سچائی خدا کی ہے۔ انسان کی نہیں۔ اور اس خدا کی صداقت کو ہی حضرت ابراہیم نے مانا۔ اور اہل عالم میں پھیلایا تھا۔ کسی طرح کے بھی شرک کا ان سے تعلق نہ تھا۔ وہ خالص توحید کے قایل اور ایک خدا کے پرستار تھے۔ اس لئے سب لوگوں کو ملت ابراہیم یا دین اسلام پر ہی چلنا چاہیئے۔ ستیارتھ پرکاش کے آخر میں سوامی دیانند کے منتو یا منتویہ پر غور کرنے والا ہر شخص آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ ازلی ابدی عالمگیر اور سچے ویدک دھرم کو ہی برہما سے جیمنی تک سب رشیوں منیوں کے ماننے کا جو ذکر ہے۔ وہی قرآن میں ان آیات میں مذکور ہے۔ وہی ہمیشہ سچا اور قائم اور وہی ملت ابراہیم یا سچے معنوں میں دین اسلام ہے۔ نہ کہ یہود و نصاریٰ کے نئے پنتھ۔ یہی کچھ سورۃ الانعام آیت ۱۶۲ میں لکھا ہے۔ کہ جو لوگ فرقہ فرقہ ہو گئے۔ یعنی مت متانتر میں چلے گئے۔ تیرا ان سے کیا تعلق۔ تو کہدے۔ کہ مجھے خدا نے صراط مستقیم یعنی دین قیم یا ملت ابراہیم کی روشنی دکھادی ہے۔

۵۴۔ خاتمہ اور ویدک دھرم کی عظمت

پارہ الم کے خاتمے پر ویدک دھرم کی عظمت بیان ہوئی دوسرے پارے کا خاتمہ بھی سچے دھرم کی فتح کے بیان کے ساتھ ہوا جسمیں دھرم کے وکیل طالوت اور اس کے ساتھیوں کو جالوت پر کامل فتح نصیب ہوئی اور اس تیسرے پارے کے آخر میں بھی سچی ہدایت اور کامیابی کو ویدک دھرم سے ہی وابستہ کیا ہے۔ کیونکہ ملت ابراہیم کو جیسا کہ کئی جگہ ثابت ہو چکا۔ آنحضرت نے آغاز عالم سے یا سناتن دھرم ہی مانا ہے۔ اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ صراط مستقیم۔ دین قیم۔ ملت ابراہیم اور ویدک دھرم سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ برخلاف اس کے توریت اور انجیل کا ابراہیم سے پیچھے ظہور مانکر اور ان میں جزوی علم بتاکر کامل ویدک دھرم کی طرف دعوت دینے کو اپنے تبلیغی کام کی خلعت

خوبی بتایا ہے۔ اور محض توریت و انجیل ہی نہیں کل مذہبی کتب کی پیروی سے باز رکھکر وید کو ہی انسانی جماعت کے لئے واحد قابل فخر کتاب قرار دیا ہے۔ وہ اس امر پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ قدرتاً اور فطرتاً ایک ہی امت یا دھرم ہونے کے باوجود لوگ مختلف مذاہب میں منقسم ہو رہے ہیں اور ہر مذہب کے پیرو اپنی خاص مروجہ کتب پرست ہو رہے ہیں۔ وہ جابجا مختلف نبیوں کے متعلق یہی ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک ہی دین الہیٰ یا قدیم سچائیوں کی اشاعت کی۔ مگر اُن کے ناخلف جانشین کتاب الہیٰ یا وید کے پڑھنے پڑھانے اور سچ کی اشاعت کرنے کے عہد کو بھول کر ناچیز دنیوی دولت کے پیچھے پڑ گئے۔ عاقبت یا پرلوک کی بہتری کیلئے سچے سنسکاروں کا جو توشہ جمع کرنا چاہیئے۔ اسے چھوڑ کر نفسانی خواہشات اور ناپائدار سامانوں کے بدلے دھرم کو بیچ رہے ہیں۔ اس اظہار افسوس کے ساتھ وہ اپنا مشن ہی بتاتے ہیں کہ جس ویددھرم کو چھوڑ کر مت متانتر چلائے گئے ہیں۔ میں اسی کی اشاعت کروں میرے لئے یہی ربانی حکم ہے۔ آپ انسانی خیالات کی پیروی کو موجب گمراہی قرار دیتے اور الیشوری گیان وید کو امراض قلبی کی دوائے اکسیر اور ہدایت و رحمت الہیٰ بتاتے ہیں۔ اسی کو مضبوطی سے گرہن کرنیکی ہدایت کے ساتھ بہ زور اعلان کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی کا کوئی اور مذہب بارگاہ الہیٰ میں مقبول نہ ہوگا۔ قدیم دھرم سے انحراف کرتے والوں کو وہ بے عقل۔ ہدایت سے محروم۔ اللہ۔ فرشتوں اور کل انسانوں کی لعنت نیز عذاب اور دُکھ کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اور گو غلطی یا کُفر پر پچھتا کر اپنا سدھار کرنے والوں کو بھی خُدا کی مغفرت اور رحم کا یقین دلاتے ہیں۔ تو بہی حق کو قبول کرکے پھر اپنی خودغرضی وغیرہ سے گمراہ ہونے اور کُفر میں ترقی کرنے والوں کی توجہ کو بھی ناقابل قبول اور انھیں آواگون میں بھٹکنے والے کہتے ہیں نہ صرف یہ اہل کُفر کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تمھارا سزا سے بچنا ناممکن ہے الیشور کے ہاں نہ کسی کی سفارش چل سکتی ہے نہ رشوت حتےٰ کہ اگر کوئی کل دُنیا کا سونا بہ طور فدیہ دے کر اُس کے عوض میں سزا سے بچنا چاہے تو بھی بچ نہیں سکتا۔

خلاصہ مطلب یہ کہ پوری تحقیقات اور تجسُّس سے حق کو قبول کرنا اور اسی سچائی پر عمل کرنا ہی کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ اور سچائی کا علم حاصل کرنے کے لئے الیشوری گیان کی شرن لینا ضروری ہے لہٰذا سچے عالموں کا مقدم فرض یہی ہے کہ الہامی علم کی روشنی سے اپنے تئیں اور اپنے بھائیوں کو فیض پہنچاتے جاویں۔ جس سے ہر قسم کی جہالت تمام انسانی مذاہب والی تفریق اور دُکھوں کا خاتمہ ہو کر سچی وِدیا کی روشنی پھیلے اور ایک نا تبدیل ازلی ابدی عالمگیر الیشوری دھرم میں کل انسان متحد ہو سکیں اور اطمینان قلب حاصل کر سکیں

خاتمہ پارۂ سوئم

ہندو مسلم اتحاد اور علمی جہاد

۱۔ اتحاد کا صحیح مفہوم

اتحاد، اتحاد کی پکار تو بہت ہوئی۔ مگر باہمی کشیدگی کم نہ ہوئی۔ اسلئے کہ نہ اصل مرض کی تشخیص ہوئی نہ صحیح علاج کی تخصیص۔ لفظی چھو منتر یا شتر بیتر کی ریتلی دیوار پر قصر اتحاد تعمیر ہوتا ہے جسے ہر بار معمولی سی ہوا کا جھونکا اڑا دیتا ہے۔ لہٰذا علمی جہاد کی مضبوط بنیاد از بس ضروری ہے۔

وید مقدس کا فرمان ہے کہ دلوں سے اختلافات کی تاریکی کا دور ہونا اور خیال اقوال اور افعال کی یگانگت ہونا ہی اتحاد ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہی تعریف اتحاد کی کہ خدا دلوں کو مستقل روشنی دے اور اختلافات نہ رہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ خدا اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا مطلب یہ کہ دلوں کے ملنے کا نیم لازمی ہے۔ بغیر اس کے اتحاد ناممکن ہے۔

۲۔ پارٹی لیڈر

ہندو یا مسلم لیڈر جو اپنے اپنے فریق کو دوسرے کے خلاف مضبوط اور منظم کرنے میں مصروف ہیں۔ دھرم یا دین اور ملک یا قوم کے دانا دوست نہیں۔ انکا واقعات کی متعصبانہ تاویل سے دلوں میں مخالفانہ جوش بھرنا اور بزرگوں کے تاریخی واقعات اور منتقمانہ جذبات کی آڑ لینا نفاق کی خلیج کو وسیع کرتا ہے۔ گویا دبی مشکل در پیش ہے کہ حامیان اتحاد کو دلوں کو ملانے کا خیال نہیں۔ اور پارٹی لیڈر آتش نفاق پر تیل ڈال رہے ہیں۔ وید بزرگوں سے ہمارا یہ تعلق بتاتا ہے کہ ہم ان کی سی عقل سلیم کے لئے دعا اور کوشش کریں جنھوں نے دنیا کو فیض پہنچایا۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ تمہارے وہ بزرگ گذر گئے اور اپنے وقت میں عملی تباہ گئے۔ ان کے عمل ان کے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ تم سے یہ نہ پوچھا جائیگا کہ تمہارے بڑے کیا کرتے تھے، ساتھ ہی جو اذیتیں دوسرے لوگوں سے ملتی ہیں وہ خساست اعمال با صورت ناور گرفت کے مطابق الشوری انصاف کے ہمارے اعمال کی سزا ہیں۔ اور اس لحاظ سے تاریخی واقعات بھولنے بھلانے کی چیزیں ہیں۔

رام نے راون کو ہندو یا مسلمان ہونے سے تباہ نہیں کیا۔ کورو پانڈو خون کی ندیاں بہا گئے۔ عرب شام وغیرہ میں خود مسلمانوں میں جنگ اور کثرت خون ہوئے۔ بڑے بڑے با اقتدار خلیفے تک سازش سے قتل ہوا کئے حسنؓ حسینؓ کا واقعہ کربلا اپنی غیر معمولی سنگدلی کیلئے کسی ہندو کو متہم نہیں کرتا۔ ایسے تاریخ بذات خود رنگ آمیزی کا شکار ہونے سے بھروسے کی چیز ہی نہیں سیواجی اور افضل خاں کی ملاقات سے توقع تو تھی کچھ اور لیکن ہوا افضل خاں کا قتل۔ اب ایک مورخ کہتا ہے سیواجی نیتا تلوار ساتھ لے گیا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ تلوار افضل خاں کی تھی سیواجی نے اس سے چھین کر اُسے مارا اور اپنے تئیں بچایا پس دونوں باتیں ثابت ہیں کہ دلوں سے ملے بغیر نمائشی ملاقات بھی خطرناک ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ تاریخ بذات خود مشتبہ ہے۔

دھرم یا مذہب جنگ یا خونریزی کا موجب نہیں۔ بلکہ دھرم سے باغی فعل مختار انسان ہی اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ سچے رشیوں یا سنیاسیوں کا سب سے افضل ہتھیار اہنسا اور پریم ہے۔ دیانند نے اپنی جان گنوائی۔ اور اپنے قاتل کی جان بچائی۔ منوسمرتی میں کھشما کو دھرم کا خاص لکشن کہا گیا ہے۔ اور قرآن مجید بھی اتحاد کے لئے یہ لازمی شرط بتاتا ہے۔ سورۃ التغابن آیت ۹ میں سنہری حروف میں لکھی جانے کے قابل ہدایت ہے۔ کہ جس دن خدا تمہیں زمانہ اتحاد دلانے کیلئے جمع کریگا وہ دن تغابن کا ہوگا یعنی درگذر کرنے یا زیادتیوں کے متعلق غم کھانے یا (For give & For get) کی نیتی پر عمل کرنے کا ہوگا مگر افسوس خود گمراہ پارٹی لیڈر الٹا راستہ دکھا رہے ہیں۔

۳۔ خاص سبق

اپنے ملک کی تاریخ سے اگر کوئی صحیح سبق اخذ کیا جاسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اپنے فریق کو مضبوط اور منظم کرنا۔ الٹا اور خطرناک علاج ہے۔ یہ نسخہ بار ہا آزمایا اور مرض کے بڑھنے کا موجب پایا گیا ہے۔ آج ایک فریق اپنی فتح سمجھا کل دوسرا فریق پُرزور تیاری کر کے دفعۃً پُرجوش انتقام لینے کے لئے چڑھ آیا۔ یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم کے بعد انٹرنیشنل لیگ بنی۔ سب نے فوج اور اسلحہ کی کمی کا عہد کیا۔ مگر ہر ایک کو خیال ہوا کہ اگر میں پابند رہا اور دوسرے خفیہ خفیہ طاقت بڑھا گئے۔ تو میرا ٹھکانا کہاں۔ لہٰذا سب نے طاقت بڑھالی۔ اور آخر اسی کے غرور سے میدان جنگ میں کودے ہیں۔ اسی طرح پارٹی لیڈروں کا عمل جہاں بھی نہ ہوتی ہوئی خانہ جنگی کرا کر ہی رہیگا

۴۔ اصل مرض اور صحیح علاج

ظاہر ہے کہ اصل مرض دلوں میں ہے اور اس کا علاج مذہبی تفریق کو مٹانا ہے۔ جس کا واحد ذریعہ علمی جہاد ہے اور یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ وید اور قرآن جن پر انتہائی حسن عقیدت فریقین کا قائم ہے۔ تعلیمات کے لحاظ سے بالکل ایک جان ہیں۔ وید اور قرآن کی ضخیم تصنیف۔ اخباری مضامین۔ لیکچر۔ ہینڈ بل۔ ٹریکٹ مباحثہ ہر طریق سے یہ پوزیشن فریقین کے سامنے پیش کی جارہی ہے پس جب وید اور قرآن یک جان ہیں تو ہندو مسلمان جدا کیسے رہ سکتے ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ پہلے سے موجودہ کشیدگی کے زیر اثر رونما ہونے والے ناخوشگوار واقعات کا سلسلہ منقطع ہو۔ یہ کام پارٹی لیڈروں اور مذہبی علماء کی کوشش سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے حق پرست، علم دوست اور خدا پرست مذہبی علماء اور لیڈروں سے خاص طور پر گذارش ہے کہ وہ اس مبارک ترین مشن کے پرچار اور اس کے متعلقہ لٹریچر کی اشاعت میں خاص تعاون فرمادیں۔ ایشور کرے کہ ہم سب علمی اور عقلی طاقت کا صحیح استعمال کر کے انسانی جماعت کے مستقبل کو روشن کرسکیں۔ ادم شم

علمی جہاد کی ابتدائی ضروریات

اس جہاد کی غرض سچا اتحاد قائم کرنا ہے یا خیالات کو خالص اور عالمگیر صداقتوں کے سانچے میں ڈھالنا جو دو ذریعوں سے ہو سکتا ہے تقریر اور تحریر۔ تقریر کا اثر مسلمہ ہے۔ اسی کی بدولت ہزارہا اور لاکھوں انسان نئی سے نئی تحریکوں کی لہروں میں بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سچا اپدیش پا کر یہاں راج پاٹ اور راج کماروں و راج کماریوں تک کو دھرم کی ویدی پر بلیدان کیا جاتا رہا ہے۔ آغاز عالم سے ملا ہوا الہامی علم اور رشیوں کے شاستر وغیرہ۔ ضبط تحریر میں نہ آئے ہوتے تو انسانی جماعت کی بار بار کی گراوٹ کے موقعہ پر آغاز عالم والے انسانی مزاج کا پھر پھر بول بالا نہ ہوتا نہ ترقی اور سکھ کے درشن ہوتے۔ تحریری زبان کی غیر محدود علاقوں زمانوں اور انسانوں تک رسائی پا کر ہی شہید اکبر پنڈت لیکھرام نے وصیت کی تھی کہ آریہ سماج سے تحریر کا کام بند نہ ہو اور اسی صداقت کا احساس کر کے میں نے "وید اور قرآن" جیسی ضخیم کتاب کو احاطہ تحریر میں لانا اپنا فرض سمجھا ہے لیکن تحریری محنت اور کوشش بے سود ہے اگر دستی لکھا مسودہ پریس کے ذریعہ پبلک تک نہ پہنچے وید اور قرآن کی باہمی مطابقت یا آریوں اور مسلمانوں کا ملاپ انسانی جماعت کے لئے وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جو کل دنیا کی دولت کیا اس سے دوگنی دولت سے بھی خریدی جا سکے تو اسے ارزاں ترین سودا سمجھا جائے ایسی حالت میں اس مشن کی ابتدائی ضروریات کی طرف اہل ملک کی پوری توجہ ہونے میں ذرا بھی تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

وہ ابتدائی ضروریات کیا ہیں؟ اول کم سے کم پانچسو اردو اور پانچسو ہندی وید قرآن کے ایسے گراہک بننا جو پندرہ (۱۵) پیشگی ارسال فرما کر اپنا نام رجسٹر کرائیں اس سے ایک طرف پندرہ روپیہ کا منافع بھی ہے کیونکہ اصل قیمت ۳۰ ہے دوسرے اس مبارک مشن میں مالی مدد ہوگی۔ دوم کاغذ کی غیر معمولی گرانی کا اثر اس کی اشاعت میں تاخیر نہ کر سکے اسکے لئے دس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے میں سے محض اڑھائی ہزار روپیہ کی امداد دانی اصحاب سے ملنا۔ باقی دھن کتاب کی فروخت سے ساتھ کے ساتھ مل سکیگا۔ سوم خاص مستحق ہندو مسلم علماء کو وید اور قرآن نیز دیگر ضروری ٹریکٹ مفت بہم پہنچانے کیلئے اڑھائی ہزار روپیہ کی امداد۔

مصنف کی خدمات کسی ذاتی غرض پر مبنی نہیں۔ وہ عرصہ دس سال سے عزلت گزینی یا گوشہ نشینی اختیار کئے شبانہ روز کی محنت سے اس مشن کی تکمیل میں کوشاں اور دست بدعا ہے اور آئندہ بھی اسکی کسی ذاتی غرض کا ایشور کرپا سے اس کام سے سروکار نہ ہو یہی اسکی خواہش ہے وہ اپنے تئیں خوش نصیب سمجھیگا اگر خلوص دل سے مذکورہ بالا ضروریات کو پورا کر کے اسے موقعہ دیا جائیگا۔ کہ وہ آئندہ چند ہی ماہ میں اردو ہندی کے ایڈیشن مکمل صورت میں جنتا کی نذر کر سکے۔ وہ ان اصحاب کا شکر گذار بھی ہوگا۔ جو اپنی دماغی قابلیت سے تعاون فرماتے ہوئے اس امر کے متعلق قیمتی رائے دیں گے کہ کس موثر اور بہترین فیصلہ کن طریق سے سرنے سبھا بلا کر فریقین کی مشہور شخصیتوں اور پنڈتوں اور علماء کی موجودگی میں علمی اتحاد کا افتتاح کیا جا سکتا ہے جس سے آریہ اور مسلم سبھائیں اور انجمنیں صحیح معنوں میں اس کام کو اپنا کر مصنف کو سبکدوش کر سکیں۔

لکھشمن آریوپدیشک آریہ سماج برلا لائنس دہلی